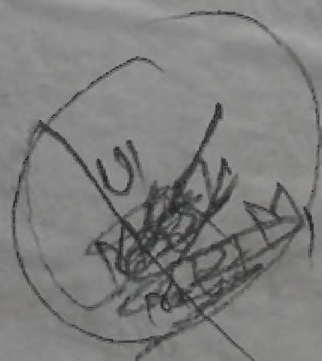


U1
An 32m



TITLE عربی (اسی)

MUST BE CHECKED AT THE TIME OF ISSUE

ALLAMA IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR

Acc. No. _____ Call No. _____

1. This book should be returned on or before the last date stamped.
2. Overdue charges will be levied under rules for each day if the book is kept beyond the date stamped above.
3. Books lost, defaced or injured in any way shall have to be replaced by the borrower.

Help to keep this book fresh and clean

مراتی تہذیب

۱۲۱۲۸۵

مراتی تہذیب

جلد دوم

جناب میر میر علی صاحب انیس مرحوم و معذور کی متوسط عمر کا کلام
یعنی

جناب میر میر علی صاحب انیس لکھنوی مرحوم و معذور کی متوسط عمر کا کلام

مؤتبہ

مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی المصطفیٰ بہ نواب حیدر آباد جنگ

دلیف خواہ پروغیر نظام کالج حیدر آباد دکن

باہتمام نظام الدین حسین نظامی دہلوی

نظامی پریس دہلی میں طبع ہوا

۶۱۹ ۲۲

جلد ۵۰۰

بار اول

کتاب

۱۱

۵۵۵

عنوان

تذکره
۲۸

مراتی انیس جلد دوم

خدا کا شکر ہے کہ میرا انیس کے کلام کی آج دوسری جلد جامیان اردو ادب کے اکتوں تک پہنچتی ہی پہلی جلد میں میرا صاحب کی ہاٹ ٹون تصویر اور ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ لیکن یہ جلد اس سے محروم ہے۔ البتہ اس جلد کے آخر میں مولینا طباطبائی صاحب کا لکھا ہوا ایک خاتمہ ہے جس کو ختام المسک کے عنوان کے ذیل میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اُس نے اس جلد دوم کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔ میرا صاحب نے کم و بیش اٹھ سال کی عمر پائی تھی۔ مولینا طباطبائی نے ان کے کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلی جلد میں سب سے آخری زمانہ کا مشاقہ کلام شامل ہو چکا ہے۔ اس دوسری جلد میں متوسط عمر کا کلام آپ کے ملاحظہ سے گزرے گا۔ یہ کلام ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۵۲ھ تک کے زمانہ کا ہو سکتا ہے۔ تیسری جلد میں جو زیر ترتیب ہے ابتدائی دس سال یعنی سوٹھویں سال سے پچیسویں سال تک کی عمر کا کلام ہو گا۔ بہر حال یہ متوسط عمر کا کلام جو اس دوسری جلد میں شامل ہے ۱۳۵۲ھ سے پہلے کا کلام ہے اور یہ زمانہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ واجد علی شاہ اور ان سے قبل امجد علی شاہ اودھ کے تخت کو رونق دے رہے تھے اور اردو شاعری کا دور دورہ تھا۔ اگر اس وقت لکھنؤ میں انیس و دبیر جیسے استادان فن اردو کو چار چاند لگا رہے تھے تو اُدھر دہلی میں غالب، ذوق و مومن جیسے قادر الکلام شعرا اردو ادب کی محفلوں کو گرا رہے تھے۔ آج جب کہ اس زمانہ کو ساٹھ ستر سال گزر چکے ہیں وہ محاورات جو میرا انیس کے زمانہ تک فصحا کے کلام میں داخل تھے مثلاً۔ جاگہ۔ جائے۔ جایا۔ بہنا۔ تلے۔ ہات۔ لال۔ روکیو۔ جانیو۔ کیجو۔ کیو۔ ڈوباؤ۔ جیوں۔ سو۔ ہیگا۔ اسواری۔ سسر۔ بن۔ وغیرہ فصیح اردو کے لیے موجب غار سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن کون جانتا ہے کہ آج کے فصیح محاوروں پر کل کیا گزرے گی ہمیں سچے دل سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میرا صاحب نے اردو پر جو احسان کیا ہے اس سے موجودہ اور آئندہ نسلیں سبکدوش نہیں ہو سکتیں۔

۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۱۲ شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۳۹۱ھ میں انتقال ہوا۔

نظم رزمی کے سب سے زبردست کارنامے زبان فارسی میں شاہ نامہ فردوسی و سکندر نامہ
نظامی ہیں لیکن میر صاحب کا ہر مرثیہ اس میدان میں سب سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ میر صاحب
کے ان جواہر پاروں کو اس خوبصورتی اور اہتمام کے ساتھ اردو داں پبلک کے سامنے پیش کرنے کی
ہمت افزائی اور سرپرستی اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی حضور نظام آصف جاہ صاحبِ خلد اللہ ملکہ کی
سرکاری طرف سے ہوئی ہے جس کے لیے ہم حنفیہ بھی منت پرزیر ہوں کم ہے۔

عالی جناب سید اس مسعود صاحب المخطب بہ نواب مسعود یار جنگ بہادر ناظم تعلیمات
سرکار آصفیہ کی ذاتِ بقی قابلِ شکر ہے کہ انہوں نے میر انیس کے بیش بہا کلام کو اپنے اردو ادب
کی اسبکیم کے تحت میں شامل کر کے اس کی تصحیح و تدوین کا انتظام فرمایا اور آج وہ اس آفتاب
کے ساتھ زریور طبع سے آراستہ ہو کر آپ کے مبارک ہاتھوں تک پہنچ سکا۔ فقط

خاکستری

نظامی - بدایونی

بدایوں - ۱۱ مارچ ۱۹۲۲ء

فہرست مرثی

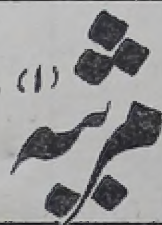
جلد دوم

فہرست مرثی

صفحہ	نمبر شمار	مرثیہ کا پہلا مصرع
۱	۱	یارِ حینِ نظم کو گلزارِ ارم کر
۲۸	۲	جب رات عبادت میں بسر کی شہدیں نے
۴۹	۳	طوکرچکا جو منزلِ شب کا روانِ صبح
۶۹	۴	کیا فوجِ حسینی کے جوانانِ حسین تھے
۸۶	۵	پھولا شفق سے چرخِ چب لالہ زارِ صبح
۱۰۹	۶	جب آبِ رواں بندہ ہوا فوجِ خدا پر
۱۲۶	۷	یارِ جہاں میں بھائی سے بھائی جہاں ہو
۱۴۶	۸	آمد ہو کربلا کے نیستاں میں شیر کی
۱۶۹	۹	جب رن میں سر بلند علی کا علم ہوا۔
۱۹۳	۱۰	جب لاشِ تقاسم کو علمدار نے دیکھا
۲۰۸	۱۱	آمد ہو جگر بند شہِ قلعة شکن کی
۲۳۰	۱۲	جب بادیاں کشتی شاہِ امم گرا
۲۵۲	۱۳	یوسف کو عزیزوں نے چھوڑا یا جو پدر سے
۲۶۱	۱۴	دولت کوئی دنیا میں سپر سے نہیں بہتر

۲۹۷	دشمن کو بھی خدانہ دکھائے پسر کا داغ	۱۵
۳۰۳	حضرت سے جب برادرِ خوشخو جدا ہوا	۱۶
۳۲۰	برہم پر قح چمنستانِ جہاں کا	۱۷
۳۳۴	جب دولتِ سرور پہ زوال آگیا رن میں	۱۸
۳۵۲	جب رن میں آمد آمدِ سلطان دیں ہوئی	۱۹
۳۶۴	جب دُشنتِ مصیبت میں علی کا پسر آیا	۲۰
۳۸۹	جب قطع ہوئے نخلِ گلستانِ علی گے	۲۱
۴۰۷	تمشا دہوستانِ رسالتِ حسینؑ	۲۲
۴۲۹	کیا بحرِ ہند وہ بحرِ کنارا نہیں جس کا	۲۳
۴۴۷	رطب اللسانِ بیخِ شہِ خاص و عام میں	۲۴
۴۶۱	جب نوجواں پسرِ شہِ دیں سے جدا ہوا	۲۵
۴۹۹	ہوتے ہیں بہت بیخِ مسافر کو سفر میں	۲۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر
توفیق کا مبداء ہو توجہ کوئی دم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیضِ کجاری
ہر نخل برومند ہو یا حضرت باری
وہ گل ہوں عنایت چمن طبعِ نگو کو
غواصِ طبیعت کو عطا کر وہ لالی
ایک ایک لڑی نظم تریا سے ہو عالی
سب ہوں درِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
بھروسے درِ مقصود سے اس درجہاں کو
آگاہ کر اندازِ نظم سے زباں کو
تحسین کا سنو ات سے غل تابسمک ہو
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
دڑے کی چمک مہرِ منور سے ملا دوں
گلدستہ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں

ای ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
گننام کو اعجازِ بیافوں میں رقم کر
قلیم سخن میرے قلم و سے نہ جائے
بلبل کی زباں پہ ہر تری شکر گزاری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضتِ ہماری
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہون پھولوں کی بو کو
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
نذر ان کی یہ ہوں گے جنھیں شستہ نہی سے
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
عاشق ہو فصاحت بھی دے حسنِ بیاں کو
ہر گوش بنے کانِ ملاحظت وہ نمک ہو
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گل تر سے ملا دوں
اک پھول کا مضمون ہو تو سوزِ نگاہ بندھوں

گر نرم کی جانب ہو توجہ دم سریر
 دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
 یوں تختِ سینانِ معانی اُتر آئے
 ساتی کے کرم سے ہو وہ دورِ اولیٰں جام
 ہرستِ فراموش کرے گردشِ ایام
 ہاں بادہ کشو پوچھ لو بیخا نہ نشیں سے
 آؤں طرفِ نرم ابھی چوڑے کے جب نرم
 قطعِ سہرا عدا کا ارادہ ہو جو با سحر
 جل جائیں عدا و آگ بھڑکتی نظر آئے
 مصرع ہو صفِ آرا صفِ لشکرِ جزار
 نقطے ہوں جو ڈھالیں تلوالف خنجرِ خونخوار
 غل ہو کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
 ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
 جرات کا دھنی تو ہے یہ چلائیں سپاہی
 ہر دم یہ اشارہ ہو دواتِ اورِ سلم کا
 تائب کا ہنگام ہے یا حیدرِ صفدر
 تو صاحبِ اکرام ہے یا حیدرِ صفدر
 تنہا ترے اقبال سے شمشیرِ کف ہوں
 ناقدِ عالم کی شکایت نہیں مولا
 باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
 عالم ہے مگر کوئی دل صاف نہیں ہے

کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
 ہو جائے ہوا نرم سیماں کی بھی تصویر
 ہر چشم کو پیروں کا اکھاڑ نظر آئے
 جس میں عوضِ نشہ ہو کیفیتِ انجام
 صوفی کی زباں بھی نہ ہے فیض سے ناکام
 کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ بریں سے
 خیر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
 دکھلائے ہیں سب کو زباںِ معرکہِ نرم
 تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے
 الفاظ کی تیزی کو نہ پہونچے کوئی تلوار
 مد آگے بڑھیں برچھپوں کو تول کے کاکِ بآ
 مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں بیکھا
 عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الہی
 لاریب ترے نام پہ ہے سکھ شاہی
 تو مالک و مختار ہے اسِ طبل و علم کا
 امدادِ ترا کام ہے یا حیدرِ صفدر
 تیرا ہی کرم عام ہے یا حیدرِ صفدر
 سب ایک طرف جمع ہیں میں ایک طرف ہوں
 کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
 میں کیا ہوں کسی روح کو رست نہیں مولا
 اس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

نیک و بد عالم میں تامل نہیں کرتے
 خاویں کے لیے بچ طرف گل نہیں کرتے
 خاموش ہیں گوشیشہ دل چور ہوئے ہیں
 لباس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خدنگ کو
 اندھیر پہ چاند بتاتے ہیں کلف کو
 ضائع ہیں در لعل بدحشاں و عدن کے
 ہر لعل و گہر سے یہ دہن کانِ جواہر
 ہیں بند مرصع تو ورقِ خوالہ جواہر
 بنیائے رقعات ہنر چاہیئے اس کو
 کیا ہو گئے وہ جو ہر یانِ سخن اکبار
 اب ہر کوئی طالبانہ شناسانہ خریدار
 کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
 خواہاں نہیں یا قوتِ سخن کا کوئی گو آج
 اور باعثِ ایجادِ جہاں خلق کے سرتاج
 امیداسی گھر کی وسیلہ اسی گھر کا
 میں کیا ہوں مری طبع ہو کیا ارشد شاہاں
 شرمندہ زمانے سے گئے دائل و سبحاں
 کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
 لایلم و لا علم کی کیا سحر بیانی
 نہ ذہن میں جو دتِ طبیعت میں روانی
 میں کیا ہوں فرشتوں کی طلاقت ہو تو کیا ہو

عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
 تعریف خوش الحانی بلبل نہیں کرتے
 اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوئے ہیں
 در کو تو گھٹاتے ہیں ہڑھاتے ہیں صدف کو
 کھودیتے ہیں شیشے کے لیے درخیز کو
 مٹی میں مالتے ہیں جواہر کو سخن کے
 ہنگامِ سخن کھلتی ہو دکانِ جواہر
 دیکھے اسے ہاں ہو کوئی خواہاں جواہر
 سودا ہو جواہر کا۔ نظر چاہیئے اس کو
 ہر وقت جو اس غیس کے ہتے تھے طلبگا
 ہو کون دکھائیں کسے یہ گوہر شہوار
 جب اٹھ گئے بازار سے گا بکھ ہم آئے
 ہو آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج
 ہو جائے گاد م بھر میں غنی بندہ محتاج
 دولت یہی میری یہی تو شہم ہو سفر کا
 مٹان و فرزدوق میں یہاں عاجز و حیراں
 قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
 لگنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی
 حضرت پہ ہویدا ہو مری پہچانی
 گویا ہوں فقط۔ ہو یہ تری فیض سانی
 وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مراحِ خدا ہو

تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
 اک قطرہ ناچیز کو دریا کیا میں نے
 ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تسلی نہ روا تھی
 مجرم ہوں کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
 دل سے کبھی مدح اُمر کی نہیں میں نے
 نازاں ہوں محبت پہ امام ازیلی کی
 ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
 منظور ہے اک باب میں فیصل کی تحریر
 فیصل نے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
 شبیاں کی ہے تاریخ سوم روز ولادت
 دونوں میں بہر حال ہے تحصیل سادت
 مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
 مقبول ہوئی عرض گنہ عفو ہوئے سب
 شامل ہوا فضل محمد کرم رب
 پستی پہ ہیں سب کن کین بین تہیں کے
 نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہ زمیں کی
 چہرہ کی بجالی سے قباچست ہوتن کی
 اک فرد پیرانی نہیں دفتر میں ہمارے
 ہاں اے فلک پیر نئے سر سے جواں ہو
 اے ظلمت غمدیدہ تو عالم سے نہاں ہو
 شادی ہے ولادت کی یہ اللہ کے گھر میں

خود سر پہ گریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
 تصویرِ جل کیجئے حجاب کیا میں نے
 مولا یہ کلیجے کے پچھو لوں کی دوا تھی
 بھولے سے بھی آپ اپنی شنا کی نہیں میں نے
 تقلیدِ کلامِ مجہلا کی نہیں میں نے
 ساری یہ تعلی ہے حمایت پہ علی کی
 دن رات وظیفہ ہے تنہا خوانیِ شیر
 مولا کی مدد کا متمنی ہے یہ دلگیر
 اک بزم ہوشادہ کی تو اک صحبت غم ہو
 اور ہے دہم ماہ عزا یوم شہادت
 وہ بھی علی خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
 کوثر ہے صلا اس کا بہشت اس کا صلا ہے
 اُمید برآئی مرا حاصل ہوا مطلب
 ہوتے ہیں علم فوج مضامین کے نشان
 ڈٹکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے
 بخشی ہے رضا جائزہ فوج سخن کی
 لوہرِ طر فی پڑ گئی مضمون کہن کی
 بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
 اے ماہِ شب چار دہم نورِ فشاں ہو
 اے روشنی صبحِ شبِ عیدِ عیاں ہو
 خوشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

اس شخص و قمر اور قمر ہوتا ہے پیدا
 خدوئے عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
 ہر جسم میں جان آتی ہے مذکور جس کے
 ایک کعبہ ایمان تری حرمت کے دن آئے
 ایک بیت مقدس تری عزت کے دن آئے
 ایک سنگ حرم جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
 ایک پیر و بطحا ترے والی کی ہو آمد
 عالم کی مغیری یہ بجالی کی ہو آمد
 یہ خانہ کعبہ کی مباحات کے دن ہیں
 اراضِ مدینہ تجھے فوق اب ہو فلک پر
 خورشید ملا تیرا ستارہ ہو چپک پر
 چرخِ پرفشستوں کے بھپیں فرش ہی ہو
 یا ختمِ رسل گوہر مقصود مبارک
 یا شاہِ نجف شادی مولود مبارک
 رونق ہو سدا نور دو بالارہے گھر میں
 ایک اُمیتو ہے یہ دمِ شکر گزاری
 اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمہاری
 لکھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
 ایک ماہِ مسلم ترے اقبال کے صدقے
 اُتری برکتِ دفا علم کے لال کے صدقے
 قرباں سحرِ عید اگر ہو تو عجا ہے

گلِ چین دین کا ثمر ہوتا ہے پیدا
 جو عرش کی ضو ہے وہ گہر ہوتا ہے پیدا
 نورِ خدا ہوں گے عباں نور سے جس کے
 ایک رکنِ یمانی تری شوکت کے دن آئے
 ایک چشمہ زرم تری چاہت کے دن آئے
 ایک کوہِ صفا اور صفائی ہوئی تجھ میں
 لے رتبہ اعلیٰ شہِ عالی کی ہو آمد
 کہتے ہیں چین ماہِ جلالی کی ہو آمد
 یعقوب سے یوسف کی ملاقات کے دن ہیں
 رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر
 صدقے گلِ تمہیں تھے پھولوں کی جہک پر
 جس خاک پہ ہو نورِ خدا عرشِ دہی ہو
 یا نورِ خدا رحمتِ مبنود مبارک
 یا خیرِ نسا اخترِ مسعود مبارک
 اس ماہِ دو ہفتہ کا اوجالا رہے گھر میں
 ہر بار کرو سجدہ شکرِ باری
 خدیں عملِ زشت کی اچاک پیاری
 ناجی ہوئے صدقے حسین ابنِ علی کے
 شوکت کے فدا غلست و جلال کے صدقے
 جس سال یہ پیدا ہوئے اس سال کے صدقے
 نورِ زبھی اس شب کی برگی پہ فدا ہے

قربان شب جمعہ شعبان خوش انجام
 قایم ہوا دین اور بڑھی رونق ہلام
 خورشید کا اجلال و شرف بدر سے چھو
 وہ نورِ قمر اور در افشانی انجم
 وہ چھپے ضوا کے وہ حوروں کا تبسم
 میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
 رتوں تھا مدینہ کا ہر اک کوچہ و بازار
 کھولے ہوئے تھا آہوئے شبِ نافہ ناز
 گردوں کو بھی اک رشک تھا نیت نہیں کی
 کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظم
 جبریل و سرافیل کو مہلت تھی نہ اک دم
 باشندوں کو شیرب کے خبر تھی نہ گھر کی
 تھیں فاطمہ بچپن اُدھر در و شکم سے
 وابستہ تھی راحت جو اسی بی بی کے مے
 آرام تھا اک دم نہ شبِ قلم شکن کو
 کرتے تھے دعا بادشہ شرب و بطحا
 زہرا ہر کینز اور مرا بچہ ترا بندہ
 نادار ہو اور فاقہ کش و زار و حزن ہو
 ناگاہ در حجرہ ہوا مطلع انوار
 آسمانے علی سے یہ کہا دوڑ کے اکبار
 اسپند کرو فاطمہ کے ماو جبین پر

پیدا ہوا جس شب کو محمد کا گل اندام
 ہم پلہ صبح شبِ معراج تھی وہ شام
 کیا قدر تھی اُس شب کی شبِ قدر سے چھو
 تھی جس کے سبب روشنی دیدہ مردم
 آپس میں وہ منس منس کے فرشتوں کا کلم
 جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے
 جو راہ تھی خوشبو جو محلہ تھا وہ گلزار
 معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہی انبار
 ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوس بریں کی
 رخِ رحمتِ مجود کا تھا جانبِ عالم
 بالائے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے بزم
 سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پُرس کی
 مُنہ فی تھا اور آنسو تھے روانِ مدہِ نم سے
 مضطر تھے علی بنتِ پیغمبر کے الم سے
 پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسن کو
 راحم ہر تری ذاتِ مقدس مرے مولا
 آسان کرا دی بارِ خدا کھل زہرا
 مادر بھی تشفی کے لیے پاس نہیں ہو
 دکھلانے لگے نور تجلی در و دیوار
 شہزاد مبارک تھیں یا حیدر کراہ
 فرزند نہیں چاند یہ اترا ہی زمیں پر

دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پایا
 ماتھے پہ چمکتا ہے جلال کا ستارا
 تصویرِ رسولِ عربی دیکھ رہے ہیں
 شہرہ یسنا احمد مختار نے جس دم
 اُسے طرفِ غائبہ زہرا خوش و خرم
 چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
 کی عرض یہ اسمانے کہ اس کی خاصہ داور
 ارشاد کیا احمد مختار نے ہنس کر
 اس چاند کو تاجِ سرفلاک کیا ہے

نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
 اشد نے اس گھر میں عجب چاند اتارا
 آنکھوں کی ہے گردش کہ نبی دیکھ رہے ہیں
 پس شکر کے سجدے کو جھکے قبلہ عالم
 فرمایا مبارک پسر اسے ثانی مریم
 حکمراہ ہے یہ فرزندِ محمدؐ کے جگر کا
 نملالوں تو لے آؤں اُسے حجرے سے باہر
 لے آ کہ نواسا ہے مرا طاہر و طہر
 یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

یہ نورِ الہی ہے یہ ہے طیب و طاہر
 یہ آیتِ ایمان ہے یہ ہے حجتِ باہر
 کہے قصے کو یہی پاک کرے گا

اسماؓ سے اک پار چہ زم پہ لالی
 ہنسنے لگے سرخی رخ پر نور پہ آئی
 لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبی نے

قرآن کی طرح رعلِ دوزا نو پہ بٹھایا
 بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
 چوما جو گلا چل گئی تلوار جگر پر

اس کان میں فرمائی اذال اس یقامت
 کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت
 دُنیا میں کسی نے نہیں پایا پس ایسا

منہ ملنے لگے منہ سے بہت پیاجو آیا
 دل ہل گیا۔ کی جبکہ نظر سینہ و سر پر
 جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے وقت
 حیدر سے یہ فرمایا کہ اس شاہِ ولایت
 پر نور ہے گھر تم کو ملا ہے قمر ایسا

OCTOBER
TUESDAY

8

Page No 7

سرایا - دیکھیں یہی

کیوں کر نہ تو تم سپاہِ دروفاطمہ سی ماں
کی عرض یہ حیدر نے کہ اے قبلہ ایساں

اعلیٰ ہو وہ سب جو مقامِ شہ دیں ہو

عالم میں ہو یہ سب برکتِ آپکے دم سے

تا عرش پہنچ جاتا ہو فیضِ قدم سے

کچھ اس میں نہ زہرا کا ہو باعثِ نہ علی کا

فرمانے لگے ہنسکے شہِ یثرب و طحا

کی عرض یہ حیدر نے کہ اے ستیہ والا

فرمایا کہ موقوف ہو یہ ربِ علا پر

بس اتنے میں نازل ہو جبریلِ خوش انجام

پیارا ہو نہایت ہمیں زہرا کا گل اندام

یہ حسن میں سرورِ حسینانِ زمیں ہو

ح سے ہو اشار کہ یہ ہو حامیِ امت

نئی اس کی بزرگی میں ہو یثرب کی آیت

ناجی ہو وہ اس نام کو لیگا جو ذہن سے

دو نور کے دریا کو جو ہم نے کیا اک جا

توقیر میں نے مثلِ شجاعت میں ہو یکتا

ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہو کسی پر

فیاض نے کوئین کی دولت اسے دی ہو

صبر اس کو عنایت کیا بہت اسے دی ہو

اعلیٰ ہو معظم ہو مکرم ہو ولی ہو

دو شمس و قمر کا ہو یہ اک نیرِ تاباں

حق اس پر رکھے سایہ پیغمبری شاں

بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہ دیں ہو

سرسبزیِ دنیا ہو اسی ابرِ کرم سے

عزت ہو غلاموں کی شہنشاہِ امم سے

سب ہو یہ بزرگی کہ نواسا ہو نبی کا

بھائی کو ہو فرزند کا کچھ نام بھی رکھا

سبقت کروں حضرت پہ یثرب و مدینہ

میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

کی عرض کہ فرماتا ہو یہ خالقِ علام

یا ختمِ سل ہم نے حسین اس کا کھانا ہم

مشفق تو ہو احسان سے نصیرِ حسن ہو

سمجھیں گے اسی میں کو سب بینِ سعادت

ہو تون سے ظاہر کہ یہ ہو نورِ نبوت

یہ حسن میں دس حصہ زیادہ ہو حسن سے

تبس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا

اب اور نہ ہوگا کوئی اس حسن کا ترکا

کام اس سے جو لینا ہو وہ ہو ختمِ اسی پر

دی ہو جو علی کو وہ شجاعت اسے دی ہو

ان سب کے سوا اپنی محبت سے دی ہو

بادی ہو وفا دار ہو زاہد ہو سخی ہو

جب کرچکے ذکرِ کرم مالکِ تفت زبیر
کی صل علیٰ کھٹکے محمد سے یقت زبیر
جب کی ہر زیارت پہ تسلیم چکے ہیں
ہر اس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
ہر ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم وجود
منطومی و غربت ہر عجب نام پہ اس کے
ہر سببِ تنہیت و تقریت اس دم
پلٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلہ عالم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ملے گی
ہوگا یہ محرم میں تم اس شہ ذی جاہ
تاریخِ دہم جمعہ کے دن عصر کے وقت
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے
چلائے محمد کہ میں بسمل ہوا عبا لی
دل لگیا برچی سی کیلجے میں در آئی
مکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
جس وقت سنی فاطمہ نے یہ خبر سنم
چلائی تھی سر پیٹ کے وہ ثانی مریم
خجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
ہر کسی دن تک نہ لے گا سے پانی
ہو جائیں گے اک جان کے سبب شہ جانی
پیرا ہن صد چاک کفن ہوئے گا اس کا

جبریل نے پاس آن کے دیکھا رخِ شبیر
یا شاہ یہ مہر تو ہر صاف آب کی تصویر
اس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں
پیشتر آدم سے بھی تھا عرش پہ موجود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
سب دتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے
ہر شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توام
نلے جرمِ خطا ذبح کریں گے سے ظلم
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاندنی
نیرے پہ چڑھائیں گے سر پاک کو گمراہ
گھوڑوں کے قدم سیدہ صد پاش پہ ہوں گے
اے وائے انخی کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
یہ واقعہ سن کر نہ جیئے گی مری بھائی
کیونکہ کہوں زہرا سے خبر مرگِ پسر کی
شادی میں ولادت کی بہا ہو گیا ماتم
بہی چھری چل گئی یا سید عالم
کٹ جائے گی ہر ہر مرے شبیر کی گردن
ہر یہ ہے گا تببت شہِ دہانی
ہر ہر مرعوب مرا یوسفِ ثانی
سرنیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں ہیں
جنگل کے بسا نے کو یہ آئے ہیں جہاں ہیں

ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
دُنیا مجھے اندھیر ہو اس غم کی خبر سے
داسن پہ پکٹتا ہو لہو دیدہ تر سے
جس وقت تک جیتی ہوں ماتم میں ہوں گی

بیٹی کو میسوم نہ تھا یا شہ عالم
اب دن ہو چھٹی کانٹھے ماشور محرم
پوشاک نہ بدلوں گی نہ سر دھوؤں گی بابا

حیدر ہیں کہاں آکے دلا سنا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کہیں چھوٹے گھر کو

پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
ہاں بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
دل اور کسی شعل میں مصروف نہ ہوگا

مر جائے گا تو تشنہ دہن ہائے حسینا
اک جان پہ یہ رنج و محن ہائے حسینا
گاڑیں گے نہ ظالم تن صد پاش کو جو ہو

فرمایا محمد نے کہ اے فاطمہ زہرا
خالق نے دیا ہو اسے وہ ربُّہِ علی
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیہ رب ہو

یوں خلوت سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں ہیں
اماں کے رولانے کو یہ آئے ہیں جہاں ہیں

اک کاش مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہو جگر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مر گھر سے
مظلوم حسین آج سے میں ان کو کیونگی

بتھنے کی زچہ خانے کے اندر صف ماتم
تارے بھی نہ دیکھے تھے کہ ٹوٹا فلک غم
چلتے میں بھی چلیم کی طرح روؤں گی بابا

زہرا کا بُرا حال ہو سمجھا نہیں دیتے
ہو ہو مجھے فرزند کا پیر سا نہیں دیتے
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

اے میرے شہید اے مے بکس تے واری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزا دار تھاری
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

ہو جائے گا لکڑے یہ بدن ہائے حسینا
کوئی نہ تجھے دے گا نہ کفن ہائے حسینا
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو جو ہو

کیا مر ضی مسبود سے بندے کا ہو چلا
جبریل سوا کوئی نہیں جاننے والا
یہ لال تر بخشش امت کا سبب ہو

اس بات کا غم ہو اگر اسی جان پہ پیوستہ
 جب قید سے ہووے گا رہا عابدِ مضطر
 ارواحِ رسولانِ زمین روئیں گی اس کو
 جب چرخ پہ ہوئے گا عیاں ماہِ محرم
 آئیں گے ملکِ عرش سے داں روئے کو باہم
 پر نورِ سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
 کیا اوج ہی کیا رتبہ ہی اس بزمِ عزا کا
 مشتاق ہی فردوسِ بریں یاں کی رضا کا
 دربارِ معلیٰ ہی ولی ابنِ ولی کا
 لویان سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہی
 مظلومی سلطانِ دو عالم کا بیاں ہی
 ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
 اسی خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
 اسی درِ باطلِ لذتِ زخیم جگری کر
 بندوں میں لکھا جاؤں امامِ انبی کے
 قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہی کس کا
 سب جس شفاعت ہی یہ بازار ہی کس کا
 ملتی ہی کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
 مجلس کا رہے نورِ خوشا محفلِ عالی
 عاشق ہیں سب اس کے جوہرِ کنکائی
 ششدر ہونہ کیوں چرخِ غیب جلوہ گی ہی

مطلع

نے دفن و کفنِ زن میں رہے گا تراد لبر
 تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آکر
 سر پیٹ کے زینب ہی بہن روئیں گی اس کو
 ہر گھر میں بپا ہوئے گی اک مجلسِ ماتم
 ماتم یہ وہ ماتم ہی کہ ہو گا نہ کبھی کم
 خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا
 غلِ عرش سے ہو فرشِ ملکِ صلِ علی کا
 پانی میں بھی ہی یاں کے مرا آبِ بقا کا
 جاری ہی یہ سب فیضِ حسین ابنِ علی کا
 وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہی
 ہنگامہٗ عاشقِ محرم کا بیاں ہی
 لو بزم میں کھلتا ہی مرقعِ شہدا کا
 اسی نیرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
 اسی خوفِ الہی مجھے عصیاں سے بری کر
 آزاد ہوں صدقے سے حسین ابنِ علی کے
 فردوس کو ہی رشک یہ گلزار ہی کس کا
 خود دیکتا ہی یوسف یہ خریدار ہی کس کا
 دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی
 حیدر کے مجتوں سے کوئی جانیں خالی
 اثنا عشریِ پنجتہ شیخِ عالی
 یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہی

اُن میں جو مُسن ہیں وہ سپہر کے ہیں مہاں
 جو تازہ جواں ہیں غلی اکبر کے ہیں مہاں
 ہر خُرد و کلاں عاشق شاہ مدنی ہیں
 ارشاد نبی ہو کہ مدد گار ہیں میرے
 حضرت کا سخن ہو کہ عزادار ہیں میرے
 یہ تج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
 غم میں مرے بچوں کے یکے ہیں فریاد
 بستی مرے شیعوں کی ہے خلق میں آباد
 مرنے کوئی گرتو بٹھا کرتا ہوں میں بھی
 مردم کے لئے واجب یعنی ہو یہ نزاری
 ہو وقت معین پیدا طاعت باری
 رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
 حُملت جواں دلے تو غنیمت اسے جانو
 آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو
 فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب تشہ ہے ہیں
 تکلیف کچھ ایسی نہیں سایہ ہو ہوا ہو
 کچھ گرمی عاشورہ کا بھی حال سنا ہو
 گزری ہو بیاباں میں وہ گرمی شہ دین پر
 لوں چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے شجار
 پانی پہ دود و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
 خاک اڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر

اور جو متوسط ہیں وہ حیدر ہیں مہاں
 شیعوں کے پسرب علی صفر کے ہیں مہاں
 پانچ انگلیوں کی طرح پسرب پختی ہیں
 فرماتے ہیں حیدر کہ یہ غمخوار ہیں میرے
 میں ان کا ہوں طالب طلبگار ہیں میرے
 ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے
 اللہ سلامت رکھے ان لوگوں کی اولاد
 چشمہ کے دن آتش دوزخ سے ہوں آزاد
 اُن کے لئے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی
 رونا ہی وسیلہ ہو شفاعت کا ہماری
 یہ خیر ہو وہ خیر جو ہر وقت ہو جاری
 جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی
 آمادہ ہو روئے پہ سعادت اسے جانو
 ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اسے جانو
 آقا نے تمہارے لئے کیا ظلم ہے ہیں
 پانی ہو خشک مروہ کش باد صبا ہو
 سر پٹنے کا وقت ہو ہنگام بٹکا ہو
 بھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر
 تھا عنصر خاکی پہ گسان کرہ نار
 سب خلق تو سیراب تھی پیاسے شہ ابرار
 اُس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

قطرے جو پسینے کے ٹپکتے تھے ہر بار
 شاید الم فاقہ سے ہی زردی رخسار
 دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ وِاں کو
 دنیا بھی عجب گھر ہے کہ رحت نہیں جس میں
 وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جس میں
 نئے در دو الم شامِ غریباں نہیں گزری
 گو دی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
 سرگرم سخن ہے کبھی انسان کبھی خاتون
 اک طور پر دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
 شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور
 ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور
 کس باغ پہ آسیب خزاں آتھیں جاتا
 ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام
 نازوں سے پلا فاطمہ نہ ہرا کا گل اندام
 راحت نہ ٹی گھر کے تلاطم سے دہم تک
 ریتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر
 فرزند نہ مسلم کے نہ ہم شیر کے دلبر
 سب نذر کو دربارِ پیمبر میں گئے ہیں
 منظور ہے پھر دیکھ لیں ہم شیر کی صورت
 سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرارِ امامت
 مطلوب یہ ہے زیرِ پستانِ رخت کہن ہو

ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیار
 عے آبی سے اودے تھے لبِ لعل گہر بار
 جن ہونٹھوں نے چوسا تھا محمد کی زباں کو
 وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
 وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
 دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری
 گلِ حیران اکثر نظر آئے ہیں کفن پوش
 گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
 شب کو تھپکھٹ میں ہیں بوت ہیں ن کو
 دنیا میں گرنجاتی ہے انسان کی بہر طور
 ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
 گل کو نسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا
 گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
 واحسرت و دروا کہ وہ آغاز یہ انجام
 مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک
 شہ کا ہے نقشہ کہ ہیں تصویر سے شتر
 قاسم ہیں نہ عباس نہ اکبر ہیں نہ اصغر
 رخصت کو اکیلے شہ دیں گھر میں گئے ہیں
 پھر لیگی ہے گھر میں سکیہ کی محبت
 بانو نے دو عالم سے بھی ہے آخری خوست
 تا بعدِ شہادت وہی ملبوس بدن ہو

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت

آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت

واں پین ادھر صبر و شکیبائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر

وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر

لٹتے ہوئے اماں کا گھرانہ لٹھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غم جا بگاہ اٹھائے

آنسو نہ تھمتے تھے کہ پدر خوں میں نہائے

حضرت کے سوا اب کوئی سر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہو یوں تو سفرِ خلق سے کرنا

ان آنکھوں سے دیکھا ہو بزرگوں کا گزرنا

صدقے گئی یوں ان کبھی پڑتے نہیں دیکھا

ہو تھیں لیکے میں کہاں چپ ہوں بھائی

کس دشت پر آشوب میں قیمت مجھے لائی

زہرا کا پسِ وقت جدائی مجھے روئے

زینب کی وہ زاری وہ سکینہ کا بکنا

وہ چاندِ سامند اور وہ بندے کا چکنا

حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذوریں بی بی

وہ کہتی تھی بابا! میں چھاتی سے لگاؤ

ہم کڑھتے ہیں لڑائیوں سے آنسو نہ بہاؤ

کوثر پہ ہو تم بن نہیں آرم چچا کو

ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت

تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت

افسانہ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

امت کے لیے والدہ صاحبہ سے جبر

تم ہنو کفن اور نہ بنے ہاے مری قبر

ہو ہوتہ خیر تھیں کن آنکھوں دیکھوں

اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ پائے

ٹکڑے دل شہر کے لگن میں نظر آئے

انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

دشوار ہو اک آن مسافر کا ٹھہرنا

ہو سب سے سوا ہاے یہ مظلومی کا مرنا

اک ن میں بھرے گھر کو اُڑتے نہیں دیکھا

لٹتی ہو مرے چار بزرگوں کی کمائی

یارب کہیں مر جائے یدالتہ کی جائی

سب کو تو میں روئی ہوتی بھائی مجھے روئے

وہ تنہی سی چھاتی میں کلیجہ کا دھڑکنا

حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے ٹکنا

پہپاتا تھا گناہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

فراتے تھے شہ آؤ نہ جان پدر آؤ

خوشبو تو ذرا کیسوئے مشکیں کی سنگھاؤ

ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

کس گوشے میں بیٹھی ہیں کہاں کئی ہیں باری
دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری
کیا آخری خصت کو بھی آئینگی نہ ہم تک
مکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیر
چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شبیر دلیگیر
یہ خادمہ رخصت کے لئے آتی ہو آقا
قدموں پہ گری دوڑ کر کھولے ہوئے بال
روتے تھے غضب آنکھوں پہ رکھے ہوئے وال
اٹھو تجھیں روح علی اکبر کی قسم ہر

والی انھیں قدموں کی بدولت ہر مار راج
چادر کے لئے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
قربان گئی تخت الٹ جائے گا میرا

وہ پہلی اسیری کی اذیت ہو مجھے یاد
حضرت کے تصدق میں بی بی قید سے آزاد
قسمت نے بٹھایا نہ مجھے مسند پر نبی کی

اب ہجر ہو تقدیر میں یا سپرد شو
ہر اسے اب رستی سے باز دھیں گے جفا
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی حساب

بی بی کہو کیا حال ہو ابیاں کا بھاری
جب سے سوئے جنت گئی لکبر کی سواری
تختی سب کی محبت انھیں بیٹھی ہی کے تم تک
کس جا ہیں طلب ہم کو کہیں یا وہی آئیں
کچھ ہم سے سنیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور گئے گٹے گا
غش میں جو سنی بانو نے مضطر نے یقین
سرنگے اٹھی چھوڑ کے گوارہ نہ شیر

نہ ہوا آقا

بال

ل

بہ سالم ہو

وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں اک مرے تزلزل

سر پر جو نہ ہو گا پسر صاحب معراج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں جب خانہ کسری ہوا برباد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری مراد

لونڈی سے بہو ہو گئی زہرا و علی کی
پچھیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو

شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جواز
سر پر نہ رہا ہو گی تو مرجاؤں گی حساب

Page no -
18

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے
 دارِ محن اس دار کو داور نے کہا ہے
 وقت میں عجب حال تھا خالق کئی کا
 سو سو برس اک گھر میں محبت سے رہے جو
 کچھ مرگ سے چارہ نہیں ای بانوئے خوشخو
 کس کس پر زمانہ نے جفا کی نہیں صاحب
 لازم ہے خدا سے طلب خیر بشر کو
 آنا ہر تھیں بھی وہیں جاتے ہیں جدھر کو
 کھولے گا وہ رستی سے بندھے ہاتھ تھکا
 زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کلم میں گرفتار
 تنہا ہیں کہ بیجاں ہوئے دو چاند سے دلدار
 بیٹے بھی نہیں گود کا پا لا بھی نہیں ہے
 یہ کہہ کے کچھ الفاظ کہے گوشِ پسر میں
 اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
 ٹھہرا نہ گیا والِ شہ والا نکل آئے
 کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہ نے پر
 کھڑے ہوئے ہاتھوں پہ غمائے کور کھڑے
 حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
 یارب ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
 بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
 عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں

ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
 ہر چشم سے خونِ جگر اس غم میں بہا ہے
 ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا دلی کا
 اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
 ہی شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
 اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب
 تھامے گا تباہی میں وہی راڈ کے گھر کو
 وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
 سجاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ بھارے
 ایسا کوئی اس گھر میں نہیں تکیں ونا چار
 دنیا سے گیا اکبر ناسا د سا غنوار
 ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے
 بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
 غمش ہو گئی زینب یہاں تھام دو جگر میں
 تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے
 کچ کی طرف دوش ہیں گردنِ انور
 کی حق سے مناجات کہ اسی خالق اکبر
 کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے
 راڈ ہیں کسی خستہ جگر تیرے حوالے
 سب ہیں ترے دریا کے گھر تیرے حوالے
 میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میرے نہیں بندے ہیں تڑکے غلت
 باندھے ہیں کمر ظلم و تعدی پہ منافق
 حرمت ہو ترے ہاتھ امام ازیلی کی
 میں پہ نہیں کتا کہ اذیت نہ اٹھائیں
 ناموس لٹیں قیدیوں اور شام میں جائیں
 بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو
 یہ کہہ کے گریبان مبارک کو کیا چاک
 میت ہوئے شبیر کفن بن گئی پوشاک
 مگر نہ کسی دوست نہ غنچہ کو دیکھا
 گروان کے دامن علی اکبر کو پکارے
 نخت دل شہر کہ صراں وقت سدھائے
 آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں
 تنہائی میں ایک ایک حضرت نے پکارا
 گھوڑے پہ چڑھا خود اسد المند کا پیارا
 شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
 شہید نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
 زیور نے عجب حسن خدا ساز دکھایا
 تھا خاک پہ اکپاؤں تو ایک چرخ بریں پر
 اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
 دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اسی فرقہ سے پیر
 واللہ تعالیٰ نہیں یہ کلمہ حق

بستی ہو کہ جنگل تو ہی حافظ تو ہی رازق
 نہ دوست ہو دنیا نہ زمانہ ہی موافق
 دو بیٹیاں وہوئیں ہیں اس گھر میں علی کی
 یا اہل ستم آگ سے خیمہ نہ جلا میں
 مہلت مے لاشے پہ کھجی فٹنے کی نہ پائیں
 جس میں تری محبوب کی اُمت کا بھلا ہو
 اور ڈال لی پیرا ہن پر نور میں کچھ خاک
 بس فاتحہ خیر پڑھا با دل غمناک
 پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا
 تھا مومرے گھوڑے کی رکاب اے پیار
 بھائی ہیں کہاں تھ میں دیں ہاتھ ہمارے
 دونوں مری عشیر کے غزنہ کہاں ہیں
 کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
 اونچا ہوا فلاکِ امامت کا ستارا
 غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر
 ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
 فتراک نے اوج پر پرواز دکھایا
 غل تھا کہ پھرتا ہی براق آج نہیں پر
 حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تو لے ہوئے شہیر
 میں یوسف کنانِ سالت کی ہوں تصویر
 عالم کے مرقع میں حسین ایک ورق ہو

والہ جہاں میں مرا ہمسر نہیں کوئی
 یاں میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
 باطل ہو اگر دعویٰ اعجاز کرے گا
 ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
 اقبالِ علی خلقِ پیہر میں بخشا
 ہم نور ہیں گھرِ طورِ تجلّا ہو ہمارا
 نانا وہ کہ ہیں جن کے قدمِ عشق کے تریج
 ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت ہیں علاج
 لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
 کس جنگ میں سینے کو سپر کر کے نہ آئے
 کس فوج کی صفِ زیروزبر کر کے نہ آئے
 تھا کون جو ایسا تہِ صمصام نہ لایا
 اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے
 پلیشوں نے سجدے بھی کیے ہاتھ بھی جڑے
 کعبہ کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
 اس عہد میں مالکِ امی تلوار کے ہم ہیں
 فرزندِ محمد سے جہاندار کے ہم ہیں
 کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لیکے گئے ہیں
 یہ فرق پہ عمامہ سردارِ زمین ہو
 یہ جو شن داود ہو جو حافظِ تن ہو
 دکھلائیں سندِ دستِ رسولِ عربی کی

محتاج ہوں پر مجھ سا تو نگر نہیں کوئی
 یوں سب ہیں مگر سبطِ پیہر نہیں کوئی
 کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا
 سرداریِ فردوس کا افسر ہیں بخشا
 قدرت ہیں دی و در ہیں در ہیں بخشا
 تختِ بن داؤد مصلا ہو ہمارا
 قوسینِ مکاں ختمِ رسل صاحبِ معراج
 باپ ایسا صنمِ خانوں کو جس نے کیا مالج
 بت گھر سے خاک کے کبھی باہر نہ نکلتے
 کس مرحلہِ صعب کو سر کر کے نہ آئے
 تھکی کو نسی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے
 اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا
 طاقت تھی کہ عزی کو کوئی لائی توڑے
 نے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
 نکلے اسد اللہ ازاں دے کے حرم سے
 جرارِ پسرِ حیدرِ کرا رکے ہم ہیں
 وارثِ شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
 تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں
 یہ تیغِ علی ہو یہ کمر بندِ حسن ہو
 یہ پیرِ ہنِ یوسف کنگانِ محسن ہو
 یہ مہرِ سلیمان ہو یہ خاتمِ نبی کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جہنم کی تلوار
 دریائے بھی دیکھی نہیں اس ہار کی تلوار
 قہر غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
 دم لے کہیں تک کروہ روانی نہیں اس میں
 جز حرف ظفر اور نشانی نہیں اس میں
 چھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمن دیں ہے
 سب قطرے ہیں گریض کے پیاہیں تو ہم ہیں
 حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرا ہیں تو ہم ہیں
 تعلیم ملک عرش پہ تھا وہ دہا را
 گریض ظہور شبہ لولاک نہ ہوتا
 کچھ خاک کے طبقے ہیں بجز خاک نہ ہوتا
 یہ شور ازاں کا سحر و شام کہاں تھا
 محسن سے بدی ہی یہی احسان کا عوض راہ
 گمراہ کے بہکانے سے رو کو نہ مری راہ
 مل جائے گی ایک دم میں اماں نہج و بلا سے
 بستی میں کہیں مسکن و ماوانہ کروں گا
 صابر ہوں کسی کا کبھی شکوانہ کروں گا
 روانہ نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
 اعدائے کہا قہر خدا سے نہیں ڈرتے
 فریاد رسولؐ دوسرا سے نہیں ڈرتے
 ہم لوگ جہد دولتِ نبیؐ کو ادھر ہیں

کس شیر کے قبضے میں ہے کترار کی تلوار
 بجلی کی بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
 کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے
 چلنے میں سبک تر ہے گرانی نہیں اس میں
 جل جاؤ گے سب گہری پانی نہیں اس میں
 نابین نہیں غصے سے ابل چیں چہیں ہے
 ہر نقطہ قرآن کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
 افضل ہیں تو ہم عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
 جبریل سا استاد ہے شاگرد ہمارا
 بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
 ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
 ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا
 دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بنواہ
 لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو اللہ
 میں ذبح سے بچ جاؤنگا تم قہر خدا سے
 یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کرونگا
 اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلاً نہ کرونگا
 جو پوچھے گا کہ وہ کجا کہ جنگل میں لٹا ہوں
 ناری تو ہیں ورنہ کی جفا سے نہیں مرنے
 خاتونِ قیامت کی جفا سے نہیں مرنے
 اللہ سے کچھ کام نہیں بندہ زرہ ہیں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
 بجلی سا گزر جائیگا ہر بار صفوں سے
 غربت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
 یاں گوشہ عورت خم شمشیر نے چھوڑا
 کس قہر سے گھبروت کی تصویر نے چھوڑا
 عنقائے ظفر فتح کا در کھول کے نکلا
 جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مرنے
 تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ دو نے
 اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
 بالاسے جو آئی وہ بلا جانب پستی
 چلنے لگی کیدست جو شمشیر دوستی
 زور ان کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
 بجلی سی جو گر کر صف کفار سے نکلی
 کہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
 تھے بند خطا کاروں پہ درامن واماں کے
 افلاک پہ چمکی کبھی سر پر کبھی آئی
 کہ پڑ گئی سینہ پہ جگر پر کبھی آئی
 طر کر کے پھری کو نفاقہ تحافرس کا
 نے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
 دم بھر میں وہ سورنگ بستی ہوئی آئی
 میرا تھا بدن رنگ نہ مرد سے ہر اہتا

آیا غضب اللہ کا ہتھ یار صفوں سے
 کب بجتی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
 لو بندہ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو
 واں سہم کے چلے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
 ساحل کو صف لشکر نے پیر نے چھوڑا
 شہباز اجل صید کو ہر تول کے نکلا
 دکھلائے ہوا میں دوسر اک شمع کی لونے
 آکا سپر مہر کو شمشیر کی ضو نے
 جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو
 بس نیست ہوئی دم میں نگاروں کی ہستی
 معلوم ہوا لٹگی سب کفر کی بستی
 ٹوٹیں جو صفیں بت اسد اللہ نے توڑے
 آواز بزن تیغ کی جھنکار سے نکلی
 در آئی جو پیکاں میں تو سو فار سے نکلی
 چلے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کہاں کے
 کوندی کبھی جشن پہ سپر پر کبھی آئی
 تڑپتی کبھی پسلو پہ کمر پر کبھی آئی
 باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تحافرس کا
 ندی ادھر اک خوں کی المتی ہوئی آئی
 پی پی کے لبو ل اگلتی ہوئی آئی
 جو ہر نہ کہو پیٹ جو اہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پر پوش اُسے کہنا
 اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
 سیبِ حینِ خلد کی بوباس تھی پھل میں
 سر پہ تھے تو موج اُس کی روانی کو نہ پہنچے
 بجلی کی تڑپ شملہ فشانی کو نہ پہنچے
 دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اُس کی ہی تھی
 موجود بھی ہر غول میں اور سب جدا بھی
 اک گھاٹ پہ تھی اک بھی پانی بھی ہوا بھی
 کیا صاحب جو ہر تھی عجب طرف تھا اُس کا
 ہر ڈھال کے پھولوں کو اڑاتا تھا پھل اُس کا
 ڈرجاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اُس کا
 اس در سے گئی کھول کے وہ درِ نخل آئی
 تیروں پہ گئی برچھپیوں والوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
 بس ہو گیا دفترِ نظری نام و نسب کا
 پونجی جو سرتک تو کلائی کو نہ چھوڑا
 شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
 اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
 چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا پارا
 کہتے تھے زہ پوش نہیں جنگ کا پارا
 جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہر

معشوق بنی سرخ لباس اُس نے چوہنا
 جو ہر تھے کہ پہنتے تھے دلہن پھولوں کا گنا
 رہتی تھی وہ شیر سے دولہ کی نسل میں
 قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
 خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
 برچی تھی کٹا سی تھی سرو ہی تھی چھری تھی
 دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
 امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قصا بھی
 موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا
 تھا لشکر باغی میں ازل سے عمل اُس کا
 تھا قلم چار آئینہ گویا محل اُس کا
 گہ صدر میں بیٹھی کبھی باہر نکل آئی
 جا پونجی کیا زاروں پہ پھالوں کی طرف سے
 منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
 لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا
 ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
 تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
 قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غصے کے
 چورنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
 بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان و بارا
 اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہر

بکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عمد شکن بھول گئے تھے

مسلم نہ تھا جسم میں جاں ہی کہ نہیں ہو
ڈرڈر کے قدر رہت سنانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم بن میں جوانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ ایسا ہیں یا شاہ زماں دو
شہر کہتے تھے ہی باڑھ پہ دریا نہ رُکے گا
نئے فتح و ظفر دلبر نہ ہر آنہ رُکے گا

ہر بھر غضب نام ہی قبر صمد اس کا
اس صفت سے گئے بیچ سے اس غل کے نکلے
ابن وہ سے یوں تیغ دوسر تول کے نکلے
دنیا جو بچی روح محمد کا سبب تھا
رٹتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
لانا کی طرح خاطر امت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترانی سے جھکا کر
دعوت یو ہیں کرتے ہیں مسافر کو بلا کر

پر صبر کے دریا میں نہیں سپایں نہیں ہو
بھولی نہیں اکبر کی ہیں تشنہ و ہانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی
کس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہو

نادک فتنی تپ فگن بھول گئے تھے
نئے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
چلاتے تھے قبضہ میں کہاں ہی کہ نہیں ہو

دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
پھیلائے تھے دامن کو پھر ہرے کہ اماں دو
اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رُکے گا

تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رُکے گا
رُکنے کا نہیں شام تلک جزو دماں کا
جو فوج چڑھی سنہ پُرا سے رول کے نکلے
گو یا در خیر کو علی کھول کے نکلے
شیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ

آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو نہیں جا کر
ہم چاہیں تو پانی بھی پیئیں نہریں جا کر
اب دہریہ پانی ہو کہ عباس نہیں ہو

وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت ہ جوانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے تزع میں پانی
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہو

یہ کہہ کے سکیں کہ بہشتی کو پکارے
 لڑتے ہوئے آپہنچے ہیں دریا کے کنارے
 اس سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
 لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
 غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے
 خوش ہو نگاہیں گے جو علم لیکے بڑھو گے
 لکھ رہے تھیں رونے لگا بھائی کو بھائی
 جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھرتی
 بارش ہوئی تیروں کی دلی ابن دلی پر
 کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
 ہر سمت سے تینیں جو لگاتے تھے جفا جو
 برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
 جھٹک جاتے تھے ہرنے پر خوش میں شہ ابرا
 چمکار کے فرماتے تھے پذیر دل افکار
 اُترینگے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
 زخمی ہو نہیں اب تری تکلیف گوارا
 کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا
 تو جس میں پلا ہو وہ گھر اک دم میں لٹے گا
 گھیرے ہیں وہ خیمے تک جانیں سکتے
 مشکل ہو سنبھلنا تھے دوڑا نہیں سکتے
 حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہو زخموں کے تعب کا

الفت ہیں لے آئی ہو پھر پاس تمہارے
 عباس غش آتا ہو ہمیں پیاس کے مارے
 کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو
 اُٹھو کہ سکیں کو یہاں ہم نہیں لاسے
 ہو عصر کا وقت اسی اسدالت کے جائے
 کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے
 تلوار سے مہلت تم ایجا دوں نے پائی
 دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
 سب لوٹ پڑے ایک حسین ابن علی پہ
 سب چھائی سے تھے پہلوؤں تک تیرے پہلو
 سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
 پھل برچھپیوں کے سرخ تھے سچے ہوسے
 منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
 اب خاتمہ جنگ ہو اسی سپہ دار
 نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا
 گرتے ہیں سنبھلنے کا ہیں بھی نہیں پارا
 اپونچا ہو منزل پہ ید اللہ کا پیارا
 بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا
 کھوئی ہو جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
 پہلو ترے مجروح ہیں ٹھکرا نہیں سکتے
 میں درد رسیدہ ہوں مجھے درد ہر سب کا

میں نے تو کسی دن تجھے بھی نہیں ماری
دو تہاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
منہ، کھدیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

دم ہوا بھی مجھ میں مرے آقا نہ اُترے
سب فوج چڑھی آتی ہی مولانا اُترے
حسرت ہو کہ مہاؤں تو خالی مرانیں ہو

وہ تو نے کیا ہوتا ہے جو حق رفاقت
نہ ہاتھ میں نہ پاؤں میں نہ قلب میں طاقت
پھٹ جائیں گے سب زخم غش کھائے گرونگا

اس خاک پہ ہو شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
سجدے میں کٹے سر کے سعادت ہے یہ مرنا
ذی حق ہیں ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پردہ کا

خاتم سے لگیں گر گیا زریں ہو گیا خالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنہلے شہ عالی
اک ہاتھ کو رہو اس کی گردن پہ دھر گئے

جاؤ یوڑھی پہ اسی صاحبِ معراج کے ہوار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خیر دار
لیجائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

ایک تیر جہیں پہ بن اشب نے لگایا
پیکان سے پہلو عقبہ سر نخل آیا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشان کا

کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
کھوڑے نے سنیں ورد کی باتیں یہ ساری
جیواں کو بھی رقت ہوئی اس لطفِ کم پر

گروں کو ہلایا کہ سیحانہ اُترے
تلواریں لیے گرد ہیں اعدانہ اُترے
ای دوائے ستم صد نشیں خاک نشیں ہو

شہ نے کہا تا چند مسافر سے محبت
بتلا تو سنہلنے کی بجلا کون ہی صورت
بہتر ہو کہ اتروں نہیں تیور کے گردوں کا

ہر عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا
گو مہلہ صعب ہے دنیا سے گزرنا
طاقت میں خدا کی نہیں صرف تن و سر کا

اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کوئین کا والی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
کپڑے تن پر نور کے سب خوں میں بھر گئے

منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فراتے تھے ہر بار
اب ذبح کرینگے ہیں اک دم میں ستمگار
رہنا دہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اس اللہ کا جایا
فسر یا د نے نہ ہر اکی دو عالم کو ہلایا
ترتے نہ تھے صبر امام و وہاں کا

حضرت نے جس سے کچی کھینچا تھا نہ وہ تیر
 اور وہ تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
 چلائے ملک دیکھ کے خوں سبیط نبی کا
 بیٹھے جو سوئے قبلہ دوزا نوشہ نے پر
 تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
 بہہ آیا ہوتا ہے زخمت ابن مبارک
 نیزے کا بن وہب نے پہلو پہ کیا وار
 تاوک بن کاہل کا کیلجے کے ہوا پار
 تلوار سے وقفہ نہ لاجپ نفس کا
 تھڑکے جھکے سجدہ حق میں شہ ابرار
 خوش ہو کے پکارا پسیر سعد جفا کار
 آخر ہی بس اب کام امام ازیلی کا
 لکھتا ہی یہ راوی کہ بیا ہو گیا محشر
 اک سیدہ کھنی درخیمہ سے کھلے سر
 چلائے لعین خوف سے ہاتھ اکھینچ پھر کے
 ہلٹا تھا فلک ہاتھوں سے جب پٹیتی تھی سر
 فرماتی تھیں فضہ جو اڑھا دیتی تھی منجر
 سمرنگے یوہیں جاؤنگی روضہ پرتی کے
 اس بھیڑ میں اگر وہ ضعیفہ یہ پکاری
 گھوڑا تو ہو کوئل کہہ اتری ہو سوانی
 مر جاؤں گی حضرت کو جو پاکی نہیں ہیں

جو سر چلگی تیغ بن مالک نے پیر
 سر تمام کے بس بیٹھ گئے خاک پشیر
 تھا حال یہی مسجد کو فہ میں علی کا
 جھکتے تھے کبھی غش میں بھاتے تھے کبھی
 یا قوت بنے ڈوب کے خوں میں لہیر
 ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک
 کاندھے چلی ساتھ زراہ کی بھی تلوار
 بازو میں درآیا تبر خولی خونخوار
 دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا
 شور دل فتح ہوا فوج میں اکبار
 از خولی شہیت و بن ذی الجوشن جبار
 سر کاٹ لو سبیل کے حسین ابن علی کا
 بارہ ستم ایجاد برے کھینچ کے خنجر
 برقع تھا نہ متع تھا نہ مورے تھے نہ چادر
 لوظاٹہ آتی ہو بچانے کو پسر کے
 بجلی کی طرح کوندے تھے کانوں کے گوہر
 فریادی ہوں فریادی کو زیبا نہیں چادر
 پردا تو گیا ساتھ حسین ابن علی کے
 اوسبیط نبی ابن علی عاشق باری
 بھیا بہن آئی ہو زیارت کو تمھاری
 نے آپکے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں ہیں

۴۵
اُس وقت شہر میں نے سنی تھی خواہر
فرمایا اشارے سے کہ اے شہر سنگ

آخر تو سفر ہوتا ہوا اس وارِ محن سے
منہ پھیر لیا شہر نے خنجر کو ہٹا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں کے
اُٹھ سکتے نہیں جسم پہ تواریں پڑی ہیں

دوڑی یہ صدا سن کے بدلتی جاتی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
آفت میں پھنسی آلِ رسولِ عربی کی

ہو ہو پسر صاحبِ معراج حسینا
گو یا کہ علی آج ہوئے قتل حسینا
پر سا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی

قربان بہن اے مرے مرے سہرے سید
اے فاقہ کش و بیکس وئے پرے سید
دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو

بھیام کوئی نہیں تم خوبا ہو آگاہ
وہاں سکتی بڑی آپ کی اے سیدِ بجاہ
چلتے ہوئے کچھ چھ سے نہ فرما گئے بھائی

جس وقت کہ تھا خلقِ مبارک تہ خنجر
زینب بگل آئی ہو ٹھہر جا بھئی م بھر
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

دی شہر نے یہ زینب کو صلا شک بہا کے
دیکھو گی کسے ہم تو ہیں پنجہ میں قضا کے
گہراونہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

چلائی کہ دیدار تو میں کچھ لوں بھائی
یاں ہو گئی سید کے تن و سرِ عینائی
پہنچیں تو سناں پر سرِ شہید کو دیکھا

دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے داری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہمار سی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہرا و علی کی

پر دیں ہیں بیووں کا ٹٹا ملج حسینا
ہو ہو کفن و گور کے محتاج حسینا
لاٹنا بھی زیں پر سے اٹھا تا نہیں کوئی

نذر بوج تھا کشتہ خنجر مرے سپہ
پنجے میں ہو قاتل کے ترا مرے سید
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

احمد ہیں نہ زہرا نہ حسن ہیں نہ بدلتہ
چھوڑا نچھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
بھینا کو بچف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

<p>کس سے ترا لاشہ بہن اٹھو اُسے برادر پانی بھی نہ قائل نے دیا ہائے برادر جیواں کو بھی سپاسا کوئی بیجاں نہیں کرتا لکھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے ہیں حاسد ہیں بہت دل کو عطا کرے تو چین نے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے</p>	<p>ای میرے شہید اے مرے مان جائے برادر کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر انساں پتھریوں کبھی انساں نہیں کرتا خاموشی افسانے اب کہہ دل میں ہیں بچپن اب حق سے دعا مانگے اے خالق کو نین ناعق ہو عداوت انھیں اس ہیچرہاں سے</p>
--	--

رباعی میر انیس

غیر مطبوعہ

<p>دھوپ آکے یہاں پزرد ہو جاتی ہے آہوں کے ہیں پتھر اور آنسوؤں کا پھر کاو</p>	<p>اندھی آئے تو گرو ہو جاتی ہے یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے</p>
--	--

رباعی

<p>کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم</p>	<p>جب ملک کو چرخِ پیر برباد کرے اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے</p>
--	---

ایضاً

<p>انساں ذی عقل و ذی ہوش ہو جاتا ہے گر جان نہیں سخن تو بتلائیے پھر</p>	<p>اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے کیوں مرے بشر خوش ہو جاتا ہے</p>
---	--

شہزادہ

(۲)

جب رات عبادت میں بسر کی شہزادہ نے
 دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہزادہ نے
 فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا
 سجدوں سے نمازوں سے بیعت کی سحر ہو
 پیارے پہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہو
 لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہو
 دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی
 دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی
 آج احمد و حیدر کے گریبان پھٹنے
 بندہ وہ ہی جو دکھ میں رہے صابر و شاکر
 بہتر ہو اٹھے جتنا سکبار مسافر
 خلقت ہمیں سر پہ کیے روئے گی جہاں ہیں
 جواہل حرم پر وہ عصمت میں ہیں مستور
 مسکن سے نہی رائد نہ نکلے یہ ہو دستور
 غش ہو گئی کبھی اور کبھی اشتہر سے گرے گی
 مرتا ہو پھر جس کا اسے دیتے ہیں پر سا
 آزار میں عابد پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا
 اک حشر بپا تحت میں اور فوق میں ہوگا

سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہزادہ نے
 مرکز رخ الکبر پہ نظر کی شہزادہ نے
 لو اٹھ کے اذان دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا
 رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہو
 عاشور محرم ہو شہادت کی سحر ہو
 اولاد ہمیر کی یہ قربانی کا دن ہو
 صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
 بیٹے سے جدا ہو گا پدر بھائی سے بھائی
 اٹھا رہ بنی فاطمہ کے حلق کشیں گے
 اک جاں ہو سو موجود ہو اک سر ہو سو حاضر
 یہ مرحلہ عمر کی ہو منزل آخر
 اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں ہیں
 کھل جائیں گے انہو میں ان کے سر پر نور
 ان راتوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے پتھر
 زہرا کی پہ شام میں سر ننگے پھرے گی
 ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی لہذا
 لیجا میں گے تا شام اسے کانٹوں پہ اعدا
 بٹری میں قدم ہوں گے گلا حلق میں ہوگا

یکہر کے بڑے بہریم شہ صفدر
وہ صوفت حسن اور وہ خوش الحانی اکبر
ہر نخل کو اکے جد تھا اس ظلم کے بن میں
اکبر کی صدا سننے ہی زمینب یہ پکاری
قربان موفون کے نمازی کے میں لاری
ہر شام پوہیں طاعت مہود ادا ہو
آگے تھے عبا وڑھے ہوئے شاہ حجازی
ابراہر جہاں فخر زماں صفدر و غازی
دنیا میں یہ رستے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
وہ چاند سے چہرے وہ سپیدان کی عبا میں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
اک جوش محبت ابھیں دکھلاتا تھا کوثر
تبسچ وہ وظائف سے ہوئی جبکہ فراغت
بس ہو گئی اک مجلس ماتم وہ جماعت
باہر علم فوج خدا لاتے ہیں جلدی
یاں لشکر اسلام مسلح ہوا سارا
تھا راندوں کے حلقے میں یہ اللہ کا پیارا
پہلو سے پردے نہ سرکتی تھی سکینہ
خصت ہوئے راندوں سے جو پیر بیدائش
مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و رہت
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حبیب کا

جنگل میں ازاں دینے لگا دلبر سرور
ہر شخص کو یاد آگئی آواز ہمیں
تھا بلبل حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں
آشدر رہے خلق میں آواز تھا ہی
قایم یہ جماعت رہے یا حضرت بابی
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو
یہ پچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سار نمازی
تھی ان پہ خدا کو نظر بندہ نوازی
معراج میں تھے ساتھ حسین ابن علی کے
وہ خشک بانوں پہ اثر دار دعا ہیں
مشتاق تھیں جو ہیں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
کیا سب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر
حضرت نے پڑھی اٹھ کے محمد کی زیارت
فرما کے یہ ان سب کے لئے خیمہ میں حضرت
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی
وال کفر کی فوجیں ہوئیں میدان میں آرا
چلائی تھیں سب ہائے مدد گار ہمارا
پیشی ہوئی دامن سے ملکتی تھی سکینہ
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباس
وہ رنگ وہ گلہ سٹہ شیر کی بو باس
وہ داجو اٹھا کھل گیا درخداہریں کا

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفد
 ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
 اس فوج کا مالک پسر شاہ نجف تھا
 چلوں سے ملاتے تھے جو ناک قد راناز
 تھا عشقِ جگر گوشہ نہرا پہ انجیس ناز
 پہلو سے جدا سرور نامی کے نہ ہوں گے
 ناگاہ جنائیشوں کی جانب سے چلتیر
 گھبرائے بڑے چند قدم حضرت شہید
 اللہ کرو پاس رسولِ عربی کا
 مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتادو
 کس امر چ مجرم ہوا شہید بتادو
 روئے گی اگر منتِ نبی عرش ہے گا
 بیکیں جو ہو چین اہل جہاں دیتے ہیں اس کو
 لب تشنہ جو ہو آبِ رواں دیتے ہیں اس کو
 مہماں سے یوں ترکِ مرقت نہیں کرتے
 کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
 یہ اس پندی جو ہلا میں ہو گرفتار
 ماتم ہو بہا آلِ رسولِ مدنی میں
 بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
 دکھ دو میں کیا پاس تمہارا کیا میں نے
 صابر ہوں نظرِ جانبِ دریا نہیں کرتا

تھرا گیا قتل میں شہکاروں کا لشکر
 تھا عرب حق ایسا کہ صفیں ہوئیں ابتر
 کثرت تو اُدھر تھی پہ خدا ان کی طرف تھا
 ہنستے تھے اُدھر چھاتیان نے ہوئے جانباز
 غل تھا کہ رہے فوج رہے شاہِ مہر فراز
 باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے
 شہ کے بقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
 فرمایا کہ کیا ظلم ہو افرقہ سنے پیر
 آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبی کا
 سرزد ہوئی ہو کو نسی تقصیر بتادو
 شہِ رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتادو
 بربادیِ سادات سے کیا تم کو ملے گا
 گھر چھوڑ کے جو اے مکاں دیتے ہیں اس کو
 طالب جو اماں کا ہوا ماں دیتے ہیں اس کو
 تم لوگ تو خالی بھی محبت نہیں کرتے
 کیا وہ جو تم سب ہو مرے درپہ انداز
 حاجی بھی ہوں و قہر نبی کا بھی ہوں قادر
 پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں
 اس گرمی میں دریا سے کنار کیا میں نے
 کچھ اپنے نہ آرام کا چار کیا میں نے
 دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوہ نہیں کرتا

چرسن کے پکارا پس سرسبز جفا کار
 ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زہار
 جلا دوں سے خوابانِ امان قبلہ دیں ہیں
 حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری
 ہاں بکیں وئے پر تو ہوں اسی فرقہ باری
 اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے
 اعدا سے یکسر جو پھرے سید خوشخو
 یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
 منہ بھائی کا کتا تھا کبھی گاہ پسر کا
 کا تپا جو کئی بار وہ مولا کا فدائی
 بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہی بھائی
 سید پہ جفا ہوتی ہی مرجانے کی جا ہی
 شہزادہ کو بین ہی وہ صاحبِ توقیر
 بیکس کے لیے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
 دُور و زے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
 لڑتا ہوں تو بربادیِ عقبی ہی سراسر
 دشمن ہو نیز بدستِ آراء لڑوں گر
 سب خوش ہیں مری جان پہ دوونِ بنی ہی
 کیا شور تھی قسمت کہ ہوئے کس کے نکھار
 کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
 ہوں قول کا صادق جو کہا ہی وہ کروں گا

مے سوویہ تقریر ہی یا سید ابرار
 بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچے تلوار
 اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں
 کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں غاری
 پر لے گامے خوں کا عوض حضرت باری
 بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے
 تھرا گئے منطومی حضرت پہ جفا جو
 آنکھوں سے مگر حر کی ٹپکنے لگے آنسو
 بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشِ تھا جگر کا
 ثابت ہوا بیٹے پہ کمری سے تپ آئی
 تب حرجی نے اُسے یہ بات سنائی
 یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہی
 نے جرمِ نبی زادے کے ورنی ہیں پیچھے
 کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
 مظلوم کی اک جان ہی اور لاکھ عدو ہیں
 قتلِ پسرِ فاطمہ ہی قتلِ پیمبر
 بچے ہوں مصیبت میں گرفتار لے گھر
 مرجاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہی
 اللہ کے محبوب کا دشمن ہی جو غدار
 حق جس کی طرف ہی ہیں اسی کا ہوں طلبگار
 فرزندِ پیمبر کی رفاقت میں مروں گا

چہرہ مراد فتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
 تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروانے کیا ہے
 سب جیتے ہی جی تک ہیں سوالِ نبی کے
 بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا
 ساتھ اس کا میں دوں گا کہ جو ہے بکین تنہا
 یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
 بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
 بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
 مظلوم سے دور وز کے پیاسے سے لڑیں ہم
 سو سر ہوں تو نہ ہر اکے جگر بندہ واریں
 تو با جین مر کے تو بہت کو نہ ہاریں
 ہمراہی خدا و بد افعال پہ لعنت
 عبدُ حمزہ غازی نے کہا تول کے شمشیر
 دنیا میں نہ ہو گا عمر سعد ساتھ پیر
 حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
 حُر نے کہا آہستہ مرے عبدِ وفا دار
 تعیل مناسب نہیں اسے صفدر و جزار
 پاک اپنے گناہوں سے جو ہو لیں تو لڑیں گے
 یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور
 بولا وہ لیں دستِ نجس پھیر کے منہ پر
 کھولوں گا کر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا

بہکا ہوں مگر ابنِ علیؑ راہ نما ہے
 ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
 تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے
 بولاً حردیندار کہ خوشنودی نہ ہر
 فرزندِ نبیؐ نور خدا سیدِ بطحا
 تھوڑوں کا جو دے ساتھ وغائیں جری ہے
 آنکھوں سے چلیں گے کہ یہ ہے عینِ عبادت
 کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترکِ فاقہ
 کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم
 تنو بیٹوں کو صدقے شہ والا ہے اناریں
 دنیا کے لیے بندہ مقبول کو ماریں
 دیں کھوکے جو ہاتھ آئے تو اس مالِ پلنت
 گر لاکھ ہوں جائیں تو نہاں سرِ شہید
 کہیں تو کروں اس کے شادینے کی تدبیر
 اُس فوج میں چلیے تو اسے مار کے چلیے
 آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہ ابراہ
 نے تو یہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
 پھر آگ بھی ہوے گی تو ہم کو دہیں گے
 پوچھا ترا کیا قصد ہے ای مالک لشکر
 منظور ہے "تارا جی" گلزارِ ہیمبر
 بچہ بھی نہ چھوڑوں گا جیٹن ابنِ علی کا

ہیں جمع پڑدعوتِ فرزندِ پیغمبر
 چکر مرے ہاتھوں سے کہاں جانگے سرور
 دور اوں کا گھوڑے جسدِ شاہِ اہم پر
 تھرا کے کہا کرنے کہ ڈر قہرِ خدا سے
 باز آستم و ظلم و تعدی و بھاسے
 شہزادوں سے اپنے کہیں نیدار لڑے ہیں
 چھوڑا ہی پیغمبر نے امانت اٹھیں ہم ہیں
 اللہ ترحم میں خوشی ہو کہ کسٹم میں
 سادات کے بدخواہ نہ پھولے پھیلے گے
 بس زرد ہو اُس کے یہ باتیں سیہ رو
 میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو
 جابر ہی زید اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہو
 صالح ہو کہ طالع ہو کسی سے ہیں کیا کام
 مٹ جائے گا دفتر سے شیاعوں کے ترانام
 فرقہ یہ پیادوں کا ہر آفتِ زینپاہو
 برسوں سے ہو تو شام کے حاکم کا نمکھوار
 مانا کہ حسین بن علی ہیں شہِ ابرار
 جنگِ اُحد بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
 حُرنے کہا اب غلو کسی کا نہیں کچھ دیوان
 نہ ہرا کے جگر بندہ صدقے ہو مری جان
 جنت ہو گھر اس کا جو غلام شہِ دیں ہو

یہ تیر یہ تیر کے یہ تیر اور یہ خنجر
 پنجے میں ہی شیروں کے یہ سادات کا لشکر
 چادر نہیں رہنے کی میرا ہلِ حرم پر
 بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ ماس
 کیا وجہ عداوت کی غریب الغریا سے
 سادات ہیں یہ ان کے حق امت پر بڑ ہیں
 روتے گئے دنیا سے نبی آل کے غم میں
 پستے کے ستارے کا نہیں حکمِ حرم میں
 چھد جائے گا دل کس کا جو تیران چلیں گے
 بولا کہ مجھے کتنا ہی مردودِ حسنہ اتو
 اللہ یہ اوصاف یہ برجِ شمشاد خوشخو
 ہیں لوگ سالے کے کہیں آپ کہیں ہو
 طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زرعِ طاعت و انعام
 سکتے ہیں ہو سن کر تری باتیں سپہ شام
 دنگا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
 سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
 اپڑتی ہو جب بات تو ہٹتے نہیں جبار
 وہ کون تھے آخر جو پیغمبر سے لڑے ہیں
 سید پہ مرا ہاتھ اٹھے یہ نہیں امکان
 گھر شام میں لٹ جائے پڑنا یہ نہ بیان
 لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہو

شیطان تجھے سننے نہیں دیتا میری تقریر
 دوزخ ہو منصب تو جہنم ہو یہ جاگیر
 گریب پیمبر پر ترا زور چلے گا
 نے لعن نہ لے گا کوئی دنیا میں ترا نام
 بربادی عقیقی ہو اس آغاز کا انجام
 ناشاد و دل آزر دہ و منہوم رہے گا
 بیٹے نے کہا خر سے کہ اب غلام میں چلے
 آنکھیں قدم قبلہ کو نین پیلے
 سات سخن حق کا یہ مردود نہ ہو گا
 بھائی نے کہا تول کے شمشیر شر بار
 یہ پسند بھی بیجا ہو نصیحت بھی ہرے کار
 بدخواہ جگر بند رسول مدنی ہو
 چلایا قریب آ کے غلام حرم غازی
 ہم دوست ہیں یہ دشمن سلطان جانی
 منحوس نے بدنام کیا قوم عرب کو
 تھے چار چواں ہاتھ میں تولے تھے شمشیر
 نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرت شیر
 چاروں کے فرس بھر کے طراپے نکل آئے
 اسلام کی سرحد میں چو پہونچے وہ نکو کار
 بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حرم دیندار
 کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہو

بنیاد ہو سوچے جسے انجام کی تدبیر
 کھوتا ہو دو عالم سے تجھے حاکم نے پیر
 تو تاجہ ابد نار جہنم میں جلے گا
 کام آئے گا خلعت نہ پس از مرگ تمام
 بیکس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
 دنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا
 ہوتی ہو بس اب دیر جہنم سے نکلے
 چلکر چمن فاطمہ میں پھولے پھلے
 جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہو گا
 ہاں جہل مرکب میں سیہ رو ہو گرفتار
 عقیقی سے عرض کیا ساگنیا ہو یہ غدار
 یہ دشمن دیں خلق میں گردن زدنی ہو
 غوغو یو ہیں کرتا ہو سگ چھیرے تازی
 ان آنکھوں نے دیکھی ہو بہت شہدہ بانی
 اس بوم کے سایہ سے حذر چاہیے سب کو
 سننا رہا چکا سخن سخت وہ بے پیر
 سیرھے کیے گھوڑے کہ کمانوں چلتیر
 بدلی سے دھکتے ہوئے تارے نکل آئے
 رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول گئے
 یا عقیدہ کشا یا شبہ دیں یا شبہ ابرار
 اسی نوح غریباں یہ حلیت کی گھڑی ہو

مشہور دو عالم ہی تری ہمت عالی
 سر پر ہر گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
 انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
 مولا ستم لشکرِ اظلم سے بچالے
 آقا غضبِ خالقِ عالم سے بچالے
 یہ اہل جفا دشمن شاہِ مدنی ہیں
 اے خلق کے سرور ترا احسان ہی مجھ پر
 اے سبطِ ہمیر ترا احسان ہی مجھ پر
 اُس دن بھی کرمِ قبلہ عالم نے کیا تھا
 حضرت سے جو نصرت کو غلام آیا تھا اس رات
 باقی ہی اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
 کیا وجہ جو خادم پہ تلطف نہیں ہوتا
 ارشاد ہوا تھا مرے سنے پہ کہ بھائی
 حضرت کی دعاؤں سے یہاں تک لائی
 ہر چند کہ ریگِ بیاباں سے سوا ہیں
 حضرت نے سنا کر کا جو یہ نالہ جاں ناکہ
 آکر مرے ہمدرد مدد کا ہوا خواہ
 استادہ ہی کیوں دور تر دیکھے کیا ہی
 جس حال میں ہو آگہ مرا گھر ترا گھر ہی
 کاشا نہ تختِ دلِ حیدر ترا گھر ہی
 فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابنِ سخی ہیں

سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
 تو بہ کے لیے آیا ہوں اے خلق کے والی
 میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا
 انبوہ جنودِ الم و غم سے بچالے
 اے مالکِ فرو و س جنم سے بچالے
 ان سب میں میں چاہ جواں پنج ستی ہیں
 اے خاصہ داور ترا احسان ہی مجھ پر
 اے مالکِ کوثر ترا احسان ہی مجھ پر
 میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا
 فرمایا تھا مولانا نے بصدِ لطفِ مدارات
 اے خیر صادق مجھے بھولی نہیں بات
 وعدے میں کر میوں کے تخلف نہیں ہوتا
 پھر بعد ملاقات سوئے گی جدائی
 کر دے بے بندھے ہاتھوں کی اے کشتائی
 پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں
 خود ہاتھوں کو پھیلا کے چکے شہِ دیباہ
 بھائی میں بڑی دیر سے ٹکنا تھا تری اہ
 پہلو میں جگہ ہی مرے دل میں تری جا ہی
 ماتم کہہ آلی ہمیں صبر ترا گھر ہی
 جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہی
 مہال ہمیں پیارا ہی کہ ہم آلی ہی ہیں

زندہ ہو جو مرنا ہو محبت میں ہماری
 عفو و کرم و رحمت و طہیثت میں ہماری
 دشمن سے دل صاف میں کینہ نہیں رکھتے
 اکبر سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
 حیدر کے نواسے ہیں کہ مہر ان کو بلاؤ
 اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہو پیارو
 ارشاد پدر شن کے بڑے فوج سے اکبر
 قاسم بھی چلے اس پے صبا دم سے اتر کر
 ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گلبدن آئے
 پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
 چھاتی سے لگا کر اسے بولے علی اکبر
 عین عنایت ہو قسم ہم کو خدا کی
 عباس نے فرمایا کہ امی حُر و فادار
 اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
 ممکن ہو کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
 اکبر نے لیا ہاتھ میں دستِ حُر و فادار
 قاسم تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ
 اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
 احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
 ممتاز ہوا قریب شہ و دیں کے شرف سے
 زردی جو گئی رنگِ سرور آگیا منہ پر

سب اجر ہو طاعت کا اطاعت میں ہی
 بگڑا بھی سنور جاتا ہو صحبت میں ہماری
 کچھ جس میں کدورت ہو وہ مہینہ نہیں رکھتے
 عباس سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
 قاسم سے کہا خلقِ حسن اس کو دکھاؤ
 مہمان کے لئے آنے کا دستور ہو پیارو
 ہمراہ ہوئے ماہِ نبی ہاشم صفر
 لینے کو پیادہ گئے زینب کے بھی دلبر
 سمجھا وہ کہ لینے کو مرے بچپن آئے
 شہزاد و گنگار ہو یہ بندہ احقر
 گھبرانہ عطا پوش و خطا پوش ہیں سرور
 آنکھیں تری جانب ہیں امامِ دوسرا کی
 تو ان کے کرم سے ابھی افس نہیں نہا
 بخشائیں ابھی تجھ سے اگر ستوں گنگار
 دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کرینگے
 عباس نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
 زینب کے پسروں چلے بیٹے کے ہمراہ
 مہمان کو برسیِ عزت و تکریم سے لائے
 حضرت بھی بڑے چند قدم فوج کی صف
 لپٹا قدمِ نختِ دل شاہِ نجف سے
 تلبیلین پہ سر رکھتے ہی نور آگیا منہ پر

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہر والا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا

اوج اُس کے لئے ہے جو جھکا جاتا ہے
کھولے جو بندھے ہاتھ خرنے سروپاکے
صدقے ترے اور بندہ مقبول خدا کے

عصیاں کی جو دہشت تھی وہ بالکل گئی مولا
توبہ سے فراغتِ حُر غازی نے جو پائی
مقبول خدا ہے جو کرے تجھ سے بھلائی

باعث یہ بڑا تھا کہ نہ جلا دوں میں لکھا
شہ بولے کہ تھا رنج و ترو میں سحر سے
مہماں نے یہ کی عرضِ شہ جن و بشر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے

فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہے دستور
فاقہ بھی کئی دن سے ہے پانی سے بھی ہیں

محبوبِ الہی تری امداد کریں گے
دنیا سے کہتے ہیں وہ اک اہ گزر ہے

ویکھا جسے اس میں وہ مہیاے سفر ہے
پہلے سے اُسے بھیجے جو تھکوا ملا ہے

ہمسایہ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصہ ہے برادر

اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
غفار ہے راحم ہے گنہ بخشے والا
یعجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کے
سب ہیں ترے ناخن میں ہر عقدہ کشاکش کے
صدقے سے ترے دل کی کھل گئی مولا

اُس وقت صدا ہا لٹ غیبی کی یہ آئی
دی حق نے اُسے آتشِ دوزخ سے لائی
سُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا

آرام کر اب کھول کے ہتھیر کمر سے
اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
ہو جائے گی بند آنکھ تو ہتھیرا کھلیں گے

شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
خیر اب وہیں ہو جائیگا جو ہے ہمیں منظور
ہم نعمتِ عقبی سے تجھے شاد کریں گے

اک دم میں اُدھر ہے بشر اک دم میں ہر ہے
رہنا ہے جہاں تاپا ابد گھر وہی گھر ہے

اُس گھر کا چراغِ آلِ محمد کی ولا ہے
قربِ اسدِ قلمہ کشا تجھ کو ملے گا

کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
جتنے ہیں ہمارے تراحتہ ہے برادر

کی دستِ ادب مجھ کے مہماں نے یہ گفتار
 باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ شمعکار
 ڈنکے پہ اُدھر چوبِ پڑی لشکرِ کیوں میں
 عباس نے کھولا عظمِ فوجِ ہمیشہ
 کی عرضِ پدر سے علی اکبر نے یہ بڑھک
 فرمایا کہ اب کیا ہو لڑو لشکرِ شر سے
 ہمشکل پیڑ جو بڑھے سُن کے یہ احکام
 کی عرضِ بہ منت کہ مدد کا ہو یہ ہنگام
 دلوادو اجازت کہ غریب الغریا ہوں
 فرمایا بیعت علی اکبر نے کہ اچھا
 کی عرض کہ اے قبلہ دیں سید بطحا
 بھیجیں اسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
 حضرت نے کہا روکے یہ کیا کہتے ہو پیار
 بیس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سار
 دم بھر نہیں گزرا کہ ملاقات ہوئی ہو
 پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
 میں بھی مترد تھا اس کے بھی تھگم
 دستے جو سپاہِ ستم و جور کے آئے
 اب تو ہیں بلاشبہ ہم اس کے یہ ہمارا
 پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہو کنار
 محبوب ہیں راحت کا سرا انجام نہیں ہو

بھوکا اوی نہمت کا ہو یہ عبدِ گنگکار
 چلوں سے ملے تیر علم کھل گئے اکبار
 تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہ دیں میں
 جھومے صفتِ شیرِ جوانانِ دلاور
 کیا حکم ہو تیرا تے ہیں اس فوج سے دور
 بس دیر اسی کی تھی کہ بیعت ہو دھڑ
 شہزادے کے قدموں پر گرا خوش انجام
 خادم جو ہر دل ہو تو ہو جائے بڑا نام
 حسرت ہو کہ پہلے میں ہی آقا بہ فدا ہوں
 ساتھ اس کو لیے آئے حضورِ شہ والا
 پہلے حیدر غازی کو ہو نصرت کی تمنا
 بہتر ہو کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو
 تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
 آیا ہو ابھی اور ابھی کہ دو کہ سا بھارے
 باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہو
 دونوں طرف آمادہٗ پیکار تھے مردم
 آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
 آئے بھی چوبِ پرچم اس طور کے لئے
 پیارے جو ہم اس کو ہیں تو یہ بہت پیارا
 تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہو گوارا
 پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہو

اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
 نے تابی تحصیل سعادت ہو یہ ماننا
 کیونکہ ہو کہ تلواروں سے بیدم سے کھیں
 یہ دوست اسی طرح دینے میں جو آتا
 جس شر کی تننا سے ہوتی وہی پاتا
 نے حسن طلب دینے میں جواہل خاہیں
 کس پرستم گردش و وراں نہیں ہوتا
 کس کو اہم فرقت مہمان نہیں ہوتا
 دوسرے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہو
 حُر سے علی اکبر نے یہ فرمایا کہ بھائی
 گر کہ قدیم شہ پہ یہ بولا وہ فدائی
 اولاد بھی فیاض ہو ماں باپ سخی ہیں
 نے مانگے تو سب طرح کی وجہ بخشی
 حویریں مجھے دیں آپنے جنت مجھے بخشی
 یہ سب تو ملا اذن و غابھی مجھے دیجے
 مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لیکے چلا ہوں
 سید کی غلامی کا بصلایکے چلا ہوں
 نام اس کا بخشش یہ عنایت یہ مدد ہو
 مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہو
 اکسیر غبار و شش پیر ملی ہو
 ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہو

مشتاق محبت کو ہنساتے ہی رولانا
 سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہو زمانا
 یہ دیکھ لے جی بھر کے ہیں ہم سے کھیں
 خود اٹھ کے حسین ابن علی ہاتھ دھولا تا
 سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
 خیر آج تو ہم آپ گر فہار پلا ہیں
 دنیا میں کسے صدمہ ہجراں نہیں ہوتا
 ہو کو نسا جمع جو پریشاں نہیں ہوتا
 اک دوست کی ہو فیکریں ایک ہیں ہو
 منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
 مرجاؤں گا پہلے جو صارف کی نہ پائی
 محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں
 توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی
 حُر ہو گیا دوزخ سے وہ حرمت مجھے بخشی
 پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے
 مقبول الہی کی دعا لیکے چلا ہوں
 کافی ہو ابد تک وہ عطا لیکے چلا ہوں
 رخصت نہیں آزادی دوزخ کی سند ہو
 غنیمت ہو ملائک کو وہ تقدیر ملی ہو
 اس خاک پہ سونا ہو یہ توقیر ملی ہو
 یہ نہ کسی خاقاں کے خزانے میں نہیں ہو

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا
 اللہ رکھے حلق میں تا حشر یہ سایا
 کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا
 ناجی ہو وہی آلِ پیمبر جسے بخشیں
 عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں
 وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہٹا
 گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے
 دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے
 کدے کوئی یہ خیر کبھی اوروں نے کی ہے
 شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبی کے
 ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبی کے
 وہ کونسی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
 کی حُر نے فصاحت سے جو مداحی سرور
 اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
 مداح کو مہاں کو بہادر کو صلا دو
 اکبر نے عبا لیکے جو مہاں کو اڑھائی
 عباس پکارے کہ زہے عقدہ کشائی
 کوئین کا اقبال و چشم جانیو اس کو
 بولے چیبیب ابن مطاہر کہ خوشحال
 دم میں یہ ترقی و چشم اور یہ اقبال
 سیکھ بھلا کون سا رُتبانہ لے گا

ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا
 فیاضِ دو عالم ہے ید اللہ کا جا یا
 اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں کھتا
 فردوس میں قصر اس کو ملے گھر جسے بخشیں
 سونے کا بناے و محل زر جسے بخشیں
 اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا
 کس کشت پر مینہ فیض کا برسا نہیں دے
 اس حسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دے
 اک وئی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دہی ہے
 یہ بعد علی کے ہیں علیٰ بند نبی کے
 ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبی کے
 اک مہربوت کے سوا کیا نہیں ان میں
 نیوٹن الیا شرما کے سخی نے سیر انور
 کمدو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
 ۱۰۱ یہ عبا لیکے مر سی حُر کو اڑھا دو
 شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
 لے خلعتِ رحمت تری اُمید بر آئی
 فردوس کے حلقے سے نہ کم جانیو اس کو
 قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
 کر دیتا ہے قطرے کو گہرِ فاطمہ کا لال
 یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ لے گا

جنت ہوا جب سبط نبی سے جر جہار
 تسلیم ہو کی جھک کے تو روئے شہ ارار
 دنیا کے سیدوں میں ترانام ہو بھائی
 خالق الم و صدمہ آفت سے بچائے
 غفار گتہ ہول قیامت سے بچائے
 گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
 رو کر جو دعائیں اُسے دیتے تھے شہزادیں
 گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصدیق نکلیں
 الشہری ضیا اختر طالع کی جہیں پر
 وہ اوج وہ رفعت وہ جلال چشم اُس کا
 منہ دیکھتے تھے جن و بشر و مبدم اُس کا
 تھاج ملک تار یوں میں نوہری اب تو
 اشعار بہ خمر پڑھ کے وہ جرار پکارا
 آقا ہو مرا عرشِ معلیٰ کا ستارا
 بھیجا ہو نواسے نے رسولِ دوسرے کے
 پیسنتے ہی برسانے لگے تیر سنگار
 دہنی طرف آیا پس سرِ صفدر و جرار
 کفار کے سمرتن سے گرے خاک پکٹ کر
 لاشوں کو اٹھالے گئے جب قبلا عالم
 بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھام
 چمکا کے فوس لڑنے لگا فوجِ گراں سے

چوے قدم شاہ پہرا گرد کئی بار
 فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غوار
 غیبی میں نتھے رحمت و آدام ہو بھائی
 رب و جہاں قبر کی حشت سے بچائے
 حافظ نتھے آہن کی جراح سے بچائے
 یہ آج کی منزل نتھے رحمت سے بسر ہو
 حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آ میں
 شادی سے ہوا و شرف منہ رخ نکلیں
 ائینہ خورشید چمکتا تھا زمیں پر
 بڑھتا تھا سونے گلشنِ جنت قدم اُس کا
 غل تھا کہ بڑھا فے جسے چاہے کرم اُس کا
 حروفِ تنگ گار میں تھا حور و اب تو
 آیا ہی غلام اُس کا علی کا ہی جو پایا
 ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
 اے قوم ہرا دل ہوں میں لشکر کا خدائے
 بھائی حور غازی کا بڑھا تول کے تلوار
 اک شیر سائیزوں میں دھنسا عبیدو قادار
 مارے گئے لشکر کی صفیں نہیں اولٹ کر
 چھٹرا حور جرار نے شہدیز ضباد م
 پر صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پر غم
 مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

التدر سے مہمان شہ دیں کی لڑائی
 اک برق گری تیغ چمک کر جدھرائی
 یانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے عدا
 چلے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
 چو رنگ کے دو ہاتھ جدھڑچھوڑ کے نکلا
 تلوار چمکتی تھی صف لشکر کیس پر
 لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
 چہرے پر سیہ کار سپر لاکے نہ ٹھہرا
 جہم جائے جہاں کوہ وہاں کھے کیا ہو
 شہدر تھے سنگر کہ دو چار اس سے ہونیکر
 حلقے میں اہل کے ہیں فرا اس سے ہوں کیونکر
 جی ہر تو جہاں نبوں میں نہایا نہیں جانا
 کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
 کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
 پھل اُس کا نظر بندی اعدا پہ ٹلا تھا
 ہر بار تھا حملہ عمر سعید جس پر
 رعب اُس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس
 سراپاؤں تلے پستے تھے بیدار گروں کے
 غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
 دل توڑ دیئے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
 حیدر کے محبوبوں میں نیا ڈھنگ ہوا اس کا

فرصت نہ سننے کی خطا کاروں نے پائی
 برباد کیا چھونک دیا آگ لگائی
 جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے عدا
 انہوہ سے شہدیز کو یہ موڑ کے نکلا
 جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
 گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زیں پر
 تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
 نامرد لڑائی کی جگہ ہا کے نہ ٹھہرا
 جب شیر کو غیظ آئے تو رو باہ سے کیا ہو
 سر بر ہوں دغا میں تو سوار اس ہوں کیونکر
 ہریل فنا بیچ میں پار اس سے ہوں کیونکر
 دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا
 کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
 جلوہ کیا سو باہ پہ صورت نہ دکھائی
 اس میں کوئی پر وہ نہیں منہ صا کھلا تھا
 اڑ جاتا تھا سر تیغ چمکاتی تھی جس پر
 بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اُس پر تو وہ اس پر
 لکھنے سے بال آگے کا سول میں سروں کے
 تلوار یہ ہی تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
 شہدہ ہیں پرے پختنی کہتے ہیں اس کو
 جو راکب و مرکب ہی وہ چو رنگ ہوا اس کا

نے سر نظر آیا وہ جسے پاگئی شمشیر
 چمکی تو اُدھر اور اُدھر آگئی شمشیر
 سکتہ تھا ہر اک لہر عجب ضربی تھی
 جو دشمن دین تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
 چار آنسو و خود کو کب مانتی تھی وہ
 اثر در تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
 نے حال عدو ہول کے مارے نظر آئے
 جس بن سے چلی صاف شرارے نظر آئے
 اُس تیغ کا پھل کھا کے عدو خوں میں تپاں تھے
 گہر حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
 رن میں کوئی زخمی کوئی سال کے برابر
 سر پر تھی وہ جب تک کہ عدو راہ عیم
 رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
 غصے میں وہ شبیدیزی کی آنکھوں کا اُلبنا
 مارا تھا قدم اُس نے شجاعت کے چلن پر
 لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
 وجہت و چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرا
 ایسا تو سبک رو فرس برق سفر ہو
 کھانے لگی گھونگٹ جو سپاہ ستم آرا
 جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دیا کانارا
 دو لاکھ جواں ایک کا سر لانیس سکتے

دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
 کیا منہ تھا کہ قولا کو بھی کھا گئی شمشیر
 پرزے کیا اُس کو بھی زہر لاکھ لڑی تھی
 مغر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
 ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
 ماہیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ ستم تھا
 جو گھاٹ پہ تھے گور کنارے نظر آئے
 جو ہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
 جب سنے ڈھال لگی رہے لہر خزاں تھے
 پانی میں اثر زہر ہلاہل کے برابر
 بسل بھی نظر آتا تھا بسل کے برابر
 کیا دخل جوئے دم لینے دم بھر کہیں دم
 بھاگڑ وہ پیا ووں کی صفوں کا وہ کچنا
 کھ منہ سے گرا کر وہ کھوئی کا ہلنا
 یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر
 رہوار نے کچلا اُسے حُرنے جسے مارا
 مرنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
 پتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو
 بڑھ کر عمر سعد جو انوں کو پکارا
 گھیر واسے نیزوں میں یہ دشمن ہو ہمارا
 ہاں نیزے لگاؤ جو قریں چاہیں سکتے

آواز یہ دی جس نے کہ او ظالم غدار
بتلا انھیں اندازِ وفا کھینچ کے تلوار
تو دشمنِ نختِ جگر شیرِ حسدِ اہی
بندہ ہوں میں اُن کا کہ جو شیروں کو ہیں
نوبت کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں
شمشیرِ شیرِ قلندِ شکنِ ہر اسی گھر میں
وہ قلبِ ہر جس قلبِ مینِ بھڑا
ہر طرح پر کھلے گا جسے فہمِ ذرا
بازار کے دن کوئی نہ فریاد دے گا
کہہ کر یخنِ قلب میں لشکر کے در آیا
رہوارِ تڑپا کر ادھر آیا ادھر آیا
باندھے تھے کمر و عمرِ خیرہ سری پر
پیہم جو لگے تیر فوس بن گیا طافوس
سینہ ہر کہ تودا ہر نہ ہوتا تھا چمپوس
رخ زہر تھا گلزارِ بختی پوشاکِ موس
اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار
چی کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے کیا
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
جب تک کہ جری پاؤں رکاوٹ کے خالے
خود سنہلے کہ گرتے ہوئے گھٹنے کو بچالے
دیکھا جو فوس نے مرا مالک نہیں ہیں

غیرت ہی تو آسان ہے تو چھتیر کے ہوا
کیوں صورتِ روباہ دکتا ہے جفا کا
اس صف سے نکل کر جواد صرا تو مزا
پتھر پر نشانِ دین کے لشکر کے گئے ہیں
سکے اسد اللہ کی ضربت پرے ہیں
اس ضرب کے سکے کا چلن ہی آئی گھر ہیں
کسال سے باہر ہر شقی دوسرا
کھڑا ہی سو کھوتا ہی کھرا ہی سو کھرا
وہ سامنے مالک کے جہنم میں بھنے گا
سمٹا ہوا لشکرِ تہ و بالا نظر آیا
مضطر ہوئے سب ایک نصف سے برآیا
بوچھا ہوئی دور سے تیروں کی جری پر
دم بھر میں لہو ہو گیا جزا کا لبوس
غش آنے لگے شیر ہوا جنگِ مایوس
فوارہ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ موس
جو آگیا زور پر اسے بھیجا طوفان
مجرور سے اب کیا ہوز ہو گیا بیکار
گھوڑے کا اشارہ تھا کہ اب چل نہیں سکتا
مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے آرے
مرکب جو کو دا تو بڑے بر چھپیں والے
اشد ہی وفا مر گیا گرتے ہی نہیں پر

روتا تھا وفا داری مرکب پہ وہ صفہ
 حضرت کو پکارا وہ جبری خاک اُڑا کر
 خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
 آواز علیؑ ائی کہ اے حرمِ دلاور
 بایں پہ ترے میں تو ہوں شیر نہیں گر
 میں پاس ہوں پھر کس لئے بھرتا ہوں بھائی
 پیاسا ہوں تو پانی نہ تجھے کوثر کا پلائی
 مشتاق ہو کر ان کا تو حوروں کو پلائی
 یہ ہاتھ کہیں بند نہیں غتہ کشا ہیں
 اعدائے اُدھر فتح کے باجے جو بجائے
 یہ دورے حُر کو سخن طنز سنائے
 اس وقت کوئی آکے حایت نہیں کرتا
 افسوس صد افسوس عبت جان گنوائی
 بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی
 ہاں مرتبہ اُس وقت شہیدوں میں بڑھے گا
 گردن کو اٹھا کر یہ پکارا حرمِ دیندار
 پاس آکے سخن کہہ تو سنوں میں تری گفتا
 بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہو تجھ پہ
 رتبہ جو ملا ہے مجھے۔ تو کیا اُسے جانے
 گھبراہٹ مجھے رحمتِ رب دوسرا نے
 سرِ عرش پہ ان کا ہے جو رتبے میں ہیں

جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گزیراں سر
 مہاں کی خبر لیجئے یا سبطِ پیہر
 مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا
 طیار ہے فردوسِ معلیٰ میں ترا گھر
 سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
 روتا ہوا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی
 بھوکا ہے تو فردوسِ حبیبے ابھی آئیں
 جو باغِ نیکے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
 جس درد کا درماں نہیں ہم اس کی وہاں
 نکلا پیہر سدا لیں چیت سر لگائے
 کیوں ترکِ وفاقت کے مزخوب ٹھائے
 جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا
 اب نے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہوں بھائی
 مہمانی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی
 جب نوکِ سناں پہ ترا سر کٹے چڑھے گا
 کیا ہرزہ در آئی ہے یہ او ظالم غدار
 زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
 مڑتا ہوں پہ مردہ بھی مرا بھاری ہو تجھ پہ
 خود کو رہا آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا
 پہلو میں محمدؐ ہیں یہ اللہ سر ہائے
 بیٹے لئے ہاتھوں میں لگے دکھڑے ہیں

مجھ سا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہو دانا
 نعمت کے مزے دے گیا یہ بھیا کھانا
 بنا ہو تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
 فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے
 مرو د کو برباد کیا حرص و ہول نے
 گر کر کسی خود سر کو سمجھتے نہیں دیکھا
 ہنگامہ محشر کی بھی کچھ تم کو خبر ہو
 کیا غم ہو جلاشتے پہ نہ بھائی نہ پسر ہو
 تو تیر شہیدوں میں مجھے آج لے گی
 غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حرج برفکار
 جلا د بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ ایکبار
 اٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابن ولی کی
 آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوے روباہ
 ریتی پہ تر پتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ
 ٹکڑے ہو بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
 کچھ مجھ سے وصیت تو کرا سو حرد لاور
 رکھ لے مرے زانو پہ سرائی حرد لاور
 پھر بعد ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی
 کچھ بات کرا سو یار وفادار ہمارے
 ای صفت گن ای صفہ و جہاد ہمارے
 رتبہ ہو ترا سب سے دو بالاشہدائیں

اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
 صدقے ہوا اس پر کہ نبی جس کہیں نانا
 مائل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو کیجے
 شہداد کو دم بھر کی نہ مہلت ہی قضا نے
 کیا ہو گئے قاروں کے پچاس خزانے
 موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا
 و فرخ ترا مسکن ہو تو جنت مرا گھر ہو
 زانوے مبارک پہ علی کے مر اسر ہو
 جب نیزے پہ سر ہو گا تو معراج لے گی
 سر کاٹ لو اس کا یہ پکارا وہ سنگار
 بھاگو کہ حسین آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
 دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغ علی کی
 لاشے پہ گیا راحت جان اسد اللہ
 مہال سے لپٹ کر یہ پکائے شہدیاہ
 لے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی
 خوں ہو ترے غم سے جگرای حرد لاور
 نزدیک ہو شاید سفر ای حرد لاور
 جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی
 ای عالم غربت کے بدکار ہمارے
 تاحشر تجھے روئیں گے غوار ہمارے
 اک دن ترے حقے کا ہو ایام عز ہیں

خم ہو کے پکارے چیبیاب بن مظاہر
 بیتاب ہو بھائی ترا صاحب ہی خاطر
 دیکھ اپنے شرف آنکھ کو کیوں بند کیئے ہو
 سن کر یہ صدا مرنے جو آنکھوں کو کیا دا
 جلدی قدم شاہ پہ منہ ملے یہ بولا
 تکیہ ترے رالو کا میسر ہوا آقا
 غش سے جو نہ کھلتے تھے مے دیدہ پر خم
 ارشاد یہ فرماتے تھے خود سید عالم
 شیر کا جو دوست وہ پیارا ہو نبی کا
 جھپٹن جعفر و حمزہ کا ہو یہ پیارا
 ارشاد علیؑ ہو ملک الموت سے ہر بار
 زخمی ہو جدا کیجیو یوں روح بدن سے
 غروں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اثلے
 ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سایے
 شیر کا مہمان ہو سب پر ترے حق ہیں
 اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پڈلے
 چلاتی ہیں مہاں کو لگے ظلم کے بھالے
 شیر پر غربت میں ستم ہو گیا ہو
 ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہو ترا غم
 آتی ہو جو رونے کی صدا خیمہ سے اسد
 احوال یہ ہو زینبؑ آوارہ وطن کا

آہوش میں اسی منزلِ خنت کے مسافر
 کر نور الہی کی زیارت دم آخر
 فرزند نبیؐ سر ترا گودی میں لیے ہو
 مہر حضرت شیر کی آغوش میں دیکھا
 صدقے ترے الطاف کے اسی سید والا
 ذرہ تھا پہ اب مہر منور ہوا آقا
 صحبت تھی مرے گرد عجیب طرح کی ہنم
 لے آئے ہیں اسی حُر سے لینے کے لینے
 تو آج سے مہاں ہو رسولؐ عربی کا
 جس طرح دم نزع یگانے ہوں پرستا
 ہاں رفت و مدار کہ ہمارا ہو یہ غنچہ ار
 جس طرح اٹھاتا ہو کوئی پھول حین سے
 اسی شاہ کے مہمان اب آپاس ہمارے
 وہ جام بھرے رکھے ہیں تر کے کنا سے
 یہ حلہ جنت ہیں یہ میوؤں کے طبق ہیں
 دو جوہریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو سنبھالے
 ہو اسی پسر فاطمہ کے چاہنے والے
 اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہو
 یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
 ناعوسِ خیمہ میں بپا ہو ترا ماتم
 جو بھائی کے مرجانے میں عالم ہو بہن کا

اشک آنکھوں سے پچاکے پکارا حُر دیندار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر گیکھگار

رتبہ مرا فلک سے برتر ہو آقا
یہ ذکر تھا ظاہر جو ہوئے موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیئے دیدہ خونبار

بس دیکھ کے دیدار امام اذلی کا
لاش اُس کی اٹھا کر شہ دیں ڈیوڑھی پلئے
حُر کے لئے سیدانہوں نے اشک بہائے

عقبی بھی ستور جاتی ہی جب کام ہوا ایسا
خاموش انیس آگے نہیں طاقت گفتار
آقا سے یہ کبر عرض کہ احوال کے مددگار
بندہ در مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے

صدقہ ہی یہ سب آپ کا یا سید ابرار
جس کے لئے روئیں حرم احمد مختار
میں ثانی سلمان و اباذر ہوا آقا

تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے خسار
مڑکر سوئے شہید کرا ہادہ نکو کار
نصرت ہوا مہمان حسین ابن علی کا

پردے کے ادھار اہل حرم پیٹتے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
یوں عشق میں مرجائے تو انجام ہوا ایسا

جاں کاہ ہی افسانہ حُر جگر افکار
اب روضہ اقدس پہ بلا لیں شہ ابرار
محروم زیارت سے یہ مجبور نہ رہ جائے

رباعی

اک غلغلہ جزاکم اللہ ہوا
شہید سا ہر خبر خضر راہ ہوا

حر جبکہ فداے شہ ذبی جاہ ہوا
جنت میں نہ کس طرح پہنچا وہ جہی

ایضاً

پر تعزیر و داریشا و دہیں ہو آواز
ما تم کے ہیں دن سوگ نشیں ہو آواز

ہر چند کہ خستہ و خزیں ہو آواز
نکلے نہ اگر کنج دہن سے تو بکا

مزمعہ (۳)

ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
 ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
 عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا
 در کھل گیا سحر کا ہوا بند بابِ شب
 دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتابِ شب
 سلطانِ غیب و شرق کا نظم و نسق ہوا
 گردوں پہ عالمانِ سحر کا ہوا نصب
 بس جا بجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج اب
 برخواست کی چراغوں کو پروانگی ہوئی
 جن لے چین سے پھولوں کو جس طرح باغیاں
 مہ چھاکے گر گئے شمع و شمع کبکشاں
 پڑمردہ ہو کے رہ گئے غنچے بوم کے
 یادِ خدا میں زمزمہ پر داندیِ طیور
 خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
 جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر
 وہ بارور درخت وہ صحرا وہ سبزہ نزار
 پھولوں سے سب بھرا ہوا دامنِ کوہِ سہا
 آتے تھے سرد سر و وہ جھونکے نسیم کے

طو کپکچا جو منزلِ شب کا روانِ صبح
 گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
 پہناں نظر سے روئے شبِ تار ہو گیا
 خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقاشِ شب
 انجم کی فرد فرد سے لیکر حسابِ شب
 گردوں پہ رنگِ چہرہ متابِ فوق ہوا
 پہونچا جو مہر مہر سے فرمانِ عزلِ شب
 منشیِ آسمان مع دفتر ہو طلب
 آصبح فرد فرد میں بیگانگی ہوئی
 یوں گلشنِ فلک سے سائے ہوئے واں
 آئی بہار میں گلِ متاب پر خزاں
 دکھائے طور بادِ سحر نے سموم کے
 چھپا وہ ماہِ متاب کا وہ صبح کا طور
 وہ رونق اور وہ سرو ہو وہ فضا وہ نور
 انساں زمیں پہ تجو، ملک آسمان پر
 وہ سرخیِ شفق کی ادھر چرخِ پر بہار
 شبنم کے وہ گلوں پہ گہرائے آبدار
 نافے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شبنم کے

تھی وشت کر بلا کی زمیں رشکِ آسمان
 چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پتھا گماں
 سرسبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا
 وہ سر بلند خیمہ زنگاری امام
 کم تھا نہ اُس کا خانہ کعبہ سے احترام
 جلوہ تھا اُس میں برجِ امامت کے ماہ کا
 گیسوئے حورِ خلد کی ہمسرا اک طناب
 وہ شان وہ شکوہ وہ رفت و آفتاب
 پڑھنا و رود آ کے ملائک کا ورہ تھا
 وہ اوج اور وہ قبہ پر نور کی جھلک
 دب دب کے سر جھکتا تھا بے چوہہ فلک
 خوشبو سے ہر بشر کا معطر و ماغ تھا
 تھا وہ سپر دیں تو ہر اک چوب رکن دیں
 تھا در پہ بابِ گلشنِ فردوس کا یقین
 جلوے سے حسنِ روئے شہ کائنات کے
 اُس کی زمین پاک کو تھا آسمان پہ ناز
 طوبیٰ سے سر بلند تو کیوں سے سرفراز
 کرسی میں یہ صفائے صباحتِ عرش پر
 حاضر و حضور پہ وہ خاص گمانِ رب
 غربت زدہ و گرسنے مظلوم و تشنہ لب
 کتے تھے ہائے جا کے کدھر جستجو کریں

تھا دور دور تک شبِ متاب کا سماں
 نہر فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
 صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا
 جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
 قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 درباں تھا جبیل اُسی بارگاہ کا
 دریا تھا وہ تو گنبدِ گردوں تھا اک حساب
 شمس سے جس کے انکھ چراتا تھا آفتاب
 سایہ کے بدلے نور قاتوں کے گرد تھا
 صنو نور کی زمین سے تھی آسمان تک
 اٹھ اٹھ کے دیکھتے تھے اُسے عرش کے ملک
 وسعت سے اُس کے صحن کا دلِ باغ باغ تھا
 چلتے ہیں اُس کے دور سے تھا چرخِ ہفتیں
 پردے تھے رشکِ پردہ چستانِ حرمیں
 آئینہ ہائے نور تھے نقبے قنات کے
 ساتوں فلک جھکائے ہوئے تھے سر نیاز
 اور بیچ میں وہ مسندِ شاہِ ہفتہ حجاز
 دلِ عرش کا بھی لوٹ گیا اُس کے فرش پر
 ایک ایک جن میں فخرِ عجمِ زینتِ عرب
 سُن کر سحر کا شور اُٹھے بستروں کے سب
 پانی نہیں کہ قبۃِ عالم وضو کریں

نکلے حرم سے کر کے تیمم امام پاک
اکبر نے دی اذال جو بہ آوازِ دردِ ناک
آگے سبھوں کے شاہِ حجازی کھٹے ہوئے

آراستہ صفیں تھیں کہ تراں کھلا ہوا
اور مقتدی تھے سب عتب شاہِ کربلا

جیسا امام دیسے ہی ابرار فوجِ حق
سیرے کبھی الف کی طرح تھے وہ بخشِ خصال
ختم ہو گئے سجدہ میں کہ صورتِ ہلال

حق سے دعا قنوت میں کوثر کے جام کی
وہ چاند سے سفید غامے رخوں پہ نور
دیندار و حق پرست و دل آگاہ و باشعور

لب پر درو و دشکوں سے آنکھیں بھری ہوئیں
حبِ حسینِ دل میں زبانون پہ ذکرِ حق
دیندار ایسے پھر نہ ہوئے زیرِ نہ طعن

کس آفتِ عظیم میں ثابت قدم رہے
اللہ نے دل ان کے وفا سے بنائے تھے
سینے خمیرِ صدق و صفا سے بنائے تھے

اور لکھ دیا تھا روزِ ازل سرِ نوشت میں
یاں تھیں صفیں نمازِ جماعت کی اور ادھر
شکلِ ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر

غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے

سجادے سب نے لاکے بچھا بروے خاک
آسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
پیتھے صفیں جل کے نمازی کھڑے ہوئے

بسم اللہ آگے جیسے ہو یوں تھا وہ مقتدا
مصحف کی جس طرح سے ہوں سطرین جدا جدا
ہر صفِ خدا کے نور کے دریا کی موج تھی

جھک جلتے تھے رکوع میں گاہے شکلِ دال
پیشانیوں سے صاف عیاں نورِ ذوالجلال
طاعتِ خدا کی تھی تو اطاعتِ امام کی

دیکھے سے جن کے سیر کبھی ہو نہ حشمِ حور
کمر میں کے جہاد پر رحمت دلوں سے دور
تلواریں سجدہ گاہوں کے آگے دھرتی ہیں

نہ فکر کچھ عیال کی نہ مرگ کا قلع
حقا کہ سب صحیفۂ ایمان کے تھے ورق
آقا کا دم بھرا کیئے جب تک دم رہے

اور جسمِ پاک خاکِ شفا سے بنائے تھے
دستِ کرم سخا و عطا سے بنائے تھے
پہونچیں گے حسین سے پہلے بہشت میں

باندھی تھی فوجِ کیں نے صفا رانی پر کمر
نیزے بھی تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

تیروں کی نوکیں آج ہیں وراں مصطفیٰ
 تیروں سے چھان ڈالیں گے سینہ حسین کا
 مٹی تلک نہ دیں گے تن پاش پاش کو
 یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا دھر سلام
 تسبیح فاطمہ کو ابھی پڑھتے تھے امام
 اُٹھے نہ شہ یہ خود تھے یا و آلہ میں
 گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہل بیت ب
 چلائیں بی بیاں کہ کدھر جائیں غضب
 گہر کے نختے بچوں کو سب نے اٹھالیا
 بچوں کو لیکے چھپنے لگے سب ادھر ادھر
 گہر کے آئیں ڈیوڑھی پہ زینب بنتہ ہر
 شاید مسافروں پہ ستم نے سبب ہوا
 لوگو خبر تو لاؤ کدھر ہیں شہ حجاز
 ان تیروں سے بچائے نہیں بیت نیاز
 جیتے رہیں وہ میری قضا کا بہانہ ہو
 جا کے کہے کوئی کہ سکینہ ہونے قرار
 آتے ہیں تیر لشکر اعدا سے نثار
 آئے نہ گرتو دھیان نہ پروے کالاؤں گی
 یاں اہل بیت میں یہ تلام تھا اور ویاں
 اٹھ کر صف نماز سے عباسؑ نو جوان
 بھائی بھی تھے پناہ شہ بحر و بر بھی تھے

تلواروں سے کریں گے قلم باغ مرتضا
 خنجر اور سیّد لب تشنہ کا گلا
 گھوڑوں سے روند ڈالیں گے سیدی لاش کو
 وہ آخری نماز جماعت ہوئی تمام
 بڑھ بڑھ کے جو لگانے لگے تیراں شام
 یاں تک کہ آئے تیر کنی خیمہ گاہ میں
 دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
 چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہوا ب
 اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپالیا
 چہروں کے رنگ اُڑ گئے تھر گئے جگر
 چلاتی تھیں کوئی مرے بھائی کی لو خبر
 کس پر چلے یہ تیرارے کیا غضب ہوا
 دیکھو تو پڑھ چکے کہ نہیں پڑھ چکے نماز
 اللہ مثل خضر کرے عمر کو دراز
 بھائی کے بدلے سینہ زینب نشانہ ہو
 اور چونک چونک پرتا ہر صغر بھی بار بار
 گھر میں وظیفہ آ کے پڑھو تم یہ میں نثار
 خیمے سے میں نکل کے سپر ہونے آؤں گی
 مصروف ذکرِ حق تھے شہنشاہ دو جہاں
 بس جاکھڑے ہوئے عقب شاہ انش جاں
 تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے

لہڑ کر اشارہ شاہ نے عباس سے کیا
 دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا
 خیمہ میں تہلکہ ہو حرم غل چاتے ہیں
 عباس سے یسین کے اٹھے قبلہ ام
 رونق فراہمے طرف خیمہ حرم
 سب سے کہا کہ بہنوں سے خست کو جاتے ہیں
 داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشم تر
 رو کر کہا سکینہ نے تم نے نہ لی خبر
 لے جا کے ہم کو کون سی جاگہ چھپاؤ گے
 سینے میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہو دل مرا
 بیٹی سے روکے کہنے لگے شاہ و کربلا
 دشمن تمہارے باپکے سب اہلِ شام ہیں
 چھاتی سے تباہیٹ کے یہ بولنا وہ دلبر
 اب پھر چلو وطن کی طرف تم پر میں فدا
 مظلوم ہیں غریب ہیں اور دردمند ہیں
 پتھر و وہ گاہ سے کس سمت پھر کے جائے
 عاشق وہ ہو جو راہِ الہی میں گھولٹائے
 خواہانِ مرگ زبیت کی کیا آرزو کرے
 یسین کے اہلِ بیت میں محشر ہوا بپا
 زبیت پکا زہی پیٹ کے سروا محمد
 فرزندِ فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو

پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہو باجر
 ہو خیریت حضور کریں طاعتِ خدا
 پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا سے آتے ہیں
 تسبیحِ جانناز پہ رکھ دی بچشمِ غم
 ڈیوڑھی تک آئے ساتھ رفیقانِ وحی شام
 باندھو کمرِ جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں
 زینب نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
 تیروں سے یاں خدا نے بچا یا ہمیں پدر
 قربان ہو گئی کہیں استو نہ جاؤ گے
 کیس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشتیاء
 بی بی ہیں نئے قصور ہوں آگاہ ہو خدا
 قربان ہو پدر بہ اجل کے پیام ہیں
 میں صدقے جاؤں تجھ کو تمہاری لگے بلا
 شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کجا
 پانی بھی ہم پہ بند ہو رستے بھی بند ہیں
 یکجہیں گے صبر و شکر سے جو کچھ خدا کھائے
 کٹ جائے تن سے سر پہ نہ وعدہ فی حق آئے
 مانا کے مُنہ سے مجھ کو خدا سُرخِ دہ کرے
 بانو کے سر سے گرنے لگی خاک پر بردا
 دُنیا سے آج کوچ ہو بجائی حنین کا
 زینب تباہ ہوتی ہو مانا مدد کرو

یہ کہہ کے سر پٹکنے لگی وہ اسیر غم
 پیٹو نہ سر تھیں سر شپیر کی قسم
 لاشے پہ میرے آہ و بکا کر کے رویو
 مرجاؤ گی جو بھائی سے پہلے ٹپکے سر
 پچھاتی پہ ہاتھ مار کے بولی وہ نوحہ گر
 ہر اک عزیز گنج شہیداں میں سوئے گا
 زندہ رہوں گی آپ کے بعد ایشہ زن
 ہو کر کہیں گی بی بیاں جاؤں گی جہنم
 بھائی کو کھوکے آئی ہو اٹھے مکان میں
 طفلی میں ماں کے واسطے روئی بچکے صنف
 زہر ستم سے ایک برادر ہوا تلف
 دشت بلا سے شام تلک ننگے سر گئی
 شرے کہا کہ اس میں بہن اختیار کیا
 بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا
 ہم کب گئے جہاں سے بنی و علی کے ساتھ
 توڑا ہماری گود میں بھائی حسن نے دم
 اُن کی مفارقت کا ہمیں آج تک ہر غم
 تڑپے بہت لمحہ پہ گر بیان بھار کے
 فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس
 تھے اہل بیت مضطر و حیران و بے جاں
 شہہ دیکھتے تھے اُن کو جو غم کی نگاہ سے

پچھاتی سے سر لگا کے یہ بولے شہہ ام
 یہ کیا غضب ہو جیتے ہیں زینب ابھی تو ہم
 مرجائے جب حسین تو جی بھر کے رویو
 لیگا بتاؤ کون یتیموں کی پھر خبر
 مجھ کو نہ موت آئے گی یا شاہ بحر و بر
 بھیا کوئی جنازے پہ میرے نہ روگا
 کیا بازوؤں میں کس کے بھگی مے سن
 بھائی تو قتل ہو گیا جیستی رہی بہن
 ایسا نہ سخت جاں کوئی ہوگا جہاں میں
 پیٹی پس جنازہ شاہنشہ نجف
 تیروں سے ایک بھائی کا سینہ ہوا دف
 کیا کیا جو ان مر گئے اور یہ نہ مر گئی
 جو مصلحت کریم کی جو مرضی خدا
 ہو جاتے ہیں جو ان پسر باپ سے جدا
 دنیا میں کون مرتا ہو بی بی کسی کے ساتھ
 مرنا کچھ اُن کا باپ کے مرنے سے تھا نہ کم
 ہوتا جو اختیار، تو کیا مرنے جاتے ہم
 آخر پھر آئے اُن کو بقیعہ میں گاڑ کے
 پٹکے کے ساتھ پھرتی تھی زینب بھی اس پاس
 لب خشک از لب زرد و دلوں پر جو ہم پاس
 بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے

صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکے سر
 تن پر سبھی سلاح، کسے جنگ پر کمر
 منہ پھیر پھیر کر جو وہ میدان کو تکتے تھے
 اکبر کی شان دیکھ کے بانے نامدار
 لیکر بلائیں دور سے کہتی تھی بار بار
 شان آخری شباب کی ماں کو دکھاتے ہو
 سب سے جدا تھی شوکتِ عباسؑ فوجوں
 حمزہ کا عرش کت جعفر علی کی شاں
 شان و شکوہ ختم تھی اُس خوش نہاد پر
 زینب سے رو کے کہتے گئے سرو بزمین
 قاسم کو تم پنھاؤ قبائے تن حسن
 ہم کو علیؑ کی تیغِ دوم لاکے دو بہن
 اس منصبِ بزرگ کا مختار ہی یہی
 آلِ نبی کا مولس و غمخوار ہی یہی
 بھائی بھی ہی جری بھی ہی اہلِ وفا بھی ہی
 منہ ماں کا دیکھنے گئے زینب کے گلخزار
 ماں نے کیا اشارہ کہ اس عزم کے ثناء
 چپکے کھڑے رہو نہیں جاگہ کلام کی
 قابلِ علم اٹھانے کے کب ہی تھا بے سن
 ظاہر ہی تم پر رتبہ سلطانِ انس و جن
 جعفر کے ورثہ داروں میں تم لاکلام ہو

کوئی تو رشک مہر کوئی غیرت قمر
 گیسوئے پچھدار لٹکتے تھے دوش پر
 جن کے پسر تھے اُن کے کیلجے دھرتے تھے
 خوش ہوتی تھی کبھی کبھی روتی تھی نازدار
 صدقے میں تیرے اوتسی شاخِ نثار
 دولہ بنے جوانی میں مرنے کو جاتے ہو
 قبضہ میں تیغِ بر میں زردہ دوشِ کپڑاں
 رہ رہ کے دیکھتے تھے شہنشاہِ دو جہاں
 گویا کمر علیؑ نے کسی تھی جہاد پر
 لاؤ تیرے کات کا صندوقِ ادبِ بہن
 اکبر کو دو عمامہ محبوبِ ذوالمنن
 عباسؑ نامور کو علم لاکے دو بہن
 جعفر کے مرتبہ کا سزاوار ہی یہی
 روزِ ازل سے میرا علمدار ہی یہی
 حکم علیؑ بھی ہی حکمِ خدا بھی ہی
 یعنی کہ ہم ہیں جعفر و حیدر کے ورثہ دار
 حکمِ امام دیں میں مجھے کیا ہی اختیار
 واجب ہر امر میں ہو اطاعتِ امام کی
 دو روز سے ضعیف ہو آب و طعام بن
 صدقے گئی، نہ پاؤ گے پھر اس طرح کا
 پر کیا شرف یہ کم ہی کہ شہ کے غلام ہو

میں آپ کہتی بھائی سے ہوتا جو کوئی اور
 ہر تین دن سے بھائی ظلم و جفاؤ چور
 بچے ہو تم کو فکر ہو نام و نشان کی
 بھٹاکے دونوں بیٹوں کو اپنے بچپنم غم
 قبضہ کو اُس کے شاہ نے چوہا بردہ دو غم
 پنج کی تاہ چرخ چارم ضیا گئی
 عباس کو امام نے آگے کیا طلب
 بھائی سے روکے کہنے لگے شاہ تشلب
 یہ مرتبہ کسی کو معتد نے کم دیا
 کی عرض اُس جری نے قدم پھٹکا کے سر
 مشہور ہوں غلام شہنشاہ بحر و بر
 ذرہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
 کس مُنہ سے شکر بندہ نوازی کروں دا
 سب بادشاہ اس دیوہلت کے ہیں گدا
 طوبی سے اس نشان کا سایہ بلند ہو
 فرط خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
 زینب بلا میں لیکے یہ بولی کہ میں نثار
 ایذا ہو دھوپ سے زینب خوش خصال کو
 گھر میں سلامت آئیں گے جب سرورِ امام
 ہاتھوں کو جوڑتی ہو یہ بھینا اسیر غم
 تم سے بڑی امید ہو نہرا کی جائی کو

عباس کوئی اور ہی پیارو کرو تو غور
 شاید انھیں سے صلح کا بن جائے کوئی طور
 مجھ کو پڑی ہو سبطِ پیہر کے جان کی
 لے آئیں ذوالفقار پر اللہ اور علم
 شانِ علم کو دیکھ کے روئے شہِ امام
 بوے علی علم کے پھر ہرے سے آگئی
 نہوڑائے سر حضور میں آئے بضد
 اس عہدہ جلیل کی تھے آرزو میں سب
 لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا
 بندہ پہ بچپن سے عنایت کی ہو نظر
 میں اور حاملِ علم سید البشر
 دامن کو میرے دولتِ ایاں بھر دیا
 بد نظر ہی ہو مری پرورش صدا
 ای افتخارِ خلق دو عالم کے مقتدا
 اس وقت عرش سے مرا پایہ بلند ہو
 ہمیشہ کے قدم پہ گرا با صد افتخار
 بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار
 رکھیو علم کے سایہ میں نہرا کے لال کو
 تب دو گئی تم کو تہنیتِ عہدہ علم
 کیجو صلاح صلح کہ لشکر ادھر تکم
 بھیا تمھیں سے لیگی بہن اپنے بھائی کو

عباس بوسے بھائی نہیں میں تم ہوں غلام
 بھر جائے دشمنوں سے جو روئے ہیں غلام
 نیچے فدا ہیں جان فدا گھر نثار ہو
 اتنے میں پاس آکے سیکڑنے یہ کہا
 عہدہ علم کا تم کو مبارک ہوا کی چچا
 میدان کا رخ کرو گے کہ دریا پہ جاؤ گے
 بن پانی اٹھی جاتی ہو اب تو مری زبان
 مرجاؤں گی اگر تو مجھے پاؤ گے کہاں
 سوئے فرست جاتے ہوشاہ امم کے ساتھ
 عباس نے کہا کہ مجھے خود ہو آرزو
 سقا تمھارا ہوں تو بڑھے اور آبرو
 مشکیرہ خالی نہر سے لیکر نہ آؤں گا
 ناگہ سنا جو زوجہ عباس نے یہ حال
 ہمراہ لیکے بیٹے کو اپنے وہ خوش خصال
 پہلے تو بڑھ کے شاہ امم کی بلائیں لیں
 جھک کر قدم پہ شہ کے یہ بولی وہ خوش سیر
 کھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہ بحر و بر
 قائم رکھے کریم محمد کی آل کو
 خالق سے صبح و شام ہی ہو مری دعا
 ہوں راند ہم سی لاکھ کنیزیں اگر تو کیا
 دعویٰ برا بری کا نہیں گو عزیز ہوں

سُن لیجئے گا جنگ میں جو کچھ کرونگا نام
 کیا منہ کوئی جو دیکھ سکے جانبِ امام
 ہر موئے تن پہ شہ کے مرا سر نثار ہو
 چہرے کی لوں بلائیں میں صد جھکوڑا
 میں نے دعائیں کی ہیں کہو مجھ کو دے کیا
 کیا اب بھی تم نہ پیاس ہماری بجھاؤ گے
 ہونٹوں پہ دم ہو ہوں کوئی ساعت کی پہا
 صدقہ علم کا آج بچا لو ہماری جاں
 چھوٹی سی ایک مشک بھی لے لو علم کے ساتھ
 عزت ہوئی ملا علم شاہ نیک خو
 جب تک ہو دم کرونگا میں پانی کی جستجو
 پانی نہ یاں ملے گا تو کوثر پہ جاؤنگا
 مارے خوشی کے ہو گیا چہرہ کا رنگ لال
 آئی حضور سرورِ ذی قدر و ذی کمال
 پھر دونوں ہاتھ اٹھا کے علم کی بلائیں لیں
 کوہن میں کیا مرے والی کو نامور
 آقا کنیز نذر کو لائی ہو یہ پسر
 بچوں پہ صدقہ کیجئے اس نو نہال کو
 وارث مرا حضور کے قدموں پہ ہو فدا
 بانوئے دو جہاں کو سہاگن کھے خدا
 یہ آپ کے غلام ہیں اُن کی کنیز ہوں

بوئے پسر سے جھکے یہ عباس نیک نام
 نٹھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لا لہ فام
 چھوٹی سی ایک تیغ منکا دیجیے مجھے
 حضرت کے آگے فوج ستم سے کریں جنگ
 پیڑیں گے خوں میں بھر شجاعت کی ہیں ہنک
 رشتہ تو رکھتے ہیں شہر خیبر شکن سے ہم
 بوئے گلے لگا کے اُسے شاہِ نامدار
 آئی صدائے حضرت زہرا یہ ایک بار
 بچپن میں کس طرح نہ وہ بچہ دلیر ہو
 اتنے میں طبلِ جنگ کی آنے لگی صدا
 نکلے علم لائے ہوئے عباسِ با وقا
 غل تھا کہ ہوں گے حشر میں کس کنایہ
 تھا زینتِ سپاہِ پیہر ہی علم
 ہوا فتحِ حضرت جعفر ہی علم
 صدقے سے شہ کے ہم کو یہ عزت نصیب ہو
 صلّ علیٰ زہرے علم و حالِ علم
 آتی ہو بوئے خلد پھر رہے سے دم بدم
 ایسا علم ہو دوش و ايسے جوان کے
 نکلے حرمِ سرا سے امامِ فلک جناب
 گھوڑے پہ چلو گر ہو افرز ند بو تراب
 آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی

تم بھی تو کچھ حضور میں بیٹا کرو کلام
 لے چلیے ہم کو ہم علیٰ اصغر کے میں غلام
 پہلے سبھوں سے دن کی رضا دیجیے مجھے
 مردوں کا بیٹھنا ہو بڑا عورتوں میں ننگ
 ہم کو بھی آج لاکھوں سے لڑنے کی ہر جنگ
 بندھوا میں ہاتھ جان بچا کر سن سے ہم
 کس نے تجھے سکھائیں یہ باتیں چچا تیار
 ہوتا ہوا لال اہل وفا کا وفا شعار
 داوا بھی جس کا شیر ہو بابا بھی شیر ہو
 رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہِ کربلا
 تسلیم ساری فوج نے کی ہاتھ کر پرا
 یہ حیدری نشان ہو حسین سپاہ میں
 حمزہ جہاد کرتے تھے لیکر یہی علم
 خود دوش پہ اٹھاتے تھے حیدری علم
 سایہ میں اس علم کے شہادت نصیب ہو
 ذرہ سے آفتابِ فلک ہو نظر میں کم
 یہ شان یہ شکوہ یہ اقبال یہ حشم
 عباس کے نثار تصدق نشان کے
 برج شرف سے جیسے نمایاں آفتاب
 در پر ملکیتی رہ گئی زینتِ جگر کیاب
 گویا چمن سے بادِ بہار سی نکل گئی

یاں تھے کسی جگہ پہ پیادے کہیں ہوا
 ایک سو پراجائے رفیقانِ گلخدا
 خالی بہادروں سے جلو خانہ ہو گیا
 شہدِ بزمِ طبع کا یہ اشارہ ہوا اب کہاں
 کچھ شمار کرتا کاشی ہیں سب جواں
 چہروں کی روشنی سے نخلِ شمع طور ہو
 جاتی تھی یوں سواری سلطانِ بحر و بر
 کھولے علم کو حضرت عباسِ نامور
 مرکب پہ بیچ میں خلفِ بو تراب ہو
 آہن میں مثل جو شہرِ شیرسب ہیں غرق
 نرے جو مثل رعد تو گھوڑے مثالِ برق
 اہو کا اُن کی چال سے کیا زور چل سکے
 اک اک لیر شیرستان کا رنار
 دیندار سرفروش نمودارِ نامدار
 لکڑا لیں جو فوج کو نیزے سنبھال کے
 آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
 قدیم ہو قافلہ کے پسر کے نہ نصیب
 آداب و قاعدے سے دلیر و بڑھے چلو
 تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا
 باندھے سلاح ادب کا ادھر خویش و اقربا
 حلقے میں تھے امام کو قدسی بلے ہوئے

خادم کسی مقام پہ باندھے ہوئے قضا
 پھولے ہوئے چمن پہ خزاں آئی ایک بار
 ڈیوڑھی اُداس ہو گئی ویرانہ ہو گیا
 مولا کا کچھ جلوس سواری کروں بیاں
 ایک ایک جن میں فخرِ عرب زینتِ جہاں
 لشکرِ نہیں حسین کا دربارے نور ہو
 انجم کی فوج لسیکے چلے جس طرح قمر
 گھوڑوں پہ قائم و علی اکبرِ ادھر ادھر
 دو چودھویں کے چاندیں اک آفتاب ہو
 شملے ہیں زیب ووشِ علمائے ہنرِ یکتا
 جن کے قدم تلے ہو سدا سیرِ غرب و مشرق
 جن سے سمند و ہم نہ آگے نکل سکے
 رستم کی روح خوف سے جن کے کمر فرار
 رانوں میں کوندتے ہوئے بجلی سے راہوار
 بھاگیں عدو زمین پہ تیار ڈال کے
 ہاں غازیو حسینِ محمد کا ہو حبیب
 جنت بھی اب قریب ہو قتل بھی اقرب
 تلواریں تولتے ہوئے شیر و بڑھے چلو
 آگے پراجائے رفیقانِ با وفا
 پیچھے تمام فوج کے وہ گل کا پیشوا
 تھے جبریلِ فرق پہ سایہ کیئے ہوئے

تھازیب سرِ عامۂ محبوبِ کبریا
 پہنے قمیصِ حضرتِ یوسفؑ تہِ قبا
 داؤد کی زرہ شہِ والا کے برہیں تھی
 بالائے دوشِ حضرتِ حمزہؑ کی تھی سپر
 چار آنسو پہ جا کے ٹھہرتی نہ تھی نظر
 چہرہ عرق سے تر تھا جو سبطِ رسولؐ کا
 پھیلا ہوا تھا دشتِ بیشاہِ زمیں کا نور
 اک چہرہ حسین میں تھا نچتن کا نور
 گردوں پہ کس طرح مہ و اختر نہ ماندہوں
 پونچے نہ تھے امامِ ابھی تا قتلِ گاہ
 قائم رہے شکوہ شہنشاہِ دیں پناہ
 ناوکِ فلک کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
 دڑوں کی طرح فوج کا فلک نہیں شمار
 اُن سے ادھر کو برچھپوں والوں کی ہر قضا
 پانی سپاہِ شام سے پانا محال ہے
 اس دم فسادِ لشکرِ اعدا میں ہے مگر
 سردارِ فوج جمع ہیں باندھے ہوئے کمر
 اک توجواں ہے میں اُسے پہچانتا نہیں
 سردارِ ہر ہزار سواروں کا وہ دلیر
 بگڑا ہوا کھڑا ہے الگ وہ بسانِ شیر
 آہوں کے ساتھ آنکھوں میں سو بھرتے تھے

مساب سے سفید تھی کاندھے پہ اک عبا
 باندھے ہوئے کمر میں کمر بندِ مر قضا
 اور ذوالفقارِ حیدرِ صفدرِ کمر میں تھی
 ہوجس طرح سے ابر کا کھڑا پسِ قمر
 تھے دو غلامِ خاص گسں ال ادھر ادھر
 رومال ہاتھ میں تھا جنابِ بتولؑ کا
 حیدر کا فاطمہ کا بنی کا حسن کا نور
 چہرے کی ضو جہیں کی ضیا اور بدن کا نور
 اک چاند کے شریک جہاں چار چاند ہوں
 جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ راہ
 آمادہٴ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
 میدان سے تا بہ نر ہزاروں سوار ہیں
 اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار ہر ہزار
 نیزے ہمارے ہیں سوار ان ہرزہ کار
 دریا ملک نگاہ کا جانا محال ہے
 مولہ کمال فکر میں ہے شمر خیرہ سر
 تاکیدِ جنگ کرتا ہے ایک ایک کو عمر
 سب مانتے ہیں پر وہ جہی مانتا نہیں
 زور آور ان فوج میں سب کسٹے پر
 ہر بار دیکھتا ہے ادھر منہ کو پھیر پھیر
 مانندِ بیدِ عضوِ بدن تھر تھراتے تھے

کیا کیا خطا شماروں کو اُس نے دیا جواب
 تلواریں کھینچی ہیں اُھر کی فلک جناب
 جو ہر کسی کو یہ پاس ادب نہیں
 سُنا تھا میں کہ یہ عمر حد نے کہا
 شہرہ عرب میں تیری شجاعت کا ہر بڑا
 مہر بنر ہونے دے تو نہ مجھ کے باغ کو
 قبضے پہ ہاتھ رکھ کے نبولا وہ نیک نام
 سید عیال ملک غریب الوطن کا امام
 واجب ہو احترام محمد کی آل کا
 پیاسے سے تشنہ کام سے بے پرست میں لڑوں
 کافر نہیں جو دین کے رہبر سے میں لڑوں
 اُمت کو چاہیے مدد آل رسول کی
 فرمایا تشنہ نے اُس کو خدا دے جزا خیر
 روئیں گے اُس جری کو جن دانش خوش طیر
 اعدا میں تو ہماری محبت کی بونہیں
 یہ کہہ کے قتل گاہ میں آئے امام دین
 غرقِ سلاخِ حرب جو انانِ مہ جبین
 تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
 عباس آگے فوج کے کھولے ہوئے علم
 پیدا ہوتی شانِ شیر خدا سر سے تا قدم
 دریا کو تکتے لگتے تھے بھائی کو دیکھ کر

ہر یقین کہ اُس سے نہ چھوٹے رہے تو اب
 یاں کی بُرائی سننے کی اُس کو نہیں ہر اب
 آپس میں جنگ ہو تو کچھ اُس کا غیب نہیں
 آتا ہر بہر جنگ محمد کا لا ڈلا
 جا پہلے لڑ حسین سے تو سوچتا ہر کیا
 جلدی بوجھا مزارِ علی کے چراغ کو
 مظلوم کو ستاؤں یہ میرا نہیں ہر کام
 فلق سے تین روز کے دو دن تشنہ کام
 ہر کیا تصویرِ فاطمہ زہرا کے لال کا
 مختار کا رخاؤں داور سے میں لڑوں
 کھینچوں علی پہ تیغِ پیمبر سے میں لڑوں
 پاؤں نکلا کیا اُ جاڑ کے کھیتی بتوں کی
 بیٹیوں سے ہر عربین مجھے گو کہ ہر وہ غیر
 لکھی ہر اُس کے بخت میں باغِ ارم کی سیر
 وہ ہر توڑ ہر اور کی یہ گفتگو نہیں
 کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زین
 نعروں سے غلغلیوں کے لرزتی تھی فوج کیں
 شعلے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے
 آنکھوں کو ل رہے تھے پھر سے دم بدم
 حمزہ کا رعب جعفر طیار کا حشم
 بڑھتے تھے مثلِ شیرِ رانی کو دیکھ کر

آمادہٴ بسردختی دونوں طرف کی فوج
 لہراتا تھا ہوا سے پھر ہوا جوشل موج
 کثرت پہ اپنی فوج عدد کو غرور تھا
 چلایا ابن سعد جفا پیشہ و شیر
 کھینچے ہوئے کمائیں بڑھا لشکر کثیر
 خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا
 اس نے کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام
 حُر نے کہا کہ اوستم آ رہا ہاں کو تھام
 تو دشمن نبی ہو ترا کیا شریک ہوں
 بولا عمر بنید سے کرتا ہو انحراف
 اُس نے کہا یہ باتیں ہیں سب عقل کے خلاف
 ایسے نہیں کہ دوست کو اپنے بخل کریں
 اُس نے کہا خلافِ شجاعت ہو یہ کلام
 حُر نے کہا رہے گا اب تک ہمارا نام
 اس کثرتِ سپاہ پہ تو ڈر سے زرد ہو
 مجھ کو برا کہے تو کہے حاکم جہول
 اب سمر اہو اور قدم نائیبِ ہول
 نہ مال سے غرض ہو نہ اب اسے کام ہو
 دوزخ سے میں تو جاتا ہوں لے جانباہم
 چھیڑا فرس کو کہہ کے جو یا سٹیام
 ہاں ہاں کیا کیے پہ وہ سن سے نکل گیا

نرغے میں لے قرار تھا شاہِ زماں کا نفع
 تھا تا بہ چرخِ رایتِ فوجِ خدا کا اوج
 ظلمتِ ادھر کتنی کفر کی یاں حق کا نور تھا
 ہاں ابنِ فاطمہ پہ چلیں ہر طرف ستیر
 بولا یہ حُر کہ قہرِ خدا سے ڈرا دایمیر
 کیا سینہٴ نبی کو نشانہ بنائے گا
 ہم سے تجھے علاقہ ہی یا دشمنوں سے کام
 سبطِ رسولؐ ہو مرا محسن مرا امام
 جن کی طرف خدا ہو انھیں کا شریک تیں
 پکڑی تھی باگِ داں بھی نہ ہوگی خطا ممان
 واللہ حسین کا دل آئینہ سے صاف
 تو بھی اگر چلے تو خطائیں بخل کریں
 تجھ کو برا کہیں گے شجاعانِ روم و شام
 عاقل ہیں جتنے مدح کریں گے حری مدام
 تھوڑوں کا جو شریک ہو جا کروہ مرد ہو
 مرنا قبول آگ میں جلنا نہیں قبول
 نے دیں کی نے یقیں کی طاعت کیا حصول
 خوشنودیِ خدا و پیغمبر سے کام ہو
 روکے تو مجھ کو ا کے ترا لشکرِ ستم
 طاؤس کی طرح سے اڑا اس غیشِ قدم
 آئی صدا کہ چاند گہن سے نکل گیا

جب آدھی راہ کر چکا طحسیر نامور
 میں دست گیر خلق کا مجرم ہوں اسی پسر
 دست خدا پر ہر شے کائنات کا
 رو کر کہا پسر نے ابھی سے یہ کیا ضرور
 آقا نہ تم سے دور ہیں نہ تم ہوا سے دور
 چل کر امام پاک کے دامن کو تھام لو
 اُس نے کہا پسر سے کہ خیر اسی کو شعار
 باندھے پسر نے دست پر ہو کے نئے قرار
 میزانِ مغرت میں گناہوں کو تول و
 وال سے چلا غلامِ ادھر سے بڑھے امام
 گھوڑے سے کو دکر یہ پکارا وہ نیک نام
 محبوب ہوں بہت، شہ و الاصفات سے
 پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہ دیں پناہ
 ہر تو تو دوست ہم تو ہیں دشمن کے خیر خواہ
 تجھ کو نہ بخشیں یہ یہ جیسی سے دور ہو
 احسان مند بلکہ ہوں تیرا میں تشنہ لب
 سوئی تھی تیری قوت کیا میں نے کون جب
 جنگل میں رات پھرتے ہی پھرتے بستر ہوئی
 یہ کہہ کے ہاتھ کھول دیئے اُس کے شاہ
 پوچھا غبارِ چہرے کا شیر الہ نے
 حر کے قدم کی آ کے ملک خاک لے گئے

بیٹے سے تھم کے کہنے لگا وہ نکوسیر
 تو کاٹ ڈال ہاتھ مرے تیغ کھینچ کر
 ہاتھ آئے گا اسی میں وسیلہ نجات کا
 پہلے چلو تو ابنِ یر اللہ کے حضور
 تب کاٹیو یہ ہاتھ نہ بخشیں گے جب حضور
 فردوس ہاتھ آئے وہ ہاتھوں سے کام لو
 رومال سے تو باندھ دے دست ہنگار
 ہاتھ نے دی صدا کہ ہوا اب یہ رنگار
 باندھے ہیں اُس نے ہاتھ درِ خلد کھول و
 دیکھا جو خُرنے آتے ہیں شاہِ فلک نظام
 صدقے ترے کرم کے میں اسی قبلہ امام
 بندے کے ہاتھ قطع کر اپنے ہات سے
 لگ جا گلے سے رو کی تو رو کی ہماری راہ
 تیری نہ کچھ خطا ہو نہ ہاتھوں کا ہو گناہ
 روکا تھا ہم کو موت نے تو نے قصور ہو
 پھر جانے کی صلاح مجھے ہی تھی وقت شب
 لیکن مسافروں پہ تھا ہی پڑی عجب
 مرنا تھا جس جگہ وہیں آ کر سحر ہوئی
 لپٹا لیا گلے سے رسالت پناہ نے
 ذرہ کو مہر کر دیا نہ ہر اکے ماہ نے
 یہاں کو اپنے پختن پاک لے گئے

جب بے ل چکا تو یہ حُر نے کیا کلام
رو کر یہ اس سے کہنے لگے شاہِ شہنشاہ
ہم پہلے داغِ خوش و برادر کے دیکھ لیں
حُر نے کہا بہشت میں ہو آپ کا تو گھر
خادم کو اب نہ روکیئے یا شاہِ بحر و بر
بچھڑے جب ایسا دوست تو کیا دل کی لکڑی

چڑھنے لگا فرس پہ جو بادِ پُر آب
کی عرض حُر نے تب کہ یہ کیا اور فلکِ خباب
شیدائے جاں نثارِ امامِ امام ہوں
چڑھ کر عمدہ پر جو چلا وہ بصدِ حشم
گھبرا یا حُر تو کہنے لگے شاہِ باکرم
زہرا بھی تیرے ساتھ ہیں بھی ساتھ ہیں

حُر نے کہا کہ ہوتا ہو خادم گناہگار
یُن کے وال سے روتے پھرے شاہِ فاماد
بازارِ حربِ گرم جو تھا سرد ہو گیا
دیکھا سیاہ کاروں نے جب دئے حر کا نور
حُر نے کہا کہ عقل کا تم سب کے ہو قصور
ہو رشتہ جو رُخ پہ فزوں بہرہ ماہ سے

وہ لٹا ہوا خلد جسے ہو طلب نہ جائے
لے جائے جان بیچ کے جو جس کے ہاتھ آئے

ہو دوست پر حلالِ عدو پر حرام ہو

امید وارِ حرب کی نصرت کا ہو غلام
اک دم تو گھر میں فاقہ کشوں کے بھی کر مقام
تو ہم کو دیکھ ہم تھے جی بھر کے دیکھ لیں
ہو گا وہیں مقام کیا یاں سے جب فر
شہ نے لمر کو ہاتھوں سے تھاما جھکا کے سر
نصرت تو دی پر آنکھوں سے آنسو کل پڑے

عباسِ نامدار بڑھے تھائے رکاب
عباس نے کہا تیری خدمت تو ہو ثواب
تو جن کا میہاں ہو میں ان کا غلام ہیں

پیچھے پیادہ روتے چلے سیدِ امام
مجھ کو مشائعت کو تو چلنے دے وقفہ
تہا نہیں حسینِ پیمبر بھی ساتھ ہیں

کیوں کر بڑھوں حضورِ پیادہ میں ہوا
میدان میں حُر ہو نہ گیا چمکا کے رہا
دہشت سے ابنِ سعد کا منہ زرد ہو گیا

غلُ چڑ گیا یہ حورِ ہریار و شنی طور
حُر ہوں غلامِ شہ کا فرشتہ ہوں میں نہ حور
خلعت ملا ہو نور کا سر کا یہ شاہ سے

ملک نہیں کہ وقت پھر ایسا جہاں میں پائے
ایسا سخی نہیں جو کسی سے وہ منہ پھرائے

سرکارِ ابنِ فاطمہ میں فیضِ عام ہو

بھولے ہو راہِ راست تو ہیر کے پاس جاؤ
 دوزخ کی راہ چھوڑ کے گھرِ خلد میں جاؤ
 نہرا کا نورِ عین تہا را کفیل ہو
 کعبہ سے منہ پھرا کے نہ ہوسا کن کشت
 سرسبزیاں نہ ہوگی کبھی عاقبت کی کشت
 دینِ نبی میں آؤ نہ کافر کا ساتھ دو
 دیکھو مری طرف ہیں وہی ہوں جو تھا اُدھر
 یہ وہ یہ یہ ادج یہ چشت یہ کرو فر
 پڑھتے ہوئے درود لکھتا آئے ہیں
 اس گفتگو سے حُر کی ہوئے اہلِ خجل
 کتنے جواں تو رونے لگے ہو کے متفعل
 ماروا سے کچھ اس کے نہ ہونے کا غم نہیں
 یمن کے حُر یہ چلنے لگے تیرے شمار
 تینیں ہوئیں بلند چلے بڑھپوں کے وار
 پہلے ہی جن کے وار چلے تھے سو چل گئے
 پھرے چھپائے پشت ڈٹے حالوں کو کھل کے
 بھاگے سوار پھر تو پیا دوں کو رول کے
 غل تھا کہ آج خاتمہ لشکر کا ہو گیا
 ہر دم تھی جنگ میں شش تیغ حُر دو چند
 دست اماں کیے تھے اُدھر کے علم بلند
 تینوں کی کچھ خبر تھی نہ ڈھالوں کا پیش تھا

دنیا محلِ قریب کا ہو دم میں نہ آؤ
 بھوکے ہنستوں کے تو پل بڑھپوں کے کھاؤ
 پیاسو چلو کہ چشمہ کو شربیل ہو
 لازم ہو عاقلوں کے لئے ترکِ فعلِ نشت
 دوڑو کہ لُٹا ہے ہیں اُدھر حِلِ بہشت
 دستِ خدا کے لال کے ہاتھوں میں ہاتھ دو
 یوں تو رہا کبھی مرے چہرے پہ جلوہ گر
 مولا کی اک نگاہِ عنایت کا ہو اثر
 یہب شرفِ حسین کے صد سے پائے ہیں
 کانپے بدن، لرزے لگے چھانپیں دل
 چلا یا شمر آن کے ہر صف کے متصل
 دشمن کا ہو جو دوست وہ دشمن سے کم نہیں
 نیزہ ہلا ہلا کے صفوں سے بڑھے سوار
 لشکر میں مثلِ شیر در آیا وہ نامدار
 دیکھی جو تیغِ حُر کی چمک دم نکل گئے
 پیچھے ہٹے بڑھے تھے جو تینوں کو تول کے
 پہونچا وہ شیر نیچ میں اعدا کے غول کے
 اک اک قدم پہ ڈھیر تن و سر کا ہو گیا
 خوں گھٹ گئے تنوں کے بڑھا جس فہمند
 تھرا ہے تھے بڑھپوں والوں کے بند بند
 نیزہ ہر اک سوار کو اک بارہ دوش تھا

دہشت سے ہم کر قدر انداز مر گئے
 ترکش سے تیر گر کے زمیں پر بکھر گئے
 دانستہ سرکشوں نے جو کارِ خطا کیا
 گھوڑا وہ برق تھا کہ جوارِ آب سے چلائے
 اُس کے قدم کی گرد کو صرصر بکھنی پائے
 جس غول پر گرا تو اڑا اس شکوہ سے
 بجلی سی تیغِ شعلہ فشاں چار سو پھری
 دم میں ستم گروں کا بہا کر لہو پھری
 یہ اوج تیغِ قدرتِ حق سے عیاں ہوا
 غلطاں تھے تن زمیں پہ جدا اور سر جدا
 گردن جدا تھی سینہ جدا اور سر جدا
 پستی پہ جب چمکے بلندی سے آتی تھی
 روکا سپر پہ جب تو سپر سے نکل گئی
 آئی اُدھر سے گر تو اُدھر سے نکل گئی
 ضربت سے چار اُٹنے والے بھی دنگ تھے
 تن سیکڑوں زمین پہ نلے سر دکھا دیئے
 چشمِ غضبِ شیر کے تیور دکھا دیئے
 یوں جست کی سمند نے لاشوں کو روند کر
 دہنی طرف گیا تو رسالے تسلیم ہوئے
 آیا اُدھر تو بر چھٹیوں والے قلم ہوئے
 اعدا کے ہوش برقِ ابل نے اُڑا دیئے

رُح پھر گئے کمانوں کے چلے اتر گئے
 ہرگز ملا نہ گوشہٴ راحت جدھر گئے
 تقدیر نے نشانہٴ تیسرے قضا کیا
 افلاک پر سمندِ نظر کی طرح سے جائے
 پیکِ خیال وہ ہم یہ سرعت کہاں سے لائے
 پروازِ ملکبک کرتا ہی جس طرح کوہ سے
 میدان میں بھاگتی ہوئی فوجِ عدو پھری
 سر کاٹ کر جدھر سے پھری سر خرو پھری
 گویا ہلالِ عیدِ شفق سے عیاں ہوا
 زخمی اُدھر پڑے تھے جدا اور اُدھر جدا
 شانے سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
 گاؤں زمیں زمیں کے تلے تھر تھرتی تھی
 دو کر کے خود کا سہ سر سے نکل گئی
 سینہ کو چاک کر کے کمر سے نکل گئی
 کہنے کو تھی وہ تیغ پہ بجلی کے لگ تھے
 اجزائے جسم خاک پہ ابتر دکھا دیئے
 ہاتھوں نے زورِ تیغ نے جو ہر دکھائیے
 بجلی فلک سے گرتی ہی جس طرح کو نہ کر
 ترکش سے جس نے تیر نکالے قلم ہوئے
 حملہ کیا پلٹ کے تو بھالے قلم ہوئے
 دھالوں کے پھول تیغ کے پھل نے اُڑا دیئے

یوں تن سے سرگراتی تھی شمشیر آبدار
 دو ہو گیا وہ صاف کیا جس پر کیا وار
 ہر صف میں اُس جری کی لڑائی کا شور تھا
 چلائے تب حسین کہ بس اے دلیر بس
 اعداد دہائی دیتے ہیں گھوڑوں کی پھیر بس
 شاباش حق دو سستی پہنچتے ہو یہ
 یس کے ہاتھ روک لیا اُس جری نے جب
 یاں غم سے نے قرار ہوئے شاہ تشہ لب
 کاری جو زخم تن پہ لگے اُس دلیر کے
 سینہ سے جبکہ ہو گئی برچھی ستم کی پار
 رکھ کر جگر پہ ہاتھ پکارا وہ دل نگار
 اس نفقتِ امامِ حجازی کا وقت ہو
 جس دم سنی امامِ اُمم نے صدائے حُر
 رو کر کہا رفیقوں سے دیکھی وفائے حُر
 کھینچی جو شہ نے آہ دل نے قرار سے
 دوڑے ادھر سے دن کی طرف تیرا دم
 آواز دی بنی نے کہ حُر کو لیئے ہیں ہم
 سر کاٹنے کی فکر میں جو تھے وہ ہٹ گئے
 زانو پہ رکھ لیا سر حُر اور یہ کہا
 آنکھیں قدم پہ ل کے یہ بولادہ باوقا
 جن کے لیئے نہیں پہ فلک سر جھکائے ہیں

جیسے رگِ سحاب کبھی ہو مگر گ بار
 غلطاں لہو میں تھے کہیں بدل کہیں وار
 ہر غول میں بنی کی دہائی کا شور تھا
 مقتل میں ہر طرف ہو لاشوں کے ڈھیر بس
 اُست ہو یہ بنی کی بس اے میرے شیر بس
 غمت بھی اب دکھا کہ ہمارا چلن ہو یہ
 بولایے شمر ٹوٹ پڑو اس پرل کے سب
 تینوں کے وار چلنے لگے حُر پہ غضب
 تینے لگا حسین کو منہ پھیر کے
 گھوڑے پہ دو گمانے لگا حُر نا مدار
 اے فاطمہ کے لال یہ خادم ہوا نثار
 آقا یہی غلام نوازی کا وقت ہو
 چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولے کٹائے حُر
 خیمے میں پیٹنے لگی زینب براے حُر
 نکلی تڑپ کے فاطمہ زہرا مراد سے
 آئے بخت سے حیدرِ صفدرِ چشمِ غم
 اُس وقت پہونچے شاہ کہ وہ ٹوڑتا تھا دم
 مہاں سے اپنے دوڑے حضرت لپٹ گئے
 بھائی حسین آیا ہو آہوش میں ذرا
 مولا ہزار جان سے میں آپ پر فدا
 وہ لوگ خلد سے مرے لینے کو آئے ہیں

زانو پہ سر ہو آپ کے یا شاہ بحر و بر
 یہ کون بی بی ہیں مرے پہلو میں نوہر گر
 تو حشر تک امامِ دو عالم کے ساتھ ہو
 یہ سنتے سنتے غیر ہوا اُس جری کا حال
 نیچے کے در پہ لاش کو لایا علی کا لال
 زینب یہ روئی شہ کے ذرائی کے واسطے
 بس ادا نہیں مرثیہ ہوتا ہوا طبعِ یل
 اس نظم کو قبول کریں سیدِ جلیل
 قبولِ بارگاہِ خداے تدبیر ہیں

محبوب کبریا ہیں ادھر شیرِ حق ادھر
 شہ نے کہا کہ روتی ہیں اماں بہنہ سر
 ماتم تر حسین کے ماتم کے ساتھ ہو
 زانوئے شاہ دیں پہ کیا حُر نے انتقال
 سب بی بیوں نے کھول دی اپنے سر کے بال
 جیسے بہن تڑپتی ہو بھائی کے واسطے
 مصرع ہیں لاجواب مضمون نے عدیل
 مداح جن کا تو ہو وہی ہیں تر کے کفیل
 شاہانِ خلق سب اُسی در کے فقیر ہیں

رباعی

مُنہ چاہیے وصفِ رُخِ اکبر کے لیے
 تازک بدنی کی مح لکھنی ہو مجھے
 تھا حُسن اُسی سر و سمن کے لیے
 تارِ رگ گل چاہیے سسٹر کے لیے

ایضاً

بالیدہ ہوں وہ اوچ مجھے آج ملا
 منبرِ پشتِ سرِ حضرت کا علم
 ظلِ علم صاحبِ معراج ملا
 اب چاہیے کیا تختِ ملائج ملا

مرثیہ (۴)

کیا فوج حسینی کے جو امان جیسے تھے
 آگاہ دل و اہل و فاعل یقین تھے
 ایک ایک مرقہ پہ خدا ہوتی نہ نہرا
 وہ عاشق صادق تھے وہ تھے مہربان
 کیا ہوش تھا کیا فہم تھی کیا عقل تھی کیا دل
 محراب عبادت خمِ شمشیر کو سمجھے
 دنیا کی نہ خواہش تھی نہ کچھ فکرِ زرو مال
 نہ یاد وطن تھی نہ انھیں الفتِ اطفال
 منظور یہ تھا جی سے گزرجائیں گے پہلے
 کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر
 تھی پیش نظر گلشنِ فردوس کی تعمیر
 نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی ٹہری تھی
 مقبولِ خدا سے دو جہاں تھے وہ جوانِ مرد
 ایک ایک جری دفترِ کونین میں تھا فرد
 ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے ہیں
 مستِ معرفان تھے سبِ عالم فی ہوش
 دنیا سے بری بارِ علایق سے سبکدوش
 ہر دم سیرِ تسلیم تھا خمِ راہِ خدا میں

کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحبِ یس تھے
 غنچہ دہن و مہر لقا ماہِ جمیں تھے
 عاشور سے بس آج تلک روتی نہ نہرا
 دی تھی انھیں خالق نے تیز حق و باطل
 کیا حسن سے طو کر گئے وہ عشق کی منزل
 جاوہ وہ مسافر دمِ شمشیر کو سمجھے
 تھی دولتِ فقر ان کے لیے شمتِ ابطال
 شمشیر کے عاشق تھے نہ بہ بختِ شاحال
 اس بات پر مرتے تھے کہ مرجائیں گے پہلے
 قاری کوئی قرآن کا کوئی ماہر تفسیر
 تھا شوق کہ احباب سے ہوویں گے بے فکر
 ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی
 مرجانے پیرِ گرم تھے اور زیستِ دلِ سرد
 تابندہ تھی خورشید کی صورتِ رخِ پر گرد
 کس شمع کو اس طرح کے پرولنے ملے ہیں
 تھی غیرِ خدا سب کی انھیں یادِ فرہوش
 دلِ یادِ الہی میں جو یوں یکھو تو خاموش
 بڑھتے چلے جاتے تھے قدمِ راہِ خدا میں

وہ صوتِ حسن اور وہ اثر دار دعائیں
وہ اُن کی عباؤں کے تلے تنگ قبائیں

نہ جو میں چُسن نہ انساں نہ پری میں

ہمت سے توانا چہ ریاضتِ بدن زار

غربتِ المِ فاقہ کشی زردیِ رخسار

تبسّخِ خدا سے وہ جہاں دُوزباں تھی

مقبولِ خدا صاحبِ دین زاد و ابرار

بروں جو رہے چرخ میں یہ گنبدِ دقار

حق ہم سے غلامی کے ادا ہو نہیں سکتے

کیا کیا نہ اذیت تھی پہ تھے صابر و شاکر

سردینے پہ موجود فنا ہونے پہ حاضر

کھائے تبر و تیر یہ غم خواری کا حق تھا

مرقوم ہیں قرآن میں رُتبے شہدا کے

وہ چاہنے والے تھے امامِ دوسرے کے

دنیا میں تحصیلِ سعادت کا صلا تھا

حقا کہ عجب فوج تھی فوجِ شہِ ابرار

ہم شکلِ پیرِ سا جواں فوج کا سالار

ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا

چہرے تھے خدا نے پر قدر کے ستارے

کس صبر سے الفت میں کئی روز گزارے

بڑھ بڑھ کے گلارے تھے شمشیرِ دو دم پر

وہ چاند سے رُخ اور وہ نورانی عباؤں

وہ دوش پہ شیلے وہ عکاسے وہ روئیں

گو یا ملک اترے تھے لباسِ بشری میں

مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلب گار

سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ عیاںِ سب کے آثار

بیداریِ شبِ زرگی آنکھوں سے عیاں تھی

ایسے نہ پیمبر کو ملے یا در و انصار

پیدا نہ ہوں اس طرح کے صحابِ فادار

کٹواے سر اُن لوگوں نے ہم رو نہیں سکتے

مولا کی محبت تھی ہر اک بات میں ظاہر

اس بھوک میں ثابت قدم ہیں ہیں صابر

وہ کر گئے غازی جو فاداری کا حق تھا

نے جاں ہوئے پر دیں میں کیا بچ اٹھا کے

طالب تھا خدا اُن کا وہ طالبِ حق خدا کے

آقا بھی انھیں سبطِ پیمبرِ مالا تھا

جن لوگوں کا عباسِ دلاور سا علمدار

مختار وہ اللہ کے جو گھر کا ہی مختار

لشکر نے بھی اس طرح کا افسر نہیں پایا

زمینہ تھے اُس چاند کو ایسے ہی ستارے

شہید کے شہید تھے وہ اللہ کے پیارے

سہرے گئے جو گرتے تھے تو آقا کے قدم پر

تلواریں تو تھیں ہاتھوں میں اور کانڈھوں تھیں
 یقصد کہ قبضہ پہ عدو ہاتھ تو ڈالیں
 تلواریں علم کرسے جو لشکر پہ بھکیں گے
 کتنا تھا کوئی آج کا مرنا ہو سعادت
 خنجر کے تلے حلق کو دھرنا ہو سعادت
 پانی میں وہ لذت نہ وہ کھانے میں مرنا ہو
 تھے دہنی طرف جمع عزیز شہ ذی شاں
 زہرا کے جگر بند محمد کے دل جاں
 میدان میں عجیب نگاہ سے مرنے پہ تُلے تھے
 اٹھا رہے تھے فرزندِ پیمبر کے یگانے
 پالا تھا انھیں گود میں شاہ شہدائے
 وہ فاطمہ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
 کچھ طفل تھے اور تازہ جواں کئی خوش رو
 وہ چاند سے رُخ اور وہ گوند سے ہوئے گیو
 مرجائیں گے فاقے میں قسم کھائے ہوئے تھے
 لڑکے کئی جو پہلے پہل نکلے تھے گھر سے
 چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے
 یہ دیر ہو کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہو
 چلنے لگے تلوار کھلیں شہیروں کے جو ہر
 میدان سے پھر اکون ہزاروں کو بھگا کر
 رہوار کو چمکا کے ہزاروں پہ گرا اکون

نیروں کی ستاروں سے چمکتی تھی جھالیں
 ہم بھی ابھی رہواروں کو چمکا کے نکالیں
 نیروں کے تیروں سے نہ خنجر سے رکیں گے
 سرتا بہ قدم خون میں بھرنا ہو سعادت
 سر سے رہ خالق میں گزرنے ہو سعادت
 جو آج کے دن حلق کٹانے میں مرنا ہو
 جن کے رُخ روشن سے منور تھا وہ میدان
 تلواروں کو تولے ہوئے سب جفا ہاں
 حیدر کے مرقع کے ورقِ رن میں کھلے تھے
 اک رشتہ میں جیڑے ہوں تسبیح کے دانے
 عاشور کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
 مقتل میں سسکا روں کی تیغوں کے تلے تھے
 خوش ظاہر و خوش باطن خوش قامت و خوش خو
 تھی کوسوں تک ان فاطمہ کے پھولوں کی خوشبو
 پانی کا جو تھا قحط تو مر جھائے ہوئے تھے
 ہر صف کی طرف تکتے تھے تیروں کی نطسے
 کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی اُدھر سے
 میدان میں چمکنے لگیں تیغیں تو مرنا ہو
 دیکھیں تو بھلا کس نے کسے کر دیانے سر
 ہاں دیکھیں تو کس نے تو بالا کیا لشکر
 فوجِ ستم آرا کے نشان لیکے گرا اکون

دولا کھ میں کس نے پسیر سعد کو مارا
 تلوار سے کس نے کیا خولی کو دوپارا
 لوفت ہوئی کون خبر دیتا ہو آکر
 بولا کوئی حضرت ہمیں پہلے جو رضا دیں
 دعویٰ یہ نہیں کرتے کہ لشکر کو بھگا دیں
 ناچار ہیں گریہاں سے غش کھا کے کریں گے
 کیا حضرت مسلم کے شیعوں کا کہوں حال
 منہ چاند سے اور اُنکے ہونے گیسٹوں کے بال
 وہ چاند سے رخ گردیشی سے اٹے تھے
 ٹوٹا تھا فلک غم کا جو ایذا سے سفر میں
 لب خشک تھے اندھیر زباناں تھا نظر میں
 کہتے تھے کہ بابا تو نہ اب آکے ملیں گے
 چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہو یہ بھائی
 کوفے سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی
 وہ کہتا تھا سران کے اتارے گئے ہوں گے
 ماموں کے قریب زینب دلیگر کے دلدار
 انگڑائیاں لے لے کے یہی کہتے تھے ہر بار
 اک دم میں فنا ہوں گے جولا کھوں کو کیا ہیں
 اور تین تھے تختِ جگر شیرازی جاہ
 دو لہا کے سن و سال کا کیا حال کھوں آہ
 دن گنتی تھیں بیٹے کی شادی کی ہوس میں

کس نے سر شیر ستم ایجا د اتارا
 خالی کیا کس شیر نے دریا کا کنار
 گڑتا ہی نشاں کس کا در کوفہ پہ جا کر
 لڑکے ہیں پر زور اسدا اللہ دکھا دیں
 اک حملہ میں دو چار صفوں کو توڑا دیں
 اس کی بھی قسم لے لو کہ جیتے نہ پھریں گے
 نہ سالہ و نہ سالہ تھے وہ صاحبِ اقبال
 پوشاکِ سیہم میں اور دھوپِ منہ لال
 اور ماتمی کپڑوں کے گریبان بٹھے تھے
 تھے داغِ غم نے پدیری ان جگر میں
 دنیا تھی فراموش انہیں یاد پدیر میں
 آقا کے ہراول سے ہیں جا کے ملیں گے
 بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
 کیا جانیے ہیں قید کہ پائی ہو رہائی
 ظہیم میں دشمن کے ہیں لے گئے ہوں گے
 اک حیدر کمار تھا اک جعفر طیار
 کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکرِ کفار
 روباہ ہیں ہم پر شیر خدا ہیں
 عبداللہ وزیر حسن وقاسم نوشاہ
 سن تیرہ برس کا تھا پہ تھا چودھویں کا ماہ
 دولہ بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

وہ حسن و وہ سن اور وہ پوشاک تہائی
 خلقِ حسنی کم سخن غیبِ دہائی
 توار تو کاندھے پہ زرہ باپ کی بریں
 تھی صبح شب عقد کہ پیکِ اہلِ آیا
 بانو نے سہر شام دُھن جس کو بنایا
 دولہ کی نشانی تو کیجے پہ دھری تھی
 عباس سو پایا بچ تھے فرزندِ ید اللہ
 ایک ایک لاوڑ تھا ہر نصفِ جہگاہ
 نازی تھے بہادر تھے ولی ابنِ ولی تھے
 عباس علی حیدرِ صفدر کا نشان تھا
 لکھا ہر کہ بتیں برس کا وہ جواں تھا
 اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
 کیا وصفِ جنابِ علی اکبر کروں تحریر
 اٹھارہ برس کا توسن اور صاحبِ توقیر
 شوکت ہو سراپا میں رسولِ دوسرا کی
 تھے بیچ میں اس غل کے شاہنشاہِ عالم
 دریائے کرمِ رحمت حق تو مجسم
 غل تھا کہ عجیبِ کت و شانِ شہدیں ہو
 ناگاہ بجا فوجِ عدو میں دلِ جنگ
 لشکر کے زرہ پوشوں نے گھوڑوں کے گنگ
 نئے دینوں کے رخِ قبلہ ایماں سے پھرے تھے

قد سرو سا ہو پر یہ کہاں اُس میں روائی
 وہ رعب کہ ہو جائے جگر شیر کا پانی
 تصویرِ حسن پھرتی تھی حضرت کی نظر میں
 دیکھا بھی نہ تھا ماں نے کہ سہ کو پڑھایا
 قسمت نے سحر کو اُسے رنڈ سالہ پٹھایا
 اور مانگ میں صندل کے عوض خاکِ سی تھی
 ششدر تھا جھین دیکھ کے سب کے گمراہ
 تیروں کو دمِ حربے تھے وہ رو بہ
 سب قوت بازوے حسین ابنِ علی تھے
 بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ نیاں تھا
 چہرے سے جلالِ اسد اللہ عیاں تھا
 خالق جسے دے جعفر طیار کا رتبہ
 حُسنِ نبوی خلقِ حسنِ غربتِ شہید
 تھا شور کہ انساں ہو کہ ہو نور کی تصویر
 ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قیامت ہو خدا کی
 گردوں پہ ستاروں میں ہو جوں تیرا عظم
 فخرِ دو جہاں قبلہ دینِ سید اکرم
 ذرے سب اسی کے ہیں یہ خوشبیز میں ہو
 لکھنے لگے ہر صف کے علم ہائے سیرنگ
 جاغالی نہ تھی فوجِ ستم میں کمیِ فرنگ
 ہفتادو دو تن لاکھ سواروں میں گھرے تھے

اُمّاتھا عمنہ کی طرح لشکر کفار
 کیا دخل نظر جائے جو اس پار سے اُس پار
 پانی تھے جگر پیاس سے اولادِ علی کے
 تھے گھاٹ پہ دریا کے صفا ماقدر انداز
 پیغام اہل اُن کے ہر اک تیر کی آواز
 جوڑے تھے تیروں کجائے ہوئے صفت کو
 پکیش کوئی دیکھتا تھا تیر کا پلٹا
 الفت ہو نہ حیدر سے نہ احمد سے تو لا
 دُنیا سے مٹا دیں گے نشانِ آنجنبی کا
 واں ہوتی تھی قتل شبِ مظلوم کی تدبیر
 غل غیمے میں تھا بے سبب گھر کے شیر
 گر پڑتی مٹی غش کھا کے جو غل ہوتا تھا میں
 کہتی تھی سکینہ سے کہ آؤ مری پیاری
 خالق سے یہ رو رو کے ماناگوں واری
 اس بن میں تیری کاٹنے داغ نہ ہوئے
 یاں تھا یہ تلامذہ کہ چلے تیر اُدھر سے
 تواریں اُگھنے لگیں شیروں کی کمر سے
 کہتے تھے کہ میں میں کہیں تلوار نہ چل جائے
 پہلے مگر مازی نے صفیں کیں تہ و بالا
 فرزند نے ر ہوار کو چمکا کے نکالا
 کہرام تھا جہاں کے پئے اہل حرم میں

جوں موج نظر آتی تھی تلوار پہ تلوار
 نے خوں میں مجھے غرق جو اُس سے تھا و تلوار
 خشکی میں تباہی تھی سینے پہ علی کے
 قابک کرے روح جنھیں دیکھ کے پرواز
 ایک ایک کو اپنی قدر اندازی پہ تھا ناز
 رخ سب کے جگر گوشہ زہرا کی طرف کو
 کتنا تھا کوئی کرتے ہیں ایسا سوں پہ تارا
 کر دیتے ہیں برباد قریشوں کا محل
 بچہ بھی نہ چھوڑیں گے حسین ابن علی کا
 تھے یاں کے بھی تھوٹے سے جواں ست شہیر
 نے تاب تھی سر کھولے ہوئے شاہ کی ہشیر
 چادر نہ سنبھلتی تھی یہ ریشہ تھا بدن میں
 سُن لیتا ہی بچوں کی دعا ایڑ و باری
 پھر خیر سے آئے مے بابا کی سواری
 پامال خزاں فاطمہ کا باغ نہ ہوئے
 عباس بچانے کے حضرت کو پہرے
 لڑنے کا لیا اذن شہ جن دبشر سے
 دھڑکا تھا کہ ہم سے کوئی پہلے نہ نکل جائے
 پھر بھائی گیارہ میں ہلاتا ہوا بجالا
 تینوں جو ہوئے قتل تو ہوئے شہ دلا
 رونے کو بول اُئی تھی میدانِ ستم میں

تلوار جو کھینچی تو ہزاروں کو بھگایا
چھاتی سے کئی مرتبہ زخمی کو لگایا
عورت میں غل ہوتا تھا جب تک تھے شیر

حجاج و زبیر و اسدی عامر و عمار
قربان حسین ابن علی ہو گئے یک بار

اور دور ملک دشتِ تم غوں سے بھرا تھا

حسرت سے انھیں دیکھتے تھے سیدِ ابرار

یہ پیر غلام اب ہر اجازت کا طلبگار

فردوس کے رستے پہ لگا دیجیے آقا

زیرِ دمِ شمشیر ہر اک خوں میں نہایا

میں بھی اسی دولت کی ہوں میدِ پہ آبا

جنت میں پہونچ جاؤنگا آقا کی مدد سے

محرومِ ہیاں سے کوئی جاتا نہیں زہار

حُر کو ابھی پہونچا دیا کس رتبہ کو یک بار

جس ذرہ کو چاہو اسے خورشیدِ بینا دو

پاتا ہر کوئی جو کوئی حُلہٗ جنت

محبوبِ خدا بانٹتے ہیں خلعتِ رحمت

بچپن کا جو خادم ہر کچھ اس کا بھی تو حق ہر

اک آہ بھری سر داؤر آنکھیں ہوئیں پرخم

اس وقت مجھے اپنی جدائی کا ندے غم

اک چاہنے والا تو رہے پاس چاہے

میدان میں مسلم پسر عوسجہ آیا

جس دم وہ گرا شہ نے بڑا سچ اٹھایا

لاشے سے گلے ل کے جدا ہوتے تھے شیر

ضرقامہ و دہب و انس و مالکِ دیندار

عمران و عیوب و عمرو و شویب و ابرار

جس ہمت یہ جاننا تھے خالی وہ پرا تھا

باقی جو رفیق شہ دیں رہ گئے دو چار

کی بڑھ کے حبیب بن مظاہر نے یہ گفتار

بندے کو بھی مرنے کی رضا دیجیے آقا

اوروں نے تو سردے کے بڑا مرتبہ پایا

چھاتی سے انھیں اچھڑا کر مل نے لگایا

وہ کیجے کہ شرمندہ ہوں آپ کے چاہے

حق کہ سخی ابنِ سخی کا ہر یہ دربار

آقا مرا وہ ہر جو خدائی کا ہر مختار

نئے قدر ہوں اقلاک جو نظروں سے گرا دو

پہونچا ہر اک فیض کو حضرت کی بولت

رہنے کو مکانِ خلد میں ہوتے ہیں عنایت

اب دیر جو ہوتی ہر مرے دل کو قلوب ہر

حضرت نے سنا دردِ دل اس دستِ کا جدم

فرمایا کہ اے بارِ قدیم اے مرے ہمد

ہر کون رفیقوں میں بجز یاس ہمارے

مشغور نہیں مجھ کو کہ تو مجھ سے جدا ہو
 یہ ساتھ غنیمت ہو ستم ہو کہ جفا ہو
 جو دوست ہو میرا اُسے پہچانتا ہوں میں
 اس عالم پیری میں نہ کر جنگ کی تدبیر
 مانند کہاں خم ہو کہ حال ہو تفسیر
 پیاسا ہو دم حرب غش آجائے گلن میں
 ہو عالم طفلی سے مجھے جس سے محبت
 ہوں یاں سے قریں قبر شہنشاہ ولایت
 مشہور وہ دربار شہر عقدہ کشا ہو
 جاری اُسی دربار سے ہوا من کا دستور
 افسانہ شہباز و کبوتر تو ہو مشہور
 اک ضرب کو فرما دیا۔ پردل سنے چاہا
 ہم اذن اگر قبلہ کو نین سے پاتے
 حضرت کا یہ تھا رحم کہ جب کھانے کو کھاتے
 بھوکا نہ رکھو رحم اسیروں پہ روا ہو
 جس وقت کہ دربار ید اللہ میں جانا
 آداب بجالا کے یہ بابا کو سنانا
 تم ساقی کوثر ہو زمانے پہ عیاں ہو
 بیٹھے ہیں لب نہر شنگاروں کے دستے
 جاؤں تو کہ صر جاؤں کہ سبب ہیں سے
 حضرت کے بھی ہوں وروطن سے بھی جاہوں

باقی ہو جو کچھ زیست بسر ایک ہی جاہو
 تنہائی میں پھر مجھ پہ خدا جانے کیا ہو
 بھائی تجھے بھائی سے سوا جانتا ہوں میں
 رعشہ ہی بہت ہاتھوں میں اٹھے گی شمشیر
 چلے سے ملایا بھی تو کھینچنے کا نہیں تیر
 پانی بھی نہیں ہو جو چو آؤنگا دہن میں
 وہ آج ہو دنیا میں گرفتار مصیبت
 جا بیٹھ نجف میں کہ ملے گی تجھے رحمت
 دنیا میں غریبوں کے لیے امن کی جاہو
 ہو پرورش شاہ و گدا ایک ہی منظور
 پشتہ کو ستائے یہ کسی کا نہیں مقدور
 خوں کا عوض اپنے بھی تو قاتل سے نہ چاہا
 آب دم شمشیر سے خوں اس کا بہاتے
 کہتے تھے حسن سے کچھ اُسے بھی ہو کھلاتے
 بازو بھی نہ باندھو کہ علی عقدہ کشا ہو
 اُس مرقد پر نور کو آنکھوں سے لگانا
 بیٹے کی خبر لو کہ ہو برگشتہ زمانا
 پیسیرا دن ہو کہ پسر شہنشاہاں ہو
 بچے مرے گرمی میں ہیں پانی کو ترستے
 پانی کا جو لوں نام تو ہیں تیر برستے
 فریاد کو پہنچو کہ مصیبت میں پھنسا ہوں

یا شاہ کہیں امن کی جا میں نہیں پاتا
 سب سہل تھا بچوں کو اگر ساتھ نہ لاتا
 جب سہرا خنجر سے جدا ہوئے گا بابا
 ادا کل کے مددگار مدد کرنے کو آؤ
 میں شاد ہوں کچھ غم مے مرنے کا نہ کھاؤ
 پاؤں نہ کہن میں تو کچھ اس کا نہیں غم ہے
 رویا یہ سخن سن کے حبیب جگر افکار
 قربان ترے اور خلف حبیب برکار
 فردوس میں جانا مجھے منظور ہے آقا
 کس منہ سے میں دہرایا اللہ میں جاؤں
 کیا کہہ کے میں اس قبر کو آنکھوں سے لگاؤ
 فرمائیں گے شہید سے منہ موڑ کے آیا
 میں اس سے کہاں جاؤں کہ حیدر بھی ہیں
 دل تھلے تھے حضرت شہید بھی ہیں
 حضرت پہ جو ظلم و ستم و جور و جفا ہے
 بچن سے تو سایہ کی طرح ساتھ رہا ہوں
 سر دوں گا کہ میں عاشقِ نقشِ کفِ پا ہوں
 جیتا ہے سدا جو یہ شرف پاتا ہے مولا
 حضرت کے غلاموں کے لئے عید کا ہے روز
 راحت ہے جو سینے پہ لگے تیر جگر دوز
 مجروح ہوں نیروں سے جو میلانِ تم میں

دشمن کو بھی غربت میں نہیں کوئی ستاتا
 ہر سخت مصیبت مجھے کچھ بن نہیں آتا
 کیا جانیے ناموس پہ کیا ہوئے گا بابا
 تم صاحبِ اعجاز ہو اعجاز دکھاؤ
 پر زینب نے کس کو اسیری سے بچاؤ
 نے پردہ جو ہو دختر زہرا تو ستم ہے
 گر کر قدم شہ پہ یہ کی عرض بہ تکرار
 اس وقت کہاں جائے بچن کا نگار
 جنت تو ہے نزدیک بخت دور ہے آقا
 زواروں کو کس طرح شکل اپنی دکھاؤں
 حیدر کو خبر آپ کے مرنے کی سناؤں
 تلواروں میں نیچے کو مرے چھوٹے آیا
 حمزہ بھی ہیں لے ہیں جعفر بھی یہیں ہیں
 زہرا ہیں روتی ہیں ہیمبر بھی یہیں ہیں
 دور روز سے یاں ہائے حسینا کی صدا ہے
 آیا جو بُرا وقت تو حضرت جدا ہوں
 اس نام پہ قربان ہوں اس گھر پہ فدا ہوں
 اس طرح کا مرنے کے ہاتھ آتا ہے مولا
 دولت سے شہادت کی ہے سب فائدہ روز
 گراگ ہو تو کو وہڑیں آپ کے دل سوز
 ہاتھ آئے ضیفی کا عصا راہِ عدم میں

ہر چند کہ ہو عالم پیری سے نقاہت
 جب دیکھتا ہوں آپ کو آجاتی ہو قلات
 نے سر دیئے مولانجھے آرام کہاں ہو
 احوال ہر اک دوست کا ہو آپ کو معلوم
 رعشہ فقط اس خوف سے ہو دشمنہ مظلوم
 کچھ ضعف نہیں آپ کے قدموں کی قسم ہو
 بچپن کی تو الفت مری آپ ہیں آگاہ
 ہم سن کئی لڑکے بھی تھے اویں بھی ہمارے
 کیا دن تھے سو اکیل کے کچھ غم نہ ذرا تھا
 لڑکوں کو سو اکیل کے کچھ اور تھا دھیان
 ساتھ ان کے چہرہ دوڑتے آپ ایشیہ شان
 پھیل پہ رغبت نہ تماشے پہ نظر تھی
 ناگاہ زمیں وال کی ہوئی مطلع انوار
 خوشبو سے یہ عالم تھا کہ پھولوں کی ہوا بار
 تھا شور کہ آمد ہو یہ محبوب خدا کی
 اتنے میں قریب آئے شہ شرب و بطحا
 پھیلائے ہوئے ہاتھوں کو دوڑے تینا
 کہتے تھے کہ ہم دوڑتے ہیں آئیے نا
 فرماتے تھے اچھا کہ میں قربان تمہارے
 ہاتھ آئے نہ جب آپ تو کہہ کر یہ پکارتے
 ڈر ہو کرے آرام کا نقشہ نہ بگڑ جائے

باقی ہو مگر جسم میں ایماں کی حرارت
 ہوتا ہو جوانوں کی طرح جوش شجاعت
 گو پیر ہوں پر دل مرا مرنے پہ چوال ہو
 مرنے سے وہ ہیں شاد جو ہیں عاشق قیوم
 رہ جائے بدن زخم شہادت نہ خروم
 سر بار ہو تن پر کمر اس واسطے خم ہو
 کچھ یاد ہو اس روز کا حال ایشیہ ذی بھا
 یوں بیچ میں تھے آپ تیاروں میں جوں ماہ
 گیسو تھے اٹے خاک سے کرتا بھی پھٹا تھا
 اور پیار سے میں آپ کا منہ تکتا تھا ہر آن
 نقش قدم پاک پہ میں ہوتا تھا قربان
 خاک کف پامیرے لئے کل بصر تھی
 اور چاروں طرف نور لگا پھیلتے اک بار
 تسلیم کو جھکنے لگے بام و در و دیوار
 ہر ذرہ سے آتی تھی صدا صلِ علا کی
 اور آپ کو ہنسیوں میں کھیلتے دیکھا
 ہنس نہیں کے لگے بھاگنے آپ آہ مے مولا
 جب جانیں کہ اس وقت ہمیں پائیے نانا
 ہم تم کو کپڑے ہیں کہاں جاتے ہو پیارے
 لو آؤ لگو مچاتی سے اچھا ہمیں ہارے
 کاٹا کوئی ان پھولوں کو توں میں گر جائے

پھر دور کے آغوش میں حضرت نے اٹھایا
 اور پاؤں کو ہاتھوں سے کئی بار دبا یا
 اُس پیار میں رونے کے بھی پہلو نکل آئے
 جُھ پر نظر فیض اثر پڑ گئی اک بار
 اُس دم متعجب تھے اصحاب وفادار
 بیجا نہیں اس طفل پہ الطاف نبی کا
 تم لوگوں نے دیکھے نہیں اس طفل کے جوہر
 آنکھوں سے لگاتا تھا یہ اُس خاک کو لیکر
 مرقوم ہو نام اُس کا ازل سے شہدائیں
 فرمائیں یہ جب حق میں مرے احمد مختار
 مشتاق شہادت ہو جوانی سے یہ غمخوار
 خدمت میں ہر اک تیغ و سپر باندھ کے آیا
 دیکھا جو مسلح مجھے رو کر یہ سنایا
 مزار اُس دن کا ہو اللہ کو بھایا
 ہو صاحبِ قسمت تری کیا بات ہو بھائی
 جب اللہ نے سنی ابنِ مظاہر کی یہ تقریر
 فرمایا کہ مجبور ہوں جو خواہش تقدیر
 چھٹا ہو تو پھر بار موافق نہیں ملتا
 خاطر شکنی دوست کی مجھ کو نہیں منظور
 منظور نظر یہ تھا کہ آنکھوں سے نہ ہو دور
 گو پیچھے رہے جاتے ہیں پر آئیں گے ہم بھی

چھاتی سے دھرتی ہوئی چھاتی کو لگایا
 ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا یا
 بوسہ جو گلے کا لیا آنسو نکل آئے
 خادم کو بھی حضرت کی طرح کونے لگے پیار
 اُن سب سے یہ فرمانے لگے احمد مختار
 یہ چاہئے والا ہو حسین ابنِ علی کا
 جس خاک پہ رکھتا تھا قدم یہ مراد لبر
 شپیر کے عاشق پہ تصدق ہو پیمبر
 دیوے گا خدا قبر سے خاکِ شفا میں
 کس طرح نہ صدقے ہو غلامِ شہ ابرار
 کفار سے جب لڑنے چلے حیدرِ گرام
 سر دینے کو ہندہ بھی کمر باندھ کے آیا
 ہتھیار لگا کر تو ابھی کس لئے آیا
 جس روز لڑائی پہ چڑھے گا مرا جایا
 دامنِ حسین اور ترا ہاتھ ہو بھائی
 بچپن کا خیال آیا تو رونے لگے شپیر
 دکھلاتا ہو احباب کی وقتِ فلکِ پیر
 سب ملتے ہیں پر عاشقِ صادق نہیں ملتا
 کچھ بن نہ پڑا روک چکے اپنے بہ مقدور
 تقدیر کی تحریر سے شپیر ہو مسبور
 منزل پہ سر شام پہونچ جائیں گے ہم بھی

فرما کے یہ چھاتی سے لگا یا کی باری
 گھبرا کے درخیمہ سے زینب یہ پکاری
 اب کون بجائے گاشہ جن و بشر کو
 سنتی ہوں اُدھر فوج پہ فوج آتی ہر دم
 سب دتے ہیں پس کس کے جدا ہونے کا ہر دم
 حضرت نے کہا کیا کہوں کیا ہوتا ہر بھینا
 پستے ہی گہرام ہوا اہل حرم میں
 کامل تھا زبیں عشق شہنشاہ اُم میں
 سینہ تھا جری کا تبر و تیر کی جانب
 پیری میں عجیبان تھی اُس شیر زیاں کی
 مٹی جلوہ گری نور خدائے دو جہاں کی
 پشانی پر نور پہ عالم تھا قمر کا
 باہم صفت تبر و کہاں ابرو و مژگاں
 آنکھیں وہ غزالان حرم جن پہ ہوں باں
 رخساروں کو تر کرتے ہیں اشک آنکھوں سے ٹھل کر
 خورشید افروں ہو صفائے رخ نیکو
 غنچے سے زیادہ دین تنگ میں خوشبو
 لب ایسے کہ یا قوت بھی گر جائے نظر سے
 نئے شبہ لڑی موتیوں کی ہیں دُر دنداں
 وہ ریش سپید اور وہ اُس کا رخ تاں
 کہتی ہو اہل منزل ہستی سے سفر ہو

رخصت جو کیا آنکھوں سے آنسو ہو جاری
 لوگو کہو میداں میں چلی کس کی سواری
 سچے چلے جاتے ہیں ہر اکے سپر کو
 یاں کم ہوئے جاتے ہیں فوج شہ عالم
 جلدی کہو اب تن سے نکلتا ہو مراد م
 بچپن کا مراد دست جدا ہوتا ہو بھینا
 پہونچا وہ جری شیر سا میدانِ تن میں
 بیتاب تھا مولا کی جدائی کے الم میں
 پھر پھر کے نظر کرتا تھا شپیر کی جانب
 پڑتی تھی سراپا پہ نظر پیر و جواں کی
 گردوں پہ چکراتی تھی سجدے کے نشان کی
 یہ چاند تھا شب کا وہ ستارا تھا سحر کا
 سرزد نہ کبھی جس سے خطا ہوئی غلاں
 نظروں سے ہو یعنی رخ شپیر نہ پنہاں
 رہ جاتی ہیں پلکیں کفِ افسوس کوئل کے
 مہتاب میں یہ رنگ نہ یہ حسن نہ یہ رو
 اور ورو زماں ذکر صفات شہ خوش
 بن پانی مگر خشک ہیں چویشیں پر سے
 یا گوہر بنم ہیں کہ غنچہ میں ہیں پنہاں
 آغوشِ مہ نو میں ہو خوشید درختاں
 شب گزری جوانی کی یہ پیری کی سحر ہو

گردن جو پھکی جاتی ہوتی سر پہ گراں ہے
جو تیر سا قد تھا سو وہ خم مثل کہاں ہے
ہر تیغوں کی دھاروں سے گزرا کوئی دم کو

سر پہ عوضِ خود ہے اللہ کا سایا
دستانے پہننا بھی نہ غازی کو خوش آیا
اک ہاتھ میں وہ تیغ جو لاکھوں پہ چلی ہے

راتنے میں رجز پڑھ کے پکارا وہ خوش انجام
ہشیار کہ اب بیان کے کھنچی ہے یہ مصہام
یہ تیغ نہیں وہ جو دمِ حرب رُکے گی
پہن کے پکارا عمر سعد جفا کا ر

اس پیر کو مہلت نہ دیا چاہیئے زہار
میں تیری طرح دشمنِ شہید نہیں ہوں
گو ہاتھوں میں عشہ ہے پراو ظالم گمراہ
ان ہاتھوں کی قوت ابھی تو نہیں آگاہ

پیری سے جو ہے پشت خمیدہ تو بجا ہے
میں وہ ہوں کہ جو فخر کروں ہے وہ نراوار
چو ما کیا اکثر قدمِ حیدر کتر

بچپن سے مجھے عشقِ امام دو جہاں ہے
پیری سے ہے روشن کہ چراغِ سحری ہوں
آقا مرثا ہے کہ عصیاں سے بری ہوں
نئے خوف چلا جاتا ہوں ہیں شیر کے منہ پر

افسوس بہارِ عینِ عمر خزاں ہے
جانے کا یہی گوشہ مر قے نشان ہے
ہر دم یہ دعا ہے کہ نہ لغزش ہو قدم کو

زخموں کے لئے تن کو زہرہ سے نہ بچایا
کیا فائدہ ہے جینے سے جب ہاتھ اٹھایا
اک ہاتھ میں دامانِ حسین ابنِ علی ہے

ای قوم حبیب ابنِ مظاہر ہے مرا نام
وار اس کا ہے دشمن کے لئے موت کا پیغام
میں تم سے رکوں گا نہ مری ضرب کے گی

آتا ہے بڑا سبطِ پیغمبر کا مددگار
بڑھ کر کہا غازی نے کہ او ظالمِ خدا
ہوں پیر تو واللہ ہے پیر نہیں ہوں

گر کوہ کو چا ہوں تو اکھاڑوں صفتِ کاہ
ہے قد شناس اُن کا جگر بندہ بید اللہ
جس خاک میں جانا ہے اُدھر سر بھی جھکا ہے

دیکھا ہے محمد کا انھیں آنکھوں سے دربار
زہرا کی نوازش رہی شپٹرنے کیا پیار
اب ساتھ ہے شپتیر کا اور سیرِ جہاں ہے

دُنیا سے کوئی دم میں عدم کا سفر نہیں
دیندار ہوں غازی ہوں جا ہوں حسرتی ہوں
دعویٰ ہے تو آؤ مری شمشیر کے منہ پر

مشہور ہے دنیا میں ایک پیری و صاعیہ
 ہر دم ہے عنایات خدا سے مدد غیب
 تلواروں سے سوکڑے اگر ہو کے گردنگا
 آقا مراد ہے جو امام ازلی ہے
 ہر جگہ میں اکثر مری تلوار چلی ہے
 لہذا نہیں مگر اسی میدان میں گڑونگا
 بینہ تیروں کا برسے تو کبھی نہ مورتوں
 ہاتھ آؤ تو کمر کے سر ایک ایک کا پھوٹوں
 کچھ ڈھال کی حاجت نہیں مشتاقِ اجل کو
 ہے کا پستے ہاتھوں میں کے زورِ خدا داد
 پکڑوں جو کلائی کو تو ضیغ کرے فریاد
 کھا سکتے نہیں دیو و لیروں کا طمانچہ
 شپیرے بکس پہ یہ لشکر کی چڑھائی
 کرتے ہو غضب اُس کے نواسے سے برائی
 فرزندِ پیمبر چھا کرتے ہو یا رو
 بدعت نہ کرو ہاتھ نہ بیٹہ پہ اٹھاؤ
 کعبہ ہے یہ بنیاد نہ اُس گھر کی مٹاؤ
 کون اس کے سوا دوشِ محمد کا کہیں ہے
 سمجھانے لگا آن کے تب ایک سنگ
 تیرے زن و فرزند بھی ہوویں گے مقرر
 گو تختِ دل صاحبِ معراج ہے شپیر

جرات میں کسی کا نہ شباب نہ مرثیہ
 شک اس میں نہیں بندہ شپیر ہوں لاریب
 اُس قبلہ دیں سے نہ پھرا ہوں نہ پھر ونگا
 مظلوم ہے سیّد ہے ولی ابن ولی ہے
 اُس شیر کے بیشہ میں پلا ہوں جو علی ہے
 تلوار نہ ہووے گی تو ہاتھوں سے لڑونگا
 نیزوں کا ہرک بند انھیں ہاتھوں سے توڑوں
 جیتا شہِ مظہر کے دشمن کو نہ چھوڑوں
 دانتوں سے چبا جاؤں گا تلوار کے پھل کو
 ہے جنگِ ید اللہ کا انداز مجھے یاد
 پھر جاتا ہے پنجہ سے مرے پنجہ نو لاد
 ہے ضربِ مے ہاتھ کی شیروں کا طمانچہ
 اسی ظالم کو کرتے ہو یہ کس گھر کی صفائی
 پیدا ہوئی ہے جس کے لئے ساری خدائی
 گھر لٹا ہے زہر کا یہ کیا کرتے ہو یا رو
 ہمتی ہے نہیں عرشِ خدا کو نہ ہلاؤ
 شمعِ حرمِ لم یزلی کو نہ بجھاؤ
 شپیر سا آقا کوئی دنیا میں نہیں ہے
 ہر چند بہادر ہے تو اسی رستم لشکر
 لازم ہے وہ تدبیر کہ بر باد نہ ہو گھر
 حاملِ تجھے کیا ہو گا کہ محتاج ہے شپیر

کیوں آپ کو تیروں کا بنانا ہی نشانہ
قبضے میں نہ دولت نہ ریاست نہ خزانہ

لازم ہی کنارہ پسر شیر خدا سے
تھر آگیا یہ سن کے حبیب جگر انگار
فرزند نہ کام آئیں گے مرقد میں نہ گہر بار
شہیر کے کام آؤں تو دل شاہ ہو میرا

نمکن ہی کہ سرواں پھر اس طرح کا پاؤں
خاک قدم شاہ کو آنکھوں سے اٹھاؤں
کیا دے گا کوئی جو مجھے آقا نے دیا ہی

یہ کہتے ہی جولاں کیا شہید بربک تاز
رنگِ سب اخراجِ ستم کر گیا پر واز
اکدم میں گیا پار سواہوں کے سروں سے

چمکی عبا نداز سے اُس شیر کی تلوار
ڈھالوں سے بدن اپنے چھپاتے تھے کیا
کچھ امن نہ تھا خود وزرہ سے تن و سر کو

کاٹے ہوئے پھل پھیلوں کے رن میں پکھتے
چھایا تھا ہر اس اُن پہ ہمیشہ جو لڑے تھے
دہشتِ زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا

تھے برچھیوں والوں کے بے سرو بے پا
تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
دہشتِ تلاطم تھا ہر اک فوجِ عدو میں

ساتھ اس کا نہ جس سے ہی برگشتہ زمانہ
دور وزرہ سے پانی نہ میسر ہی نہ دانہ
ہو اُس کا ملازم جو سپر بھروسے طلا سے

جھنجھلا کے کہا دور ہو او ظالمِ خدا
نہ ملک سے مطلب ہی نہ دولتِ سرو کار
وہ گھر تو لے ادر گھر آباد ہو میرا

فاسق کی طرف دولت دیں چھوڑ کے جاؤں
گر کوہ طلا ہووے تو ٹھوکر نہ لگاؤں
شہیر سے فردوس میں گھر میں نے لیا ہی

اُڑ کر صدفِ اعدا پہ گیا صورتِ شہباز
گھوڑا تھا مگر جست میں تھا شیر کا انداز
مڑ مڑا دھڑ آیا تو گرے خود سروں سے

گو یا سیر اعدا پہ گری برقِ شرر بار
اُس دستِ زبردست کا رکنا تھا کوئی وار
سیلے سے گزر جاتی تھی دو کر کے سپر کو

سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار کھڑے تھے
آنکھیں وہ چراتے تھے بہادر جو بڑے تھے
اُس تیغ نے تینوں کا بھی منہ موڑ دیا تھا

برچی تھی کہیں ہاتھ کہیں اور کہیں پہونچا
بہتے تھے جباہوں کی طرح سے سرا عدا
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش اہو میں

چلاتے تھے اعدا کوئی بنتی نہیں تدبیر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہو یہ شمشیر
 کیا ہوتا ہو ڈھالوں کی جو بدلی سی جھلی ہو
 نئے کار تھے جلا دوں کے نیزے دم پیکار
 حلقہ کیے اُس شیر کے درپے تھے کماندار
 شہباز سا سر پر فرس تیسرے قدم تھا
 پیری میں جو دکھلائی جانوں کی شجاعت
 دم چڑھ گیا گرمی سے ہوئی سپاس کی شدت
 زلزلہ اعدا کو نہ شمشیر کو دیکھا
 پھر نہ تھا کہ بس پڑنے لگی تیروں کی بوجھا
 چاہا اُسے مایں کہ لگی فرق پہ تلوار
 کہتے تھے تن و جاں شیر و لکیر کے صدقے
 چھاتی بھی مہنی تیروں سے اور فرق دوپار
 شیرازہ اجڑا سے بدن کھل گیا سارا
 یاں آپ کا انا مری بخشش کی سند ہو
 ناگاہ صفیں چیر کے آئے شہ ذی شراں
 لاشے سے لپٹ کر یہ پکار بصداف خاں
 دکھلا دو مجھے زخم کہاں کھائے ہیں بھائی
 اس عالم پیری میں نہ نہ جنگ موٹرا
 میرے لئے تو نے زن و فرزند کو چھوڑا
 تنہا کوئی لاکھوں سے رٹائی نہیں کرتا

دم بند ہیں مایں کسے تلوار کسے تیر
 پھر جاتی ہو آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
 جلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہو
 تلوار سے ملتی نہ تھی مہلت کہ چلے وار
 چلے سے مگر جس نے ملایا لبِ سو فار
 نکلا ہی نہ تھا تیر کہاں سے کہ قلم تھا
 تھرانے لگے عضو بدن گھٹ گئی طاقت
 دل سے کہا اب عالم فانی سے شخصیت
 کس پاس سے مڑ کر رنجِ شیر کو دیکھا
 دیکھا جو ادھر پشت پہ نیزہ کا لگا وار
 اور ظلم کی بر جھی بھی کیجھ کے ہوئی پار
 ہر زخم پہ نعرہ تھا کہ شیر کے صدقے
 رگ گ جو کٹی پھر نہ رہا ضبط کا یارا
 گرتے ہوئے گھوڑے سے یہ آقا کو پکارا
 اے شیر الہی کے پس وقتِ مدد ہو
 دیکھا کہ وہ مظلوم کوئی دم کا ہو ہاں
 اے دوست مرے تیری محبت ہیں قریاں
 چھاتی سے لپٹ جاؤ کہ ہم آسے ہیں بھائی
 کس طرح نہ روؤں ترا احساں نہیں تھوڑا
 وقت نے تری آہ کمر کو مری توڑا
 وہ تو نے کیا مجھ سے کہ بھائی نہیں کرتا

اتا کی صدا سن کے اُسے ہوش جو آیا
 انگھوں سے کف پائے مبارک کو لگایا
 کچھ اپنے نمک حوار پہ احساں نہیں کرتے
 لہ نہ مرے واسطے آنسو نہ بہاؤ
 محبوبِ خدا آئے ہیں خادم کو اٹھاؤ
 بوئے حسنِ سبزِ قبا آتی ہو مجھ کو
 یہ کہتے ہی بس گلشنِ دنیا سے سدھار
 بازو کو ہلا کر شہِ مظلوم پیکار سے
 ہم رہ گئے تم ہم سے دعا کر گئے بھائی
 ہو ہو مرے عاشق مے تیار مے یاد
 ہو ہو مرے رستم مرے ضیغم مرے صفدر
 تازیت ترے ہجر میں فریاد کروں گا
 پھر لاشِ درخیمہ پہ لائے شہِ عالم
 میدان میں حبیبِ ابنِ مظاہر ہو بے دم
 یاں رونے کو اُس کے زنجِ قزدانی ہیں
 خاموش ایسے آگے نہ کہہ لاش کا جانا
 افسوس کہ فرصت نہیں دیتا ہو زمانا
 رکھ اُس پہ نظر تنگ نہ ہو کثرتِ غم سے

گردن کے تلے زانے سپیٹر کو پایا
 اکبر کی طرف جوڑ کے ہاتھوں کو سنایا
 حضرت پہ اٹھا کے مجھے قریاں نہیں کرتے
 شہزادہ عالم مرے کام اس گھڑی آؤ
 حیدر یہ کھڑے ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
 فریاد کی زہر کی صدا آتی ہو مجھ کو
 مٹکی رہی ہونٹوں پہ زباں پیاس کے مارے
 چھوڑا ہمیں اسی یار و فادہ ہمارے
 صدقے ابھی ہوتے تھے ابھی مر گئے بھائی
 ہو ہو مرے سہماں مرے مقاد و آباد
 ہو ہو مرے عمار مرے مالکِ آستر
 خنجر کے تلے بھی میں سنتھے یاد کروں گا
 سر پیٹ کے فرمایا کہ اسی زینب پر غم
 ماتم کرو نے کس کا بچھا کر صفِ ماتم
 مظلوم مسافر کے اگر ہیں تو ہمیں ہیں
 پونچائے گا کوثر پہ یہ رونا یہ رولانا
 ہو ذاتِ خدا قادر و قیوم و توانا
 مطلب ترے برائے گا وہ اپنے کرم سے

رباعی

کام آئے زبانِ وحی کی مداحی میں
 سجدوں میں تڑپتی کی مداحی میں

سرگرم رہوں نبی کی مداحی میں
 یارب یہ مری عمر کئے مثلِ قلم

شربت (۵)

پھولا شفق سے چرخ چب لالہ زارِ صبح
 کرنے لگا فلک زرا بزمِ نشاۃِ صبح
 تھا چرخِ احقری پہ یہ رنگِ آفتاب کا
 چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بدم
 وہ آب و تابِ نہروہ موجوں کا بیجِ خم
 کھا کھا کے اُس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
 وہ نورِ صبح اور وہ صحر اوہ سبزہ زار
 چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
 وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نسیم کے
 آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
 ذروں کی روشنی پستابوں کا تھاگماں
 بھل پڑیاں سر کوہِ طور تھی
 اوجِ زمیں سے بہت تھا چرخِ زبردی
 ہر خشک و تر پہ تھا گرم بھرِ سردی
 روکے ہوئے تھی نہر کو امتِ سول کی
 وہ پھولا شفق کا وہ میناے لاجورد
 رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
 دھوتا تھا دل کے داغِ چمن لالہ زار کا

گلزارِ شبِ خزاں ہوا آئی بہارِ صبح
 سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعتِ گزارِ صبح
 کھلتا ہر جیسے پھول چمن میں گلاب کا
 مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
 سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
 تھا موتیوں سے دامنِ سحر اُبھرا ہوا
 تھے طاؤروں کے غولِ رختوں بے ثما
 کو کو وہ قریوں کی وہ طاؤس کی پکار
 ہر سورواں تھے دشت میں چھٹکے نسیم کے
 تھا جس کی صو سے وجد میں دُورِ سماں
 نہرِ فواتِ بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
 گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی
 کوسوں تھا سبزہ زار سے صحر اُزِ مردی
 نے آب تھے مگر دُورِ دریائے احمدی
 سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی
 نخل سی وہ گیادہ گلِ سبز و سرخ و زرد
 یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نگرہ
 سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بس کہ روزِ قتلِ شہِ آسماں حجاب
 تھی نہرِ علقہ بھی خجالت سے آبِ آب
 پیاسی جو تھی سپاہِ خدا تین رات کی
 تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
 گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ
 سبستہ تھے قتلِ شہِ کائنات پر
 اک صف میں برچھپوں کی چمک تھی الحمد
 وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کہیں گزر
 تھا اک گلا تو خنجر نے پیر کے لیے
 ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
 دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے
 ہر گز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا
 جب بندہ چکپن صفیں تو علم کھل گئے تمام
 حلقے میں اہلِ بیت کے روتے تھے یا نام
 بکھرے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
 زینبِ بلک ہی تھی پریشاں تھے سر کے بال
 سینہ کبود چاک گرہیاں شکستہ حال
 پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
 زینب کے اضطرابِ پشتہ روئے نازِ ناز
 یاد آ گیا حسین کو اس وقت ہاں کا پیار
 واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہی

نکلا تھا جوں ملے ہوئے چپے پہ آفتاب
 روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حجاب
 ساحل سے سرنگیتیں تھیں موجیں فرات کی
 ہر سو جہاں رہا تھا صفیں شہر و سپاہ
 ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ ظاہرِ نگاہ
 طوفانِ آبِ تیغ اٹھا تھا فرات پر
 لچکا رہے تھے ڈانڈے سوارانِ خیرہ سر
 انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاو کا جگر
 وہ برچھپاں تھیں سب تنِ شہید کے لیے
 چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
 دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں چھان کے
 رہتی پہ خوں بہائیں گے نہرا کے لال کا
 غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ انام
 لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوسے نیلام
 پٹکے میں شاہِ دیں کے سیکنے کے ہاتھ تھے
 نسلیں کا نہ ہوش نہ چادر کا تھا خیال
 کہتی تھی مجھ پر رحم کراؤ فاطمہ کے لال
 نہ ماں کا آسرا ہی تھے اب نہ باپ کا
 فرمایا اسی بہن تری الفت کے میں نثار
 لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
 بھینا حسینؑ غمِ صادق کا لال ہی

بچپن میں جو زباں سے کہا ہو کہیں گے ہم
 خلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
 اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہ کے نورین سے
 یسین کے گرہی جو قدم پر وہ نوحہ گر
 رو کر کہا کہ ہوتا ہو ٹکڑے مرا جگر
 خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہو
 فرما کے سیکینہ کے منہ پر نگاہ کی
 بلی بلائیں لے کے وہ رخسارِ شاہ کی
 رونائے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
 معلوم ہو گیا کہ نہ اب ایسے گا آپ
 چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائے گا آپ
 فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہو
 منہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوشِ نصال
 معلوم ہو حسین کو بی بی تمھارا حال
 ان برگ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
 تدبیر اک نکالی ہو آنسو نہ اب بہاؤ
 سوکھی زبان دکھا کے نہ شہتیر کو رلاؤ
 حق سے کہو بتوں کے جانی پر رحم کر
 ناچار نشہ کی گودی سے اتری وہ شکِ حور
 پھیلی زمیں پر روشنی آفتابِ نور
 چو ما ادب سے پائے امامِ انام کو

کھائیں گے تیر ظلم لہو میں بھریں گے ہم
 اُمت کے بخشولے کو پیاسے مریں گے ہم
 ہو گی کبھی نہ وعدہ خلائی حسین سے
 لپٹا لیا گلے سے بن کو کچشم تر
 زینبِ خدا کے واسطے بیٹو نہ اپنا سر
 صابر رہو کہ صبرِ خدا کو پسند ہو
 گودی میں لے لیا اسے اور دل آہ کی
 سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
 مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے
 چھاتی پہ سونے والی کو تر پائے گا آپ
 میں اپنی جان دوں گی اگر جائے گا آپ
 اچھا سدھارو کہ مرا مرنا مستبول ہو
 صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہ کلال
 کیونکر نہ روؤں میں کہ قلع ہو مجھے کمال
 سولھا پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو
 ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں پاس جاؤ
 بی بی دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اٹھاؤ
 یارب ہماری تشنہ دہانی پر رحم کر
 روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
 پڑھنے لگے درودِ رفیقانِ ذی شہور
 خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

حق کے ولی مصاحب سردار انس و جن
 فاقوں میں باحوس لڑائی میں مطمئن
 مانگو دُعا کہ آج یہ مرنا سب ہو
 وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ
 زیور کی طرح جسم پہ زیبایا سلاح جنگ
 کہتے تھے سب جٹے مٹائے ہوئے آستین کو
 تھے اک طرف عزیز شبہ آسمان وقار
 جاں باز مرفوش بہادر وفا شعار
 ہر چند باغ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
 خلن و مروتِ حسنی اُن پہ ختم تھی
 زور اُن پہ ختم تیغ زنی اُن پہ ختم تھی
 غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
 اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گل بدن
 رخصت سے ہم تھے جو گیسوئے پُر شکن
 سُرخ تھی لب پہ گوکہ نہ پانی نصیب تھا
 کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بدم
 آمادہ و غاہد اُدھر لشکرِ ستم
 نامد برق تیغ سے بل جائیں تو ہسی
 کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
 دور و در سے ملا نہیں میرِ چین کو آب
 طاقت نہیں کھجے میں شیروں کے داغ کی

کوئی جوان کوئی متوسط کوئی مُسن
 کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہر دن
 قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو
 جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
 جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لڑنگ
 آقا بکلی کہیں تو اُلت دین زمین کو
 تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی نہ قرار
 ایک ایک رونق چمنستانِ روزگار
 اب تک تو اس روش کا کوئی گل بکھلا نہیں
 حُسن اُن پہ ختم کلبہ نی اُن پہ ختم تھی
 ہر معرکہ میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
 جس میں علیؑ رہے اُسی ہمیشہ کے شیر تھے
 تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چین
 حیراں تھے سب کُل گئے کیونکہ جلبِ حق
 دیکھا جو غور سے توین بھی قریب تھا
 عرصہ ہو کیا سوار ہوں اب قبلہ اُحم
 دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
 دہشت کے مہرچوں سے نکل جائیں تو ہی
 صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
 جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
 پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربانِ احتشامِ علمدارِ حق پڑو وہ
 سردارِ صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ
 دل کا پنتے تھے دیکھ کے تیورِ دلیر کے
 اک سو چراغِ حقلِ شیر تھا جلوہ گر
 تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
 جراتِ تثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
 تموارِ تول تول کے دستِ حنائی میں
 جہل تھا ہاتھ کو پیرِ مصیبتِ صفائی میں
 ساعدِ فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
 تھے پہلوئے حسین بنِ نیکِ دونوں لال
 کاندھوں پہ نیچے نظر آتے تھے وہال
 نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
 دونوں یتیمِ حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل
 آپس میں کہتے تھے کہ پیر تو ہو قاتل
 گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پہ
 جہاں سے یہ سلوکِ مسافر سے یہ دعا
 لیجا کے بامِ پسرِ انور کیا جدا
 ایسی کبھی کیل پہ آفت پڑی نہیں
 اس فوج میں یقین ہو کہ ہوئے وہ رویا
 منت پہ ان غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
 پائیں ابھی تو کشتہ شیرِ دوم کریں

لرزاں تھا جس جہری کے نور سے شمشیر
 حمزہ کا دبدبہ اسد اللہ کی شکوہ
 گویا سپاہِ شام تھی بنجے میں شیر کے
 روشن تھے جس کے چہرہ اندر سے شمشیر
 تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیر نہ
 شملہ چھٹا تھا سبرِ عمانے کا دوش پر
 کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اٹاں فی میں
 اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلانی میں
 دکھلاتی تھیں ہتیلیاں آئینہ ماہ کو
 گویا قرینِ بدر تھے دو نجمِ بے مثال
 ظاہر تھا چوٹوں سے بد اللہ کا جلال
 بچے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے
 حاضر تھے باادبِ عقبِ سرورِ جلیل
 ہم کو فیوں کو ماریں گے عمر میں کیل
 لعنتِ خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر
 یظلم اک غریب پہ یکس پہ یہ جفا
 خندق میں تن کو پھینک یا دھمیتا
 سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی لب تک نہی نہیں
 مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
 سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگِ لہجہ
 ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلزار
 چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب فیت دیا
 پھولا ہوا چمن تھا امامِ اہم کے ساتھ
 اندر سے فیض جلوہ ابنِ شہ نجف
 کس شان سے کھڑے تھے نازی بجا صف
 گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے
 لشکر سے تب بڑھا پسر سعد چند گام
 شاہد ہیں تمام دیرانِ فوجِ شام
 ی شاق مجھ کو خلق میں جینا حسین کا
 لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریہ
 نے جاں ہوئے پچاس رفیقان نے نظیر
 اُفتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تہمت تھے
 جس وقت خاتمہ رٹھا کا ہوا اخیر
 روتے تھے حالِ فخرِ سیماں پر چو شِ و طیر
 ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
 راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پردہ
 مانند شیر حق کیئے حملے ادھر ادھر
 اٹھیں صفیں جدھر وہ دم جگ پھر پڑے
 ناگاہ گھر میں آن کے فتنہ نے دی خبر
 رن میں گئے ہیں اکبر و عباس نامور
 رن سے بہن کے بیٹوں کو شیر لائیں گے

جو صدرِ زریں پر صدرِ رحمت ہوا سوار
 آگے بڑھے علمِ یلے عباسِ نامدار
 تھا ہاشمی جوانوں کا غچہ علم کے ساتھ
 رن کی زمیں کو حق نے دی غلبت شرف
 بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اس طرف
 تیر ستم کمانوں کے چلوں سے مل گئے
 چلے میں رکھ کے تیر پر سب کیا کلام
 میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوا امام
 کیا شاہد ہوں ہدف ہو چہ سینہ حسین کا
 یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
 لاشوں پہ ان کے روئے امامِ فلک سیر
 یاں کچھ فیت باقی تھے اور کچھ عزیز تھے
 تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا ان میں کوئی غیر
 کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
 تینوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقل کے
 نکلے و خاکِ وزینتِ ذی جاہ کے پسر
 کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے
 آخر زمیں پر برھیاں کھا کھا کے گر پڑے
 لو کام آئے زینتِ ناشاد کے پسر
 روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہِ مجرب
 صفِ ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب ایس گے

دورے حسین جانبِ مفضل باشک و آہ
مردوں کو بھانجوں کے اٹھلائے گھیر شاہ

زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب
ٹل ٹل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ غضب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال
رو کر کہا کہ احسنِ مجتنب کے لال

جاری ہیں اشکِ خونِ مری چشم پر آب سے
گھر لٹ رہا ہو فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر رکھا
گھیرا ہونے وطن کو عہد کی سپاہ نے
سب مرچکے امامِ دو عالم کے اقربا
حضرت کے تن کی جان ہیں دونوں ملتا
تم بھی نخل رہو گے سدا جہ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
جلدی دولہن سے ٹل کے سدھار دو پیچھا
بیبا ہاتھیں برائی ہر اک آرزو مری
مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گلزار
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
دن میں چلے غم مرنے کو پہلے ہی سبک

آنکھوں کے سامنے ہوئے نے دم وہ شکاہ
سر پیٹے اہل بیت رسولِ فلک پناہ
چپ رہ گئی کیلجے کو ہاتھوں سے تھام
غیرت کا جوش آگیا قاسم کی ماں کی تب
ہمشکل مصطفیٰ کہیں مرنے بجائے اب
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

قاسم کو اپنے پاس بلا یا بصدِ ملال
کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا خیال
زینب کے آگے جانیں سکتی حجاب سے
دشمن وہ دوست ہو نہ اس کھم کام آئے
کیا قہر ہو کہ بھائی کا جانا نہ مرنے جائے
منہ دیکھنے کو کیا تجھیں پالا ہو شاہ نے

باقی ہو کون اکبر و عباس کے سوا
سران کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بیبا
شرمائیں گے حسن بھی محمد کے سامنے

کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہو کم کو یاد
قربان ہو چچا پہ یہی ماں کی ہو مراد
اب وہ کہہ کہ جس میں ہے آبرو مری

ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کا رنار
نہشت ہی وہ نہ دیں تو ہو کیا اپنا خیار
روکا چچا نے کہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
 اماں مزارِ کشتہ سم کی ہمیں قسم
 کیا دخل ہم سے آگے جو دہشتہ سوار ہوں
 یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دہن کے پاس
 فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
 بستی تمام ٹٹ گئی ویرانہ ہو گیا
 کس سے ہمیں جو حالِ دلِ دردناک ہو
 اس زندگی چھیف ہو دنیا پہ خاک ہو
 آئی تباہی آلِ نبی کے جہاز پر
 تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد
 دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
 رضی رضائے حق پہ بعد آرزو ہو
 واللہ قتل ہوں گے جو عباسؑ نامور
 اکبرِ خدا نہ خواستہ مارے گئے اگر
 وہ مستند ہیں حلق کٹانے کے واسطے
 سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
 رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وفا کریں
 صاحب ہیں سپردِ عروسِ اجل کرو
 گھونگٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
 آنکھوں پہ ہیں تتلیاں رقت کا ہر وقور
 جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہو

رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
 نہ بر قدم ہو اب کوئی دم میں رہ عدم
 عباس ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں
 آنکھوں میں اشکِ دردِ کلجے میں دلِ اداس
 سب مر گئے عزیزِ شہنشاہِ حق شناس
 شادی کا گھر جو تھا وہ عزا خانہ ہو گیا
 تلوار چل رہی ہو جگر چاک چاک ہو
 اب کوئی دم میں نہ ہر ہر اہلاک ہو
 نزع ہو شامیوں کا امام حجاز پر
 آفت میں آج ہو پسرِ ضیغم صمد
 صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
 حیدر سے ہم بتول سے تم سرخ زور ہو
 صدے سے ٹوٹ جائے گی شمشیر کی کمر
 مرجائیں گے ترپ کے شہنشاہِ بحر و بر
 ہم کیا بچے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے
 فریادِ فاطمہ کی صدا میں سنا کریں
 کھولو جو لعل لب تو گھر ہم فدا کریں
 مشکل کشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو
 پاس اب نہ آسکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
 نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور
 بیل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہو

صاحب بھلا عام کے مسافر سے کیا حجاب
ایسی رواروی میں ٹھہرنے کی کب ہوتا باب
رستہ ہی پر خطر کہیں وقفہ نہ ہو
اک دم کی بھی ہیں توجہ دانی ہر دم سے شاق
لائی اہل پکڑ کے گریباں سوئے عران
چپکی یو ہیں رہو گی تن پاش پاش پر
جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
منہ پر دہن کے صاف رنڈا پاسا چھا گیا
دولہا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے دن سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے گد میں کفن سے تم
اکے ات کی بنی پو جیا یو ہیں چاہیے
فرماؤ کیا کریں جو نہ روئیں بہ در دو پاس
مہاں ہیں کئی دم کے جہاں میں حق شناس
دلرت ہو کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
میں کون ہوں بھلا جو کہو گی کہ تم نہ جاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
مسکن کریں گے دن میں تن پاش پاش پر
باتیں پس کے روتے تھے قاسم کمال نثار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلزار
کیا جانے ہو گا قبر میں کیا حال باپ کا

ہم یوں ہیں جس طرح کہ سر آب ہو حباب
کہتی ہوت گور کی جانب چلوشتاب
منزل بہت کڑی ہو یہ جلدی روانہ ہو
کیا کیجئے نصیب میں تھا صدمہ فراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
کیا بین بھی کرو گی نہ دولہا کی لاش پر
دل پر چھری چلی کہ جگر تھر تھر اگیا
جوش بکایں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی
پیا سا گلا کٹا کے لو گے حسن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب لہج سے تم
اے شمع بزم مہر و وفا یو ہیں چاہیے
نہ باپ کی نہ بھائیوں کی نہ چچا کی آس
سو نپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی پاس
تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گئے
رضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
بندھ جائے گا ہمارے رنڈا لپے کا غم نہ کھاؤ
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کلی لاش پر
ہل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
موقع نہیں ہو دیر کا اٹھو یہ ماں نثار
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

فرما کے الوداع اٹھا دلبر حسن
 غل ہو گیا کہ لٹتی ہو اک ات کئی دین
 جاتی ہو اب برات مے نو نہال کی
 جاتا ہو سر کٹانے کورن میں یہ رشک ماہ
 دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
 سمجھے نہ اب کوئی کہ دہن کی عزیز ہوں
 جب خیمہ حسین سے نکلا حسن کا لال
 بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ وہ خوش خصال
 چلائی ماں کہ سب بچہ میر نہ رو کیو
 پٹا کے اُس کو چھپاتی سے بولے شہ اُمم
 پیش و پس ہو منزل ہستی میں کوئی دم
 کچھ غم نہیں جو راہ ہو خنجر کی دھار پر
 یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
 تر آنسوؤں سے ہو گئی ریش خنابدار
 دولہا کے نور رخ کی ضیا چرخ نک گئی
 ہو نچا جو زمر گاہ میں وہ غیرت قمر
 بولے مدد یہ کوئی فرشتہ ہو یا بشر
 اندری چمک رخ پڑ آب و تاب کی
 کیوں وصف لعل لب میں حلاوت پائے لب
 شیریں لبوں میں لب شیریں فدائے لب
 ترک ادب ہو اس کی ثنا اس طریق سے

بد ہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت شاہ سخن
 اُس وقت سبے دولہا کی ماں کا تھین
 رخصت ہو بی بیوزن بیوہ کے نال کی
 لو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
 دو رائیں ایک جاہوں پہ تھی غریبہ
 کل تک بھی ساس رنج اس کی کینز ہوں
 دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد مال
 دستے رضاے حریف بھرزد الجلال
 شیر نے دی صدا کہ برادر نہ رو کیو
 پیارے تمہارا داغ بھی دل پہیں ہم
 تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
 ہر دم خدا کا فضل ہو اس خاکسار پر
 روئے شال ابر شہ آساں وقار
 تسلیم کر کے قاسم گلرو ہوا سوار
 جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی
 نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا دھر اُدھر
 خورشید غاوری کی بھی خیرہ ہواں نظر
 سرہ بنا ہوا ہو کرن آفتاب کی
 ہو مدح خواں کو قند مکر رشتائے لب
 دیکھے یہ لب تو یوسف مصری چائے لب
 دھونا زباں کو چاہیے آب عقیق سے

دنیاں محیط نور کے ہیں کج ہر خوش آب
 ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کتا ب
 حیراں ہر چشم جو رُخسور ان کا دیکھ کر
 ناگہ رجز یہ پڑھنے لگے قاسم جری
 ہم حیدری ہیں ہم میں ہر زورِ غضبِ زری
 شہرہ ہر حرب و ضرب شہِ خاص و عام کا
 جد ہر مرا امیرِ عیسٰی شمعِ نجف
 دادی جنابِ فاطمہ زہرا سنی شرف
 میں پارہٴ دل حسنِ خوش خصال ہوں
 اُس کا پسر ہوں اسی سے مصور و مدام
 واللہ اُس کا نعتِ جگر ہوں میں نشہ کام
 جان اُس کی ہوں میں جس کو شاگیرِ جد ملی
 ناگہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
 قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دوم چلے
 پیدل تو اس قطار کے تھے کس قطار میں
 دھالیں اٹھیں کہ دن شب و یور ہو گیا
 حیراں ہر ایک ظالم مقہور ہو گیا
 آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
 تھا ابنِ سعدِ شوم کو اُس م بہت ہنس
 اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے جوں
 رُکتا ہے برہمچوں سے نہ دامِ کند سے

براق اس قدر ہیں کہ ہر برق کو حجاب
 بتیں موتیوں کی یہ سمرن ہر انتخاب
 دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کا دیکھ کر
 عالم میں کون ہی جو کرے ہم سے ہم سری
 ہم سے ہر اوج پایہٴ اورنگِ صفری
 سکے ہر شہِ شہت میں ہمارے ہی نام کا
 ضرغام دیں مبین رسولانِ ماسلف
 عمو حسین صاحبِ لولاک کا خلف
 ہمارے سے جو شہید ہوا اُس کا لالہ ہوں
 گلزارِ فاطمہ کا ہی جو سر و سبزِ فام
 تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
 پہلو میں مصطفیٰ کے نہ جس کو بعد ملی
 تیر و سنان و نیزہ و خنجر بہم ملے
 اعدا پہ چھیڑ کر فوسِ خوش قدم چلے
 دود و سوار کٹ گئے ایک ایک اریں
 لامع جو برق تیغ ہوئی نور ہو گیا
 چہروں کا رنگِ خوف سے کافر ہو گیا
 گھوڑوں پہ تن چڑھے رہا و سر اتر گئے
 غرقِ سلاحِ ارنقِ شامی کھڑا تھا پاس
 تو جا کے لڑ تو قتل ہو نہا یہ حق شناس
 جلدی سنال پاس کو اٹھائے سمند سے

کہنے لگا بگڑے وہ با صد غرور و لاف
 یہ امر ایامیر شجاعت کے خلاف
 فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
 ڈرتے ہیں سب جبری مری جنگ جلال سے
 کرتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
 بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
 لکھا ہے چار تھے پسر اترق پسید
 بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیرو پیرو
 رُواؤ قبر میں حسن دل لول کو
 یہ چاند مجتبیٰ کا ہے توں میں اسے ڈوباؤ
 انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ
 خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
 نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں ایک بل
 نعرہ کیا یہ غیظ سے مودی نے نکھا کے بل
 کام آئے کچھ تو نام شبہ ذوالفقار
 قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے زہوار
 کافی ہے بس ہمیں سپر حفظ کردگار
 دشمن کو اپنی ضرب طمانچہ قضا کا ہے
 یہ سنتے ہی کہاں کو اٹھا کر بڑھا شریہ
 تھا بس کہ تیز دست حسن کا مہ شیر
 یوں قطع انگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی

تو آپ نے جو اس ہے تفسیر موصاف
 ہاں تب لڑوں علی اگر آئیں پڑ مصاف
 لڑکے سے لڑکے نام مٹا دوں جہان میں
 رستم کا زور آگے مرے کم ہے نال سے
 ناداں ہوں کیا لڑوں میں اس خود سال سے
 جنگ آ نما ہیں سو ہیں صفدر ہیں شیریں
 دشمن تو آل پاک کے شیطان کے مرید
 ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
 بیوہ بنا دو دستہ سبط رسول کو
 تلواریں مارو، ذبح کرو پھچیاں لگاؤ
 سہرے سمیت کاٹکے دولہا کے سر کو لاؤ
 سراسر کا نذر و بچہ تجھیں میر شام کو
 پیچھے پلے شہر میرے ہستی ہوئی اجل
 ہاں اس حسن کے لال خبردار ہو، سنبھل
 پستی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے
 امداد وقت جنگ ہے شیروں کو ناگوار
 او خیرہ سراسر اجل تری گردن پہ ہے سوار
 آ کوئی وار کر جو ارادہ و غا کا ہے
 چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
 بجلی سی آئی کوئند کے شمشیر نے نظیر
 جیسے کوئی قلم کرے شاخیں دخت کی

اک ہاتھ میں جو کھنگرے دست نایکار
 ایسا کچھ سرے تیر کا توڑا و خطا شمار
 جلد جو کھینچنے لگے سرکش کوتاک کے
 چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر نے اماں
 بچتی ہی کب نہ گلابِ جل سے کسی کی جاں
 اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
 مرکبے گر کے مر گیا جب عروے دیں
 نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خوشگین
 ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
 نیزے کا وار کرنے لگا جب خود پسند
 نیزہ اڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند
 یہ سن کے اُس نے ڈھال کو چرچہ گویا
 بیکار کور ہو کے ہوا جب خیرہ سر
 آواز دی زمین نے کہ فی النار والسقر
 جرمیت کچھ شقی کو نہ اُس دم نظر پڑا
 جھپٹا برادرِ سوم اُس کا بہ کر و فر
 یاں بحرِ حفظ دست ید اللہ تھے سپر
 یوں دو کیا عمو و سرنا بکار کو
 مڑتے ہی اُس کے فوج سے چوتھا سپر
 سنتے ہی یہ وہ تیغ دودم کھینچ کر بڑھا
 لڑتا وہ کیا کہ تیر اجل کا نشانہ تھا

بوئے کمر میں کھ کے یہ شمشیر ابدار
 پکڑا کہاں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
 رستم کی روح چھپ گئی تو دے میں خاک کے
 قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کہاں
 نکلا وہ تیر توڑ کے پینے کے استخوان
 غل تھا قفس کی تیلیاں تو ہیں عقاب نے
 نکلا اُدھر سے تب پسیر ثانی لیں
 ابرو پہل نگاہ میں تہرا و جبین چیں
 اور اس طرف مدد کو نہ دو الفقار تھے
 بجلی سا کوند نے لگا دو لہا کا بھی سمند
 کہوں تو نے دیکھے نیزہ مشکلا کے بند
 پتلی کونے حیا کی سناں میں پرو لیا
 پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکانین پر
 جاتا تو بھی ہی برادرِ مہینی تر اجدھر
 آنکھیں کھلیں تو قمرِ جہنم نظر پڑا
 تانے ہوئے وہ گرز گراں سر کہ گذر
 تیغ دودم کو شہر نے تو لا بچا کے سر
 جس طرح تیغ تیز اڑا دے خیار کو
 قاسم پکارے ادبِ خود سر کدھر بڑھا
 جھنجھلا کے جتبی کا بھی تخت جگر بڑھا
 اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جاں ہوئے نہرویں بیٹے جو اس کے چا
 جوش غضب کے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
 جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
 شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹامک کی کہاں
 چار آئینہ وہ پہنے تھا بریں کہ الاماں
 کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
 آشتی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
 لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام
 ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
 یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
 او خالقِ زمین و زماں ربِ پاکِ کائنات
 تو حافظِ جہاں ہی کریم و رحیم ہی
 قصہ پکاریں جھمے میں اگر بچشمِ تر
 آیا ہی لڑنے ارزقِ ملعون و خیرہ سر
 عباس روتے ہیں علی البراداس ہیں
 نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہو چرخِ حسن کے لال
 سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
 عابدِ کاتب میں گرم بدن سرد ہو گیا
 چلائی رو کے زوجہ عباسِ نوجواں
 سن کر غلِ دولہن کے بھی آنسو ہو رواں
 خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
 ارزق کا دل ہوا صفتِ لالہ و اغدار
 مثلِ تنورِ منہ سے نکلنے لگا بشار
 نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا
 ارجن بھی جس سے ہم کے گوشے میں نہاں
 دُوب جانیں جس کے بوجھ سے رستم کے تن خواں
 جکڑا ہی پیل مست کو لبے کے جال میں
 عباس نامور سے یہ رو کر کیا کلام
 آیا سوئے یتیم حسن موت کا پیام
 مانگو دعا سہروں سے عمامے اوتار کے
 درگاہِ کبریا میں دعا کی اٹھا کے ہات
 ارزق کے ہاتھ سے مے قاسم کو دے نجات
 یارب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہی
 لوگو تھیں یتیم حسن کی بھی ہی خبر
 کھو لو سہروں کو اسی حرمِ شاہ بحر و بر
 ایسا ہی کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں
 زینب نے اٹھ کے کھول دیئے اپنے سرِ بال
 چلائی ماں گزر گیا کیا میرا نوسال
 قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا
 یارب ہی تو یتیم حسن کا نگاں ہیاں
 لیکر بلائیں ساس پکاریں کیمیری جان
 دو لہا پہ ابنی ہی میں صدقے دعا کرو

بے جاں ہوئے نہرویں بیٹے جو اس کے چا
 جوش غضب کے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
 جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
 شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹامک کی کہاں
 چار آئینہ وہ پہنے تھا بریں کہ الاماں
 کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
 آشتی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
 لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام
 ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
 یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطانِ کائنات
 او خالقِ زمین و زماں ربِ پاکِ کائنات
 تو حافظِ جہاں ہی کریم و رحیم ہی
 قصہ پکاریں جھمے میں اگر بچشمِ تر
 آیا ہی لڑنے ارزقِ ملعون و خیرہ سر
 عباس روتے ہیں علی البراداس ہیں
 نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہو چرخِ حسن کے لال
 سینے میں ہل گیا دلِ بانوئے خوش خصال
 عابدِ کاتب میں گرم بدن سرد ہو گیا
 چلائی رو کے زوجہ عباسِ نوجواں
 سن کر غلِ دولہن کے بھی آنسو ہو رواں
 خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو

اُس اضطراب میں جو سنا سنا سا کان
 آہستہ کی یہ عرض کہ ازیں ذوالمنن
 لڑنے گئے ہیں تشنہ ذہن تیری راہ میں
 یارب بس بنے مجھے گزری ہو ایک شب
 اب تک تو شرم سے نہ ہائے تھیں لب
 شہر کے آفتاب کا وقت غروب ہو
 سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں
 یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ
 اُٹھوں جہاں سے دلیر شہر کے سامنے
 فوجیں ادھر دعا کی چلیں سوئے آسمان
 رستم بھی ہو تو کھینچ نہیں سکتی مری کہاں
 ہو اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
 قائم نے دی صدا کہ بس اب کرباں کو بند
 حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربند
 پکھیں بلند کون ہو اور پست کون ہو
 کیا زور تیرا اور تری ضرب او ذلیل
 جو ہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ جو صیل
 جرات میں ہم کسی کو بھلا کب سمجھتے ہیں
 یہ گزر میل راہ سفر ہو ترے لیے
 برچی کا پھل قضا کا ثمر ہو ترے لیے
 ضربت نہ چل سکے گی جو ابیں گے ہم تجھے

زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رودہن
 دشمن پہ فتح یاب ہوخت دل حسن
 رکھ میرے ابن عم کو تو اپنی پناہ میں
 دو لہا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں سب
 پر کیا کروں کہ اب ہو مری وح پر تعب
 دو لہا سے پہلے مجھ کو اٹھالے تو خوب ہو
 جو آگیا پیام، رنڈا پسے کا یا الا
 بعد اُن کے ہو گا خلق میں کیونکر انباہ
 عورت کی موت خوب ہو شوہر سامنے
 بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدنیاں
 جوشن کو توڑتا ہو مرا تیرے اماں
 سر نہ کیا ہو دلو کو چٹکی میں پیس کے
 اللہ کو غرور و تکبر ہو نا پسند
 نیزے کا بند باندھ کوئی چھیر کہ سمند
 کھل جائے گا ابھی کہ نہ ہر دست کون ہو
 تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہو دلیل
 کاٹے ہماری تیغ نے بازوے جہیزیل
 مضبوط جو ہیں وہ تجھے پودا تجھنے ہیں
 دست اجل ترا یہ تیرا ترے لیے
 کالی بلاتری یہ سپر ہو ترے لیے
 نئے آبرو کرے گی یہ تیغ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقت دار و گیر
 حلقہ کہیں کہاں کا نہ کیلے تجھے اسیر
 او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگاے ہے
 گوا سلو ہے زیور مردان سر گزار
 ہر دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغ آبدار
 پھپھتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
 بیٹوں کے غم نے کر دیئے فتل تے جوں
 فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
 گم ہیں جو نور عین تو آنکھیں چرائے ہے
 آگے ہمارے دعویٰ جرات خدا کی شاں
 مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں تو جواں
 ہیں شیر شیر خوار جناب امیر کے
 بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار
 ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او ہوں شعار
 لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
 قائل کیا جو مصحف ناطق کے لال نے
 برچھا اٹھایا ہاتھ میں اس بخصال نے
 تیکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے تھے
 قاسم نے عرض کی کہ بہت ٹھوپ ہے حضور
 فرمایا صدقے میں ترمی ہم سے کہ غیور
 ہشتیار جانِ عم کہ دم کا رزار ہے

دستاںے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں تھر تھر
 دشمن ہیں سب تھے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
 آہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دباے ہے
 سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت کی دھار
 لاوے ہوئے ہیں پے عبث ایک دم کا بار
 یہ تو نہیں ہے کلب ہے برق میں شیر کے
 گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی جنھیں پاس
 آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس
 ثابت ہوا جھلم سے کہ منہ کو چھپاے ہے
 گدڑی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری باں
 لے میان سے کہ اس کا بھی ہو جائے امتحان
 جھوٹے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے
 مرحب سا پہلو اں نہ بچا وقت کا رزار
 گینڈے کی ڈھال کاٹی ہے تیغ آبدار
 ہاتھ کی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے
 تر کر دیا اسے عرق انفعال نے
 چھڑا فرس کو قاسم یوسف جمال نے
 عباس نامدار قریب آکھڑے ہوئے
 رہیئے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
 دشمن کو پاس آنے نہ دوں گے میں دور
 جاتا ہے اب کہاں یہ تنہا راکشکار ہے

کیوں تیغ تو تل ل کے بڑھتے ہو بار بار
 صدقے ترے جو اس کے اذ میرے شہ سوار
 آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھی رہے
 فارس ہو تم سا کون تو چرخ چھری
 صدقے میں اکر نہنگ محیط دلاوری
 ابرو پہل ہوا نکھوں سے نکھیں لڑی رہیں
 بیٹھیں خدا نے دیا ہر غلی کا زور
 ہیرام کی طرح سے چلا اب میان گور
 چتلے ہیں جتنے سا پھ ڈستے نہیں کبھی
 سن کر صدائے شیر پکارا وہ بڑ دلا
 تیوری چڑھا کے حضرت عباس نے کہا
 کچھ تجھ سے کم نبیرہ خیر شکن نہیں
 نیزہ ہلا کے جانب قاسم بڑھا وہ بل
 گھوڑا نہ گم پڑے تیرے لنگر سے منہ کبل
 ضیغم ہیں بیشہ اسد دو الجلال کے
 یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی گال
 اک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں
 بل کیا کرے کہ زور ہی موزی کا گھٹ گیا
 قاسم نے زور سے جوانی پر رکھی اُنی
 بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آہنی
 اڑ کر گری زمیں پہ سناں اس تکان سے

بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا تشار
 ہاں وٹوں پاؤں کھینک کا بول میں استوار
 گھوڑا نہ بد مزاج ہو پڑی جی سے
 دکھلا رہے ہو صاحب دل کی بگڑی
 دکھلا دے ضرب تیغ جہانگیر حیدری
 بھاری زندہ وہ پہنچے ہی چوٹیں کڑی رہیں
 گو پیل ہر پہ ہم تو سمجھتے ہیں اُس کو زور
 دیکھو گے دیکھنے کا فقط یہ زور شور
 گر جے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی
 کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازم و غا
 بس ہو تجھے طفل مری احتیاج کیا
 دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں
 دو لہانے مسکرا کے صدای سنبل سنبل
 تو ہو فرس پہ اور تری گردن پہ کابل
 کیجیو سناں کے وارڈ را دیکھ بھال کے
 چمکی اُنی تو برق پکاری کہ الاماں
 ڈانڈائی ڈانڈا پر تو سناں سے لڑی سناں
 غل تھا کہ اڑو ہے سے وہ فنی لپٹ گیا
 بھاگا شقی کے جسم سے زور تہمتی
 تھی اس سناں کی نوک میرے کی تھی کئی
 اگر تاہر جیسے تیر شہاب آسمان سے

جھنجھلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر
 دو انگلیوں میں نیزہ دشمن کو تھام کر
 نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
 سنبھلا وہ نے شور یہ چھٹکا اڑھا کے جب
 چلے میں تیر جوڑ چکا جب نے ادب
 تیر نگاہ سے وہ خطا کا ردِ رگب
 بولایہ مسکرا کے جگر گوشہ حسن
 چلائے بڑھ کے حضرت عباس صفت شکن
 دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
 کند و گداز تیر نظر پر بھی کی نظر
 شیروں نے کاٹ ڈالے یوں ویتوں کے سر
 ترکش کو پھینک دے جو حیت کا جوش ہو
 دوست سے چلے جو ملامت کے اُس پتیر
 ہاں اے حسن کے لعل بدخشاں بدہ بگیر
 چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
 مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
 ماری زمیں پٹاپ کہ لرز اتمام بن
 میخیں نیں گی اس کی گتاپو سے ہل گئیں
 فر فر نفس کی آتی تھی تھنوں سے جب صدا
 دشمن کو گھورتا ہی دانا چبا چبا
 دشمن کو کیا نہرو میں بچنے کی اس ہو

بلے نیزہ اندازوں کی اصطلاح جو یعنی کن دیکر تیر کا سر کاٹا

قاسم نے داند داند پہ مارا بچا کے سر
 جھٹکا دیا کہ جھاک گئی گھوٹے کی بھی کمر
 دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا
 قبضے میں لے کمان کیا فی بصد غضب
 تیوری چڑھائی قاسم نوشاہ نے بھی تب
 کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلے اتر گیا
 رخ پھیر یونہی او ستم ایجاد پیل تن
 کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
 دعویٰ ہی کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو
 ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
 ہاں اب بتا صواب کدھر ہی خطا کدھر
 چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو
 چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
 نکلی چمکے یاں سے بھی تیغ قضا نظیر
 سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے
 آنکھیں ابل پڑیں صفت ہوئے ختن
 چلائے سب گھوٹے پہ بھی لو چڑھا ہون
 دونوں کونٹیاں بھی کھڑی ہو کے ل گئیں
 کہتے تھے لوگ سب کہ ہی رفوف یہ بادیا
 غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو یا وفا
 لڑے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

چھل بن کھائی فوج کو دوڑا تھا اوڑا
 دیکھی نہیں کبھی کبھی سوئے سما اوڑا
 جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا
 دونوں طرف چلنے لگے وار یک بیک
 تکتے لگے فلک کے دیروں سے سب ملک
 چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
 ہر بار بائیں سے ہوتے تھے وار رو
 جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بائی حسد
 یوں دکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو
 لایا جو حرف سخت زباں پہ وہ بد حاصل
 گھوڑے سے بس لادیا گھوڑا بصد جلال
 اوچھڑ لگی کہ ہوش اوڑے خود پسند کے
 عباس نامدار تے پہلو سے دی صدا
 دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہو جا
 گھوڑا بھی اس طرف کو او دھر ہو کے پھر پڑا
 غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
 کیا منہ دم کیا زہ عصیاں کے میل کو
 دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
 قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمہیں ظفر
 اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
 پستی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہنس ہو

صورت بنائی جست کی تمنا جما اوڑا
 مثل سمنہ باد شہر انما اوڑا
 گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا
 دو جلیباں دکھانے لگیں ایک چاک
 اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تا سمک
 یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی دھتی
 تھا حرب و ضرب میں شقی بھی بلائے بد
 کرتا تھا بازوئے شہ دیں یا علی مدد
 جس طرح روکے کوئی شہ زور پھول کو
 جھپٹا مثال شیر درندہ حسن کالال
 اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُس کی سپر ڈھال
 گھوڑے نے پاؤں رکھ دیئے سر پسند کے
 ہاں اب نہ جانے دیکھو احسنت مر جا
 سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
 مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا
 بچے نے آج پست کیا پست پیل کو
 لو کو فوج گرا دیا حرف ثقیل کو
 دیکھو تو آکے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا
 تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کمر
 اقبال آپ کا کہ ہم ہو گئی یہ سر
 کام آئے کیوں نہ رہیں جو استا واپس ہو

فرمایا جانِ عم یہ بستر تھا کہ دیو تراد
آؤ کہ تم پہ پھونک میں پڑھ کر واثق بکا د
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسین پر

عباس نامہ تو ہنستے چلے اودھر
اس غم کدے میں دہر کے تھادی کہاں مگر

لاکھوں سے لڑکے پھاس میں مجبور ہو گئے

کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے

کھا کھا کے زخم مثل امیر عرب لڑے

جلوہ میان تشنہ دہانی دکھا دیا

لکارا جس نے بس ہیں گھڑا ڈپٹکے آئے

بگلی اودھر گری یہ جدھر کو لپٹکے آئے

منہ سُرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے

کائے رسالے تیغ سے کا رِ تلم لیا

پھر دست چپ میں تیغ و سپر کو ہم لیا

یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ

لشکر کے ساتھ تھا پھر سندھ و سیاح

غل تھا کہ روند ڈالا ہو لشکر کے باغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لہیزوں نے سان پر

تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر

یوں برچھپاں تھیں چار طرف اس جناب کے

دھایا ہر تم نے کفر کا گھر خانہ عمار
چلائی درسے ماں کہ برائی مری مراد
اسپند کوئی کر دے مرے نورین پر

یعنی خوشی کی جا کے تیر دیں کو دوں خبر

یاں اُس بنے پہ ٹوٹ پٹے لاکھ اہل شر

حمر نے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

اک اک لڑا نہ آہ ہم ہو کے سب لڑے

جاں بازیاں تم کی دکھائیں غصے لڑے

بچپن میں لڑکے زور جو انی دکھا دیا

یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے

صف کو بچھا کے آئے پرے کو اٹکے آئے

بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

دستِ یمن نے جنگ میں ام کم لیا

نیورائے سنبھلے منہ سے لہو دالہ دم لیا

سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

رو کے ہتی فوج تیروں اور برچھپوں کے راہ

تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی سپاہ

ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو

پڑتی تھیں وہ قریب اُس نا توان پر

ہلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر

جیسے کرن نکلتی ہو گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
 برچھی لگی جو سینے پہ ٹکڑے ہوا جگر
 طارق کی تیج کھا کے پکائے امام کو
 سنتے ہی استغاثہ داماد کی صدا
 گھبرا کے بولے حضرت عباس با وفا
 چلائی ماں اسے مری بستی اُڑ گئی
 جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
 اس غیظ میں ہیں سے جو آئے تھے یسار
 بھاگ رہیں خوں سے کن کن میں لال ہو گئی
 دیکھا امام نے کہ گر گرتے ہیں اٹریاں
 داماد سے لپٹ گئے حضرت ابد فناں
 جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور آخوان تھے
 ڈیوڑھی پہ لے لاش جو سلطان بکرو بہ
 لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر
 لٹکی تھیں دونوں خاک میں نہیں اٹی ہوئیں
 لاشہ ادھر سے لیکے چلے شاہ کر بلا
 فضا تھی آگے آگے کھلے سر برہنہ پا
 چھپ جائے جس سے دور کا ناما ہو چھا
 نہیں کہ مرہٹے لے آ پھل بنے پہ آئیں
 رخصت ہوں جلد تاکہ برائی بھی چین آئیں
 دل پر ہے فراق کی شمشیر تیز کو

مار کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
 گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
 فریاد یا حسین بچاؤ غلام کو
 دوڑے حسین جانبِ مقتل برہنہ پا
 تلوار کس پہ چل گئی ہو ہی ہوا یہ کیا
 اڑی بھائی دوڑوں کے لڑائی بگڑ گئی
 بجلی گری نیزہ کے لشکر پہ ایک بار
 بھاگے پھر اگے گھوڑوں کی لگوں کو سوار
 دو لہا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی
 سوکھے ہوئے لبوں پہ پیٹھی ہوئی زباں
 بے حال ہو حسین کے آگے وہ نیم جاں
 سب چانہ سے بدن پہنوں کے نشان تھے
 پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضا نے دوڑ کر
 چادر کمر کی تھامے تھے عباس نامور
 رخ پہ پڑی تھیں سرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں
 دوڑے او دھر سے پٹیتے ناموس مصطفیٰ
 آئی جو صحن میں تو یہ رائیوں کو صیفا
 دو لہا دو لہن کے لینے کو آتا ہو صابو
 اب نہ کیا ہو حجرے سے باہر دو لہن کلاں
 جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں جا میں
 ماں سے کہو دو لہن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
 تھا سا منا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
 دو لہا کی لاش آتی ہر سہرے کو توڑ دو
 یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سو گوار
 کہنے لگی پٹ کے سکیٹہ جگر کھار
 وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
 یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلعے سے نوگہ
 اگر قریب صحن پکاری بیچشم تر
 کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
 رو کر بہن سے کہنے لگے شاہ بحر و بر
 بیٹھے گی یوں ہیں اس کی نہ تھی خبر
 زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پایہ بھی ہے
 حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشک بار
 چادر سپید اڑھا کے دو لہن کو چال انار
 چلائی ماں یہ گر کے تن پاش پاش پر
 صدے گئی چچی کونہ ہوئے کیسے مال
 داری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میر حال
 کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
 جس دم دو لہن نے لاش کے ٹکڑوں کی گھاٹ
 قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ شک ماہ
 بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں

پیٹے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
 گھر کے تب سکیٹہ سے بولی وہ نوگہ گر
 مسند لطف و حجر کے پردے کو چھوڑ دو
 افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
 ہے ہی بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں تیار
 بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رائٹ ہو گئی
 حجرے سے دوڑی بالی سکیٹہ برہنہ سر
 اے بی بیو کسی کو دو لہن کی بھی ہے خبر
 دوڑو پھوپھی جہان سے کبر انڈر گئیں
 اُس نے نصیب رائٹ کو لے آؤ لاش پر
 اب شرم کیا ہے دیکھ لے ولہا کو اک نظر
 دو لہا بھی نام کو ہی پہچا کا پسر بھی ہے
 پیٹی پہ سر کہ غش ہوئی بانوے دل کھار
 گودی میں لائی زینت غمگین و سو گوار
 قاسم بنے اٹھو دو لہن آئی ہے لاش پر
 رکھو دو لہن کی پیٹھ پہ ہاتھ احسن لال
 کیسا یہ خواب ہے کہ دو لہن کا نہیں خیال
 اس بچنے کی نیند پہ اماں نثار ہو
 نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
 میرا قصور غفو ہوا اے میرے بادشاہ
 اب حکم ہو تو لاش پہ اٹھ کر نثار ہوں

ای پارہ دل حسن ای فدایہ حسین
 کیا کہہ کے روؤں اٹھ گیا اتنی جہاں چین
 چھوڑا دوہن کو لاش پہ رونے کے واسطے
 صاحب بتا تو دو تھیں روئیں کیا کہوں
 پیاسا کہوں شہید کہوں یا بسا کہوں
 ماتم بھی یوں تو ہوتا ہی شاہی بھی تہی ہو
 کیوں جسے والہ جسے ہوا اور شور و شین
 شیر کے پاس فالہ روئی ہیں کہے مین
 شیر کو بھی قلع ہر شہ بے وطن کو بھی
 لکھے انیس خوب بہرعت یہ چند بند
 اک جاہو شیر و شکر و شہ و نبات و قد
 نہری رواں ہیں فیض شہ مشرقین کی

کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہی شور و شین
 بیوہ کوئی سکھائے تو صبا کروں میں بین
 دو لہا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے
 بیس کہوں کہ فدایہ راہ خدا کہوں
 دولہ کہوں کہ قاسم گلگوں کیا کہوں
 اک شب کی رائد دولہ کو کیا کہے دتی ہو
 اس بزم پاک میں ہیں یہاں نوہ گر حسین
 ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورین
 پر سا امام کو بھی دو تم اور حسن کو بھی
 لے جائے شوق سے جسے مضمون چو پسند
 اس کے کرم سے ہو گا یہ دریا کبھی نہ بند
 پیاسو پیو سبیل ہو نذر حسین کی

رباعی

آہوں نے کنول دل کا بھجا رکھا ہے
 اس ہند سیہ نخت میں کیا رکھا ہے

سوز غم دوری نے جلا رکھا ہے
 نکلو کہیں جلد عمر آخر ہو انیس

مترکہ (۶)

جب آبِ واں بند ہوا فوجِ خدا پر
 ترغہ ہوا دسویں کو امامِ دوسرا پر
 پھولا تھا چمنِ دشت میں اولادِ علی کا
 غاروں کی طرح گردِ کھڑی تھی سپہِ شام
 تھا شور کہ پیاسوں کو نہ پانی کا ملے جام
 سادات کو ہاں نیزہ و شمشیر سے مارو
 شیریں آغوشِ ید اللہ کے پالے
 گھرے ہیں پیاسوں کو سواروں کے سالے
 ہاتھ آئے گا اس نوح کا صلہ تیغِ زلوں کو
 دریا کو جو دیکھے کوئی پیاسا تو چلیں تیر
 نازاں ہیں بہت اپنے علمدار پہ شیر
 اک عشقِ ہر مشکلِ رسولِ مدنی سے
 قاسم کو سمجھتے ہیں برادر کی نشانی
 فرزندوں کو زینب کے نہ دینا کیس پانی
 تیغِ اُن کے بزرگوں کی ہزاروں پہ چلی ہو
 کس شان سے ہیں نیچے ہاتھوں میں بھالے
 کاندھوں پہ بھلے لگتے ہیں کیلا چھوٹے سے بھالے
 تلواروں سے پھر نچ کے کدھر جائیں گے شیر

فاتے کئی گزرے شہ دیں کے رفا پر
 پیاسوں کا لبو بنے لگا خاکِ ثقا پر
 باجوں کا اُدھر غل تھا اُدھر نادِ علی کا
 کس شان سے تھا بیچ میں گلہ شہِ اسلام
 سب تشنہ دہنِ قتل ہوں ہر کگلِ انعام
 بچے بھی جو آئے تو اُسے تیر سے مارو
 جو سب سے زبردست ہاتھ اُن پہ ڈالے
 نزدیک سے تلواریں چلیں دور سے بھالے
 دم لینے کی مہلت نہ ملے نئے وطنوں کو
 ہیں اُن کے گلے قابلِ آبِ دمِ شیر
 دنیا سے مٹا دوا اللہ کی تصویر
 چھیدو جگر اس چاند کا برچھی کی انی سے
 ہاں بھائیو ہر بادِ کراہ کی جوانی
 شیر ہیں کوئین میں ان کا نہیں ثانی
 اک جعفر طیار ہو اور ایک علی ہو
 بگڑیں تو بہا دیں یہ ابھی خون کے نالے
 زخمی ہوں کسی بیچ سے یکسوؤں والے
 زینبِ نعلِ آئیں گی تو مر جائیں گے شیر

و اں ظلم پہ باندھے تھا مگر لشکر کفار
 ذی قدر جو انمرد خوش اطوار و فادار
 آغوشِ محمدؐ کا مکیں ان کی طرف تھا
 تھا فتح کے سورے کا مفسر کوئی ذی جاہ
 کرتا تھا کوئی ہنس کے تو کلمت علی اللہ
 گوہِ حم نہ یہ لشکرِ نابھل کرے گا
 تھا سورہ کوثر کسی پیاسے کی زباں پر
 صدقے کوئی ہوتا تھا امامِ دو جہاں
 تبسّمِ امامت کو عجب دانے لے لے تھے
 عاشقِ شہِ والا کے مطیع اسد اللہ
 مستغنیِ حق میں حقِ آئین و حقِ آگاہ
 فاقوں میں توکل تھا جنابِ احدی پر
 خشکیہ زباؤں پہ سخنِ شکر کا جاری
 کوئی تو محدث کوئی حافظ کوئی قاری
 سمجھے ہوئے تھے تلخ وہ لذاتِ جہاں کو
 گو فاقوں سے تحلیل تھے وہ صاحبِ توقیر
 دانائے جہاں سیفِ زباں صاحبِ شمشیر
 دل تیروں سے زخمی ہوئے پھر چھپ گئے سینے
 ایک ایک روحِ حدیث اللہ سے مرست
 سر کا پس نہ بہنوں کو جو تیر ہوں سپت
 نہ گھر کا نہ اولاد کا نہ مال کا غم تھا

تھوڑے سے جواں یوں کبھی تھے منہ پتلا
 خاصانِ خدا متقی و زاہد و ابرار
 دنیا تو اُدھر جمع تھی دین ان کی طرف تھا
 پڑھتا تھا کوئی آیہ نصرتِ طرفِ شاہ
 بولا کوئی اب جلد کٹی جاتی ہے یہ راہ
 اس پیاس کی سختی کو خدا سہل کرے گا
 مال تھا کوئی سیرِ گلستانِ جہاں پر
 لڑکے بھی کھڑے تھے کئی کھیلے ہوئے جان
 کیا فاطمہؑ کی شمع کو پر وانی لے لے تھے
 سر دینے کو سب ہادی کو نین کے سہرا
 دنیا کو وہ دیندار سمجھتے تھے گزر گاہ
 پڑتی تھی نظر ان کی نیمِ ابدی پر
 معشوقِ امامِ دو جہاں عاشقِ باری
 ہم رتبہ سلمان و ابابکرِ غفاری
 تھا چاشنی فقر سے کام ان کی زباں کو
 موقوف نہ ہوتے تھے مگر نعرہٗ تبکیر
 طینت میں فاداروں کی تھی الفتِ شہیر
 سرشتِ تبسّم کو توڑا نہ کسی نے
 ثابت قدم و صفہٗ روحانہ زبردست
 سمجھا گئے دنیا کی بلندی کو سدا پست
 غم تھا تو فقط فاطمہؑ کے لال کا غم تھا

کس شوق سے تلواروں کے پھل بھوک میں کھائے
 آقا کی محبت میں وطن چھوڑ کے آئے
 زہر ہیں تن پر نور میں شیروں کے پُری تھیں
 پہلو میں کوئی اور کوئی پیشِ شہِ خوشبو
 رخ چاند سے روشن تو بدن چھو لوں خوشبو
 تیروں سے ز تلواروں سے منہ پھرتا تھا ان کا
 کیا شان حبیب بن مظاہر کا لکھوں حال
 کیا رتبہ اعلیٰ تھا زبے حشمت و اقبال
 جو عشق تھا سلمان و ابانہ کو نبی سے
 انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی
 ابرار بھی دیندار بھی عصیاں بھی
 طفلی سے یہ فوجِ شہِ نامی میں ہے تھے
 تھا وہ قدِ خم گشتہ شجاعیت نہ خالی
 پسپا تھی وہ صف جس پر نظر شیرِ نڈالی
 صدقے ہوئے یوں نختِ دل ختمِ سل پر
 وہ مومنِ کامل جو زمانے سے سہارا
 فرماتے تھے رو کر کہ نہیں صبر کا یارا
 یوں روئے جدا ہونے پہ اس تشنہ دہن کے
 مٹی میں لایا وہ مرقع جو قضا نے
 دیکھا سوئے افلاک امامِ دوسرے نے
 کیا قہر ہی تیراں پہ چلے فوجِ شقی کے

پانی کا مگر نام زبانوں پہ نہ لائے
 ایسے بھی نمک خواہ کسی نے نہیں پائے
 آنکھیں سپہِ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں
 کوئی سپرِ حفظ کوئی جو شن بازو
 رخساروں سپل سے لٹکتے ہوئے گیسو
 حضرت کے پسینے پہ لو گرنا تھا ان کا
 وہ پیاس کا صدمہ وہ ضعیفی وہ سہ سال
 فرماتا تھا بھائی جسے خود فاطمہ کا لال
 ان کو وہی الفت تھی حسین ابن علی سے
 پروانہ جان باز بھی شمع سحری بھی
 زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جبری بھی
 ترستہ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے
 مرنے کو چلے کیا کہ چلی تیغِ ہلالی
 نعرہ تھا یہ ہر دم کہ بشارِ شہِ عالی
 بلبل کبھی جس طرح فدا ہوتی ہو گل پر
 حضرت کا جگر ہو گیا سینے میں دو پارا
 افسوس کہ بچپن کا چچا دوست ہمارا
 جس طرح سے روئے تھے جہانِ کچھن کے
 سردینے پہ تیار ہوئے شہ کے یگانے
 تسبیحِ امامت کے بکھرنے لگے دانے
 رشتے میں جو تھے اتحاد و زہرا و علی کے

مقتل سے یہ خیمے میں خبر جاتی تھی ہر بار
 آخر ہوئی اولادِ عقیل جگر افکار
 لشکر میں تلامذہ ہی امامِ اذلی کے
 تھی شکر کے سجے میں اللہ کی جانی
 سیدانیو لوٹی گئی زینب کی کمائی
 مرتے ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے بچے
 سجدے سے جو سر حضرت زینب نے اٹھایا
 ٹھہر کے کہا کیا ہوا کیوں شور مچایا
 کیوں پیٹتے ہو حال مرا غیر ہر لوگو
 سب نے کہا دنیا سے گئے آپ کے پیارے
 صادق تھے وہ حق ماں کا اور گئے باپے
 تھا آج کئے دن کے لیے پالا انھیں میں نے
 پسُن کے ادھر پیدیاں سب بیٹھتی تھیں سر
 مارے گئے عباس کے عینی جو برادر
 تلواریں کلیجے چلیں شاہِ زمین کے
 بجاوج کے جو پر سے کو چلے سید ابرار
 پردے سے لگی رو رہی تھی زینب ناچار
 فرمایا کہ اٹھو تو مری جان برادر
 کی عرض کہ اے وارثِ فدایتِ حیدر
 باقی ہوں غلاموں میں تو مہینوں میں اکبر
 بڑھتا ہوں میں جس دم تو جھکا لیتے ہیں سر کو

نے جاں ہوئے مسلم کے تیمانِ وفادار
 پامال ہوا لو چمنِ جعفرِ طیار
 اب چلتی ہی تلوارِ نوا سوں سے علیؑ کے
 فتنہ نے یکایک یہ خبر آکے سنائی
 دم توڑتے ہیں خاکِ مہصومِ دہائی
 ہی ہر مری آغوش کے پالے ہوئے بچے
 ہر بی بی کو خیمے میں تر پتا ہوا پایا
 جلدی کہو کیا زخم کوئی بھائی نے کھایا
 اکبر مرے فرزند کی تو خیر ہر لوگو
 فرمایا کہ ہاں دونوں نے سر ماموں سے
 شادی ہوئی پروانِ چڑھے لال ہمارے
 شاہد ہیں سب بھی بختِ انھیں میں نے
 واں تیغوں سے ہوتا تھا قلمِ گلشنِ حیدر
 لاکھوں سے لڑا بختِ دل حضرتِ شیر
 ٹکڑے نہ ملے لاشہ فرزندِ حسن کے
 آگے گئے روتے ہوئے عباسِ علمدار
 ہمیشہ کے قدموں پہ گرے دوڑ کے اکبر
 کیا کہنے کو آئے ہو میں قربانِ برادر
 دنیا سے سفر کر گیا سب شاہِ کاشک
 دیکھوں کسے دیتے ہیں رضا سبطِ شیر
 دیکھا ہر لنگھیوں سے کئی بار پسر کو

میدان میں جے بھائی کا پیارا ہلوسیم
 کیا جانے کیا سوچتے ہیں قبلہ عالم
 ہو گا وہی جس امر میں کہ آپ کرینگی
 خود عرض کروں شہ سے چچھ کو نہیں بار
 ہاں آپ ذرا شاہ سے کر دیں جو اشار
 حامی ہو تو دیر ایک دم اک پل نہیں ہوتی
 سن کر یہ سخن کہنے لگی زینب ذی جاہ
 اچھا میں کوئی یہ نہ مانیں گے کبھی شاہ
 مشکل ہو بہت گود کے پالے کی جدائی
 ہاں خصمت اکبر ہو تو ہو اُن کو گوارا
 اک دم بھی جدا ہونے کا جن کو نہیں بار
 اول تو یقین ہو کہ نہ اقبال کریں گے
 یہ ذکر تھا جو شاہ و امم خیمے میں آئے
 اکبر بھی بصد رخ و الم خیمے میں آئے
 روئے جو حرم دیکھ کے اس خاصہ رب کو
 جن جن کے پیس ہو گئے تھے دشت میں جہاں
 اذی بی بیو تم رب کے ہیں شیر پہ احساں
 اولاد کے مرجانے کا کچھ غم نہیں ہم کو
 رو کر شہ بیس نے کہا یہ نہ کہو آہ
 سب قافلہ والوں نے تو فردوس کی لڑی
 اب ہم نہ کوئی داغ غم و یاس اٹھائیں

یہ ایک ندامت ہے میرے واسطے کیا کم
 اکبر بھی سدھائے تو کہیں کہتے رہے ہم
 رہ جائے گی عزت جو مرد آپ کرینگی
 ہو گا نہ کسی اور سے اس درد کا چارا
 پھر کیا ہو سنو جائے ابھی کام ہمارا
 مشکل کوئی نے عقدہ کشال نہیں ہوتی
 دلوادے بہن بھائی کو مرنے کی رضا آہ
 بھائی سے نہ اٹھے گایہ کوہ غم جانکاہ
 سان نہیں چاہتے والے کی جدائی
 فرزند انھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
 کیونکر کہوں وہ داغ اٹھائیں گے تمہارا
 مانا بھی تو کیا جانئے کیا حال کریں گے
 روتے ہوئے ڈیوڑھی سے حرم خیمے میں آئے
 عباس بھی گردن کیئے خم خیمے میں آئے
 شیر نے ایک ایک کا پر سا دیا سب کو
 اُن سوگ نشینوں سے یہ بو شہ ذی شاں
 سب پولیس کہ احوں محسن عالم تھے قریاں
 اللہ زمانے میں رکھے آپ کے دم کو
 شفاق اہل ہوں مجھے جینے کی نہیں چاہ
 جو بچھڑے ہیں جلد اُن سے ملائے مجھے شہ
 لاشے کو مرے اکبر و عباس اٹھائیں

اکبر نے کہا پہلے خدا ہم کو اٹھائے
عباس یہ بولے وہ گھڑی حق نہ دکھائے
حضرت ہی ہمارا تن صد پاش اٹھائیں
عباس کا منہ ہنس کے لگے دیکھنے شیر
عباس علی رونے لگے سُن کے یہ تقریر
آنسو نہ بہائیں کہ لہو گھٹا ہی میرا
زینبی کہا ان کا تو مطلب ہی جدا ہی
کی عرض کہ ان کو طلبِ اذن و غا ہی
اکبر سے بھی پہلے سفرِ حسد کرینگے
کل تک مرے عشق کا دم بھرتے تھے ہر بار
ہاں بھول گئے شوقِ شہادت میں مرا پیار
بھائی نہیں جینے کا جو پہلو سے ہٹیں گے
زینبی کہا آپ نہیں آزرده نہ کیجے
پغیظ میں ہیں جب ہوئے قتل بھیتجے
جانناز ہیں غازی ہیں ہار ہیں جری ہیں
یہ سنتے ہی سرشہ کا جھکا زانوئے خم پر
سرپاؤں پہ تھا شاہ کے اور ہاتھ علم پر
چھوڑا ہمیں کیوں ادمرے محبوبِ برادر
خیمے میں ہو غل کہ چلے حضرت عباس
گھبرا کے سکیٹنے نے کہا تبت بصدایں
منہ سے وہ موڑیں گے نہ نالوں کی کبھی ہیں

فرزند تو زندہ ہو پدر خوں میں نہائے
آقا پہ جو آتی ہو بلا ہم پہ وہ آئے
خاک ایسی جوانی پہ کہ ہم لاش اٹھائیں
فرمایا کہ جوشش آگیا ادمصاحب شیر
شہ نے کہا سمجھاؤ ذرا بھائی کو ہم شیر
کیوں روتے ہیں یہ کیا ابھی سرکشتا ہنجر
شہ نے کہا فرمائیے ہم شیر وہ کیا ہی
حضرت نے کہا خیر مناسب ہی کیا ہی
جلدی انہیں کا ہے کی ہی کیا ہم نہ مرنے
رخصت کے لئے آج یہ رقت ہی لیا ہر
پوچھو تمہیں تھا ہم سے اور ان سے ہی قرار
یہ کس نے کہا تھا کہ گلے ساتھ کٹیں گے
ان کی یہی دھن ہی کہ رضا پہلے ہی لیجے
اب تو مری خاطر سے اجازت انہیں دیجے
نازان کے اٹھا لیجے کہ اب پیفری ہیں
عباس گرے دوڑ کے بھائی کے قدم پر
حضرت نے کہا رحم نہ آیا تمہیں ہم پر
تم جس میں خوشی خیر بہت خوب برادر
سب بولے کہ لواور بھی سرور ہو بے آس
کیا کہتی ہو تم مجھ کو تو جانے دو چا پاس
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ نالوں کی کبھی ہیں

میں جیتی ہوں کیا ایسا چلا جانا ہر آسان
 عباس کی زوجہ نے کہا سچ ہی میں قربان
 کیا جانے والے مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
 یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی
 سرکاتی ہوئی بھینر کو اس وقت وہ آئی
 چلائی کہ سمجھی میں کہاں چھپ کے چلے تھے
 بتلائیے جاتی ہو کہ ہر آج سواری
 دم گھٹتا ہو ہو تو چچا جان میں داری
 بریں ہر ذرہ تیغ لگائی ہو کمر سے
 عباس پکارے میں آں آواز کے قربان
 دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان
 بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہو
 پانی کے لیے واہ تمہیں ہاتھ سے کھوؤں
 شب ہووے تو پھر کس کی بھلا چھاتی سچوں
 ہر ذرہ بیکس کا رُلانا نہیں اچھا
 عباس نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ
 قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اٹھاؤ
 نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں رد ہو پھر
 کہنے لگی منہ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر
 حضرت نے کہا یہ نہ رکیں گے کسی تدبیر
 روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہو ان کو

دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریبان
 جائیں کبھی ایسے نہیں بی بی کے چچا جان
 پر کچھ نہ کچھ ایسا ہو کہ سب روہیں بی بی
 رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
 جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی کے بھائی
 آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چپکے چلے تھے
 اس پیاس میں لی واہ خبر خوب بیکاری
 کیوں تم سے گلے مل کے پدے تہن ناری
 ہونے ہو جدا کیا مرے مطلوبہم پدے
 ہم جاتے ہیں پانی کے لیے اؤمری جان
 میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں کسی عنوان
 صدقے لگی پانی مجھے درکار نہیں ہو
 میں قبلہ کو نین کی دولت کو ڈبوؤں
 اب اتنی ہوں پانی کے لیے پھرتیں روؤں
 پیاس اچھی ہو پر آپ کا جانا نہیں اچھا
 بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
 تم بھی پیوا صغر کو بھی چلو سے پلاؤ
 تم پیاس بجھا لو تو جگر سرد ہو میرا
 کیا کہتے ہیں سنیے تو چچا جان کی تقریر
 اب مشک بھی لا دو انہیں جو خواہش تقدیر
 ستائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہو ان کو

دی مشک جو حکم پر شاہِ نجف سے
 غل رونے کا نیسے میں اٹھا چار طرف سے
 کھولا علم دیں کو جو اُس بھر کرم نے
 گھوڑے پہ چڑھے آپ جو گردان کے دامن
 تیار تھا اڑنے پہ اٹھائے ہوئے گردن
 فزاک کو تھا فوق کہیں بالِ ہما پر
 آمد سے بہادر کی تزلزل ہوا رن میں
 لشکر کی ترقی کو تزلزل ہوا رن میں
 سب زیر و زبر مجمعِ مردم نظر آیا
 شیروں کے نیستیاں میں جگر خوف سے کانپے
 حورو ملک جن و بشر خوف سے کانپے
 چلا کے بنی جان تو پنہاں ہوئے دریں
 ہل چل تھی کہ شیروں کے قدم رن میں نہ ٹھہرے
 صحرا کے پرندے بھی نشیمن میں نہ ٹھہرے
 غل تھا کہ یہ فوج اب غنیمت حق میں کمر لگی
 ناگاہ بیا بانِ بلا نور سے چمکا
 عکس اُس کافروں حُسنِ رخِ حور سے چمکا
 کرتا تھا اشارہ کہ نہ کیوں نورِ فناں ہوں
 تھی شانِ علی چہرہ انور پہ جری کے
 لہراتا تھا دامنِ علم سر پہ جری کے
 شانے پہ کہاں بریں زہرہ تیغِ کمر میں

رخصت ہوئے عباسِ محمد کے خلف سے
 طالع ہوا خورشید میں برجِ شرف سے
 نعلین پہ سر رکھ دیا اقبالِ وحشم نے
 قدموں سے رکابوں کی بھی لکھیں نہیں روشن
 اقبالِ سلیمان سے پری بن گیا تو سن
 نہیں اُس پہ نہ تھا تختِ سلیمان تھا ہوا پر
 غارت صفتِ اعلا کا تجلِ ہوا رن میں
 شیر آتا ہیہ چار طرف غل ہوا رن میں
 دریا بھی ہٹا کچھ یہ تلاطمِ نظر آیا
 تھرنے لگے کوہِ شجر خوف سے کانپے
 پیروں کے پرے دور تھے پر خوف سے کانپے
 سر قاف چھپانے لگا نقطوں کی سپر میں
 وحشت ہوئی ایسی کہ ہرن بن ہیں ٹھہرے
 برسوں سے جو ساکن تھے وہ مسکن بن ٹھہرے
 بھاگو نہیں بجلی کوئی ساعت میں گے گی
 جوں پہ تہِ خورشیدِ علم دور سے چمکا
 تھا نور کا شعلہ کہ سیرِ طور سے چمکا
 میں پختنِ پاک کے لشکر کا نشان ہوں
 کلنی تھی عجب حُسن سے منفر پہ جری کے
 پھرتا تھا ہما فرقِ مطہر پہ جری کے
 دو لاکھ کا لشکر نہ سماتا تھا نظر میں

غل تھا کہ علمدار شہنشاہ کو دیکھو
ہم صورت و ہم شانِ ید اللہ کو دیکھو
دستانے پہنے کا بھی دستور ہی تھا
جب ن کو چلے حضرت عباس علمدار
وہ شیر کہ اُتری ہی جسے عرش سے تلوار
اب چمکے گی تلوار شجاع ازلی کی
تشریف احمہ میں یوہیں آئے تھے ید اللہ
ہتھیار اسی وجہ سے لگائے تھے ید اللہ
قبضے میں یوہیں قبضہ شمشیر دودم تھا
تحریر سراپا پہ جو مایل ہوئی خاطر
پرس کی طرف نہ دے حق میں ہوئے ناظر
دل نے کہا کیوں امر فضولی میں یہ کہہ دو
کیا لکھے گا تو شاہ کے شہید کا سراپا
دشوار ہی عباس سے آقا کا سراپا
بہتر کوئی شو اور ہی نور ازلی سے
جس امر سے ہو خاص کو غیبت دے کرے کام
وانا کو یہ لازم ہی کہ عائد نہ ہو الزم
جلسہ نہیں مظلوم کی یہ بنم عز ہی
واقع نہ حقیقت سے ہوئے نور خدا کی
انہم اچھلنے لگے حب ہو گئے باکی
ہمشیر کیا فہمے کو رخ بازوئے شہ کے

علمدار

لو مارنی ہاشم دی جاہ کو دیکھو
حیدر کو نہ دیکھا ہو تو اس ماہ کو دیکھو
نقشہ تھا یہی حُسن یہی نور یہی تھا
دی پیک نے جا کر یہ خبر شمر کو اک بار
اُس کا پسر آتا ہی خبردار خبردار
آمد ہی بڑی دھوم سے عباس علی کی
خیبر میں اسی شان سے آئے تھے ید اللہ
لاٹھوں سے یوہیں لکھ لائے تھے ید اللہ
کاندھے پہ اسی طرح محمد کا علم تھا
حورانِ مضامین کی صدا آئی کہ حاضر
ٹھہری کوئی شو قابلِ تشبیہ نہ آخر
دی عقلِ رسا نے یہ گواہی کہ سند ہی
ادنیٰ سے مشابہ نہیں اعلا کا سراپا
آسان ہی کچھ حُسن کے دریا کا سراپا
تشبیہ جب اس شیر کو دیکھے تو علی سے
خوش ہو کے عوم اٹھیں پھر اس میں ہو کیا نام
کیا لطف جو آغاز کا بہتر نہ ہو انجام
یاں رونے کی لذت ہو لانے کا ناز
پیشانی کو خورشید کہا، خوب شنا کی
اشکوں نے بھی رک کر کہا یہ عین خطا کی
کھوئے در شہوار بھی پنجہ سے مڑ کے

ابرو کو کہاں کہتے ہیں اس فہم کے قربان
 ممدوح کے سببے کا بھی لازم ہو خدا دھیان
 جو شاہ ہو تو سین مکان ارض و سما میں
 کہتا ہو کوئی چشم کو زگر کوئی آہو
 چہرے کو کہا گر گلِ مہتاب ہو یہ رو
 نے ہو وہ اک پھول یہاں بلغ لگا ہو
 مضمون دہن کے شعرا رہتے ہیں جو یا
 غنچہ جو کہا لطف سخن اور بھی کھویا
 ہیں عقدہ کشا منہ سے جو بولیں قہقہے گا
 دانتوں کو گہر مرنیہ گو کہتے ہیں سارے
 یہ دُر نجف وہ ہیں علی کو جو ہیں پیارے
 کیا وصف کریں ان کا سوال علی کے
 لبک جو کہا لعل میضنون ہو بے رنگ
 بولوں بجائے بخش کا ہوتا ہو یہی ڈھنگ
 قدرت نہیں ان ہونٹوں کے اوصاف کی ہمیں
 قامت کو کہا سر و تو چال اُس میں کہاں ہو
 یہ حسن یہ صورت یہ جمال اُس میں کہاں ہو
 گل ہو کہ ثمر ہو نہیں یا بد مزگی ہو
 جو بات کہ مہل ہو وہاں چاہیے اہمال
 ہاں دیکھ کہیت قلم اچھی نہیں یہ چال
 ہو جوش و غاضب غمیز داں کے پسر کو

ابرو بھی جگر گوشہ حیدر کے نہ ہے شان
 یہ اُس کے نواسے کے تن پاک کی ہو جان
 فرق دو کہاں جس میں رہا اور خدا میں
 اُس کے تو بصارت نہیں کس نیل میں ہو
 اس میں یہ بھڑ نہ یہ سرخی نہ یہ خوشبو
 ہر چیز میں بس ایک نہ اک باغ لگا ہو
 پوچھے کوئی کوثر سے زبانوں بھی ہو دھویا
 اسرار الہی سے بھی واقف ہوئے گویا
 اس عقدے کو یہ آپ بھی لیش کھلے گا
 بتلاؤ گھر خوب ہیں یا عرش کے تارے
 تاروں کو بھی صدقے فلک ان پر آتے
 گوہر نہیں قطرے ہیں یہ سب نور خدا کے
 اس میح کے قابل نہیں ہو یہ دہن تنگ
 اعجاز مسیحا کا دکھائے تو کوئی سنگ
 یہ وہ ہیں کہ مردوں کو جلا دیتے ہیں دم میں
 یہ سیفِ قن یہ خط و خال اُس میں کہاں ہو
 یہ رعب یہ شوکت یہ جلال اس میں کہاں ہو
 ہر شوخی غصہ ایک ناک شاخ لگی ہو
 زریبا غزل و شعر میں ہو وصف خط و خال
 اپنے ہتھے ہیں عباس صفیں ہوتی ہیں مال
 تلوار کو تولا ہو سنبھالا ہو سپر کو

اعدا بھی اُدھر مستعد جنگ و جدل ہیں
 صف باندھے ہوئے ترک اور دم کیل ہیں
 اونچا ہر ہراک ہاتھ سپر سے اٹھی ہو
 کالے وہ علم فوج سیہ رو کی نشانی
 شیروں کے کیلجے بھی ہوئے جاتے تھے پانی
 بیکس شہ دین ہوتے تھے فریادِ حبس تھی
 یاں تیغ جگر بند علی میان سے نکلی
 فریادِ دل قومِ نبی جان سے نکلی
 غل تھا کہ یہ کس چیز کا پر تو نظر آیا
 نعرہ جو کیا شیر نے دل ہل گئے سب کے
 اتار نمایاں ہوئے خالق کے غضب کے
 تھرائے صدائیں کے شجاعِ ازلی کی
 شہید زکرائوں میں لاور نے جو دایا
 تنگی سے قفس تھا اُسے دنیا کا خرابا
 نہ جست نظر آئی نہ کاوان نظر آیا
 پامال عدو وقت تک و دو نظر آئے
 تارے دم شوخی و روار و نظر آئے
 بجلی تو بلندی پہ شرارے تھے زمیں پر
 سیدھی جو چلی تیغ صفوں کا ورق اُلٹا
 چہرے جو کٹے دفترِ نظم و نسق اُلٹا
 رکنے کا نہیں ہاتھ شجاعِ ازلی کا

کونے کے قشوں کے پرے پرے کے لہ ہیں
 سبشت میں نیروں کے شجریوں کے پھل ہیں
 گنگوہر گھٹا شام کے لشکر سے اٹھی ہو
 غلِ طبل کا قرنا کی وہ آواز ڈرائی
 تھی صاف صدا کا بہادر کی جوانی
 شہنائیں بھی مظلوم حسینا کی صدا تھی
 کس برق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
 اکتا زہ پری تھی کہ پرستان سے نکلی
 حیرت ہو کہ دسیوں کو مہ نو نظر آیا
 تھرنے لگے کوہِ اراضیِ عرب کے
 ماہی سے اُدھر کاونہیں مل گئی دیکھ
 جبریل کو یاد آگئی آوازِ علی کی
 پھر اگیا بچھول ہی وہ گھوڑا دور کا با
 اُترا تو دہانے کو عجب غیظ سے چابا
 پھرتا ہوا شکر میں پھلا و انظر آیا
 جس غول میں سو تھے وہاں سو نظر آئے
 جب چمکے اُڑا چار مہ نو نظر آئے
 خورشید تو زمیں پر تھا ستارے تھے زمیں پر
 اُستادِ شجاعت نے پڑھایا سبق اُلٹا
 جبریل پکارے کہ زمیں کا طبق اُلٹا
 دیکھو کہ نمونہ ہی یہی ضربِ علی کا

وہ معرکہ غزوہ خیبر نہیں بھولا
 عرصہ ہوا پر صدمہ شہر نہیں بھولا
 ہوتا ہوا گھر کتنی ہر زمیں پر
 بڑھ کر صفِ ثانی پہ چلی تیغِ جوشن سے
 راہی اوئیں روئیں تو رہا ہو کے بدن سے
 کب چھٹتے ہیں شہبازِ اہل کے ہون لبس میں
 حملے تھے قیامت کے (رائی تھی غضب کی
 ہوتی تھیں صفِ صاف صفائی تھی غضب کی
 چلنے میں مرا قاتلِ مشوقِ حبیب کا
 کیا تھر تھامشیر کی ابرو کا اشار
 نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا
 گرنے لگا گیا یہاں کی بلا ٹل گئی اُس پر
 کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ چکنا
 وہ دیدہ جو ہر سے جفا کا رو کا ٹکنا
 ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
 بجلی کا چلن شعلہ کی خوشکوش و بیباک
 خونخوار جفا کا رستم پیشہ و سفاک
 خود آبِ گداز لگا دینے کو آندھی
 بے مل ہوا جس کو لچک اس کی نظر آئی
 چورنگ کیا اس کو اُسے آٹھ کر آئی
 عوروں میں یہ گرمی نہ لگا وٹ پڑی میں

کفار پہ وہ حملہ حبیبِ رحیم نہیں بھولا
 اب تک مجھے اُس ضرب کا لنگر نہیں بھولا
 پھر آج وہی برق چمکتی ہر زمیں پر
 صاف آئی صدا یہ کہ نہ غافل ہوئیں سے
 سر طائرِ وحشی کی طرح اُڑ گئے تن سے
 مالک نے کیا بند جہنم کے قفس میں
 خوں پی کے برش تیغ نے پانی تھی بکری
 اُس منہ کی صفائی یہ کھائی تھی غضب کی
 انداز ہر اک تاب میں تھا چینِ چین کا
 اک چشمِ زدن میں سے مارا اُسے مارا
 ہر ضرب میں تھے جان سے ری ستم آرا
 منہ دیکھ لیا جس نے چھری چل گئی اُس پر
 شعلہ تھا نخلِ گرد تھا بجلی کا چکنا
 گویا تھا تا شا اُسے کشتوں کا پھر کنا
 کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لٹا ہوا تھا
 صرصر سے سبک بہت گرا قیامتِ چالاک
 کج باز سر اندازِ ترش رو و غضبناک
 ہستی کے چراغوں کے بجھا دے کو آندھی
 بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
 اٹھ کھیلیاں کرتی ادھر آئی ادھر آئی
 بیدم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

قولا دی ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری
 سر سیکڑوں کاٹے کین نہار نہ ٹھہری
 جرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
 کاٹی جو سینہ سنیکیں پہ نہ ٹھہری
 چار آنہ ظالم خود ہیں پہ نہ ٹھہری
 پایا چونہ اس دم پر جبریلِ امیں کو
 پستے ہوئے کشتوں کے پس پیش پیاس
 جب خون میں بھر جاتی تھی وہ پرچہ الماس
 نئے وجہ نہ تشبیر کا منہ لال ہوا تھا
 ناگاہ بہادر کو نظر آنے لگی نہر
 غازی کی قد موسیٰ کو لہرانے لگی نہر
 دریا کے جہاؤں نے صدادی پہ ابھر کے
 ہر موج زیارت کے لئے ہو گئی بے تاب
 تھا چھلیوں میں شو رکھ نکلو پی آداب
 آمد جو سنی تھی خلف شاہِ نجف کی
 جب گھوڑے کو دریا میں علمدار نے ڈالا
 یاد آگئی بس تشنگی سید والا
 صدرے سے بھر آیا دل سقائے سکینہ
 دریا کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ اے نہر
 انصاف کر انصاف یہ کیا ظلم ہو کیا قہر
 اس پیاس کا جب ذکر ہمسیر سے کریں گے

اک دم بھی میانِ صفت کفار نہ ٹھہری
 خون اتنے کیئے اور گنگار نہ ٹھہری
 دھبہ نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ
 سر سے جو بڑھی گردن لے دیں پہ نہ ٹھہری
 اسوار تو دو ہو گیا یہ تریں پہ نہ ٹھہری
 گھوڑے سے اترتے ہی کیا چاک میں
 پیتی تھی ابو دم بدم اور بھتی نہ تھی پیاس
 خود اس کا ابو پوچھتے تھے حضرت عباس
 عباس کی سرکار سے روال ہوا تھا
 پانی کی چمکے ور سے دکھلانے لگی نہر
 بڑھ کر خس و خاشاک کو سرکانے لگی نہر
 آنکھوں پہ قدم ساتی کوثر کے سپر کے
 میں پہلے پھروں گرد یہ تھی خواہش گرداب
 آتا ہی ادھر بحر شرف کا درِ نایاب
 گوہر تھے پی نہر مائتیلی پہ صدف کی
 لہرانے سے موجوں کے ہوا دل تہ وبالا
 رقت بہت آئی تھی مگر دل کو سنبھالا
 اشک آنکھوں سے ٹپکا کے کہا ہے سکینہ
 سب آب و نمک خلق کا ہو فاطمہ کا مہر
 شہید تو پیاس سے رہیں سیراب ہو شہر
 شکوہ ترا ہم ساتی کوثر سے کریں گے

ای آب محمد کا پسر تشنہ دہن ہو
 گلزار نبی کا گل تر تشنہ دہن ہو
 گرمی میں اگر آج بھی پانی نہ پئیں گے
 دریا سے یہ فرما کے بہاؤ نے بھری مشک
 تسے سے دہن باندھ کے ہرنے پہ دھری مشک
 دیکھا جو مہیا اے ستم نے ادبوں کو
 اگر آب سے اک حلقہ ماتم تھا نمودار
 سب پھلیاں ابھری ہوئی کہتی تھیں ہر بار
 دو چار قدم بھی نہ بڑھے تھے لیٹے سے
 دریا تو ادھر اور ادھر لشکر قہار
 تلواروں کی تھیں پھلیاں اتیروں کی لچھا
 طوفاں تھا ملاطم تھا مصیبت کی گھری تھی
 ہوتا تھا ادھر خاتمہ جنگِ علمدار
 اٹھ کر کبھی تکتے تھے سوئے فوجِ شکار
 بھائی کی صدا سن کے تڑپ جاتی تھی زینب
 کہتی تھی کہو صدقے گئی کچھ برائی
 دریا سے وہ نکلا تھا مگر راہ نہ پائی
 خونخواروں میں وہ صاحبِ شیر گھرا ہو
 کہتی تھی یہ گھرائی ہوئی زوجہ عباس
 کیا کہتے ہیں شاہِ شہدائے سہنی ایس
 کیسی خبر آئی ہو کہ جی کھوتے ہو لوگو

ای آب شہ جن و بشر تشنہ دہن ہو
 دور و زمر سے سب شاہ کا گھر تشنہ دہن ہو
 میں جن کا بہشتی ہوں وہ پیاسے نہ جنیں گے
 بالیدہ ہوئی دیکھ کے پانی کی تری مشک
 غل پڑ گیا دیکھ لیے جاتا ہو جری مشک
 دریا بھی لگا کاٹنے غصے سے لبوں کو
 پانی کے لیے لہر ہر اک بن گئی تلوار
 لوٹو دوتا ہو خوں میں غلی کا دیرِ ہوار
 پھر تیروں کا مینہ پڑنے لگا فوجِ عسے
 مشکیزہ لیے بیچ میں تنہا وہ علمدار
 جاسکتے تھے آفت میں اس سلسلے پار
 کیا پیاسوں کی کشتی بھی تباہی میں ٹٹی تھی
 بسمل سے تڑپتے تھے ادھر سید ابرار
 گر کر کبھی چلاتے تھے ہو مرے غنوار
 جب تے تھے حضرت تو نکل آتی تھی زینب
 نہ کہتے تھے ہاشیر بڑا ہوتا ہو بھائی
 مشکیزہ کے لئے پہ ہوتی ہو لڑائی
 دریا کی ترائی میں مرا شیر گھرا ہو
 کیوں بی بیو بچے مرے کیا لگتے نے اس
 اسی لئے مقدر نہ سبکینہ کی سمجھی پیاس
 تم سب مرا منہ دیکھ کے کیوں دوتے ہو لوگو

عباس سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ
 ثابت ہو جو زمانے رند سالہ پنھاؤ
 خود کہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھرے گے
 ماتم تھا ادھر گھر میں اُدھر روتے تھے شہیر
 دریا سے بڑھے آتے تھے تو لے جاتے شہیر
 ساحل پہ قیامت کی صفا رانی ہوئی تھی
 کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں عباس
 وہ فوج کا نرغہ وہ دھوم الم وہیں
 بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباس
 فریاد کہ تھے لاکھ لیں شے ہوئے راہ
 پیچھے سے پڑی تیغ ستم دوش پہ ناگاہ
 اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغ دو دم کے
 کرنے لگا جس دم علم سید والا
 اک تیر لگا چشم پہ اور سینہ پہ بھالا
 خم تھے کہ پڑافق پہ گرز ایک شقی کا
 کچھ گرز گراں بار کا صدر نہ تھوڑا
 زین سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا
 پانی جو بہا عید ہوئی فوج عدو میں
 ناگاہ یہ آواز علی دشت سے آئی
 چلائی یہ زینب کہ دہائی ہو دہائی
 تشریف نہ ہر دو سرالائے ہیں زینب

آجائے گا پھر غش نہ سکینہ کو رلاؤ
 ڈیوڑھی سے چلو مانتی صف گھر میں بچھاؤ
 عباس بس اب تا بہ قیامت نہ پھرے گے
 واں چلتے تھے عباس علی پر تیر تیر
 ہر سمت سے اُٹا ہوا تھا لشکر نے پیر
 لشکر تھا کہ دریا پہ کھٹا چھائی ہوئی تھی
 بہرہ نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
 ان سبے سوامشک کے چھبائے کا دوس
 تیر آتا تھا جب مشک چھکاتے تھے عباس
 شمشیر کھنک بیچ میں ابن اسد اللہ
 شاخ شجر باغ علی قطع ہوئی آہ
 اکٹا تھ تھا باقی وہ چپلا ساتھ علم کے
 عباس نے جھک کر اسے گردن سنبھالا
 بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو تیر نے ڈالا
 شوق ہو گیا سر حضرت عباس علی کا
 سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا
 پھر تیر نے مشکیزے کو اور سینہ کو توڑا
 پچھلی سے ٹپنے لگے عباس لہو میں
 شہیر خبر لے کہ تصدق ہوا بھائی
 حضرت نے کہا لٹ گئی بابا کی کمانی
 عباس کے لاشہ پہ علی آئے ہیں زینب

کلمہ

جب کٹ گئے دریا پہ علمدار کے بازو
 ریتی پہ گرے شاہ کے غنوار کے بازو
 رنگ اڑ گیا تصویرِ الم ہو گئے شپیر
 اکبر سے کہا کر دو گریباں مرا پارا
 عاشق مرے بچوں کا زمانے سے سدا
 آفت میں پھنسی پانی کی محتاج سیکھ
 فرما کے یہ گرتے ہوئے دوڑے شہ والا
 تھاسینہ اقدس میں کیلجہ تہ و بالا
 آگے کبھی چلتے کبھی پھرتے تھے شپیر
 کہتے تھے اٹھا کر یہ علی اکبر ذی جاہ
 فرماتے تھے آنکھوں میں بصارت نہیں آوے
 اب کھینچیں گے تلوار جو رستہ نہ ملے گا
 حضرت کو سنبھالے ہوئے دریا پہ چولے
 اکبر نے کٹے ہاتھ تڑپتے ہوئے پائے
 جھکنے جو لگے کانپ کے غش کر گئے شپیر
 ہی ہر شہ دیں کہہ کے جو روئے علی اکبر
 گھبرا کے بھتیجے سے کہا ادمرے دلبر
 اکبر نے کہا غم شہ والا کو بڑے ہیں
 سر کا کے قدم جلد یہ عباس پکارے
 چھاتی میں ہر دم موت کے آثار ہیں اے
 نئے موت ہیں اس وقت میں احساں کے وہم پر

شنانوں سے جدا ہو گئے جوار کے بازو
 تھرانے لگے سید ابرار کے بازو
 ہاتھوں سے جگر تھام کے خم ہو گئے شپیر
 ہم سوگ میں ہیں قتل ہوا شیر ہمارا
 فرما کے چہ حضرت نے غمے کو اتارا
 بس ہو گئی دنیا میں یتیم آج سیکھ
 سنبھلے کبھی خود ادرکھی اکبر نے سنبھالا
 چلاتے تھے ہر ادمری آغوش کا پالا
 گھبرا کے ہر اک لاش پہ گر پڑتے تھے شپیر
 دریا کی ترائی تو ابھی دور ہی شاہ
 عباس علی کھو گئے دنیا سے ہمیں آہ
 اکبر ہمیں کیا بھائی کا لاشا نہ ملے گا
 عباس علمدار کے نظر آئے
 بھائی کو خدا بھائی کا لاشہ نہ دکھائے
 ثابت علی اکبر پہ ہوا مر گئے شپیر
 صدمے سے تڑپنے لگے عباس دلاور
 دکھلا دو کہ ہر ہیں مے آقا مرے سرور
 وہ آپ کے قدموں کی طرف غش ہیں
 پھیر و مرے لاشہ کو میں قربان تمہارے
 قبلہ کی طرف چاہیے مٹھا ادمرے چاہے
 رکھ دو مرا سر قبلہ عالم کے قدم پر

کیا میرے لئے روتے ہو یا کو اٹھاؤ
میں اٹھ نہیں سکتا تمہیں مولا کو اٹھاؤ

واجب پیر صحف ناطق کا ادب ہو
غش میں یخن سُن کے پکائے شرفی شان
اکبر نے کہا کب تر پتے ہیں چچا جان
پھر ہونہ سکا ضبط امام ازلی سے
چلائے بصد غم مرے بھائی مرے بھائی
کیوں چشم ہو پر غم مرے بھائی مرے بھائی
سینہ میں اجل سانس ٹھہرے نہیں بتی
خشکیہ زباں کو جو نہیں بات کا یارا
پتلی بھی پھری جاتی ہو منہ زرد ہو سارا
کروٹ یہ نہیں بھائی سے منہ موڑ رہے ہو

یہ کہتے تھے حضرت کہ قیامت ہئی طاری
اٹھا جو دم آنکھوں میں تو آنسو ہو جاری
چلا کے گوشہ روئے تو گھبرائی سکینہ
یوں کہنے لگی دور کے فضلہ جگر افکار
چلائی بہن ڈیوڑھی سے یاسیر ابراہ
یا پھیر کے اس بکس ونے آس کو لاؤ
گھبرا کے سوئے خیمہ لگے دیکھنے سرور
رفیق تو ہیں بھری ہوئیں ڈپٹی نہیں سرور
لوگو نہیں کچھ میرے بہشتی کی خبر ہو

اللہ زمیں سے شہ والا کو اٹھاؤ
قدموں کی طرف سے مرے آقا کو اٹھاؤ
قرآن کی طرف پاؤں قیامت ہو غضب ہو
کیس کی صدا ہو میں اس آواز کے قربان
لے لیجئے کہ عباس کی دم کے ہیں یہاں
لپٹے شہ دیں لاشہ عباس علی سے

کیا دل کا ہو عالم مرے بھائی مرے بھائی
اکھڑا ہو تراد م مرے بھائی مرے بھائی
اچکی تجھیں اب بات بھی کرنے نہیں دیتی
کچھ نہ گسی آنکھوں سے کروہم کو اشارا
معلوم ہوا جلد ہو اب کو رنج تھارا
ہم خوب سمجھتے ہیں کہ دم توڑ رہے ہو

عباس علمدار کہ اسے کئی باری
تن رہ گیا اور روح سوئے خلید صاری
نکلا تھا دم اُن کا کہ نخل آئی سکینہ
جاتی ہو کہاں تیر نہ مارے کوئی خونخوار
تھمتی نہیں اب ہم سے سکینہ جگر افکار
یا ڈیوڑھی تلک لاشہ عباس کو لاؤ

دیکھا کہ چلی آتی ہو سر پستی و ختر
جو روکتا ہو کہتی ہو گھبرا کے وہ مضطر
بتلا دو مجھے بہر خدا نہر کہ صبر ہو

تصویر علیؑ کی ہر سراپا وہ خوش اطوار
 پیاسی ہوں مگر اب مجھے پانی نہیں رکھا
 میں اپنے چچا جان کے لینے کو چلی ہوں
 کیوں گھر سے نکل آئیں قہر بان تھکے
 حضرت نے کہا بھائی تو دنیا بے سدا ہے
 اب ہونڈھے آئی ہو مرے بھائی کو کھو کر
 دکھلا دو مجھے لاشہ عباسِ دلاور
 حضرت نے کہا لاشہ علمدار دکھا کر
 منہ دیکھ لو یہ شیر سے عباسِ پڑے ہیں
 حضرت نے عبا بھائی کے چہرے اٹھائی
 رہتی میں علمدار نے بھی شکل چھپائی
 لاشے سے صدا آنے لگی ہائے سکینہ
 اب جلد سوئے روضہ شہید ہوں ہی
 اُس در کی گدائی ہر مے واسطے شاہی
 عباسِ علمدار کی درگاہ کو دیکھوں

سقتے کا مرے نام ہی عباسِ علمدار
 کا نہ ہے پتہ تو مشکینہ ہر اور ہاتھ میں تلوار
 پھرانے کی قسمیں کھیں دینے کو چلی ہوں
 لاشے پہ عبا و آل کے شہید پکارے
 گہر کے سکینہ نے کہا پیاس کے مارے
 میں غم کو اسی واسطے سمجھاتا تھا رو کر
 سر پٹ کے ہاتھوں سے یہ چلائی تھی پیر
 اکیڑے کہا رو کے نہ مانے کی مضطر
 پانی کی دنیا میں ہزاروں سے لڑے ہیں
 میت سے لپٹنے کو جو وہ دوڑ کے آئی
 چلائی سکینہ کہ دہائی ہو دہائی
 تھرانے لگا لاشہ سقائے سکینہ
 خاموش اٹھیں اب یہ دعا کر کہ الہی
 اب ہند میں کب تک فقیری یہ تباہی
 سرکار شہنشاہِ فلک جاہ کو دیکھوں

رُبَّارِ عِیٰ

چہروں پہ ان اشکوں سے بجالی ہو جا
 ہر تلخ قرۃ پھولوں کی ڈالی ہو جا

ہاں جوشِ غم سید علی ہو جائے
 یوں نعتِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم

مشرک

دشمن بھی اس بلا میں کوئی مبتلا نہ ہو
 مرجائے خود پہ یہ الم جاں گزرا نہ ہو
 اس غم میں باپ کا بھی تو ماتم شریک ہو
 کس طرح اُن کا ہجر گوارا کرے بشر
 بھائی کے بعد کس کا سہارا کرے بشر
 لیٹے جو قبر میں بھی تو سیدھی کمر نہ ہو
 دنیا میں ایک دم انھیں گمراہ چین سے
 بہتے تھے اشک چشم شہ مشرقین سے
 آتے تھے جب سلام کو قاسم کو روٹے تھے
 جو بانی فساد تھے اُن حاکموں کا دور
 کوئی بزرگ تھا نہ کوئی سرپرست اور
 دوہیں رونے والیاں تھیں اک حسین تھے
 محمد کو بھی اپنے پاس بلا لیجے بھائی جاں
 زنداں وطن ہو میرے لیے یا شہرِ زماں
 جاؤں کدھر میں قبر کو نانا کی چھوڑ کے
 راتیں ٹرٹے کپے ہوئیں آپ کو بسر
 رونا ہو پٹینا ہو پٹ پنا ہو عمر بھر
 یہ الفتن ہی اور ہیں یہ پیارا اور ہو

یارب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو
 بازو کے ٹوٹنے کی کسی پر جفا نہ ہو
 تنہا ہو وہ غریب جو عالم شریک ہو
 جس سے نہ اپنی جان کو پیارا کرے بشر
 کیا اس غصہ کے ور دکا چارا کرے بشر
 تاب و نواں کہاں رہے بازو اگر نہ ہو
 کوئی حسن کے داغ کو پتھے حسین سے
 رہتا تھا حشر مادرِ قاسم کے بین سے
 غم میں شریک محفلِ شاد ہی نہ ہوتے تھے
 تنہائی دشمنوں کی جفا ظالموں کے جور
 جینے کی کوئی شکل نہ راحت کا کوئی طور
 ماتم تھا اہل بیت میں پر سا تھا بین تھے
 جا کر حسن کی قبر پر کرتے تھے یہ بیاں
 اب شہر میں حسین کو ملتی نہیں لہاں
 دشمن خوشی ہوئے مرے بازو کو توڑ کے
 برسوں حسن کے غم میں نہ سیدھی ہوئی کمر
 تنہا جو ہو اُسی کو ہو اس داغ کی خبر
 یوں سب ہیں پر براہِ غمخوار اور ہو

عباس بچے نام خدا جب ہوئے جواں
 اللہ کیا تھی تربیت شاہ انس جواں
 روشن ہوا جو نام علی کے چرخ کا
 یہ جس طرح تھے شیفتہ شاہ نامدار
 بلبل میں اور گل میں کہاں اس طرح کا پیار
 الفت اوی طرح تھی انھیں اپنے شاہ سے
 اب ل میں اپنے بھائیوں لے کرین خیال
 رخصت طلب ہو الحکمہ باندھے علی کا لال
 فاقہ ہوتن میں فرہیں دم میں دم نہیں
 عباس عرض کرتے ہیں اوقبلہاں
 آنکھوں میں اس غلام کے تاریک ہو جاں
 کوشش ضرور چاہیے کارِ ثواب میں
 فرمایا ہاں عطش کا مداوا ہو گر تو آب
 صابر کو صبر چاہیے بھائی کہ اضطراب
 کچھ ہوگا اضطراب سے نہ شور و شین سے
 عباس رو کے بولے کہ ان سب کے میں شاہ
 آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ ذی وقار
 پہونچا دے اب خدا کہیں جنت کے قہر تک
 ای زور طبع جو ہر سیف و دودم دکھا
 ای خامہ رواں سرا عدا مسلم دکھا
 سب پر عیاں ہوں شیر کے حملے لڑائی میں

کچھ بازوئے شکستہ میں آنے لگی تو اں
 ان سے فضائلِ شہ مرداں ہوئے عیاں
 مرہم ملا حسین کو بھائی کے داغ کا
 پروانہ یوں چراغ پہ ہوتا نہیں شاہ
 عزت تھی خادمی میں غلامی میں افتخار
 جو عشق تھا علی کو رسالت پہانتے
 کیا ہوگا کر بلا میں شہ تشنہ لبکی حال
 کیونکر حسین بھائی کو دیں غصت جلال
 ان کا بھی داغ باپ کے ماتم کے کہ نہیں
 صغر کی اور سکینہ کی اب ہو لیون جواں
 یتیم کی پیاس صغیروں کو الاماں
 تازہ یہ داغ ہوئے گا اک شکستہ میں
 پریشک بھرنے دینگے نہیں خانماں خراب
 ہرگز نہیں تمھاری جدائی کی گنج کو تاب
 مرجائیں سب یہ تم نہ جدا ہو حسین سے
 اللہ اذن دیکھے یا شاہ نامدار
 اچھا سدھار و خیر مرا کیا ہو اختیار
 تم ظہر تک نہ ہو گے نہ ہم ہو گے عصر تک
 ای جوش فکر خون سپاہ ستم دکھا
 ای ذہن پھر تلاطم بیر الالم دکھا
 پھر جنگ نہرواں نظر آئے ترائی میں

کھل جائیں سب پتینگ کے جھڑا سی طرح
 بھاگیں لرز لرز کے دلاور اسی طرح
 ہر یک تازہ مور و قمر کریم ہو
 سن سے جو تیغ تیز چلے تیغ سر گریں
 زخمی ادھر سے اٹھ کے جو بھائی ادھر گریں
 غل ہو کہ عقل گم ہوئی ادراک اڑ گئی
 ڈھ ہو جو تیغ تخت دل بو تراب کا
 اس طرح قصر بیٹھ گیا ہر حساب کا
 بیتاب نہر تھی کہ کھل جاؤں فوج سے
 سہمی ہوئی تھی فوج ادھر سب کنارہ جو
 ہتیارہ سچ کے آئے ہیں حضرت کے روبرو
 صدے سے سننے والوں کے دل ٹکڑے ہو تھے
 خیمے میں پہونچی نصرت عباس کی خبر
 فتنہ سے بولی زوجہ عباس نامور
 اچھا رہا رتے ہیں تو خیمہ میں آجائیں
 فتنہ سے روکے کہنے لگی خواہر امام
 سنتی ہوں میں کہ جاتے ہو سو پادشام
 کس کو خبر نہی نہر پہ جا کر کب آؤ گے
 عباس آئے خیمہ کے اندر بھکائے سر
 سر کو لگا کے چھاتی سے بولی وہ نوحہ گر
 جاتا ہوں کسی سے کوئی آنکھ موڑ کے

بجلی گرے صفوں پہ چمک کر اسی طرح
 ہر ضرب میں تفل سے اڑیں اسی طرح
 جو پہاوان ہو صورت مر حب و دو نیم ہو
 یوں سر گریں کہ جیسے شجر سے ٹکر گریں
 نئے ہوش و نئے حواس گریں نئے خبر گریں
 جس جاصفیں جی تھیں پاں خاک اڑ گئی
 ساحل سے قافلہ ہی سوال مع آب کا
 گھر ڈوبے جس طرح کسی خانہ خراب کا
 پر سر نچک کے رہ گئی نہ خیر موج سے
 اور اس طرف جناب علمدار نیک خو
 ہوتی تھی بھائیوں میں عجب غم کی گفتگو
 عباس بھی حسین بھی اکبر بھی روتے تھے
 سب بی بیاں ہراں میں وڑیں برہنہ سر
 کیا گھر میں وہ نہ آئیں گے باندھے ہوئے کمر
 فرزند روتے ہیں بغیر صورت کے جائیں
 میری طرف سے دے یہ علمدار کو پیام
 کیونکہ جیئیں گے ہجر میں شبیر تشنہ کام
 بیکس بہن سے کیا نہ گلے گلے کے جاؤ گے
 تسلیم کر کے جھکے زینب کے پاؤں پہ
 عباس تم نہ ہو گے تو لٹ جائے گا بگھر
 بھیا کہ ہر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

کی عرض کیا کروں جو نہ سر کو کروں نثار
 اگر پدر سے مانگتے ہیں اذن کا رزار
 حق رکھے شہ کے سائے میں اس نو نہال کو
 دامن پکڑ کے زوجہ عباس نے کہا
 دولاں آپکے ہیں اور اک میں شکستہ پا
 عزت اب اس کنیز کی صاحبک ہاتھ ہر
 کہنے لگے یہ رو کے علمدار نامہ
 ہمراہ ہوں گے قید میں تجا دولفقار
 لازم ہے صبر و شکر تمہیں باتیں نہ ہو
 مشکیزہ لیکے آئی سکیں چچا کے پاس
 کہنے لگی لپٹ کے وہ بچی بدر دیاس
 تم کو دعائیں دوں گی اگر جلد آؤ گے
 مشک سکیں لیکے برآمد ہوئے جناب
 گھوڑے پہ چلوہ گر جو ہوئے مثل بوترباب
 غل تھا یہ ساز ہو کہ دہن کا بناؤ ہو
 وہ خود سرچیں کی چمک مثل برق طور
 بڑیں زرہ کہ چھنکے نکلتا تھا جس سے نور
 ہر چہر اس کا حور کے چہرے کا خال تھا
 وہ تیغ ذوالفقار سے تھی ہمیری جسے
 رکھے نسل میں ہاتھ لگے وہ پری جسے
 الٹیں صفیں غائب جو وہ شعلہ خو بڑھی

اک بھائی سے کیا مجھے قسمت شرمسار
 کیس میں نے نفیس تو رکھی ہر گلزار
 جیتا میں زخمی دیکھ کے اکبر سے لال کو
 ای ابن مرثیٰ یہ کنیز آپ کی فدا
 پہنچا دو مجھ کو تا بہ نخت بہ مصطفیٰ
 لازم ہے مجھ پر رحم کہ بچوں کا ساتھ ہو
 رائیوں کا اور پیوں کا حامی ہو کر دکار
 مالک ہیں سب کی نینب غمگین سو گوار
 میں شاہ کا غلام تم ان کی کنیز ہو
 روئے گلے لگا کے علمدار حق شناس
 اللہ عمو جان بچھا دو ہماری پیاس
 آنے میں دیر کی تو مجھے پھر نہ پانگے
 طالع ہوا سپہر شرافت کا آفتاب
 برچھوں اڑا سمٹ کے سمند صبا شباب
 بجلی ہو یا برق کی یہ آواؤ ہو
 پھیلی تھی دشت کیس میں صنیا رخ کی دور دور
 وہ ڈھال حذر جاں جسے کہتے ہیں شہر
 اس شب میں چار بند تھے اور اک ہلال تھا
 منظور فوج کفر کی تھی ابتری جسے
 عباس نامور سا ملا جو ہری جسے
 دریا دلوں کا ساتھ دیا آبرو بڑھی

اُس دوش پر مقام رہے رتبہ کماں
 نیزہ کہ سینہ جس سے چرائے تھا آسمان
 غالب تھا اُس کا خون سپاہ کثیر پر
 مدح علم میں طبع کو تشویش ہی کمال
 بے مثل جو ہو پھر اُسے کس شے سے وں مثال
 جھک جائے آسمان وہ بزرگی نشان یہی
 کیونکہ نہ جھپکے چشم جہاں ہیں کو آفتاب
 دامن خدائے پاک کی رحمت کا ہی حساب
 سر سبز اُس نے کر دیا دنیا کی کشت کو
 پنجہ پہ ابتدا سے رہا نور سرمدی
 پرچم سیاہ اور پھر ہر زاہر جدی
 کافر ہے نہ لشکر اسلام رہ گیا
 پہونچا جو اس شکوہ سے دن میں وحی شمع
 نعرہ جو کر کے کھول دیا دامن علم
 اک شور تھا کہ مشک بھی ہمراہ لائے ہیں
 پسپا ہوئے وہ ڈر کے سر آمد تھے جو جوں
 گر گر پڑے فرات میں گھاٹوں کے پاساں
 دہشت یہ تھی کہ شیر صفوں پر نہ آپڑے
 اللہ ری نے حواری فوج جفا پسند
 بڑھ کر پکارے حضرت عباس ارجمند
 مرتے ہیں مارے پیاس کے ہاں بگیناؤ

ترکش تھا وہ کہ مرگ مفاجات کا مکاں
 در آئے کوہ میں وہ چمکتی ہوئی سناں
 ایک اک گرہ کسے تھی کمر دار و گیر پر
 ہر سمت دوڑ دوڑ کے تھک تھک گیا خیال
 طوبی اُسے کہوں تو وہ ہو جا خود نہال
 یہ راستی نہ سرو میں نہ کہکشاں میں ہو
 پنجے سے اُس کے آنکھ ملانے کی کس کو تاب
 جس کے کرم سے ایک زمانہ ہی فیضیاب
 اب تک اسی ہوا کی ہوس ہو بہشت کو
 پنجے تھے جس کے قبلہ عالم کے مقتدی
 نصرت پناہ زمینت فوج محمدی
 دنیا میں اُس نشاں کا فقط نام رہ گیا
 دلدل کی طرح اُڑ کے تھا اسپر خیش قدم
 اللہ رے رعب ہٹنے لگا لشکر ستم
 بھاگو علی جہاد کو میداں میں آئیں
 ترکش سے تیر ظلم گرے دوش سے کماں
 کاہنی زمین یوں کہ سلامی ہوئے نشاں
 گھوڑے بھر کے دوسرے گھوڑوں جاچکے
 دہشت رستموں کے لرزے تھے بند بند
 جم کر لڑو کہ نام شجاعوں میں ہو بلند
 لڑتے نہیں تو نہر پہ جانے کی راہ دو

دستے ستم کے گھاٹ پہ دریا کے ورگے
 تلوار رکھ کے کاندھے پہ عباس مسکائے
 پھیڑا تو خوش اڑ کے صفوں کے قریب تھا
 گرجے وہیل کہ لوہے کے دریائیں جو غرق
 در آئی دل میں جو وہ سنانوں کی برق شرقت
 اک آفتاب تھا تو ہزاروں ہلال تھے
 تینیں کھنچیں کہ ہو گئی دریا کی راہ بند
 صف میں کنوٹیوں کو بدلنے لگے سمندر
 جنگل سیاہ ہو گیا ڈھالوں کے برابر
 لی رُخ پہ تھر تھر کے سپر آفتاب نے
 گھیرا منافقوں کو خدا کے عتاب نے
 تلوار موت بن کے نکا ہوں میں پھر گئی
 سر اڑ گئے گزر کیا جس دل میں شیر نے
 اُلٹا پروں کو حملہ اول میں شیر نے
 تلوار تھی کہ بجلیاں گرتی تھیں خاک پر
 جب تیغ تیز خود تک پہنچی سر نہ تھا
 ڈر کر ادھر کی صف سے جو بھاگا ادھر نہ تھا
 لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لیے
 مجمع میں ہر طرف تھی رسائی دلیر کی
 غل تھا سپاہ میں کہ دو ہائی دلیر کی
 خود ہاتھ روک لڑکھائیں ریا کی چھین کے

یس کی ابن سعد عین نے پرے بجائے
 اک شور تھا کہ اب یہ ہشتی نہ بڑھنے پائے
 موت آئی اس کے سر پہ جو آفت نصیب تھا
 تینیں کھنچیں ادھر بھی نیا موسیٰ مثل برق
 وہ گزرا ٹٹھے کہ جن سے نہ بچا تھا خود و فرق
 حلقے کہاں کشتوں کے جنوب شمال تھے
 آواز کو سحر ہوئی ہر طرف بلند
 شور دہل سے اور تر نزل ہوا دو چند
 چھوٹے گھرانہ دروں سے تراہمی ہزبر سے
 پڑھ کر رجز کو تیغ علم کی جناب نے
 جلوہ کیا جو دست میں اس بق تاب نے
 بجلی کی برق و شرق بھی نظروں سے گزری
 چمکائی برق شام کے بادل میں شیر نے
 طبقہ ہلایا گونج کے جنگل میں شیر نے
 جرات نثار ہوتی تھی اس ست پاک پر
 اک وار روک لے کسی کا جگر نہ تھا
 آفت تھی امن میں کوئی بیدا گر نہ تھا
 بڑھتا تھا آپسے نہ کوئی جنگ کے لیے
 اللہ رے ان پروں سے لڑائی دلیر کی
 پھرتی تھی چار سمت کلائی دلیر کی
 نعرہ تھا لڑتو لیں وہ جو منکر ہیں دین کے

لازم ہو تم بھی جان لڑا دو لڑائی میں
اس مہر کے کا شور ہے گا خدائی میں
آباد ہو یہ دھرت مٹے اُجاڑ ہوں
بجلی جو برق تیغ کماندار ڈر گئے
سر سے تو ہوش اُڑ گئے نیروں سے پر گئے
وہ سرکشی نہ تھی وہ سرفرازیں نہیں
شہدِ نیر کو اڑا کے گئے جس سوار پر
سر سے وہ تیغ تیر گئی را ہوار پر
قبضے سے راستی نہ گئی کج ادائی میں
آئی جدھر تنوں سے سروں کو جدا کیا
شانوں کو گردنوں کو پروں کو جدا کیا
لاکھوں سے اس طرح کوئی تنہا لڑا نہیں
گرتی تھی صاعہ کی طرح شعلہ بار تیغ
چلتی تھی ہر طرف صفتِ ذوالفقار تیغ
دونوں کی آبرو ہو جو ساتھ اس طرح کا ہو
دیکھا نہیں کبھی کسی دریا کا ایسا ٹوڑ
کہتی تھی موت ہاں تن اعدائیں م نہ چھوڑ
بڑھ کر لہو فرات کے ساحل سے جا لے
دریا کے پاسانوں سے نکلا جو کوئی بل
چہرے کی چوٹ کھاکے گرا وہ جو منہ کے بل
اس تیغ نے دریغ میں بجلی کا طور ہو

ملتا ہو مجھ کو لطف حقوں کی صفائی میں
بہ لے کمر کمر تو لہو اس ترائی میں
انبار ہوں تنوں کے سروں کے پہا ہوں
کانپے جو سب چڑھے ہوئے چلے اُتر گئے
ثابت نہ تھا کٹے ہوئے ترکش کدھر گئے
جائیزیاں نہ تھیں قدر اندازیاں نہیں
شیرِ آہرِ اسمٹ کے یکایک شکار پر
نکلی تو خوں کی چھینٹ تھی اُس کی دھار پر
دیکھی نہیں کبھی یہ صفائی لڑائی میں
ایک ایک غل سے ثمروں کو جدا کیا
کاٹیں صفیں پروں سے پروں کو جدا کیا
فوجوں میں تفرقہ کبھی ایسا پڑا نہیں
خوں پی کے بھی نہ لیتی تھی دم بھر قرار تیغ
کیا دستِ حق پرست تھا کیا آبدار تیغ
آلو اس طرح کی تو ہاتھ اس طرح کا ہو
نیروں کے بند کاٹ دیئے تھے تنوں کے جوڑ
خوں پی کے جان لیکے فاکر کے منہ کو موڑ
رو کا تھا گھاٹ کیوں انھیں کچھ تو نہ لے
مہنے سے تیغ بائیں طرف بڑھی ابل
عباسِ نادر پکار سے سنبھل سنبھل
ظالم وہ گھاٹ اور تھا یہ گھاٹ ادھر ہو

جوشن کے ٹکڑے کر کے نئی چال سے چلی
 بوما ہی محیط ظفر جال سے چلی
 ٹکڑے زرہ کے رہ گئے کھڑے کی نین پر
 مغر کہیں تھے ٹھوکریں کھاتے تھے ٹکڑیں
 ترکش کہیں کمانیں کہیں تھیں تبر کہیں
 اُس وقت میں تھے صاحب ہر خرابی
 جنگل میں بھاگے جاتے تھے وہل گرد باد
 موقوف تھا عناصر راج کا اتحاد
 آتش ہوا سے بھاگتی تھی خاک آبی
 اٹھتا تھا الامان کا ہرمت سے خروش
 اپنے سروں کو آپ سمجھتے تھے باردوش
 بھاری تھی جان جسم پر اور جسم جان پر
 وہ نے نشاں تھا جس کا شجاعوں میں نام تھا
 چہرے کٹے تھے جائزہ فوج شام تھا
 دفتر الٹ گیا تھا سپاہ یزید کا
 گنتی محال ہو گئی لاشوں کے ڈھیر کی
 خود پہونچے گر حریف نے بڑھنے میں ہر کی
 جنگل میں باز گرتا ہی جیسے شکار پر
 ذرے سے کم تھی مہر ضیا بار کی چمک
 بڑھ بڑھ کے کاٹتی تھی گلے دھاکی چمک
 پشے وہ تھے کہ تن میں ہو چھوڑتے نہ تھے

جس پہلوں پہ شاہ کے اقبال سے چلی
 پہنچا اڑا کے سوئے زرہ ڈھال سے چلی
 راکب قوس سے منہ کے بھل آیا زمین پر
 چار آئنے پڑے ہوئے تھے خاک کہیں
 تینیں بہادروں کی کہیں تھیں سپر کہیں
 قبضہ تھا ناکسوں کا تو نے آب تاب تھے
 تھا اپنے کارزار پہ جن جن کو اعتماد
 ڈالا تھا آبِ تیغ نے ہر جسم میں فساد
 بھل غضب تھی تیغ بہادر کی نابے
 کم تھے قرار و صبر و ثبات و حواس ہوش
 چھپتے تھے خوفِ جاں جو انانِ سع پوش
 زگت پریدہ موت کی تلخی زبان پر
 تنہا ادھر تھے آپ دھراڑ دھام تھا
 تلوار تھی کہ برطرفی کا پیام تھا
 ڈر فرد کو تھا عذاب شدید کا
 اللہ سے رعبِ صولتِ شوکتِ دلیر کی
 سب شان تھی نبرد میں خالق کے شیر کی
 گھوڑا اڑا کے جاتے تھے یوں ہر سوار پر
 اللہ سی تیغِ صاعقہ کردار کی چمک
 سینوں کے پار ہوتی تھی تلوار کی چمک
 جو ہر توجان لیکے بھی مُنہ موڑتے نہ تھے

ڈالی تھی اُس جبری نے عجب جنگ کی طرح
 لوہے کو کھائے جاتی تھی وہ رنگ کی طرح
 کیا صاف تھا وہ ہاتھ صنفوں کی صفائی میں
 جب ہاتھ اٹھا تو گنبدِ گردوں چٹو گئی
 بجلی سی سوئے لشکر حق ناشتہ گئی
 دریا پہ آئی دشت کو لاشوں سے پاٹ کے
 زہروں کو موج جانتی تھی خود کو حباب
 ہر دم عدم کی راہ دکھاتی تھی اُس کی ناب
 کچھ جڑ گیا تھا کاٹ جو دریا کے کاٹ سے
 وہ تیغ کی تڑپ ہلک و دو سمند کی
 ترکیب کچھ جدا تھی ہر اک جو بڑبند کی
 پیروں کی جان جاتی تھی یال اُس کی دیکھ کر
 دونوں کنوئیاں ہیں کہ پیکان تیر ہیں
 آنکھوں پہ کیجئے جو نظر نے نظیر ہیں
 سرعت میں اُس سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
 چیتے کی جست شیر کی چوڑ ہرن کی آنکھ
 ہڑتی تھی یوں حریت اُس صف شکن کی آنکھ
 راکب شجاع تھا تو فرس بھی دلیر تھا
 بجلی صنفوں میں کوند رہی تھی دمِ جل
 وہ تھوٹنی وہ آنکھ وہ سم وہ کمر کفل
 عالم تھا تن کے بویں گلوں کی شمیم کا

اعداد و نیم ہو گئے چورنگ کی طرح
 منہ پر تھہر سکا نہ کوئی رنگ کی طرح
 رحوں تنوں کو چھوڑ گئیں اُس لڑائی میں
 پستی سے اوج پر صفتِ ماہ نو گئی
 دیکھی جو کشتِ کفر تو بہرِ درو گئی
 تو دے لگائے ظلم کی کھیتی کو کاٹ کے
 نے مثل نے عدیل، بلا نوش، لاجواب
 سم کی طرح کلیجے کو جو چھاندے وہ آب
 دھارا پناہ مانگتا تھا اُس کے گھاٹ سے
 وحشت ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
 پنہاں ہوا سوار جو گردن بلند کی
 طاؤس سر جھکاتے تھے چال اُس کی دیکھ کر
 چاروں سم اُس کے غیرتِ بدر منیر ہیں
 یال ایسے جس کے بیچ میں بیاں اسیر ہیں
 نرمی یہ جلد میں کہ نجاتِ سریر کو
 شرمائے جس سے آہوئے چینِ ختن کی آنکھ
 لڑتی ہر جیسے جنگ میں شیر زن کی آنکھ
 گھوڑا پیروں میں تھا کہ غزال میں شیر تھا
 بل چل میں ہر پرے پہ پڑا تھا تو دلِ دل
 دیکھا نہ آج تک کہ طرے اس طرح سے کل
 موڑا جدھر نکل گیا جھوٹا نسیم کا

چکار کر یہ کہتے تھے عباس نیک خو
 پامال فوج ہو چکی اب چل کنار جو
 ماتم بپا ہو گھر میں شہِ مشرقین کے
 فرما کے یہ ترائی میں مانند شیر آئے
 ہاں صفد وادھر یہ ہشتی نہ آنے پائے
 فرمایا روکنا ہمیں کیا؟ نے شعور ہو
 مشکیزہ ساتھ ہو یہ نہ ہو گا کہ ہم نہ آئیں
 عالم کے ہوں شجاع تو ہم پر ظفر نہ پائیں
 آتش پہ ڈالیں جو قدم لالہ زار ہو
 دریا نہ ہو کہ روک لیا باندھ کر پرے
 پانی کے واسطے تو ہیں ہاتھوں پہنھرے
 ڈھالوں پہ برقی تیغِ دو دم کو تو روک لے
 انھوں گرفتہ سُن کے یہ نکلا پڑی جدال
 چہرے کا اور سپر کا سیاہی میں ایک حال
 نام علی کسی نے لیا جب تو جل گیا
 مغر توڑ تھا توڑہ موجِ رودِ فیصل
 جلے میں تھا جو دیو تو مگر میں ستِ فیل
 فوجیں ہوں گر تو منہ کی پھرائے نہ حربے
 تیغے کا وہ چڑھا ہوا پٹھا کہ الاماں
 پر خاشِ خرہیب نظر اڑدِ دماں
 افزوں تھا کید و مکر میں ابنِ نیا دے

حق وفا جو ہو وہ ادا کر چکا ہو تو
 بس اب فقط ہو مشک کے بھرنے کی آرزو
 پانی بغیر مرتے ہیں بچے حسین کے
 چلائے سب گھاٹ پہ چوپرے جائے
 کاندھے پہ رکھ کے تیغ کو عباس مسکرائے
 پیاری اگر ہو جان تو دریا سے دور ہو
 چاہیں ابھی تو خوں کی سینیں این سہائیں
 یہ نہر کیا ہو آگ کے دریا کو پیر جائیں
 بیڑا ہمارا نوح کے طوفاں سے پار ہو
 شیروں کے شیر بھی کہیں کتے ہیں مرے
 ہم اور ہٹائیں پاؤں کو لے مشاک کے بھرے
 جس طرح گھاٹ روکا تھا ہم کو تو روک لے
 تندر صد اہمیل دا ^{دو دھپان} اہرنِ خصال
 بدخواہِ خاندانِ محمدِ عدوئے آل
 نکلا نہ دل سے نبض نہ ابرو سے لگیا
 عمر ابنِ عبدود سے بھی قلمت پہنچا طویل
 نے مثل نبض و کیں میں عداوت میں نے عدیل
 دل کیا پہاڑ کا نپتے تھے اُس کی ضرب کے
 بالائے دوشِ نخس کئی ٹانگ کی کماں
 بےعت کا در فریب کا گھرِ مفسدِ زماں
 رگ گ بھری ہوئی تھی عناد و فساد سے

بولے یہ اُس سے حضرت عباس نیک و
 اُن کو بھی ہاں بلا جو کھڑے ہیں کنارِ جو
 آتا ہونے و مٹک کوئی یوں منہ پشیر کے
 اچھا ہوس ہو جو ترے دل میں لے نکال
 ہم منتظر کھڑے ہیں کہیں ختم ہو جدال
 تجھ کو ہر خوفِ جان ہمیں مرنے کی عید ہو
 تجھ سا جوان اور نہ کرے کچھ خدا کا ڈر
 کانٹوں کا ساتھ گل سے خلش رہنا سے شر
 کافر کریں گے طعنہ زنی اس لعین پر
 کیا وعدہ یزید جفا جو کا اعتبار
 بھولے ہو اُس کو جو ہو محمد کا یادگار
 کچھ فرق نیک و بد میں کرو گرتیز ہو
 مسموم جاں بلب ہیں کئی قحطِ آب سے
 دل میں غبار یہ خلفِ بو تراب سے
 گرمی سے اخلال جو ہو گا حواس میں
 یہ ذکر سن کے رونے لگے اور اہلِ شر
 میزانِ عقل میں جو سبک تھا وہ خیرہ سر
 بڑھتے جو دیکھانے اوبانہ دلیر کو
 قبضے میں تھی کھنچی ہوئی ششیر خوں چکاں
 برقِ غضب تھی ضربِ علمدارِ نوجواں
 پہلے ہی وار میں خطِ نصرت رقم ہوا

اس گھاٹ پر بڑھا ہی ہیں وکنے کو تو
 وریا جو چھین گیا تو رہے گی نہ آبرو
 ثابت ہوا اہلِ تجھے لائی ہو گھر کے
 ہاں آزمودہ تر ہو جو حر بہ اُسے سنبھال
 تیغ و سپر اٹھا کے کھا اپنی چال وصال
 یہ انتظارِ موت سے بھی کچھ شدید ہو
 کستا ہو کوئی قتل پہ سادات کے کمر
 وریا میں نخلِ نار ہو اس نخل کا ثمر
 لعنت تمھاری عقل پہ تفالیسے دین پر
 کاذب قمار باز منافق شراب خوار
 سیدِ ستم رسیدہ مسافرِ عیال دار
 ایسے بزرگ سے تمھیں پانی عزیز ہو
 کیوں ظالمو بھٹکتے ہو راہِ ثواب سے
 کوثر پہ کیا کہو گے رسالتِ آب سے
 مانگو گے کس سے اُقیامت کی پیاس میں
 پر اُس شقی کے دل میں نہ مطلق ہوا اثر
 گھوڑا بڑھا یا نیزہ خلی کو تول کر
 آیا جلالِ شیرِ الہی کے شیر کو
 کو مہی کہ الحفیظ بڑھی وہ کہ الاماں
 سُن ہو گیا جو سن سے چلی تیغِ جاں تیاں
 مثلِ خیابِ نیچ سے نیزہ قلم ہوا

خود مرنے والا چھینک کر قہقہے میں کی کہاں
 نعرہ کیا رہتے ہنرا کی اشد در و ماں
 چلے بھی نادست تھے ترکش بھی ور تھا
 کٹ کٹ گیا چلے جو یہ تیغ زباں کے ار
 گرز و سنان و تیر ہیں کیا او جفا شعا
 تیروں کا ایندہ برس گیا تیغوں کی برق کی
 یمن کے غیظ آگیا اس بد مال کو
 کا نرے سے ہاتھ میں لیا لوہے کی ڈھال کو
 غصے میں لب پہ بے ادبانہ کلام تھے
 شرمندہ جس سے قبر وہ چہرہ سیاہ رنگ
 ماتھا بھی تنگ ماتھ بھی کوتاہ دل بھی تنگ
 کس معرکہ میں روم و عرب کے لڑا نہ تھا
 عباس نامور نے بھی جولاں کیا فرس
 وہ تھو تھنی وہ آنکھ وہ سینہ وہ پیش پس
 جہم کراڑا تو نعلوں کی ضو تا فلک گئی
 منہر کٹی کبھی کبھی بکتر کبھی سپر
 سینے پہ آئی وہ تو یہ پونجی قریب سر
 سر سے بلند ہو کے جو تیغیں چمکتی تھیں
 دستانے سے کبھی کبھی جوشن سے جاملی
 جھجکا تو نوک بازو کے دشمن سے جاملی
 وہ خود پر تو یہ سیر آہنیں میں تھی

گوشوں کو بڑھ کے کاٹ گئی تیغ بے اماں
 سب یاں کے سرکشوں میں ہر تو صف زماں
 تیری نہیں خطایہ کہاں کا قصور تھا
 گونجے مثال شیر علمدار ذی وقار
 آ جا قریب کھینچ کے شمشیر ابدار
 کتنا ہو کس کا سرحق و باطل کا فرق دیکھ
 داباشقی نے اشہب صرصر مثال کو
 چمکائی تیغ گھور کے حیدر کے لال کو
 آنکھیں تھیں یا بھرے تھے دُخوں کے جام تھے
 رسواے زنگبار سواد جیش کا رنگ
 قتال بد مزاج سلحشور خانہ جنگ
 پر ایسے شیر سے کبھی پالا پڑا نہ تھا
 گردِ قدم کے جس کی ہوا کو ہی ہوس
 تھا تانا بانہ جس کے لیے رشتہ نفس
 باگیں ذرا جو ہل گئیں بجلی چمک گئی
 چمکی یہ برق ادھر تو وہ بجلی گری ادھر
 شانے سے وہ پھری یہ بجلی جانبِ کمر
 انساں تو کیا فرشتوں کی آنکھیں کھلتی تھیں
 سر کی سپر حیاں سے وہیں بن سے جاملی
 پہلو سے وہ گئی تو یہ گردن سے جاملی
 اُس دن غضب کی رد و بدل کفر و دیں میں تھی

اس کاؤس ادھر تھا تو اس کا منہ ادھر
 یہ ارجبند ادھر تھا تو وہ خود پسند ادھر
 گوہ سیاہ رو بھی قوی بھی دلیر ہی
 گری میں ہانپنے جو لگا وہ سبہ دروں
 محتاج آب ہم میں نہ چرخ و اثر گوں
 شیر اب تھے شکست سر دست دیتے ہیں
 تیری جو کلیات تھی وہ ہو چکی تمام
 اس ڈیل ڈول پر نہیں کچھ پانگ و نام
 کس بزدلی کا تجھ میں ستمگار میل تھا
 چالیں نہ ہم نے کیئے ایک دم میں رو
 پر مار ڈالنے میں ترے کی نہ جدو کہ
 لے اب بھی بھاگ جامرے کہنے کو مان لے
 دانتوں کو پس کر یہ پکارا وہ پر غور
 فرمایا عقل سے یہ تعلیٰ بری ہو دور
 وہ میری حرب تھی یہ غلی کی نبرد ہو
 اسپ و سر و جسد سے خبردار ہو شیار
 دباؤ اتو ل گیا گھوڑے سے رامدار
 سر اٹ گیا سپر سے ہزار اُس نے آڑ کی
 کب سر اٹا شقی کو نہ مطلق ہوئی خبر
 قربان ضرب دست علمدار نامور
 باق نے دی صدا کہ اسے جنگ کتنے ہیں

گھوڑوں میں اس طرف تھے طالعے غدا دھر
 لیکن ادھر تو امن و اماں تھی گزند ادھر
 پری تو کلب کلب ہی اور شیر شیر ہی
 فرمایا دیکھ ہی تری گردن پہ تیرا غوں
 توتے نخل ہی ہی رہاں اوس گت ہوں
 دو ہاتھ میں ترائی کو ہم چھین لیتے ہیں
 جزو ضعیف میں ہوں بس اب یکمیر اکام
 تجھ کو تو عمر جانتے تھے ساکنانِ شام
 یہ تیری ضربتیں تھیں کہ لڑکوں کا ل تھا
 آگاہ اس سے دونوں طرف کے ہیں نیکیا
 سر پر اجل اب آگئی اوبانی حسد
 یا لیلے دم تو پھر ملک الموت جان لے
 رو کو نگاہیں بھی وار کریں پاس سے حضور
 لے آئے ہم و غنا میں نہ اب کچھ قصور
 روک اب ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہو
 چلتا ہی اکے دست غلی ولی کا وار
 بجلی گری کہ سن سے چلی تیغ آوار
 کٹ کر گری زمین پہ چوٹی پہاڑ کی
 پھر وار اک کیا کہ دو پارہ ہوئی کمر
 راکبے پاؤں کاٹ دیئے اوزر کل سر
 ضرب اس کو کہتے ہیں لے چور گتے ہیں

کاندھے پہ تیغ رکھ کے پکارا وہ رشک ماہ
 دب دیکے گھاٹ چھوڑ گئی شام کی سپاہ
 کی آہ نیمہ شب والا کو دیکھ کر
 جس جاہر قبریاں سے اُج چاہ کی نظر
 آواز مرتضیٰ کی یہ آئی کہ اے پسر
 روتی ہیں سر پٹکتی ہیں فریاد کرتی ہیں
 ام البنین سا کوئی ہو گا نہ نیک نام
 سقائے اہل بیت ہو تو اسی فلک مقام
 مرنے کے بعد اور بڑھے گا حشم ترا
 یہ تشنگی یہ جنگ یہ حملے یہ کارزار
 یہ آج کی وغا ہو زمانے میں یادگار
 ناصروہ ہو امام کے جو روبرو لڑا
 دنیا میں آج سے ہر ہشتی ترا لقب
 پانی ملا نہیں علی اصغر کو ہو غضب
 پیاسوں کا تشنگی سے کلیجہ کباب ہو
 غازی نے عرض کی کہ دعائیں کریں جتا
 مطلب یہ خاکسار کا ہو یا ابو تراب
 جا پونچے مشک گھر میں سلا تو عید ہو
 یہ کہہ کے نہ رہیں گئے عباس عرش جاہ
 دیکھی جو شوکت اسدا شد دیں پناہ
 غل مچھلیوں میں تھا اسد حق کے جائے ہیں

کیوں اور بھی ہو کوئی جو روکے ہماری راہ
 پہنچا کچھار میں پسر ضیغم الہ
 آنسو بھرائے آنکھوں میں ریا کو دیکھ کر
 فرمایا دے گئے ہیں یہیں کی علیٰ خبر
 تعریف کر رہے ہیں تری سبیل البشر
 زہرا دعائیں دیکے تجھے یاد کرتی ہیں
 فرزند جس کے چارہوئے فدایہ امام
 شبیر کی طرح تجھے روئے خاص عام
 پہلو میں ہر صریح کے ہو گا علم ترا
 اے با و فاپسر تے ہاتھوں میں نثار
 تلوار تھی کہ برق چمکتی تھی بار بار
 میں غزوہ احد میں لڑا آج تو لڑا
 اب مشک جھرسین کے بچے ہیں تشناب
 جو بچوں والیاں ہیں تم ہی منتظر ہیں سب
 کوشش کر اے پسر کہ یہ کار ثواب ہو
 روکے نہ کوئی راہ جو نکلوں میں بھرا ب
 اصغر میں جان آئے سکیں ہو کامیاب
 پانی پلا کے بچوں کو خادم شہید ہو
 شور اک درود کا ہوا ماہی سے تا ماہ
 میں گرد پھولوں پہلے یہ گرد آب تھی چاہ
 مجھ کرو کہ ماہ بنی ہاشم آئے ہیں

وہ مشک دوش پر وہ پگھلتا ہو اُسلم
 غل تھا کہ آج کو شر و طوبی ہوئے بہم
 پکا عرق جیس سے تو پانی گلاب تھا
 اک سطح نور ہو گیا دریا کا آب سب
 کرنے لگے زیارتِ روئے جناب سب
 ابھرے صدف کہ گو فیضِ عموم لوں
 نکلا جو مشک بھر کے وہ بچوں کا خیر خواہ
 ہاتھوں پہ مشک رکھ کے دعا کی کہ یا الہ
 تن کا لبو ہے تو ہے آب بہ نہ جائے
 آئی ندائے غیب کہ ای حامی رسول
 بچوں کا آج اور بڑپنا کر و قبول
 سیراب ہوں گے سب علی کے غلام ہیں
 ہم سا رحیم کون ہی دنیا میں دوسرا
 جو مصلحت ہی اُس کو کوئی جانتا ہی کیا
 منظور ہی مجبوں کا درجہ رفیع ہو
 ای بازوئے حسین دالو الفضل با وفا
 کو شر کیا ہی ہم نے ترے باپ کو عطا
 ضایع ہو آب اگر تو عوض ہم سے لیجیو
 روز الست ہو چکی ہی اس کی گفتگو
 اقرار کر چکے ہیں حسینِ خجستہ
 بخشش کا اب حسین پہ دار و مدار ہے

اک برق نور گرتی تھی موجوں و مہم
 وہ عکس دے پاک کا وہ شوکت و حشم
 باہر تو آپ تھے تیر آب آفتاب تھا
 موجیں ٹھہر کے بھول گئیں اضطراب
 قدموں سے آنکھیں ملنے کو دوڑے جناب
 پانی کو تھی ہوس کہ لب پاک چوم لوں
 آئی نظر گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
 زخمی ہوں میں پہ پیر مری حُسنِ ہوتا ہوا
 سقا بنا ہوں جس کا وہ محروم رہ نہ جائے
 کو شر پہ ہو گا تیری دعا کا ثمر حصول
 عرصہ نہ کچھ ہی اجر میں نہ کچھ جزا مل
 کل تو ہی اور چشمہ کو شر کے جام ہیں
 بچوں پہ ہم شفقت ہیں ماں باپ سوا
 ظالم یہ سب ہیں اُمتِ مرحوم سے جدا
 ہم بخششیں اور حسین سبھوں کا شفیق ہو
 سقائے اہل بیت نبی ہی لقب ترا
 یہ مشک کیا فرات کا پانی ہی گر تو کیا
 تو مشکوں کو بھر کے خلدِ یسویوں کو دیجیو
 حیدر کے فاطمہ کے محمد کے روبرو
 طی ہو چکا ہی مرحلہ گہرا بیو نہ تو
 بوجہ اور یہ نہیں ہی شفاعت کا بار ہے

تلواریں برسیں یا کہ ستم کی ہوا بڑھے
 ہاں صبر کر جو آج بلا پر بلا بڑھے
 کوثر طے بہشت بریں کے ثمر لیں
 دریا سے نکلے اشک بہاتے ہوئے جناب
 تلوار تول کر یہ کیا فوج سے خطاب
 سینے پہ خنجر و تبر و تیر کھائیں گے
 مقتل پہ اپنے لاکھوں سے لڑتے ہوئے جو
 شانوں سے ہاتھ کٹ گئے غازی کے ہاتھ پہ
 جو اس و غامیں بھاگ گئے تھے وہ پھر پڑے
 اک غل ہوا کہ شیر کو مارا کچھار میں
 اب کون ہو گا معرکہ آرا کچھار میں
 ہم جس کے ڈر سے کانپتے تھے وہ گزر گئے
 حضرت سے دوڑ کر علی اکبر نے یہ کہا
 سنتے ہی کانپنے لگے حضرت کے سوت پڑا
 بتلاؤ لاش لینے چلیں یا بکا کریں
 گرتے ہوئے جو بھائی کے لاش پہ آکشاہ
 منہ قبلہ رو ہو مشک و علم کی طرف گاہ
 پیاسوں کا یا مفارقت شہ کا غم کروں
 پھیلا کے دونوں ہاتھ پکائے شہ زماں
 تڑپے صدا یہ سن کے علمدارِ نوجواں
 دل ڈھونڈھتا تھا بسکہ شہ شریفین کو

رنج و بلا ادھر سے ادھر سے ولا بڑھے
 تا آبرو سے امت خیر الورا بڑھے
 پیاسوں کو روئیں جو انھیں جنت میں گلیں
 قطعاً یقین ہو کہ نہچے گی نہ مشاب آب
 ممکن نہیں کہ تم سے کے ابن بو تراب
 جس طرح آئے ہیں نہیں ریا سے جائیں گے
 نیزے کہیں لگے کہیں چھاتی پتیر کھائے
 پانی بہا تو دیکھ کے گردوں کو سکر لے
 جھکنے لگا نشاں تو علمدار گم پڑے
 وہ ٹوٹتا ہو عرش کا تارا کچھار میں
 بیجان ہوا حسین کا پیارا کچھار میں
 لیجو خبر حسین ہیں زندہ کہ مر گئے
 طاقت ہماری گھٹ گئی مار گئے چچا
 خیمے کا در کپڑے کے کہا و امصیبتا
 ہم پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہاے کیا کریں
 دیکھا کہ نزع میں ہیں علمدار عرش جاہ
 لب پر ہی سخن ہو کہ حضرت نہ آئے آہ
 یارب کے سپرد یہ مشک و علم کر دل
 آیا غریب و بیکس و مظہم و نا تواں
 گویا نخل کے آئی دوبارہ بنی جاں
 حسرت نے آنکھیں کھول کے دیکھا حسین کو

گودی میں سر کو رکھ کے پکارے مام دیں
 قدموں پہ منہ کو رکھ کے پکارا وہ مہمیں
 آنکھوں میں گویا دم پہ ہوں عاف مام کا
 سب بن گئے حضور کے صدقے سے میر کام
 دست غلی میں دیکھیے کوثر کے دوہیں جام
 کیا دیکھتے ہو مشک دم توڑ توڑ کے
 خادم کو پیار کرتے ہیں محبوب و المنن
 اس موت پر حیات تھارا د شہر زمیں
 مولاد کو آئیں سفر جب قریب ہو
 سب حسرتیں بر آئیں مری یا شبہ امام
 اک یہ کہ چھوڑتا ہوں سکینہ کو تشنہ کام
 بیٹے کا افتخار جو صدقے ہو باپ پر
 یہ کہ کے اشک آنکھوں سے عباس پائے
 کروٹ بدل کے منہ قدم شاہ تک لائے
 پتلی پھری ہوئی سوئے شمعیرہ گئی
 آغوش میں جو بھائی کے بھائی گزر گیا
 چلا تے تھے کہ شیر ہمارا کہ صر گیا
 یہ چاند سوئے قبر میں قیمت زمین کی
 اہمیری زندگی کے سہائے ترے نثار
 اکر تین دن کی پیاس کا مارے تھے نثار
 سینے میں دم کے آمد و شد کا اثر نہیں

ادا بن مر قضا تھے بچانا یا نہیں
 ادا جانِ فاطمہ جب ختم مرسلین
 آغوش میں حضور کے سر ہر غلام کا
 نہرین بہت کی نظر آتی ہیں یا امام
 حوریں پکارتی ہیں یہ لے لیکے میر نام
 کوثر پہ جلد آؤ ترانی کو چھوڑ کے
 یہ فاطمہ نکھری ہیں یہ حیدر ہیں یہ حسن
 ہنگام نزع جس کے سر ہانے ہوں بختن
 شیعوں کو آپ کے یو نہیں مزا نصیب ہو
 دودا غ خلق سے لے جاتا ہر یہ غلام
 غم دوسرا یہ ہر کہ اکیلے ہیں اب امام
 اکبر کے بعد کون فدا ہو گا آپ پر
 بچکی کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
 چلائے شاہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ٹائے
 آنکھوں سے دم نکل گیا تصویر گئی
 خنجر الم کا دل سے جگر تک اتر گیا
 جینے کا جس کے دم سے مزا تھا وہ مگر گیا
 ہر ہر کمائی ٹٹ گئی ام المبین کی
 بہنوں کی جان بھائی کے پیائے ترے نثار
 ادا بچنے کے دوست ہمارے تھے نثار
 کیسی یہ نیند ہو کہ ہماری خبر نہیں

ہم روتے پیٹتے ہیں تمہیں کچھ نہیں خیال
 تم کیا سدھائے مر گیا خیر النساء کا لال
 پانی کا ماجرانہ کہوں اس سے یا کہوں
 مرنے حسین جانا ہر لو پاؤں پر گرو
 کس جاہو ابن فاطمہ زہرا کے ناصرو
 تینوں میں جو سپر تھا وہ بھائی جدا ہوا
 دیکھا جو باپ کا علی اکبر نے غیر حال
 لاشے پہ جیسے آئے ہیں مولائے خوش خصال
 چھریاں غم و الم کی کلیجوں پہ چلتی ہیں
 صد کرتی ہو سکیں کہ دریا پہ جاؤں گی
 پانی نہ ہو میں اپنے چچا کو تو پاؤں گی
 قابم رکھے کریم، علی کی نشانی کو
 فرمایا لاش لے چلو نیچے میں ای پسر
 بازو جدا ہیں گرز سے ہو چادر پارہ سر
 چادر میں رکھ کے لے چلو لاشے کو اس طرح
 کی عرض جو رضائے شہنشاہ و بحر و بر
 اک تشنہ لب سکیں ناشاد و نوحہ گر
 ہم جاں بلب ہیں شیر کو پامال دیکھ کر
 آئی صدا علی کی یہ پہلو سے ایک بار
 سچ ہو کہ سہر سرتن عباس ہو نگار
 ہوگی تکان راہ سے ایذا دلیر کو

عباس آنکھیں کھول کے دیکھو ہمارا حال
 اب تشنہ لب سکیں کی ہو زندگی محال
 اتنا بتاؤ تم کہ سکیں سے کیا کہوں
 بھائی کے گرد ہاتھوں کو جوڑے کچھ پھر
 تم تم ختم کے راہ خلق سے لواؤ مسافرو
 آتا ہو پیچھے پیچھے مسافر تھکا ہوا
 کی عرض چلیے خیمے میں اب ہر دو بال
 دہر پر کھڑے ہوئے ہیں مہولے کربال
 اک شور ہو کہ خیمے سے زینب نکلتی ہیں
 میں آپ ہاتھ تھام کے عم کو لاؤں گی
 کچھ ان پہن گئی تو کسے منہ دکھاؤں گی
 وہ گھر میں آئیں آگ لگے ایسے پانی کو
 کی عرض چور چور ہیں عباس نامور
 کہنے لگے حسین گریباں کو پھاڑ کر
 گھر میں علی کو لے تھے مسجد جس طرح
 لیکن ہر تین جانوں کے جانے کا آئیں
 وہ چھوٹے چھوٹے حضرت عباس کے پسر
 بچے جنہیں گے لاش کا یہ حال دیکھ کر
 ای ابن فاطمہ تری غربت کے میں تشار
 آفت کی برچھپاں ہیں کلیجے کے ار پار
 سونے دوا حسین ترائی میں شیر کو

مشک و علم اٹھا کے چلے اکبر حزیں
 حضرت کے پیچھے اسب علمدار مہ جہیں
 حیوان کے بھی قتل کے در پڑے شہریتھے
 مقتل سے روئے پیٹے گھر میں سینے لے
 خوں میں بھرا ہوا علی اکبر علم جو لائے
 سر کھولنے کو زوجہ عباس ہٹ گئی
 سبیل کے صف پہ راند کو لے آئیں یہاں
 پلائی تھی یہ زوجہ عباس نوجواں
 گرمی جو تھی ہوا تھیں بھائی فرات کی
 صاحب تو جان دیکے ہر یک غم سے چھٹ گئے
 ماں سے چھٹے امام دو عالم سے چھٹ گئے
 حرمت اب اس کنیز کی صاحب کے ہاتھ ہو
 یہ بین کر کے روئی جو وہ تازہ سو گوار
 خاموش اب نہیں کہ دل نہیں قرار
 حامی ہر اک الم میں امام جلیل ہیں

بیٹے کے پیچھے چاک گریباں شاہدیں
 باگیں کٹیں تھیں خوں میں دبا ہوا تھانیں
 سینہ تھا چور تیغوں سے پھونچا تیرتھے
 بیٹھی ہوئی تھیں بی بیال تم کی صفائے
 اک گل ہوا کہ مر گئے عباس لائے لائے
 منہ پیٹ کر علم سے سکینہ لپٹ گئی
 پڑے کا شور ہونے لگا در کے بیاں
 صاحب علم کو چھوڑ کے تم چل بسے کہاں
 اب تم ہوا در سرود ترائی فرات کی
 صد حوں سے مطمئن ہوئے ماتم سے چھٹ گئے
 ہم تم سے آج چھٹ گئے تم ہم سے چھٹ گئے
 کیونکر نباہ ہو گا کہ بچوں کا ساتھ ہو
 ماتم سے بی بیوں میں ہوا حشر آشکار
 بخود ہیں بزم غم میں شہر دیں گے وستار
 تراج جن کا تو ہو وہ تیرے کفیل ہیں

رباعی

گرد و ستی علیؑ میں مر جاویں گے
 جس وقت کہیں گے منہ یا شیر خدا
 اکبرؑ ہوئے سب کام سوز جاویں گے
 جوں برق صراط سے گنہ جاویں گے

مشرقی

(۸)

آہ ہر کر بلا کے نیستاں میں شیر کی
جاسوس کہ رہے ہیں نہیں اہ پھیر کی
خوشبو ہر دشت باد بہار کی قریب ہر

آتا ہر وہ جری جو ہزاروں میں فرد ہر
دشت سے آفتاب کا چہرہ بھی نہ رہی
سمر بر کوئی ہوا نہیں اس خاندان سے

مشورہ ہر جہاں میں چھند روحیل دہر
لڑنے میں آگئی جو شجاعت کی ان کو لہر
فرزند ہیں علی سے شہ کائنات کے

ہاں نور چشم فاتح خیبر قریب ہر
نحت دل درندہ اثر در قریب ہر
جو ہر کبھی چھپے نہیں تیغ اسیل کے

یکتاے روزگار ہر وہ شیر عن کالال
ان سے مقابلہ کی بھلا ہر کسے مجال
دکھلائے چلن اسد کردگار کا

ریشک چین ہیں سب پگل سر سبد یہ ہر
ذی مرتبت ہر صاحب فہم و خرد یہ ہر
دیکھا نہیں جہان میں شیر اس جمال کا

ڈیوڑھی سے چل چکی ہر سواری دلیر کی
غش آگیا ہر شہ کو یہ ہر وجہ دیر کی
ہشتیار غافل کو کہ سواری قریب ہر

شیروں کا شیر عازم دشت نہر ہر
بڑھ کر پرے سے جوتے رکھے مرد ہر
گھر میں انھیں کے اتری ہو تیغ آسمان سے

جبار کے غضب کا نمونہ ہر ان کا قہر
لاکھوں سے ایک وار میں چین لینے گہر
لاشوں کے چل بنا دھینگے کنا سے فرات کے

لو وار شاکشندہ عشر قریب ہر
جو تیغ کا دھنی ہر وہ صفدر قریب ہر
کاٹے انھیں کی تیغ نے پر جبریل کے

اک اک جری ہر شیروندہ دم جلال
جرات وہی ہر غیظ وہی ہر وہی جلال
گھر گھاٹ ان کی تیغ میں ہر وہ الفقار کا

آفاق میں نظیر ہر ہر احد یہ ہر
عباس نام کیوں نہ ہو کس کا اسد یہ ہر
درخت ہر فاطمہ زہرا کے لال کا

اللہ ری آمد آمد عباس صف شکن
 جنگل کے شیر بن گئے تھے خوف کے ہرن
 شیر کرم نہیں اسد قلعہ گیر سے
 تھا فوج قاہرہ میں تلامطم کہ الحذر
 چکر میں تھی سپاہ کہ گردش میں تھا بھنور
 فوجیں فقط نہ بھاگی تھیں منہ موڑ موڑ کے
 چھایا تھا سب پر عیبِ علمدارِ نوجواں
 گوشہ اماں کا ڈھونڈ رہی تھی ہر اکماں
 تیروں کا نئے گماں تھا ارادہ گرینہ کا
 ہل چل یہ تھی کہ گردِ سواری عیاں ہوئی
 آمد خدا کے شیر کی ساری عیاں ہوئی
 روشن تھا شمعِ طور سے پر تو حضور کا
 اک شور تھا کہ آج زمیں آسمان ہو
 اتران میں پہ چاند یہ خالق کی شان ہو
 پر تو ہو یہ رخِ خلعتِ بو تراب کا
 نقشِ سم فرس کی ضیا پر کرو خیال
 ہو دو پہر کے بعد سدائیس کو زوال
 پروانہ آفتاب ہو چہرے کے نور پر
 آئینہ جبین سے صفا آشکار ہو
 چشمِ گہ فشاں سے حیا آشکار ہو
 رستم بھی چڑھ سکے گا نہ منہ پر دلیہ کے

لرزاں تھے کوہِ ملتے تھے دل پناہ تھان
 اک شور تھا کہ آج پڑے گا غضبِ کائن
 گویا مقابلہ ہو جنابِ امیر سے
 تھیں موج کی طرح سب کی صفیں ادھر
 پانی میں تھے نہنگ ابھرتے نہ تھے مگر
 دریا بھی ہٹ گیا تھا کنارے کو چھوڑ کے ||
 تسلیم کو جھکے ہوئے تھے فوج کے نشاں
 ترکش کبھی تھے ہر اس میں کھولے ہوئے ہاں
 منہ کند ہو گیا تھا ہر اک تیغ تیز کا
 گویا چمن میں بادِ بہاری عیاں ہوئی
 آپ آئے کیا کہ قدرتِ باری عیاں ہوئی
 خلعت ملا زمین مقدس کو نور کا
 صحرائے کر بلا نہیں دنیا کی جان ہو
 رنداں نے دی صدا کہ خدا مہربان ہو
 دیکھو اُلٹ گیا ہو ورقِ آفتاب کا
 اختر کہیں ہو بد کہیں ہو کہیں ہلال
 یاں ہو وہی عروج نہ جہتِ جلال
 گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تگلی ہو طور پر
 ابرو سے ماہِ رخ کی ضیا آشکار ہو
 رخ سے جلالِ شیر خدا آشکار ہو
 چہرہ تو حور کا ہو پہ تیور ہیں شیر کے

نورِ جیس نے جلوہ قدرت دکھادیا
ایرو نے رنگِ تیغِ شجاعت دکھادیا
جنگل کو بوئے کوچہ گیسو بسا گئی

ایرو نہیں میں چشمِ مروت نہا دیں
دید اس کی فرضِ عین ہی خوش اعتقادیں
سادہ نکلیں حدید کا درِ نجف میں ہی

عجازِ لب میں چشم میں سحرِ طال ہی
تعریف کیا کریں کہ دہن نے مثال ہی
ٹھہرا لیا ہی نقطہ فرضی دہن نہیں

شیریں لبوں کی صبح میں ابنا طقہ ہی بند
پھکی جوبات ہو وہ زباں کو نہیں پسند
نہ قند میں یہ لطف نہ شاخ نبات میں

بے مثل ہیں خمِ شاد و دندان کی آبِ تاب
یوسف نے دیکھے تھے ہی اخترِ میانِ اب
باتوں میں لبِ جلتے ہیں اس خوش خصال کے

قرآنِ رونقِ خطِ رخسارِ سرخِ فام
واللیل گردِ سورہ و اشمس ہو تمام
تفسیر خط کی مصحفِ ایماں کے گرد ہی

یہ خط نہیں ہی دفترِ قدرت نگاہ ہی
لاریب فیہ مصحفِ پروردگار ہی
منہ دیکھے جس کو نور کا سورہ نہ یاد ہو

پہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھادیا
قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھادیا

کپڑوں سے نکمتِ گلِ فردوس آگئی
لوں لکھ دیا ہی صانعِ قدرتِ خدا پر

قرباں ہی صبح و شامِ بیاضِ سواد پر
پتلی نہ جانو درِ مکنونِ صدف میں ہی

پتلی نہیں ہی چہرہ یوسف کا خال ہی
تقسیمِ جزوِ لایعجزے محال ہی

اسرارِ کردگار میں جائے سخن نہیں
لائے گا ہر سخن میں نکمتِ کہاں سے قند

عالم ہی ان کے شورِ تکلم سے بہرہ مند
صانع نے بھر دیا ہی مزا بات بات میں

دُورِ عدن کو دیتے ہیں دل شکن جواب
طالعِ چمک گئے مہ کنعاں ملا خطاب

ہیروں کی چھوٹ پڑتی ہی کڑوچِ لال کے
صبح ہی حلب کی تو گیسو ختن کی شام

گویا جنابِ حضر کا ظلمات ہی مقام
دیکھو ہجومِ مورِ سیماں کے گرد ہی

غیرِ فتائیِ تسلیمِ مشکِ بار ہی
واضح یہ ہی کہ جلد سے خطِ آشکار ہی

تاریکِ شب میں ٹھہرے جو روشنِ سواد ہو

روشن گز زمانہ ہی صبح گلو کا نور
 نور خدا کا صاف گریباں سے ہی ظہور
 بوسوں کو جو رہیں گئی ہیں ہونٹ چپٹے
 شانے سپہر حُسن کے ڈوا آفتاب ہیں
 ساعد پرائے تیج و سپہر انتخاب ہیں
 اُلٹی ہو آستین جو حیدر کی شان سے
 ساعد میں زرد وہ کہ زبردست زہیر ہیں
 لاکھوں پہ حملہ کرتے ہیں ایسے دلیر ہیں
 نہرہ ہی ڈر سے آب کی مورث و گیو کا
 طاقت بھی اُن کے بازوؤں کا ایتام ہے
 اقبال اُن کے گھر کا مدار المہام ہے
 ہر دم قشون جاہ و شتم ساتھ رہتے ہیں
 فوج ان کی شان و شوکت اقبال جاہ ہے
 ثابت قدم ہیں یہ دم تیج اُن کی راہ ہے
 فوجوں سے معرکہ میں نشان چھپین لیتے ہیں
 مز جابیں نامراد یہ اُن کی مُراد ہے
 کم ان کے آگے لشکر ابن زیاد ہے
 دنیا ہواک طرف توبہ کچھ جاتے نہیں
 رہتے ہیں سب جہاں کے زبردست یروست
 دیکھا ہی شیر حق کی لڑائی کا بندوبست
 روح الامیں پر وں بچھاتے ہیں فرش پر

دیکھے اگر تو شرم سے گردن جھکے جو
 پروانہ شمع حُسن پہ جس کے چراغ طور
 پریوں نے جان دی ہو گلے کاٹ کاٹ کے
 بازو مثال دست خدا لا جواب ہیں
 ہاتھوں سے بادشاہ و گدافض یاب ہیں
 اُگلی ہوئی ہو تیغ ید اللہ میان سے
 اینا میں باحواس ہیں قتل میں سیر ہیں
 پنجے کا اُن کے ڈر بھلا کیا کہ شیر ہیں
 مُنہ پھر گیا ہو اُن کے طمانچے سے دیو کا
 زور ان کا خانہ زاد تھوڑا غلام ہے
 ان کے جلو میں فتح و ظفر صبح و شام ہے
 نصرت کو اُن کی غاشیہ پروا رکھتے ہیں
 مردانگی غلام۔ جلالت سپاہ ہے
 جرات ہو اُن کا خشم شجاعت نگاہ ہے
 سبید ہیں ان بان پہ یہ جان دیتے ہیں
 ناشاد ہی جہاں ہو تو دل اُن کا شاد ہے
 جو یا ہیں کافروں کے یہ شوق جہاد ہے
 اللہ و بختن کے سوا مانتے نہیں
 لشکر تباہ کر دیئے فوجوں کو دہشت گشت
 آنکھ اُن کی حق نما ہو نظر اُن کی حق پرست
 سران کے خاک پر ہیں نمازان کی عرش پر

سینہ کا آئینہ ہو کہ ورتے پاک صاف
 جرأت کا ان کی قاف کے شہرہ ہوتا بہ قاف
 دعویٰ نہ ہو جسے یہ اسے ٹوکتے نہیں
 اب کس طرح ثبات قدم کو کروں رقم
 تعلیم پائے حضرت عباس کی قسم
 ثابت ہوا کہ قابل شرح و بیان نہیں
 وصف سلاح جنگ میں اب لگئی ہو جاں
 مضمون نئے تراش تو ادا خیر زباں
 منزل ابھی ہو دور صف کا رزار کی
 یہ خود آہنی نہیں فرق جناب پر
 ابر آگیا ہو فرق رسالت آب پر
 سایہ میں آئے وہ جو سعید زمانہ ہو
 مردم کو اس زرہ کی زیارت ضرور ہو
 موسیٰ کا ہو یہ قول کہ قتیل طور ہو
 کشف امر حق ہو بیاں اس سعید کا
 رکھتا نہیں کسی سے کہ ورت یہ خوش نہا
 چار آئینہ ہو رحمت و انصاف و عدل و داد
 بجائے گا اماں کا حصار آئینہ ہی
 پیشانی آئینہ رخ جاں پرور آئینہ
 بریں دل آئینہ جسم اور آئینہ
 بچد وئے حساب شمار آئینہ میں یاں

برکس ان سے جو وہ خدا سے ہی بخلاف
 سو سو صفوں کو صاف کیا ہو دم صاف
 تلوار جب چلی تو سپر روکتے نہیں
 کاغذ پر رک گیا ہو صدا دیکے یہ قلم
 تل جائے کوہ پر نہ ٹٹنگے جگہ سے ہم
 خامے کا ذکر کیا ہو سیاہی واں نہیں
 اذہن آج ہو تری تیزی کا امتحان
 جو ہر شناس میٹھے ہیں اور تیغ طبع ہاں
 رہ جائیو نہ تجھ کو قسم ذوالفقار کی
 سرپوش نور ہو قدح آفتاب پر
 یاتاج خسروی ہو سر یو تراب پر
 اقبال کے ہما کا یہی آشیانہ ہو
 حلقوں میں جس کے حور کی پتلی کا نور ہو
 داؤد کہتے ہیں کہ یہ جوشن زبور ہو
 ہاں ترجمہ ہو مصحف رب مجید کا
 الا عدوئے آل پیغمبر سے ہو عناد
 بس پختن کا نام سپر ہو دم جہاد
 جوشن یہی سپر یہی چار آئینہ یہی
 دوش آئینہ ہو سینہ مرہ پیکر آئینہ
 ہر آئینہ سے بہتر و خوشتر ہر آئینہ
 چار آئینہ کے بدلے ہزار آئینہ میں یاں

دستانہ ہو کہ تیغ یہ اللہ کا نیام
 غالب ظفر کا فتح کا گھر زور کا قیام
 دنیا میں کوئی ان سے افضل نہ دین میں
 شیرستان و لایت کے ببر ہیں
 چپ جانو نہ ان کو یہ مختار صبر ہیں
 ربِ علا کا قہر انہیں کا جلال
 رو باہ دل ہو شیر زباں ان کے سامنے
 پشتے سے کم ہو پیل و ماں ان کے سامنے
 تن پر زے ہو کھٹک کے چونہ ہوتے ہیں
 ہو دوشِ صبح عید شبِ قدر ہو سپر
 اک ماہ نو تو چار ستائے ہیں جلوہ گر
 جو خوبیاں کہ چاہیں وہ سب حصول ہیں
 ہو وصفِ تیغ میں سپر انداختہ زباں
 مضمون ہیں مثلِ برقِ جہندہ شرفشاں
 کیونکر کوئی لکھے جو جمالِ رقم نہ ہو
 قد کتنا خوشنما ہو بدن کس قدر ہو گول
 مفارحِ فتح ہو در نصرت کو اس کے کھول
 اشراف کا بناؤ رئیسوں کی شان ہو
 ولسوز شہداء شہرِ اندان جاں گداز
 خونخوار و کج اداؤ دل آزار و سرفراز
 سچ اُس کی ہو پسند جہاں کو سبھی نہ ہو

منہ میں کلائی شیر کے یہ ہو انہیں کا کام
 پنچے میں ہو جو تیغ توقیفے میں موشام
 قوتِ خدا کے ہاتھ کی ہو استین میں
 بیشے میں شیرِ حق کے پلے وہ ہنر ہیں
 کرکس گر تو برق ہیں گرچیں تو ابر ہیں
 برق ان کی تیغ ہو تو گھٹا ان کی ڈھال ہو
 لرزاں ہیں مثلِ پیرِ جواں ان کے سامنے
 کھلتی نہیں کسی کی زباں ان کے سامنے
 انساں تو کیا ہیں تیغوں کے دم بندھتے ہیں
 قدرتِ خدا کی یہ ہو ادھر شبِ کھجھر
 گویا دلنِ بنی ہوئی ہو سیلی ظفر
 مشوقِ سبزہ رنگ کے دامن میں پھول ہیں
 لکنت کے حرف آتے ہیں سب مہیاں
 پیدا صریرِ کلک سے ہو شورِ الاماں
 خانے کو خوف ہو کہ زباں پھر فلم نہ ہو
 جو ہر شناس ہو تو اسے موتیوں میں تول
 وہ تیغ ہو خراجِ صفایاں ہو جس کا مول
 شاہوں کی آبرو ہو سپاہی کی جان ہو
 لشکر کش و شکستے سان و ظفر نواز
 حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز
 مشوقِ پھر نہیں ہو جو اتنی کمی نہ ہو

پشتہ وہ اس کا اور وہ بار بھی خمیر
 جنگ آنا خراج ستانندہ ملک گیر
 اس کا جلال خلق میں کس پر جلی نہیں
 پھوڑے اگر شعاع کی چلن نہ آفتاب
 آفت کا دم ہی قہر کی تیزی غضب کی تاب
 بھاگے ہزار وہ پہ نہ پاوے مفر کہیں
 ہو گرچہ علم تیر میں قادر وہ ارجمند
 تیغ و سپر ہو یا علم شاہ سربلند
 کیا خوف ان کو نہر ہو گر روٹ لک ہو
 صدقے علم کے حضرت عباس کے نثار
 شمشاد و سبز پوش گلستان اقتدار
 جھکتا ہو جس سے عرش یہ پایہ اسی کا ہو
 دریا نخل تھا بنر پھر ہرے میں تھی لہر
 دامن ہو بادبان جہاز امام دہر
 سنبھلے کا نور بنر پھر ہرے کے ساتھ ہو
 دامن وہ بنر اور وہ پہنچے کا اس کے نور
 فرق جانبِ حضور روشن ہو شمعِ طور
 اُس کا علم یہ ہو جو شبِ مسترقین ہو
 لکھتا ہو اب کیت قلمِ سرِ عتِ عمد
 نازک مزاج خوش قدم طناز و سربلند
 اُتری تھی اک پری فرسند خونہ تھا

کس بل میں بے مثال اصالت پہ نظیر
 گیتی نور و باد یہ پیا فلکِ مسیر
 کو چہ وہ کونسا ہو جہاں یہ چلی نہیں
 کیا تاب ہو کہ لاسکے اُس کی چمک کی تاب
 دشمن سے جورات کو دیکھے میانِ خواب
 بسترِ و طہر کہیں ہو دم صبح سر کہیں
 لیکن کمان نہ ساتھ ہو نہ تیر نہ کند
 سب حسنے دور کے ہیں بہادر کو ناپسند
 نیزہ نہیں جو پاس لک میں بھی نوک ہو
 طوبی اشکوہ عرشِ تجلِ فلک و قار
 حمزہ کا اقتدار تو جعفر کا افتخار
 نخلِ خدا پہ وھو پیس سایہ اسی کا ہو
 سبزہ بھی اُس کے عشق میں کھا ہو کھانا
 چوبیس دکھا رہی ہیں بہت بریں کی نہر
 طوبی کی شاخِ سبز پر مریم کا ہاتھ ہو
 نکلا ہوا ہو قہر نہ مرد سے روئے جو
 نے شبہ دو امام کے ہو نور کا طور
 گویا حسن کے دوش پہ دستِ حسین ہو
 آہوشکارِ شبیرِ طبیعت و غارِ پسند
 وہ پیش و پس وہ سم وہ کنوٹی ہو چور بند
 سرِ عت بھری ہوئی تھی رگوں میں ابو نہ تھا

تنہا ہیں اس شکوہ سے عباس تشنہ لب
 تینیں علم کیے ہو سپاہ و غا طلب
 سرنگ روم و ری ہیں غارتے ہوئے
 کستا تھا شمر آکے یہ ہر اک پے کے پاس
 مردوں کو مگر میں نہیں چاہیے ہر اس
 لاکھوں ہو تم وہ ایک ہو پیاسے کو ٹوک لو
 ہو رستی کا وقت و غا کا مقام ہو
 عالم میں شور طنطنہ فوجِ شام ہو
 ہاتھوں سے صبر کی بھی عنایت چٹ جائے گی
 پہونچی جو گوشِ شاہ میں یہ شمر کی صدا
 چلائے آکے سامنے اے فوجِ اشقیاء
 بولا نہیں میں کچھ جو بھرا گھر اُجر گیا
 آفت میں مبتلا ہوں اسیرِ محن بھی ہوں
 بیکس بھی ہوں ضعیف بھی تن بھی ہیں
 ناعق بڑھے ہو تیرے کمانوں میں جوڑ کے
 مشہور کائنات میں ہو بھائیوں کا پیار
 پہلو میں دل نہ ہو تو جگر کو کہاں قرار
 جبکہ خدا کے شیر نے چھوڑا جہان کو
 بازو یہی ہو ہاتھ یہی تن کی جاں یہی
 بھائی یہی پسر یہی راحت رساں یہی
 پانی پلائے جب ہشتی تو پیٹتے ہیں

اور وال پرے جائے ہیں سفاک سبک سب
 ڈھالوں سے اہلِ شام کی ہو گیا تھا شب
 ہیں رکتشالوں کے شقے کھلے ہوئے
 ہاں صفدرانِ شام خبردار باحواس
 بڑھنے نہ پائے حضرت عباس حق شناس
 جانیں لڑاکے شیر کے حملے کو روک لو
 مردانگی نبرد میں مردوں کا کام ہو
 حیدر کے اس نشان کو مٹا دو تو نام ہو
 مرجائیں گے حسینؑ کمر ٹوٹ جائے گی
 اٹھے تڑپ کے خاکے حضرت بہمنہ پا
 کا ٹو خدا کے واسطے پہلے مرا گلا
 مرجاؤں گا ابھی جو یہ بھائی بچھ گیا
 فاقہ بھی تین دن ہو تشنہ ذہن بھی ہوں
 سید بھی ہوں غریب بھی ہوں تن بھی ہوں
 کیا ہاتھ آئے گا مرے بازو کو توڑ کے
 بچپن میں ہیں اس پہ فدا مجھ پہ یہ نثار
 مجھ سے جدا ہوا انھیں دم بھر یہ نامدار
 پالا ہو میں نے گو دیں اس نوجوان کو
 قوت یہی عصا یہی تاب و توان یہی
 خادم یہی شفیق یہی مہرباں یہی
 ہم تو اسی جاں کے سارے جیتے ہیں

دل کی جو تقویت ہو تو قوت جگر کی ہو
 دولت کچھ ایک دن کی نہیں عمر بھر کی ہو
 کیونکہ نہ روؤں روح کا اور تن کا ساتھ ہو
 ہم دونوں میں سے ایک پہ قربان ایک ہو
 جلدیں اگرچہ دو ہیں پہ قرآن ایک ہو
 جبے وح کوچ کر گئی پھرتن میں دم کہاں
 دنیا میں چھوٹے بھائی سے پیارا نہیں کوئی
 گر ہو تو یہ ہو اور سہارا نہیں کوئی
 پوچھو اسی سے بھائی سے جس سے جانی ہو
 رو کر مستغنیث امام بحق ہوئے
 جو صاحب جیاتھے وہ غرق عرق ہوئے
 برچی لگی الم کی دل دردناک پر
 گھبرا کے معرکے سے پھرا یا جو خوش خرام
 گھوڑے سے کود کر یہ پکارا وہ نیک نام
 سر پہ عامہ رکھئے پیغمبر کے واسطے
 پھیلائے شہ نے ہاتھ کہ آؤ گلے لگو
 بچھڑے ہیں دیر سے نہ رلاؤ گلے لگو
 آنکھوں سے آنکھیں منھ سے منہ اور بے لب ملیں
 دو ایک جا رہیں یہ فلک کو نہیں پسند
 دیکھا نہیں کہ ہو کبھی رستہ اجل کا بند
 روئے جو مدتوں تو خوشی ایک دم ہے

سینے کا ہو سرور ضیا چشم ترکی ہو
 پیری کا آسرا ہو نشانی پیر کی ہو
 طفلی کی الفتیں ہیں بچپن کا ساتھ ہو
 جان ایک ہو دل ایک ہو ایمان ایک ہو
 قالب جدا جدا ہیں مگر جان ایک ہو
 بیجاں ہوا یہ جان برادر تو ہم کہاں
 دل کا سرور آنکھوں کا تارا نہیں کوئی
 کہنے کو یوں ہیں سب پہ ہمارا نہیں کوئی
 جب باپ ہو جہان میں پیدا تو بھائی ہو
 غم سے کلیجے بھائیوں والوں کے شق ہوئے
 سن کر صدا حسین کی عباس فق ہوئے
 نزدیک تھا کہ گر پڑیں ٹہرے سے خاک
 دیکھا کھڑے ہیں ہاتھوں سے تھامے کمرام
 آپ آئے کیا غضب یہ کیا ای فلک مقام
 یہ اضطراب بندہ احقر کے واسطے
 سینہ مرے جگر سے لگاؤ گلے لگو
 لو تم بھی دست شوق بڑھاؤ گلے لگو
 اکے جدا ہوئے تو خدا جانے کب ملیں
 دنیا میں ہجر کے کسے پہنچے نہیں گزند
 آئی ہو موت جب بچھڑتے ہیں بھائی بند
 تھوڑے دنوں نبی و علی بھی ہم رہتے

وہ دل ہو داغدار جو ہجر الٰہی صیب ہو
 اس باغ کا بھی رنگ غیب غیب ہو
 موسم کوئی نہیں چمنِ روزگار میں
 فرما کے یہ بشوقِ امامِ اُمم بڑے
 بس ڈھبائے آنکھوں کو دو بحرِ غم بڑے
 دونوں پہ کوہِ رنج و غم ویس گر پڑے
 بولے گلے لگا کے شہنشاہِ نامدار
 لپٹے رہا بھی کہ جگر کو نہیں قرار
 تم کیا چلے کہ زخمِ جگر تازہ ہو گیا
 زیرِ نعل تھے دستِ شہنشاہِ مکر ویر
 حضرت کا روئے پاک تھا بھائی کے شوق
 تھمتی تھی رقتِ ان کی نہ زہر کے جانے کی
 عباس رو کے کہتے تھے مولانا روئے
 صدمے سے نئے قرار ہیں بابا نہ روئے
 پروے میں کچھ نہ آلِ نبی کے خلل پڑے
 دل تھا جوشہ کا فرطِ محبت سے نئے قرار
 بوسے یہ کانپ کانپ کے عباسِ باوقار
 کیونکر کہوں کہ قابلِ لطفِ امام ہوں
 رو کر کہا حسین نے اے جانِ الوداع
 بھائی تمہارے عزم کے قربانِ الوداع
 بابا سے میری پیاس کی فریاد کیجیو

کوئی بیدار سے کوئی قریب ہو
 اکثر چین میں پھول نہیں عندلیب ہو
 لاکھوں ہیں گل کہ ٹوٹ گئے ہیں میں
 عباس اس طرف سے جھکا کر علم بڑے
 یہ سوئے سینہ اور وہ سوئے قدم بڑے
 گردن جھکا کے پاؤں پہ عباس گر پڑے
 اسی میرے یادگار پردہ میں ترے نشان
 بھٹا ملا دو چھاتی سے چھاتی پھر ایک بار
 پھر آج ہم کو داغِ پردہ تازہ ہو گیا
 چھاتی سے سر لگائے تھے عباسِ نامور
 اچکی لگی تھی اُن کو ادھر اور انھیں ادھر
 تھی دو طرف بلند صدا ہائے ہائے کی
 صدقے غلامِ اے مرے آقا نہ روئے
 سڑتی ہیں فاطمہ زہرا نہ روئے
 ایسا غضب نہ ہو کہ سکینہ نکل پڑے
 فرمایا ہم کو گرد تو پھر نے دو ایک بار
 بندے ہوں لاکھ مجھ سے تو نعلین پر نشان
 میں تو سکینہ جان کا ادنیٰ غلام ہوں
 اچھا سدا رہا اے مرے ذی شانِ الوداع
 ہم بھی ہیں کوئی اُن کے جہانِ الوداع
 کوثر پہ جایو تو مجھے یاد کیجیو

روتے ہوئے یہ کہہ کے چلے شاہ دیں پناہ
ہم شکل مصطفیٰ کو پکارے یہ اشک واہ

بھولے اُسے جو کہ کے ہم لئے تھے آپے
فرما کے یہ چڑھے فرس خوش خرام پر
چمکا فرس کہ برق گری ابر شام پر
بڑھ کر رجز پڑھا کہ پرے تھر تھرا گئے

نعرہ یہ تھا کہ ہم در دریاے نور ہیں
خیبر کشا کے قلب و جگر کے سرور ہیں
اپنا چلن کھلا ہوا سب عاقلوں پہ ہو
جب بحر کہ میں جم گئے ہیں پاؤں گاڑ کے
رو کی ہی تیغ کفر کی بستی اُجاڑ کے
پڑھ کر درود فوج ملک مدح خواں ہوئی

در پی ہمیں رہے رہ حق کی تلاش کے
پھوڑا نہ سر بدن پر کسی بد معاش کے
ناؤں کو اٹھا کے زمیں پر پٹک دیا
جنگِ زما میں صف شکن و قلعہ گیر ہیں
دنیا کے بادشاہ ہیں گردوں سرید ہیں
رتبہ پہ فخر نہ شجاعت پہ ناز ہو

کیا کیا لڑے ہیں خیبر و بدو و تہوک میں
شہرہ ہو اپنی جو دو ستا کا ملوک میں
بگڑے ہیں جب قے خون کے دریا بہائے ہیں

تا دیر اس طرف رہی عباس کی نگاہ
آنے دیا حضور کو یاں تم نے واہ واہ
بیٹا چچا نثار خبر دار باپ سے

نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق امام پر
غصہ سے ہاتھ شیر نے ڈالا حسام پر
خیبر کے سرکشوں کو علیؑ یاد آگئے

دنیا کے جتنے عیب ہیں سب ہم سٹو ہیں
جرا ہیں سخی ہیں ولی ہیں غیور ہیں
اتک ہماری ضرب کا سنگہ دلوں پہ ہو

دم میں قدم اُکھا دیئے ہیں پہاڑ کے
پٹکا ہو گھر سے حق کے بتوں کو اکھاڑ کے
جب ہم گئے تو کعبہ کے اندر اداں ہوئی

ٹکڑے ٹکڑے جلادیئے کافر کی لاش کے
کاٹے ہمیں نے ہاتھ ہر اک بت تیش کے
آتش کدوں پہ تیغ کا پانی چھڑکے یا

صولت میں دبدبہ میں عظیم النظیر ہیں
اس اوج پر حسین کے در کے فقیر ہیں
گر ہو تو بس غلامی حضرت پہ ناز ہو

یہ ہاتھ پیاس میں نہ رُکے مین بھوک میں
حاکم سے بھی سخی ہیں سوا ہم سلوک میں
سر دیا ہو بات پہ جس وقت اُسے ہیں

تب تھرنے کہا کہ فصاحت کیا حصول
غازی پکارا اونچس و مرتد و جہول
سمجھا ہوا کیا امام عسراق و حجاز کو
تو کیا ہوا اور کیا ہوا توادہ امیر شام
تو بھی نک حرام ہوا وہ بھی نک حرام
دوزخ سے دور رہتے ہیں کن ہشت کے
یہ کہ کے لی دلیر نے تلوار میان سے
نکلی جو عنذلیب ظفر آشیان سے
دکھلائی شکل قہر خدائے جلیل نے
حملہ دلیر کا غضب کر دگا رہا تھا
تلوار کو ندتی تھی فرس نے قرار تھا
بہتا تھا خوں بدن سے تو منہ نہ دہکتے تھے
وہ تیغ جاں گداز جدھر چل کے رہ گئی
یہ غول بھن گیا تو وہ صف جل کے رہ گئی
کہتی تھی تیغ مجھ سے کہاں بچ کے جائیگا
ہوش و حواس شیر سیہ رواڑا دیئے
راکب کے پاؤں گھوڑے کے انوارا دیئے
تھا نور چشم شیر الہی جلال میں
بگلی سی جس پرے کی طرف آکے پھر گئی
مہم میں لہو زمین پہ برسا کے پھر گئی
کاٹے جگر تو اور دلیری ہوئی اُسے

بیعت انھیں قلعہ میں بھی نہیں قبول
لیجو نہ منہ سے نام جگر گوشہ رسول
گدڑی سے کھینچ لو نگاربان دراز کو
کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعت غلام
اونے ادب یزید کجا اور کجا امام
کعبہ کبھی چھکا نہیں آگے کنشت کے
مسکن چھٹا ہمارے سادات نشان سے
چمکے تھرا رہے پھول جھڑے آسمان سے
آنکھوں پہ ڈر کے رکھیئے پر جبریل نے
گر سامنے تھا شیر تو وہ بھی شکار تھا
مقتل میں گرم معرکہ کارزار تھا
تلوار کی ہوا سے بدن سرد ہوتے تھے
گردن عدو کی شمع صفت ہل کے رہ گئی
بھاگا کوئی تو ہاتھ ایل ل لے رہ گئی
ٹھنڈا کروں گی میں تو جہنم جلائے گا
دو دو کے ایک ہاتھ میں بازو اڑا دیئے
ڈالی کسی نے آنکھ تو ابھرا دیئے
پتلی چھپی ہوئی تھی سیاہی کٹی حال میں
ناگن تھی اک کہ فوج پہ لہر کے پھر گئی
اللہ سے منہ صفیں کی صفیں کھا کے پھر گئی
سیروں لہو پیا پہ نہ سیری ہوئی اُسے

غصے تھا تیر کا پتے تھے بڑوں کے دل
 لوہے کو اُس کے مانگے جاہلوں کے دل
 تھی ماہ نو پہ پھرتی تھی بسلی، بنی ہوئی
 لرزاں ہر ایک بانی بیداد و جور تھا
 رُخ زرد تھے سپاہ کا کچھ رنگ اور تھا
 کشتوں کے پستے اور سروں کے پہاڑ تھے
 گر اس طرف بڑھا کسی بیداد گر کا ہاتھ
 حرکت نہ تھا علی دلی کے پسر کا ہاتھ
 ہنستی تھی موت آنکھ جو پڑتی تھی زین پر
 تیغیں سپر کے ساتھ کیش خود سر کے ساتھ
 بل پل یہ تھی کہ باپ نہ ٹھہر سپر کے ساتھ
 بھاگے مثر بخلت و منصب کو چھوڑ کر
 گرتی تھی برق تیغ جو ہر بل ادھر ادھر
 شہید یز تھا کہ پھر رہی تھی کل ادھر ادھر
 ہر جاتوں کے ڈھیر سروں سے بلند تھے
 سر ہنگام شام ٹھوکریں کھا کھا کے مر گئے
 کتنے جوان سمنوں کے تلے آ کے مر گئے
 بلبل نے استخوان بدن چور کر دیئے
 بھر کا وہی آگے عقیقہ شعلہ ریز نے
 کچلا انھیں سمن کی ہر جست و خیز نے
 ترکش رستے درست نہ ثابت کمان تھی

سینے میں ہو گئے تھے لہو قاتلوں کے دل
 کیا چال تھی کہ لوٹتے تھے بسملوں کے دل
 چکی تو زخمیوں کے لیے چاندنی ہوئی
 لشکر تھانے حواس تباہی کا طور تھا
 نیروں کا تھانہ اوج نہ ڈھالوں کا دور تھا
 فوجیں لٹی ہوئی تھیں نلے اُجاڑے تھے
 بالائے تن رہا نہ ادھر نہ ادھر کا ہاتھ
 دو ہو کے گر پڑا جسے مارا کمر کا ہاتھ
 ادھا فرس چسبم تھا آدھا زمین پر
 سینہ کمر کے ساتھ کٹا دل جگر کے ساتھ
 اس معرکے میں چھوٹ گئے عمر بھر کے ساتھ
 رو جیں روانہ ہو گئیں قالب کو چھوڑ کر
 سمٹے ہوئے تھے ڈھالوں کے بادل ادھر
 بھاگ رہی تھی قلب فوج میں پل ادھر ادھر
 بھاگیں کہاں گریز کے کوچے تو بند تھے
 جو بچ گئے ادھر سے ادھر جا کے مر گئے
 پس پس کے سرمہ ہو گئے لڑاکے مر گئے
 بیٹوں نے پانوں باپ کی چھاتی پر دھڑ
 چن کر صفوں کو صاف کیا تیغ تیرنے
 گیتی الٹ دی ابن علی کی ستیز نے
 تیغوں میں دم ہے تھے نہ لشکر میں جان تھی

ہتے تھے کوہ کا پتا تھا وادی نبرد
خوشی چھپ گیا یہ اٹھی کر بلا میں گرد

لاپوڑے ہوئے تھے محیط سپہریں

تینوں کے پیچھے ڈکے چھی تھی ہر اک پر
پرچم نے بال کھولے تھے فریاد یوں سر

چادر ہلا ہے تھے پھر ہرے نشان کے

ناگاہ آئی خیمے کی ڈیوڑھی سے یہ صدا

کب تک لڑو گے فوج سے بے تیج کلی و غا

ای نور چشم ساقی کوثر دہائی ہو

قربان جاؤں بھر کے مری مشکلائیے

اچھے مرے چچاٹھے پانی پلائیے

جیتی ہوں اب تک آپکے آنے کی آس پر

صدقے گئی فرات کو اب جا کے دیکھیے

رونے کو شاہ بکس و تنہا کو دیکھیے

جلد آئیے حسین تڑپتے ہیں خاک پر

نے اختیار آنکھوں آنسو ہٹائے رواں

رخ جانب فرات کیا پھیر کر عناں

گھوڑا اڑا کے شیر سے آئے کچھاریں

سردی سے اس ترائی کے جان گئی فرات

صدمہ ہوا کہ دھوپ میں ہیں شاہ کر بلا

عباس نامدار نے اک سرد آہ کی

تھرا ہوا تھا خوف سے میناے لا بورد

تھا دن بھی زرد دھوپ بھی رواؤز میں بھی

اک تیرگی غبار سے تھی چشم مہریں

تھا الاماں کا شور پریشاں تھے اہل شر

اتھے علم رگڑتے تھے جھک جھکے خاک

دانتوں میں خس ہر اس تھی ہر جوان کے

مصرف تھے جہاد میں عباس با وفا

اب کیا سکیٹہ پیاسی ہی مر جا اے چچا

سوکھے ہوئے لبوں پہ مری جان آئی ہو

جلدی خدا کے واسطے دریا پہ جائیے

پھلکا ہو سینہ آگ جگر کی بجھائیے

اب رحم کیجیے مری دودن کی پیاس پر

اعدا کو بار بار نہ بھینچھلا کے دیکھیے

کانٹے مری زبان کے آب کے دیکھیے

صدمہ فراق کا ہو دل دردناک پر

عباس نے سنی جو یہ آواز ناگہاں

کانڈھے پہ رکھ کے شیر نے شمشیر جو نکلاں

دیکھی جو نہر دل نہ رہا اختیار میں

گرمی میں تھے جو غرق عرق سر سے تابیا

دریا سے ٹھنڈی ٹھنڈی جو آنے لگی ہوا

دل ہو گیا کباب مصیبت پہ شاہ کی

دو دن سے نئے زباں پہ جو تھا آج نہ بند

ہر بار کا نہا تھا سمٹتا تھا بند بند

ترپاتا تھا جگر کو جو شور آبتنا رکا

چمکار تے تھے حضرت عباسؓ نیک نام

گر تو ہو تشنہ کام تو ہم بھی ہیں تشنہ کام

اٹھتا ہر شور گر یہ محنت کی آل سے

عباسؓ نے کہا جو یہ بچوں کا حال زار

جب نہر علقمہ میں در آیا وہ نامدار

جان بازی سمند پہ غازی نے رو دیا

دریا سے بھر چکا وہ ہشتی جو مشک آب

لو مشک لیچلا جگر و جان بو تراب

گر مشک تا خیام شہ نیک خو گئی

یہ شور سن کے گھاٹ پہ اڑی سپاہ شام

تولے تھے پہلواں تبر و خنجر و حسام

اب پاس آبرو کا ہر جانوں کا غم نہیں

تیغ و دم کو تول کمازی نے دی صدا

پہلے نہ رک سکے تو بھلا اب کیس گے کیا

دیکھیں تو ہاں پے کو بجائے کھڑے رہو

پسین کے جوڑنے لگے حلقوں میں ان خدنگ

لیکا جدھر زبا نہ شمشیر شد رنگ

حیرت تمام فوج کو تھی اس کے کاٹ پر

دریا کو ہنہنا کے لگا دیکھتے سمند

چمکار تے تھے حضرت عباسؓ ارجمند

گر دن پھر کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

بس اتنا مضطرب نہ ہوا کہ اسپ تیز گام

پیاسا ہی ذوالجناح شہنشاہ خاص و عام

آگاہ کیا نہیں ہی سکینہ کے حال سے

گر دن ہلا کے رہ گیا اسپ فاشعار

پانی سے تھو تھنی کو اٹھاتا تھا بار بار

غازی کے منہ کو دیکھ کے تازی نے دیا

چلایا فوج کو عمر خانماں خراب

سادات پر بس اتنا کبھی ہو گئے یاب

یہ جان لو کہ جان گئی آبرو گئی

پہلے سے بھی زیادہ ہوا کچھ ہجوم عام

غل تھا کہ ہاں نکلنے نہ پائے تشنہ کام

عباسؓ نامور نہیں یا آج ہم نہیں

مجھ کو نہ دور جانو احوال شکر جنا

یہ گھاٹ تیغ کا ہر خرد دار اک ذرا

رو کو تو برچھپیوں سے ہم آئے کھڑے رہے

یاں باد پاترائی میں تھا صورت نہنگ

پانی میں ڈوبنے لگے نہ ہی کھل کی جنگ

بر سادی آگ تیغ کی پانی نے گھاٹ پر

تا غاضبہ نہر سے لڑتا گیا دلیر
 تکتے تھے سوئے خیمہ شہ منہ کو پھیر پھیر
 پھر پھر کے تیغ چلتی تھی اس دیں پناہ کی
 نزدیک سے نہ رتا تھا حربہ کوئی شہر پر
 تھے ایک جان کے لئے دشمن جوان و پیر
 منظور ظلم سخت تھا ہر بد خصال کو
 اک تشنہ کام لاکھوں میں کس کس دجواب
 کہتا تھا ہاتھ اٹھنے کی مجھ میں نہیں ہر تاب
 پروا نہ تھی جو بازوؤں پر تیر کھاتے تھے
 برچھی سے چھد گیا کبھی دل اور جگر کبھی
 چھاتی تے تھی مشک کبھی دوش پر کبھی
 ہوا پر سنبھلتے تھے جب جھوم جھوم کے
 تکتے تھے مسکرا کے سوئے آسمان کبھی
 لگتا تھا تن پہ تیر کبھی اور سناں کبھی
 گھوڑے کو جب بڑھاتے تھے رانوں میں داکے
 چھینٹیں لہو کی اڑ کے چوڑی تھیں مشک پر
 یہ پاس تھا کہ تیغوں سے ٹکڑے ہو میرا سر
 اقبال بادشاہ زمین و زمان رہے
 واجیف وادریچ تمنائے جان نثار
 اوریاں کہیں میں تھا بن رقائے نابکار
 آفت پڑی نصیب سکیٹا اٹ گیا

تو دے کہیں سروں کے کہیں تھے تنوں کو دھیر
 دم لے لیا کہیں کبھی جھپٹے مثال شیر
 پر ہائے کم نہ ہوتی تھی کثرت سپاہ کی
 پہلو سے نیزے چلتے تھے اور سامنے سے تیر
 برچھے تھے گردیچ میں تھا وہ مہ منیر
 پتھر شقی لگاتے تھے حیدر کے لال کو
 شل ہو گیا تھا بازوئے فرزند بوترا ب
 لڑنے میں فکر تھی کہ نہ ضائع ہو مشکاب
 لیکن سپر سے مشک سکیٹنے پکاتے تھے
 اک شیر سے ادھر کبھی جھپٹے ادھر کبھی
 سینہ کبھی تھا مشک کے اوپر سپر کبھی
 روتے تھے بازوؤں کو علی چوم چوم کے
 ہونٹوں پہ پھیر لیتے تھے سوکھی باں کبھی
 بھکتے تھے خود فرس کبھی اور شاں کبھی
 قدموں سے نکلے جاتے تھے حلقے رکاب کے
 دامن سے پوچھتے تھے علمدار نامور
 شقہ مگر علم کا نہ ہووے ہووے سے تر
 دنیا میں میں رہوں رہوں نشان رہے
 بھکتے تھے بار بار سنبھلتے تھے بار بار
 ماری شقی نے دوش پہ اک تیغ آباد
 لڑتے تھے جس سے ہائے وہی ہاتھ گٹ گیا

اک ہاتھ سے سنبھالے تھا مشکیزہ و علم
 گھوڑے پر سیدھے ہوتے تھے گاہے تو گاہے غم
 تینا کسی کا شیر کے شانے پہ پھر پڑا
 کٹ کر گرا تھا بازو کے غازی جو زین پر
 نے دیں یہ چاہتے تھے کہ لیں تیغ شدہ و
 صدقے حواس ابن شہ ذوالفقار کے
 بے دست یاں ہوا جو وہ مہر و حسین کا
 غل تھا کہ خالی اب ہوا پہلو حسین کا
 ہاں نہ تھیں بجائے ظریاب ہم ہوئے
 گویا تھکے گئے تھے مگر کچھ نہ تھا ہراس
 غم تھا کہ گر پڑا علم شاہِ حق شناس
 آنکھیں لبو تھیں رخ سے جلال آشکار تھا
 ٹھکر کے راہوار کو بڑھتے تھے واں سے جب
 اس پر بھی بڑھ چلا تھا وہ بیتِ تشناب
 صدمے سے زرد چہرہ پر نور ہو گیا
 ہر چند بچت گیا تھا سرِ لبِ بر علی
 اپنا نہ کچھ خیال تھا پیا سوں کی فکر تھی
 آنکھوں سے بے شک یاس گر پڑے
 آئی صدائے شیر الہی یہ ایک بار
 ہی ترے لیے مری گویا میں بے قرار
 ہونٹوں پہ دم ہم ہی صدا یا حسین کی

بتاتا تھا خونِ ضعف بھی بڑھتا تھا دم ہم
 فریادِ النیاس ستم پر ہوا ستم
 وہ ہاتھ بھی بدن سے جدا ہو کے گر پڑا
 توار ادھر لٹکا رہی تھی ادھر ہاتھ ادھر
 قبضہ نہ چھوڑتا تھا کٹے ہاتھ کو گھر
 چھیدے علم کی نوک دل پہنچ چار کے
 واں تھر تھر کے رہ گیا بازو حسین کا
 گھائل ہوا برادرِ خوشرو حسین کا
 گویا علی کے دستِ مبارک ستم ہوئے
 دانتوں سے جھکے مشک کو پکڑا بد رویاں
 یہ رعب تھا کہ دوسرے نہ آتا تھا کوئی پاس
 مشکیزہ تھا کہ شیر کے منہ میں شکار تھا
 چھاتی پہ نیزے رکھ کے اٹھیں گئے تھے سب
 ماہا کسی نے فرق پہ اک نہ ہی غضب
 ضربت لگی کہ کا سہ سر چور ہو گیا
 تسمہ نہ چھوڑا مشک دانتوں سے اس پہ بھی
 ہرنے پہ سر پٹا کہ یا جب ملنک چھ گئی
 پانی گرا تو گھوڑے سے عباس گر پڑے
 شپیرِ آنکار ہوا تجھ پہ جاں نثار
 عاشق کو ہر ترے ترے آنے کا انتظار
 آنکھیں تر سی طرف ہیں مرے نور عین کی

جس دم سنا حسین نے یہ نوحہ پیر
 گر کرائے سنبھل کے گری شاہ بھرور
 و احسنا جوان برا در بچھڑ گیا
 زینب نے دی صدا کہ میں قربان کیا ہوا
 ہر کاشور اہل حرم میں بپا ہوا
 گھبرا کے بنت شاہ مدینہ نکل پڑی
 دریا پہ سر برہنہ شہ بھر و بچلے
 اکبر سنبھالے باپ کو با چشم تر چلے
 صدمہ ہو ضرب غم سے دل پاش پاش
 صورت یہ شاہ کی ہو کہ زلفوں خاک ہو
 سوکھے لبوں پہ نالہ روحی فداک ہو
 دست یسا رہنے کے گردن میں ڈالے ہیں
 جب پاؤں کا پستے تھے تو کہتے تھے روکے شاہ
 دریائے اتنا دور تھا اسی میرے رشک ماہ
 ہو دوریاں سے یا مرا بھائی قریب ہو
 القصہ لے باپ کو اکبر ترائی میں
 پانی جو بڑے خون برادر ترائی میں
 گزری تھی عمر ہاتھ جسے جوتے ہوئے
 منہ رکھ کے منہ پہ بھائی کے بھائی نے دی صدا
 کیوں پتلیاں پھرتے ہو بھائی یہ کیا کیا
 میرا بھی حلق خشک ہو خنجر کے واسطے

پٹکا عمامہ سراقس کو خاک پر
 چلائے ہاتھ اکبر مہرو کا ختم کر
 تھا موہیں کہ بتد گمر کا اکھڑ گیا
 چلائے اویہن مرا عاشق جدا ہوا
 زہرانے دی صدا کہ بڑا حادثا ہوا
 حضرت بڑھے نہ گئے کہ سکیںہ نکل پڑی
 صدمہ یہ تھا کہ ہاتھوں سے تھام کر چلے
 یہ بھی چلے اُدھر شہ والا جدھر چلے
 رونے کو بھائی جانا ہو بھائی کی لاش پر
 آلودہ غبار الم روئے پاک ہو
 اور تاکر قبا کا گریبان چاک ہو
 شہ کو جھکے ہوئے علی اکبر سنبھالے ہیں
 طاقت بدن کی لے گئے عباس آہ آہ
 رستہ غلط کیا ہو کہ کچھ بڑھ گئی ہو راہ
 کہتے ہیں وہ حضور ترائی قریب ہو
 زخمی ملاوہ شیر دلاور ترائی میں
 لاشے کے پاس گر پڑے سرو ترائی میں
 دیکھا اسی کو خاک پہ دم توڑتے ہوئے
 اسی شیرازی دلیر یہ بکیں ترے فدا
 عباس میں حسین ہوں دیکھو مجھے ذرا
 بھائی کو چھوڑے جاتے ہو دم بھر کے واسطے

مٹھرو عثمانِ توسنِ عمر رواں نہ لو
کروٹ کراہ کر مرے آرام جاں نہ لو

مر جاؤ نگاہیں ساتھ اگر چھوٹ جائیگا
بوسے یہ آنکھ کھول کے عباس نامدار
یہ موت زندگی ہر ذرے فخر و افتخار
ویدار دیکھتے ہیں نہ آتا تو موت تھی

راٹوسے پاک نور خدا اور مر حقیب
ڈرے کو مہر کر دیا اسی آسمان سر پر
پایا یہ اوج مال کی نہ بابا کی گودیں
رحمت نے رخ کیا مری جانب حضور آئے
رشتوں کیوں نہ چشم جو خالق کا نور آئے
عشاق مہر بھی جاتے ہیں خمی بھی تھے ہیں

مولا کھڑے ہیں سامنے محبوب ذوالجلال
استادہ ہیں یہ حضرت شہر نیکو خصال
تہنا نہیں حضور بھلا کیوں اُداس ہیں
شہ نے کہا کہ لینے کو آئے ہیں تم کو سب

سہر خاک پر شاگے یہ بولا وہ جاں بلب
کس کس کو رو کیے گا کہ اعدا کے ریلے ہیں
راحت کی راہ ہو سفر گلشنِ ارم

اتیک تو کب کے مر گئے ہوتے تڑپ کے ہم
دنیائے کوچ کرنے کو جی چاہتا نہیں

ساکھی تھکا ہوا ہر کار و واں نہ لو
لگتی ہو چوٹ دل پر مے پھکیان لو
بھائی مرا تو رشتہ جاں ٹوٹ جائیگا

آقا ہزار جان گرامی ترے نثار
نکلے جو گل کے سامنے بل کی جان ہزار
پروانہ شمع کو جو نہ پاتا تو موت تھی

عالم کا بادشاہ کجا اور کب فقیر
تکیہ کسی کو بھی یہ ملا ہو دم اخیر
معراج مل گئی شہ والا کی گود میں
لیکر رسول جام شرابِ طہور آئے
ایسا نہ ہو سرور جو بالیں پہ حور آئے
میں اب تو تندرست ہیں کیوں آپ تے ہیں

یہ دور ہے ہیں شیر الہی بصد ملال
یہ فاطمہ ہیں پہلو میں بھڑکے سر کے ہال
جن کا غلام میں ہوں سب کے پاس ہیں

عباس چھوڑ جاؤ گے اب ہم کو ہو غضب
اے جانِ فاطمہ جگر سیدِ عرب
صد مہ بڑا سی ہی ہو کہ حضرت اکیلے ہیں

صد مہ گم ہو روح پہ اے قبلہ اُمم
الفت یہ آپ کی ہو کہ اٹکا ہوا ہو دم
اے بھائی جان مرنے کو جی چاہتا نہیں

یہ کہ کے چرچتے تھے کراٹھا جگر میں درد
 لیں کروٹیں تو بھر گئی زخموں میں ن کی د
 دنیا سے انتقالِ علمدار ہو گیا
 بھائی کے آگے بھائی ٹرپ کر جو مر گیا
 خیرالم کا دل سے جگر تک اتر گیا
 لیتے تھے بوسے جھاک تن پاش پاش کے
 جھاک کر پکارتے تھے کہ بھیا صد سناؤ
 زینب تھیں بھاتی ہیں خیمے کے در پہ جاؤ
 باتوں میں پیار کی کہیں تم سے گلانہ ہو
 کیا ہر جوانکھ بند کئے ہو حیا سے تم
 اکثر میں بچاتے تھے لوں میں ہلے تم
 ہر دو پر کا وقت برادر پہ دھوپ ہو
 اکبر نے روکے عرض یہ کی ادرتہ زماں
 لے چلیے گھر میں لاشِ علمدار نو جوان
 دریا پہ ننگے سر کہیں بنتِ علی نہ آئے
 سینے سے کی حسین نے اک آہ و نخر اش
 اچھا بتاؤ تم کہ کیوں نہ کراٹھاؤں لاش
 کیونکہ کہوں کہ لاشہ غم گھر میں لیچلو
 اکبر نے جب علم کو اٹھایا ہر دو آہ
 ہاتھوں سے سر کو پیٹ کے کہنے لگے یشاہ
 ہر جس طرح زمانہ میں اندر وہ غم کا ساتھ

زخماں سرخ سرخ جوتھے ہو گئے وہ درد
 منہ رکھ کے شہ کے پاؤں پہنچی اک لہو
 سردار فوج جیکیں ونے بار ہو گیا
 صدر غضب کا سبط نبی پر گزر گیا
 چلاتے تھے کہ شیر ہمارا کدھر گیا
 اکٹھاٹھ کے گرد بھرتے تھے بھائی کی لاش کے
 سر رکھ لومیر کے زانو پہ گردن ماراٹھاؤ
 کب تک ہی ہو سکیں گے کو دیکھ آؤ
 دریا پہ سو گئے ہو سکیں گے خٹانہ ہو
 کیا کچھ تھا ہو سبطِ رسول خدا سے تم
 ہم اٹ گئے ہیں گرد تو جھاڑو قیاسے تم
 سایہ کرو علم کا مرے سر پہ دھوپ ہو
 رونے سے ابلیس گئے حضرت کے بھائی جاں
 ایسا نہ ہو نخل پڑیں خیمہ سے بی بیاں
 خضہ کو ساتھ لیکے سکیں چلی نہ آئے
 فرمایا ان کے بدلے میں موت امی کاش
 سر چار پارہ ہاتھ جدا جسم پاش پاش
 میت کے بدلے مشک و عالم گھر میں لیچلو
 رونے لگے پکار کے حالت ہوئی تباہ
 باندھو علم میں مشک بھی ادرتہ شک ماہ
 اب حشر تک باجو ہیں مشک و علم کا ساتھ

اکبر نے عرض کی کہ چلیں اب شہرِ زماں
 وال بھی مرے لئے وہی رونا ہو جیہاں
 اُٹھتے نہ تھے حسینؑ برادر کو چھوڑ کر
 ناچار اُٹھ کے وال سے امام اُمم چلے
 اکبر تو آگے لیکے وہ مشک و علم چلے
 جنگل میں شورِ نالہ و فریاد آہ تھا
 خضہ کھری تھی خیمے کے باہر جبے خبر
 پردہ اُلٹ کے خیمے کا بولی وہ نوحہ گر
 اکبر علم لئے ہیں عسلیٰ کا نشان نہیں
 ناگاہ سب کو دور سے آیا نظرِ نشان
 گویا کہ تھا شبیبہ الم سر بسر نشان
 چھپ جاتا تھا پھر ہرے میں لیں کانپ کانپ کے
 سمجھے یہ سب کہ بازوئے عباس کٹ گئے
 بچوں کے ننھے ننھے جگر غم سے پھٹ گئے
 ہر دل پہ برقِ رنج و غم ویاس گر پڑی
 اکبر علم کو خیمے کے اندر جھکا کے لائے
 چلا تے تھے کہ بھائی کو بھائی کہاں پائے
 پھینکا اہل نے ہم سے ہمارے دلیر کو
 لپٹی تو تھی علم سے سکہینہ جگر کھار
 پرچم میں یوں چکیتا تھا پنجہ وہ بار بار
 تصویرِ حسرت و الم ویاس بن گیا

رو کر امام دیں نے کہا جائیں اب کہاں
 اپنا بھی گھر ہو اب وہی بھائی ہے جہاں
 رکھا پسرنے ہانوں پہ سر ہاتھ جوڑ کر
 فرمایا لو کریم نگہبان ہم چلے
 سرنگے پیچھے سرورِ عالی ہم چلے
 حضرت کے پیچھے سپہِ عمار شاہ تھا
 حضرت کو اُس نے دور سے دیکھا بہرہ ہر
 سید اپنا اٹھو علم آتا ہر خوں میں تر
 کوتلِ فرس تو آتا ہو وہ نوجواں نہیں
 تھا خاک سے بھرا ہوا وہ جلوہ گرِ نشان
 ڈوبا تھا خوں سے پنجہ پر نورِ درفشاں
 روتا ہی جس طرح کوئی منہ ڈھانپتا ہانپکے
 سیدانیوں کے غم سے اہو اور گھٹ گئے
 رنگ اُڑ گئے رخوں سے کلجے اُلٹ گئے
 بچوں سمیت زوجہ عباس گر پڑی
 سر اپنا پیٹتے ہوئے گھر میں حسین آئے
 عاشق نے ساتھ چھوڑ دیا ہاں ہے ہائے
 لوبی ہو ترانی میں رو آئے شیر کو
 ہو ہی علی کے لعل کی اندھوں میں تھی پکا
 سر پیٹے جس طرح کوئی مظلوم سو گوار
 راہت بھی نخلِ ماتم عباس بن گیا

زیرِ علم تھا نہ وہ عباس کا یہ حال
 چلاتی تھی کہ اسی اسد کبریا کے لال
 جانا ہوں جہاں سے کوئی آنکھ موڑ کے
 مرجائے گی کینز جو صاحبِ جدار ہے
 ہیں آپ جس جگہ وہیں لونڈی بھی ہے
 بیٹوں کا قرب چاہتی ہوں نہ عزیز کا
 دریا کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تم کو بھاگنی
 صورت تمہیں عروسِ شہادت دکھا گئی
 ہم تیرہ بختِ ہجر کی راتوں میں ویں گے
 صاحبِ پکار تھی یہ لونڈی ادھر تو آؤ
 صورت کوئی نباہ کی میرے تہ کے جاؤ
 جب تم نہ ہو تو موت ہمارا علاج ہے
 اللہ تھا یہ آج کی شب تک ہمارا پیار
 میں کہتی تھی کہ سو ہو اک آن میں ثنا
 فرقت میں وصل کی سحر و شام پھر کہاں
 میں دل میں کہتی تھی کہ خوشامد کا کیا سبب
 صاحبِ بد و نون باہتوں کو جوڑتی ہوں اب
 چھوڑو نہ اس کو جس کا کوئی آسرا نہیں
 یہ کہ کے پیٹنے جو لگی وہ جگر تھکار
 وارث کے غم میں تار ہی تار حال میں نثار
 ماتم میں اور کوئی مصیبت گزر نہ جائے

ماتھا بھلا تھا خاک کے بکھرے ہوئے تھے بال
 میں سر کو پھینتی ہوں تھیں کچھ نہیں خیال
 مسکن کیا ترانی میں لونڈی کو چھوڑ کے
 وہ کیجئے کہ خلق میں ذکرِ وفا رہے
 تھوڑی سی جامرے لیے پائین پار رہے
 صاحب کی پائنتی ہو سہا نا کینز کا
 جاگے تمام رات کے تھے نیت راگنی
 کیا خوش نصیب تھی کہ اہل تم کو پا گئی
 جاگے نصیبِ قبر کے آپ اس میں سوئیں گے
 دامنِ قبا کا رکھ کے کمر میں علم اٹھاؤ
 دنیا تو اب اُجڑ گئی والی نے مجھے بلاؤ
 صاحب کے ہاتھ، ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے
 اُٹھ اُٹھ کے دیکھتے تھے مرے منہ کو بار بار
 کہتے تھے رو کے اب یہی صحبت ہے یا دگار
 سونا تو حشر تک ہے یہ آرام پھر کہاں
 کیا تھی خبر کہ صبح کو کچھڑو گئے غصہ
 تم جس جگہ گئے ہونے مجھے بھی کرو طلب
 صاحب کے سلسلے میں کوئی بے وفائیں
 زینب نے شاہِ دیں کمار کو کے لڑنا
 یحیٰ نے علم کو اب اس شاہِ نامدار
 ڈر ہی مجھے کہ زوجہ عباس مر نہ جائے

زینب سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمیں
اتو نہ فوج ہو نہ علمدارِ صف شکن

لو یہ نشانی شبِ دلِ دل سوار لو
جس دم سنا علم کے بڑھانے کا بجے ہم
رایتِ لٹاکے خاک پہ کہنے لگے امام
پیا سے گلے کو خنجرِ خونخوار چاہیے
پر غولِ علم کے پاس تھے عباس کے سپر
ماں نے جو طوق اتارے تھے اور کان گھر

زلفوں پہ گرد تھی تو رنوں پر غبار تھا
چھوٹا یہ شب سے کہتا تھا آنسو بہا بہا
آیا علم پر ان کے نہ آنے کی وجہ کیا
اماں کی مانگ لڑ گئی صدمے گزر گئے
دوڑا یہ سن کے نہر کی جانب وہ بے پردہ

نٹھے سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ فوج گر
میت نہ اٹھ سکے گی تو خالی نہ آئیگی
بس اسی ایتیس بس کہ دعا کا ہے یہ مقام
مراحِ آلِ پاکِ نبی تھا وہ خوش کلام
بندہ وہ کو نسا ہے کہ جو بے قصور ہے

لیکر نشان کو جائے کہاں اب پیوٹن
گھر لٹ گیا علم کو بڑھاؤ بس اسی بہن
چمکا علم سے کھول لو پنجرہ اتار لو
سر اٹھ کے پیٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بس الوداع اسی علم سیدِ انام
بس اب مجھے علم نہ علمدار چاہیے
تکے کھلے تھے کرتوں کے تھرتے تھے جگر
سہا ہوا تھا ایک تو اک پیٹتا تھا سر

چہروں سے در دے پوری آشکار تھا
بابا ہمارے گھر میں کب آئیگی اسی چچا
چھوٹے سے وکے تب یہ پڑے بھائی نے کہا
بھیا تھیں خبر نہیں بابا تو مر گئے

رو کر پکارے شاہ کہ بیٹا چلے کدھر
بابا کی لاش اٹھانے کو جاتے ہیں نہر پہ
دامن میں ہم کٹے ہوئے ہاتھوں کو لائیگی
ہو نفرتِ خلیف کی یارتِ ذوالکرم
یارب اسی بزرگ کا فیض ہے تمام
گر بخندے تو کیا تری رحمت سے دور ہے

دباچی

اکبر سا بھی گلبدن نہ ہو گا کوئی
اصغر سا بھی کم سخن نہ ہو گا کوئی

عباس صاف شکن نہ ہو گا کوئی
گردن پہ لگانیر مگر لب نہ ہے

شیر (۹)

جب ان میں سر بلند علی کا علم ہوا
چرخِ زبرجدی پڑی تسلیم خم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
وہ شانِ اس علم کی وہ عباسِ کل جلال
پہنچے پہ جان دیتی تھیں پیلوں کا تھا بجال
ہر لہر آباد تھی کوثر کی موج سے
تھا پختن کا نور جو پہنچے پہ جلوہ گر
زرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا ند
اللہ ہی چمک علم بو تراب کی
قربانِ احتشامِ علمدارِ نامور
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر
چھایا تھا عرب لشکر ابن زیاد پر
وہ اونچ وہ جلال وہ اقبال وہ حشم
پہنچے کی وہ چمک وہ سرفرازی علم
کیا رقت نشانِ سعادت نشانِ تھی
پہنچا اٹھا کے ہاتھ یہ کہنا تھا بار بار
یہ شبِ بہشت انھیں کے قدم سے ہر برقرار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے

فوجِ حسدا پہ سایہ ابر کرم ہوا
پہنچے پہ سانت بار تصدق حشم ہوا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا ورد کا
غل زمرودی کے تلے تھا علی کا لال
غل تھا کدوش جو پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھر کے فوج سے
اعنیٰ کی تیلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
ماہِ نظر بنا تھا کرنِ آفتاب کی
رُخ پر جلالتِ شہِ مرواں تھی سر بسر
قبضے میں تیغِ ہر میں نہ رہدوش پر سپر
غل تھا چڑھے ہیں شیر الہی جہاد پر
وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم
گرتی تھی برقِ فوجِ مخالف پہ مذہم
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی
عالم میں پختن کی بزرگی ہو آشکار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اور قوم نابکار
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

غرفوں سے جھانکنا چھپانے کے بولی ہر ایک عمر
 یارب ہے نگاہِ بداس کی ضیاء سے دور
 جلوے میں سچے وحید کی شان کے
 آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ
 دیکھیں کسے کسے کہ ہر ایک ایک رشک ماہ
 دیکھو انھیں و مومن سے ہر وقت زمین کو
 شہر بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
 یاں آفتاب کو نہیں یار انگاہ کا
 سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
 ہمشکل مصطفیٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال
 پلب یہ خط چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال
 اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
 ثنّت دل حسن بھی ہو کس مرتبہ حسیں
 یہ زلف مشکبیز یہ آنسو جبین
 رُخ کی بلایں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئیں
 نام خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
 افروختہ ہیں سُرخ یہ شجاعت کی ہو دلیل
 مثلِ علی ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
 عباس نامور بھی عجب سچ کا ہے جوان
 حمزہ کا رعبِ صولت جعفر علی کی شان
 کیونکر یہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو

صلِ علی علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
 پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پختن کا نور
 قربان اس جواں کے نثار اس نشان کے
 دنیا بھی خوبوں کا مرقع ہو داہ واہ
 جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
 چُن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو
 قصہ سنا ہوا ہے زینحٰا کی چاہ کا
 یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
 ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہت ہے
 صبحِ جبیں ہے اوشبِ گیسو ہونے مثال
 یاقوت و مشکِ نرگس و نجم و مددِ ہلال
 چہرہ نہ کیسے قدرت پروردگار ہے
 جس کے چراغِ حسن سے روشن ہے سب نہیں
 سرمایہِ خطا و ختن کا نجات چیں
 سہرے کی ہڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئیں
 اک مہر نے نظیر ہے اک بدرتے عدیل
 ہمتِ بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں بھی قلیل
 دونوں کے بچوں کے ہیں ڈورے کھائے ہوئے
 نازاں ہے جس کے دوشِ متور پہ خود نشان
 ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جان
 حاصل ہیں سیکڑوں شرف اس آفتاب کو

اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب
 ابر کرم خدیو غم خسرو عرب
 جنباں زبان خشک ہو ذکر اللہ میں
 کیا فوج تھی حسین کی اُس فوج کے نثار
 جزار و دیں پناہ نمودار و نامدار
 فوجیں کوئی ساتی تھیں اُن کی نگاہ میں
 ایک ایک ملک جرات و ہمت کا بادشاہ
 آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ
 دیکھا تو دل کو توڑ کے برچی نخل گئی
 وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے
 چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند کے گلے
 اک اک سحر کی محراب کا چراغ تھا
 اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
 گرا جمر گئے تو قیامت تک بجے
 آقا کے آگے لطف ہو تیغ آزمائی کا
 بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نجائیں
 تن تن کے روئیں چھایں ہنس کے غم کھائیں
 جھپکے ہلک کسی سے تو آنکھیں نکالیں
 کہتے تھے مسکرائے یزید کے دونوں لال
 ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال
 اُتری ہو تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں

سرتاج آسمان وز میں نورِ عرش رب
 عالی ہم امام اُمم شاہِ تشنہ لب
 گویا کھڑے ہیں ختمِ رسلِ رزمگاہ میں
 ایک ایک ابروئے عرب فخرِ روزگار
 لڑکوں میں سبزہ رنگ کئی کوئی گلزار
 وہ سب پلے تھے بیشہ شیرالہ میں
 کیوانِ خادمِ سپہرِ حشمِ عرشِ بارگاہ
 وہ عرب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
 ابرو ذرا جو ہل گئے تلوار چل گئی
 بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے
 سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
 جس پر علیؑ نے کی تھی یاصتِ باغ تھا
 یہ نیچے نہ لیونگے دم نے لو پیئے
 صدقے ہوں اقسیم پہ یہ سر ہاں ہی لیے
 آج آپ دیکھئے گا تماشا لڑائی کا
 جب چاہیں معرکہ میں ہیں آپ آزمائیں
 بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
 بڑھ کر مٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیں
 کھلتے ہیں خود دلیروں کے جو ہر دم جلال
 نعرے ابھی کریں تو پہلے عرصہ قتال
 سب ہم کو جانتے ہیں شیروں کے شیر ہیں

پیچھے جو کرتے تھے یا ہم وہ گلمزار
 پاس آکے عرض کرتے تھے عباس نامدار
 جرات ٹپکتی ہی ہر اک کے کلام سے
 یہ سن بہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان
 باتیں رجز سے کم نہیں اللہ رحمت بیان
 کس دہرہ سے کا نہ ہوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
 زمین کے لاٹھوں کی طرف دیکھئے حصو
 رخ پر جلال شیر خدا کا ہی سب ظہور
 دونوں میں صاف حیدر و جعفر کے طور ہیں
 یہ ذکر تھا کہ بجھنے لگا طبل اُس طرف
 تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف
 تھا بسکہ شوق جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
 غصے سے آفتاب بڑے ہوشوں کے لنگ
 تن تن کے بچھیاں جو سنبھالیں برا جنگ
 پاس ادبے شاہ کے صفت بڑھ کے تھم گئی
 تننا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
 بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
 نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
 دولا کھ سے نظر کسی غامی کی لڑ گئی
 چتون کسی کی شور دہل سے بگر گئی
 نکلا کوئی سمند کو زانویں داب کے

شیر دیکھتے تھے لنگھیوں سے بار بار
 سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
 پیچھے کریں گے بھلا فوجِ شام سے
 یہ بھولے بھولے منہ یہ جوانِ بیاں یہ شان
 چلتی ہی ذوالفقار علی کی طرح زبان
 گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں
 مثل عرق ٹپکتا ہی پیشانیوں سے نور
 پر تو گلوں کا ہی کہ چلتی ہی برق طور
 اللہ کی پناہ یہ تیور ہی نہیں
 مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صفت
 سینوں کو غازیوں نے ادھر کر دیا ہفت
 جوش آگیا و غا کا حسینی سپاہ کو
 فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کو ہونی انگ
 بیچین ہو گئے فرس ابلق و سرنگ
 پڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ چم گئی
 بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ چوم کے
 ٹکڑے اڑائینگے عمر و شمر شوم کے
 دونوں کو چار کر کے پھریں گے نبرد سے
 بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکر گئی
 منہ مہر رخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
 غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چا کے

بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے
 نسرہ کسی کا پارہ ہوا آسمان سے
 اک شور تھا کہ تلخ کیا ہی حیات کو
 سنتے ہی یہ کلام جو انان نامور
 کہتے تھے نیچے لیئے وہ غیرتِ قمر
 سر کے نہ پھرو غامیں جو بڑھ کے قدم گڑے
 عباس شہ سے کہتے تھے پھرے تھے ہیں شیر
 دو دن کی بھوک پیاس میں بیندگی سے سیر
 پاس ادبِ عظیم کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
 کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
 ہر مصلحت کہ دیجئے اب ذن کا رزار
 برہم ہیں سرکشی پہ سوار انِ شام کی
 جیٹ کتا ہوں میں نہیں ادا سالِ سریر
 باندھے ہو سرکشی پہ کمر لشکرِ شہیر
 کس قمر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
 اک اک جری کو نشہِ جرات کا خوش ہو
 ہر صف میں یا علی ولی کا خوش ہو
 مشتاق ہیں وہ پیاس میں تپن کے گھاس کے
 حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر
 فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادہ سفر
 یہ راہ حق ہو جو قدم آگے بڑھائے گا

نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
 تلوار کھینچ لی کسی صند نے میان سے
 لاشوں سے چل کے پاٹ و نہر ورات کئے
 لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول پہا باندھ کر
 یارِ شکست کو قیوں کوئے ہیں ظفر
 جاکر در یزید پہ اپنا علم گڑے
 تیر اس طرف سے آتے ہیں اب کس لئے ہو دیر
 مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ ولیر
 شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں
 مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر و فاشعار
 ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
 اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی
 کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگا تیر
 ہنگام جنگِ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
 بچوں کو ہی یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں
 عالم ہو بخود ہی کا چہ مرنے کا ہوش ہو
 کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہو
 ڈر ہو کہ مرنہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے
 بولے حبیبِ نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
 اچھا پڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
 دربارِ مصطفیٰ میں وہی پہلے جائے گا

مژدہ پس کے شاد ہوئے غازیان دیں
 جب نمرہ زن ہوئے صفت شیر خشکیں
 برپا تھا شور و شر دیروں کی حرب سے
 اللہ سے جہاد حبیب و زمیر قیں
 جب مر گئے وہ عاشق سلطان شریفین
 یوں جا کے روئے اُن کے تن پاش پاش پر
 خالی ہوا قہیم رفیقوں کا جب پر ا
 کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب تن ہر
 رتکے جو یک بیک کئی ہاتھوں کھو گئے
 مٹی قہر حق عقل کے پوتوں کی کارزار
 عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار
 فتح و ظفر تھی مثل علی اختیار میں
 نکلے برادرانِ علمدار صف شکن
 نے سر تھے مورچوں میں جانانِ پلِ تن
 آنکھوں میں پھر رہی تھی چمکِ ذوالفقار کی
 تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضربِ جودل
 نمرہ یہ تھا کہ شیر ہواں کا تھیں کل
 یہ وقتِ آبرو ہی بڑی جدو کہ کرو
 اللہ پوروں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ
 جب باگ اٹھاؤ فوج کے اس پار جاکے آؤ
 ہاں صفدرو نشانِ زہے فوجِ رشام کا

اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوج کیں
 تھکے آسمان کے طبق بل گئی زین
 فوجیں تو کیا جہاں تو بالا تھا ضرب سے
 گویا بپا تھا سرکہ خندق و حنین
 مقتل میں بیٹھے ہوئے دوڑے گئے حسین
 جس طرح بھائی روتا ہو بھائی کی لاش پر
 کانپا سپہرِ شہ نے دم سہریوں بھرا
 گہ روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
 کھڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے
 شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
 تھے تین چار شیر کہ چھٹے سوئے شکار
 پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزاریں
 دکھلا دیئے علی کی لڑائی کے سبیلین
 لاشوں پہ لاشیں گئی تھیں تاتا تھارن رن
 عباس داد دیتے تھے ایک ایک ار کی
 گہ شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
 شیر و کیں نہ ہاتھ بدن گو ہی متصل
 ہاں بھائیو امام کی اپنے مدد کرو
 ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
 یاسر کے آؤ یا انھیں ن سے بھگا کے آؤ
 بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

رو کر حسین کہتے تھے بھائی سے دم بدم
 جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم
 اب باپ کی جگہ شیر عالی مقام ہیں
 بیجاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نہ
 ماتم میں تھے کہ مورچے لوٹا حسن کا گھر
 سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
 ابا نظر جو لاشہ نوشاہ نیک نو
 کی غیظ کی نظر طرف لشکر عدو
 نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے
 بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
 طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا
 حسرت یہ ہو کہ تینوں سے تن پاش ہو
 شہ نے کہا کہ سچ ہو یہ ایسا ہی ہو الم
 بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہو کم
 تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
 بھائی کے بعد ان سے ملی لذت حیات
 خالی نہ پائی مہر مروت سے کوئی بات
 صدے بھلائے دل حسن کی جدائی کے
 ہو ان کے انکا و کا سب سے جدا مزا
 ملتا ہر ان کی بات میں ہر دم نیا مزا
 قائم رکھے خدا کہ علی کے نشان ہیں

دولت پدر کی لٹتی ہو اور دیکھتے ہیں ہم
 عباس عرض کرتے تھے اے قبائلی اُمم
 صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سیلا م میں
 حضرت ضعیف ہو گئے خنم ہو گئی کمر
 اک دم میں قتل ہو گئے دونوں عیاں سپر
 ستر دو تن میں اکبر و عباس رہ گئے
 اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا ہلو
 پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
 قاسم کے ساتھ جائینگے ہم بھی جہان سے
 سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
 مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
 پہلو میں ابن عم کے ہمارے بھی لاش ہو
 خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے غم
 مرم کے غم میں بھائی حسن کے جیسے ہیں ہم
 عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی
 بیکس کے غم گسار تھے یہ یا خدا کی ذات
 سو یا جو میں تو ان کو کٹی جا گئے میں ات
 رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے
 بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
 او جہل یہ آنکھوں سے ہوتے جینے کا کیا مزا
 مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
 ہوتا ہو زخمِ دل پہ ناکِ انسوؤں کا شور
 تم پہلوؤں میں تھے جو پیکیں سنبھل گیا
 بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشنِ جہاں
 اٹھ جائے جلدِ خلق سے یہ پیرِ ناتواں
 عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے مسن نہیں
 ان سے نشانِ علی کا ہو تم سے ہمارا نام
 میت کے دفن کا بھی مناسب ہوا ہتمام
 تربت پہ تم سے گل ہوں تو دلِ باغِ باغ ہو
 کبھو نہ ذکرِ بھر یہ صدمہ ہو دلِ خراش
 ہوگا یہ جسمِ ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
 رونے کو کوئی دوست نہ یادِ سرِ مانے ہو
 اکبر نے سن کے باپِ یثربِ خاں بہائے
 ہو زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
 دیتے ہیں جانِ اہلِ وفا نام کے لئے
 بس گر پڑا یہ کہ کے قدم پر وہ با وفا
 قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفیٰ
 ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
 اٹھئے قدم سے آپ کی الفت کے میں تار
 آنکھیں قدمِ پل کے یہ بولا وہ نامدار
 ایسا نہ ہو نخل ہوں رسالتِ آب سے

بچھا جو ایک ڈو میں تو پھر ہیں کنارِ گور
 جب بتلیاں نہ ہوئیں تو چشمِ بشر ہو کر
 پھر خاتمہ ہو جسم سے جب دم نکل گیا
 گزرے بہارِ عمر کے دن آگئی خزاں
 پھو لو پھلو جو کہ ابھی تم ہو نو جوان
 دونوں کا ہو شباب مرنے کے دن نہیں
 گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
 مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
 اندھیر ہو جو قبر پر رنے چراغ ہو
 بہرِ پیر کرو کفن و گور کی تلاش
 دو شخص چاہیے کہ اٹھائیں ہماری لاش
 فرزندِ پائنتی ہو برادرِ سرِ مانے ہو
 عباس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی کھائے
 خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے
 پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے
 جھک کر کہا حسین نے بھائی یہ کیا یہ کیا
 باتیں تو ان سے تھیں تھیں کیوں غیظ آگیا
 اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے
 غصے میں بھول جاتے ہو بھتیجا ہمارا پیار
 نے اذنِ جنگ سر نہ اٹھائے گا خاکسار
 پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو روکیے
 نور نگاہ بانو سے بے پر کو روکیے
 پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہیں
 شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے
 فرقت میں ہم جہیں کہ میں خیر جانیے
 زوجہ کو بیٹھتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
 عباس شہ کے گرد پھرے اٹھ کے ساتیار
 بولا یہ پیک شاطر فوج ستم شمار
 خود دیکھ کر یہ حال پیرا ہوں میں اسے
 تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے مرام
 تینوں سے گھاٹ روک لیا وہ نیک نام
 دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہو شیر سے
 دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
 ہل چل میں اس طرف کے پھر گئے ادھر
 پیچھے ہٹیں صفیں کہ تلاحم عیاں ہوا
 ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے چوہاں
 اللہ ری ہیبت غلغلی شیر ذوالجلال
 منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نو جوان کا
 تھک شجستہ میں غلغلی ہر روز انقلاب
 اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
 حلا غضب ہر بازو کے شاہ حجاز کا

دے کر قسم شبیر پیر کو روکیے
 اے آفتاب دیں مہ انور کو روکیے
 آقا یہ شاہزادہ ہو اور میں غلام ہوں
 لیجیے رضا کے حرب نہ آنسو بہائیے
 اپنی سکینہ جان سے جا کر ل آئیے
 بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے
 بھائی کو گھر میں لیکے چلے شاہ ذی قار
 لواءن جنگ پاچے عباس نامدار
 ملنے گئے ہیں نیچے میں ناموس شاہ سے
 نعرہ یہ دہم دم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام
 اب مرکز جو قمر کا اسی ساکنان شام
 چھوٹے کی مشکلوں میں ترانی دیر سے
 کانپے مثال بید جوانان چربگر
 سائل سے ہٹ کے نہر چکاری کہ الحذر
 دریا جو بارہہ پر تھا وہ لٹا رواں ہوا
 برچی گری زمین پستی کی کسی کئی حال
 کانپی زمین کھٹے کھٹے روئیں تنوں کے بال
 دشت نہر و کھیت بنا زعفران کا
 اُلٹے گا اب میں کا وفاق ابن بوتراب
 بس اب بنائے علیم اسکاں اتنی خراب
 لنگر نہ ٹوٹ جائے زمین کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف
 سمٹے ہوئے تھے کونے کے نامرد اک طرف
 بھاگے تھے نیزہ باز رائی کو چھوڑ کے
 تھی ابتری سپاہ ضلالت شعار میں
 سنبو بار چوڑے تھے اکیلے ہزار میں
 چہرے تھے زرد خوف سے حیدر لال کے
 سر کر دہائے فوج مخالف تھے نے جو اس
 سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی یاس
 طاقت میں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
 اس فوج میں تو یہ تیززل یہ انتشار
 مضطرب ہیں بی بیاں شہ والا ہیں تھوڑے
 بیٹا کھڑا ہو چاک گریباں کیئے ہوئے
 منہ دکھیتی ہو باپ کا جب وہ بچشم تر
 لٹتا ہو باپ تم کو سکیں نہیں خبر
 آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
 بھائی کے اضطراب میں نیند کا ہر چال
 عباس سے پہنتی ہو ریزہ ریزہ مال
 کیا کہتے ہو سکیں سے منہ موڑوڑ کے
 دیکھو تو حال سبط رسول فلک اساس
 ہو کثر سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
 عاشق ہو دلیر اسد زوال الجلال کے

بھرتے تھے خیر بھی دم سرواگن
 تھے روسیہ شام کے سب اک طرف
 صینم نکل گئے تھے زرائی کو چھوڑ کے
 اس صف میں تھی صف یقطا میں
 وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کاز میں
 نامرد منہ چھپاتے تھے گھوگھٹ میں حال کے
 کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
 ضرب علی ہی ضرب علمدار حق شناس
 خیر کشا کا دور ہو پنچ میں شیر کے
 ہتیار ادھر لگاتے ہیں عباس نامدار
 بھائی کے منہ کو دیکھ کئے دتے ہیں بابا بار
 رونی ہو سوکھی مشک سکیں لے پوئے
 کہتے ہیں یہ اشائے سے سلطان بحر و بر
 جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
 دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں تھام لو
 ڈھلکی ہوئی ہو سر سے ردا اور کھلیں مال
 چھوڑو نہ شہ کو اسد کبریا کے لال
 بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے
 بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم پاس
 قربان جاؤں تم تو رہو ہو وطن کے پاس
 بازو قوی تمہیں سے ہیں زہر کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
اکٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا دعا کروں
پونچا ہوا فیض سید خوشنور کے ہاتھ سے
رخصت طلب ہر شاہ سے اکبر سالہ قلم
لنڈ رو کیے نہ اب اس خواہر امام
بیکس ہوں ساتھ مان نہیں سر پر نہیں
باتیں پسن کے روتی ہیں نینب جھکائے سر
چہرہ توفیق ہو گود میں ہو چاند سا پسر
موقع نہ روکنے کا ہو نہ بول سکتی ہو
کہتی ہو رو کے بانو سے عالم سے بار بار
ہو لونڈیوں کے باب میں بنی بی کو اختیار
کہیئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجئے
اک دل ہو میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطراب
روتے ہیں خود مگر یہ اشارا ہو بار بار
آؤ ادب سے دلیر نہ ہرا کے سامنے
کھولا ہو گوندھے بالوں کو صبا یہ کیا کیا
خیر النساء کے لال پوتے ہیں ہم فدا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہو

کیونکہ نہ حق امام زماں کا ادا کروں
یہ سر ہو اس لئے کہ قدم پر فدا کروں
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے
شہزادہ مرنے جائے سلامت ہے غلام
وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام
میں آپ کا غلام تیر ہوں گو پسر نہیں
تھرا رہی ہو زوجہ عباس نامور
مانع ہو شرم روتی ہو منہ پھیر پھیر کر
حضرت کے منہ کو نہ کسی آنکھوں سے گنتی ہو
ہلکو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں شمار
اب عنقریب ہو کہ مرا گھر تباہ ہو
امداد ہر حضرت شہید کیجئے
پٹکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجئے
بنی بی میں کیا کروں مرے بچے صغیر ہیں
ہوتا ہو تیر غم بگر ناتواں کے پار
شوہر کے غم میں یں کوئی ہوتا ہو نہ قرار
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے
پیٹو نہ سر کو روتا ہو فرزند نہ لقا
شادی کا ہو مقام کہ ماتم کی ہو یہ جا
میری بھی آبرو ہو تمہارا بھی نام ہو

لو پوچھو آلو آنسوؤں کو ہر ذوالجلال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
غم چاہیے نہ آہ و بکا چاہیے تمہیں
صدتے ہیں ابنِ فاطمہ پر مجھ سے تو غلام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام
پوچھیں حضور گر کہ تمہیں کیا قبول ہو
دیکھو کہ گھر میں اور بھی رائیں مین تین چار
رہ جائے بات امر وہ کرتے ہیں ہوشیار
سو ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں
قاسم کو دیکھو جانب کبرا کرو نگاہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں چھارائے ہونے کی
آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں
جل جائے دل گر نہ اٹھے آہ کا دھواں
چر چاہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
شوہر نے یہ کلام کیئے جب بچشم تر
ہتیار سچ کے حضرت عباس نامور
صدے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
جوں جوں قریب آتے تھے عباس نامور
کہتے تھے اضطراب میں جھکا کر دھر دھر
ہر زمیت تلخ فاطمہ کے نورین کو

دیکھو زیادہ رونے سے ہو گا ہیں مال
قائم تمہارے سر پر رہے فاطمہ کا لال
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمہیں
دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں اہم
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہر صبر کا مقام
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈا پا قبول ہو
آدابِ شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بے قرار
دنیا ہونے ثبات نہ مانہ ہونے ملار
صاحب سا کوئی بھی جایا ہو جہاں میں
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
کیا صاحبہ ہر دختر شہید واہ واہ
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہو رونے کی
ہوتا ہو صابروں کا مصیبت میں امتحاں
اُٹ کیجیو نہ منہ سے جو پتے لبوں پہ جاں
چھوٹی ہو غلی کی بڑا نام کر گئی
چپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمت جاکے سر
اے قریبِ لختِ دل سید البشر
کانپے پہ دست و پا کہ بدن سر ہو گیا
بیابا تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
جینے نہ دے گا آہ ہیں صد مکر
زمین کہاں ہو آ کے سنبھا لو حسین کو

سب گھر کی بی بیوں کو میرے پاس آئیں
 گو دی میں نشہ نہ کام سیکھنے کو جلد لائیں
 یہ نوجواں سنبھالے گا جس دم مرونگا میں
 یسین کے ساری بی بیاں آئیں بحال زار
 اور آفتابِ عالمیاں نورِ کردگار
 ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
 لڑکوں نے مہر کے میں کیئے اپنے اپنے نام
 ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام
 مشکل ہوا ایسے وقت میں رکنِ دلیر کا
 ہوتا جو سب سے پہلے خدا خادمِ احقر جناب
 اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت کا آداب
 اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤ لگا
 ساتھ آپ کے سہو نگا نہ گر قتل کی جفا
 بیزار کیا نہ ہو گا دل شاہِ قل کفا
 مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزار ہا
 پالا ہی مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے
 بندھوائی ہو کمر سے یہ غم شیر آپ نے
 وقتِ مدد ہو آج بھی امداد کیجئے
 گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں
 جینے نہ دے گا یہ غم جانکا کیا کروں
 دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی

بانو کہاں ہیں زوجہ عباس کو بلائیں
 کوچ اب جہاں سے ہو ہیں لڑکے کچھ جائیں
 عباس سے ہر اک کی سفارش کرونگا میں
 بولے قدم پہ جھک کے یہ عباسِ نامدار
 ہل من مبارز کا اُدھر غل ہو بار بار
 آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں
 کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام
 کس کام کا جو آج نہ کام آئے گا غلام
 آخر پسر ہوں شیر الہی کے شیر کا
 خوش ہوئی خاکسار سے روحِ ابو تراب
 زہرا سے بھی حجاب ہو خنجر سے بھی حجاب
 مولا بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤ منگا
 مجھ سے رسولِ پاک خوشی ہونگے یا خفا
 پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا
 انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا ہا
 کی ہو ہمیشہ پہاڑ سے تقریر آپ نے
 بخشی ہو سب میں عزت و توقیر آپ نے
 بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجئے
 مشکل ہو سختی مرے اللہ کیا کروں
 چھٹتا ہو اب برادرِ ذی جاہ کیا کروں
 سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھ دیا قدم شاہ دیں پسر
 اتن کی جان اے سببِ قوتِ جگر
 بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہو
 روتا ہوا جھکا پڑے تسلیم وہ جری
 اک آہ سرزد و جہ عباس نے بھری
 سر سے روا بھی دوش تلک اُکے گر پری
 نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
 جرات نے بڑھ کے بوسہ تیغ و دودم لیے
 خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
 آیا سجا ہوا وہ براقِ سمندر سیر
 ہوتا تھا اُس کے ڈرے غزالوں کا حال غیر
 صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
 وہ زینیں زین کی وہ ساز وہ پھین
 چشم سیاہ دیدہ آہو پہ طعنہ زن
 جاو و تھا مجرہ تھا پری تھا سلم تھا
 رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے
 بخشی جو صدرِ زین کو ضیا خوش جمال نے
 کس ناز سے وہ رشتکِ غزالِ حقن چلا
 خوشبو سے ایض پاکِ یاضِ جہاں بنی
 جلوے سے ماہِ دشتِ بیاہکشاں بنی
 حُکم بدر تھے تو نل بھی چاروں ہلال تھے

بولے گلے لگا کے شمشادِ بحر و بر
 یوں ہی خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
 اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہو
 سب سے مشک و شِ مبارک جہاں ہی
 صدمے سے رنگ نہ دیکھا اور تن میں تھری
 بانو کے پاس خاکِ غیش کھا کے گر پری
 مجرے کو آئی فتح سپاہِ حشم لیے
 نصرت نے چوے ہاتھ فطر نے قدم لیے
 اقبال سر کے گرد ہما بن کے چھ گیا
 تھا خود فلک پہ اڑنے کو طیارِ مثلِ طیر
 الحق سپاہِ شمر کے رو کے تو بخیر
 ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی
 زیور سے جیسے ہوتی ہو آراستہ دولہن
 سرعتِ پھٹی کہ بھولتے تھے چو کڑی ہرن
 پاکھر نہ تھی زرہ میں تہن کا جسم تھا
 نعلینِ پا کو خمر سے چوما ہلال نے
 دم کو چور کیا منہ سے بے مثال نے
 طاعوس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا
 گردِ اُٹ کے غازہ رُخِ یلی و شال بنی
 ذرے بنے نجومِ زمیں آساں بنی
 نقشِ سیمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دہرہ وہ سوط شاہانہ وہ شباب
وہ رعب حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صورت میں سائے طور خد کے ولی کے ہیں
ہونچے جو دشت کیس میں اُڑاتے ہوئے فرس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ راس پیش و پس
رو کے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئیگا
بسے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلے اں
یاں سب ہیں دم و نشام کے جنگ آتے ماچاں
بوڑے نہیں ہیں کچھ جو نگہاں ہیں گھاٹ کے
سنتے ہی یہ جلال میں آیا علی کا لال
یہ مورچے ہیں کیا ہیں جن کا ہو کچھ خیال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
رو کے ہیں نخل کے جو طاقت کسی میں ہو
گرمائے رخت کو جو حرارت کسی میں ہو
دہاتھ میں علی کے پسردار پار ہیں
تم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
مہلت نہ ایک لمحہ جنگ و جدال دیں
منہ دیکھتے ہیں جو نگہاں ہیں گھاٹ کے
سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
جب زن پڑا ہو کر دیئے ہیں زنجیروں کے دھیر
عزیزیت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں

تھرا رہا تھا جس کی جلالیت سے آفتاب
صولت میں فرد و دختر جرات میں انتخاب
شوکت پکارتی ہو کہ بیٹے علی کے ہیں
گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہو ہو
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکر گراں
ہاں آئے تو کھینچ کے تیغ شرر فشاں
سر پھینک ٹینگے نہر میں خنجر سے کاٹ کے
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
اک دم میں چوٹیوں کی طرح ہو گئے پامال
لو مرد ہو تو اب نہ سر کنا ترائی سے
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
آئے جو حرب ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار میں
شیمروں کو ہم ترائی سے باہر نکالیں
پانی تو کیا ہو آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
لیجائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے
دادا شجاع باپ جو انمرو ہم و سیر
لائے ہیں طاب کے آگ سے پانی خد کے شیر
بیرالالم ہیں کو د کے تلواریں ماری ہیں

جرات جلو میں رہتی ہو نصرت کا ہیں
 لکھے ہوئے ہیں شیروں کے حملے کتابیں
 ناصر میں بارگاہِ فلک بارگاہ کے
 بے مشک کے بھرے ہیں آتا ہر چین کب
 اسفر کو گودیوں میں تڑپتے کئی ہر شب
 لائے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
 خبرت کی یہ جگہ کہ ہم اور سوال آب
 اس مشک نے کیا ہیں عقبیٰ میں کامیاب
 شہ سے نشانِ فوج پیہر بھی مل گیا
 یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیرائے
 یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعه گیرائے
 گھوڑا اڑا پیروں کو سواروں کے نوڑ کے
 آمد تھی تیغ کی کہ اہل کا پیام تھا
 بجلی سا ہر جگہ فرس تیز گام تھا
 اس غول پر کبھی تھی کبھی اُس قطار پر
 وہ تیغ کی چاک وہ تڑپا ہوار کی
 شوکت سوار میں شہِ دلدل سوار کی
 چتون وہی غضب وہی نے باکیاں ہی
 توڑا وہ مورچہ یہ صفِ لٹی ادھر پھرے
 یوں خاک پر گر کے لعینوں کے سر پھرے
 تھی تھر کی لنگاہ غضب کا جلال تھا

سر کاٹتے ہیں پیر کے تیغوں کی آبیں
 فصلیں ہیں اپنے زور کی خیمے آبیں
 دفتر الٹ دیئے ہیں عرب کی سپاہ کے
 گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں تشاب
 کیا وقت ہر حسین کے بچوں پہ ہو غضب
 کانٹے مجھ دکھائے تھے سوکھی زبان کے
 سقے بنے ہیں دیکھ کے بچوں کا اضطراب
 اللہ ری آبرو کہ ہشتی ملا خطاب
 طوبی کے ساتھ چشمہ کو تر بھی مل گیا
 نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شیر آئے
 گیتی ملی غضب میں جنابِ امیر آئے
 ہلکی صفوں پر سیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے
 یہ صفِ اخیر تھی وہ سالہ تمام تھا
 شہر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
 پڑتا تھا لیک تیغ کا سایہ ہزار پر
 روف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
 حلوں میں شانِ سب سہ کر دگار کی
 پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی
 تلواروں میں آپ پسینے میں تر پھرے
 جیسے شکار کھیلے ہوئے شیر نہ پھرے
 آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا
 باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک بچا
 اس پر بھی تشنگی میں نہ تسکین فری ہوئی
 بیشک تھان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ
 آئی اہل اٹھا جو کسی نے ادب کا ہاتھ
 بازو پہ آئی تیغ دودم شانہ کاٹ کے
 چلتا تھا مثل برق بھین و سیار ہاتھ
 ان کی نہ ایک چوٹ نہ اُن کے ہزار ہاتھ
 آواز شجاعت میں بگیر و بزن کی بھتی
 نعرہ جدا صدائے بگیر و بدہ جدا
 بکتر حربہ زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
 اللہ رے فرق گرہ دن و سہر بھی ہم نہ تھے
 جس کی طرف نظر دم جنگ جہل پھری
 رہواریوں پھر اکہ اشائے میں کل پھری
 ایسے جری سے کس کو جہاں مصاف بھتی
 چل پھر کے کاٹتی تھی تلوار ہاتھ پاؤں
 سر نہ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
 چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
 نیزے اُدھر قلم تو اُدھر برچھیاں قلم
 ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخوان قلم
 جب سن سے سر پہ آئی کسی بڑھال کے

یاں سے وہاں گئے اسے مارا اُسے لیا
 اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
 گویا تھی اک پیٹ میں اس کے بھری ہوئی
 پہنچا وہاں میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
 شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
 پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے
 ڈر ڈر کے چوڑے تھے فضالت شمار ہاتھ
 کافی تھے سب کو تیغ دوستی کے چار ہاتھ
 اللہ کا کریم تھا مدد پہنچتن کی بھتی
 گوشے کہاں سے دور تھے گوشوں نہ جدا
 نیزوں کو دیکھتے تو گرہ سے گرہ جدا
 کشتوں کا ذکر کیا ہو کہ تیغوں میں نہ تھے
 کچھ مہٹ کے تیغ سے اُسی جانب جہل پھری
 تلوار بھی گلوں کی طرف بر محل پھری
 یوں پھر کے صف کی صف کو ڈکھیا تو صاف بھتی
 ڈر سے بڑھانہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
 چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
 بولی اہل اب اٹھ کے تو پنجوں کھل چلو
 تر کش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشان قلم
 منہ تیغ کا خراب سناں کی زباں قلم
 گویا موم چل گئی پھو لوں پہ ڈھال کے

ظالم ہزار میں تھا جو بیکتا وہ دو ہوا
 ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ سر گرم ہوا
 شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا
 تھا اُس کے ہاتھ سے دل چار آئینہ نگار
 خود اپنے سر ٹپکتے تھے گر گر کے بار بار
 ہوا آج تک زرہ کا کلیجہ چھپنا ہوا
 بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
 کڑیاں زرہ کے پاس نہ دہن سپر کے پاس
 بیسکاں نہ تیر پر تھا نہ سپلہ کمان پر
 تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی نے پناہ تھے
 سب چھاؤنی اُجاڑے محلے تباہ تھے
 گویا غنیم لوٹا پھرتا تھا شہر کو
 اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہو
 اس سر کے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہو
 میں کیا ہوں جبریل کے پر کا نہتے ہیں آج
 یہ صفت سوئے سیار وہ سوئے ہیں ہٹی
 دہشت سے آسمان ہوا اونچا زیں ہٹی
 دریا لہو کا کشتی گردوں پہ چڑھ گیا
 چونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
 کیوں اب یہ نہر کس کی ہو اگر قوم اشتیا
 دیکھو سد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا
 افشاں لہو سے شیر کا دست نکو ہوا
 تھا خانہ سپاہ جہنم مقام کا
 وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصکا
 عاری تھیں ہنڈے تیغوں کے ایسے پڑے تھے در
 پانی وہ زہر تھا کہ سپا اور فنا ہوا
 مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس
 قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ ہنر کے پاس
 نیزے نہ تھے سنال پر نہ پرچم نشان پر
 نہ وہ علم سیاہ نہ وہ روسیہ تھے
 نے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب تھے
 دکھلا دیا تھا خالق اکبر کے قہر کو
 بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہو
 ہر جا یہ تیغ شلہ فشاں سد راہ ہو
 جثات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
 ڈر ڈر کے کھلے پاؤں سپاہ لیں ہٹی
 سہمے جبال نہر کہیں سے کہیں ہٹی
 بھاڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
 اندری جنگ شیر سلیمان کربلا
 پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا
 اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہو وہ بشارت
 کیا ہو گئے ترائی سے وہ سب ہوا پرست
 فوجوں میں کسی نے بھی گھوٹے اڑائے ہیں
 دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
 کس نے بنے سے جو ہر تیغ علی دکھائے
 بس ہم نے گھاٹ چھین لیا شک بھر چکے
 لب تشنہ تین دن سے ہیں ہر فراتیں
 پر زہر ہو بغیر شہر آسمان اساس
 آقا کی تشنگی چبگر چاک چاک ہو
 فرما کے یہ منہ کو ڈالافرات میں
 دریادل ایسا کون ہوا کائنات میں
 سیراب جب تلک شہر بہرہ بہر نہ ہوں
 گمئی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب
 آجاتے تھے قریب عساغر کیف جناب
 عباس! آبرو میں ابھی فرق آئے گا
 دریائے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام
 یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسمان مقام
 موجیں تھیں رودنیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
 چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
 دامن سے لگ کے ہاتھ اُچھٹا تھا دم بدم
 اڑاڑکے برچھپوں جو اترتا تھا کھیت میں

کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کی شکست
 کیوں سر بلند کون ہو اس وقت کون پرست
 دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں
 فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
 اب کچھ الم نہیں اہل آئے کہ جان جائے
 شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے
 چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بھجائیں پیاس
 مرتے ہیں آبرو پہ جو امان حق نشناس
 نے ان کے آبِ خضر بھی ہوئے تو خاک ہو
 گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
 تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایکبات میں
 منتظر رہا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں
 تر پار ہا تھا قلب کو موجوں کا بیچ و تاب
 کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسمان جناب
 پانی پیا تو نام و فساد ڈوب جائے گا
 اُڑی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہ شام
 ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہ تمام
 پر واہ رے حواس کہ ابرو پہل نہ تھا
 کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
 کرتا تھا جا بجا تک و دو اس پنہوش قدم
 گھوڑے کے چاروں پاؤں نہاتے تھے بیتاب

جب مشک کی طرف کوئی آتا تھا سب تیر
چلا رہا تھا شمر جہا پیشہ، و شہریر
رُخ اس جری کا نیمے کی جانب موڑ دو
سُن کر زباں درازی شمر ستم شہار
تلواریں سیکڑوں تھیں ہزاروں تھے نیزہ دار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا و غا کرے
مشہور ہو کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
کھائے ادھر سے زخم جو کی اس طرف نظر
جب دم لیا تو سینے پہ تلو تیر چل گئے
سینہ سپر تھا مشک پہ گئے تھے ڈھال
کتنا تھا ڈنگا کے فرس پر وہ خوشخصال
جا پہونچوں مشک لیکے جو تھوڑی بھی آہ ہو
یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکر کثیر
آکر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
چھوٹی جو باگپاؤں فرس کے بھی ک گئے
اب یاں تو خاتمہ ہو سنو اس طرف کا حال
غم سے کمر جھکی ہوئی رُخ زرد جی نہ ڈھال
گر گر اٹھے ٹپ کے ادھر سے ادھر گئے
فریاد کر کے دل کبھی تھا صاحب گز بھی
گہر کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جانی کے

کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا تیر
جانے نہ پائے تختِ دل شاہِ قلعہ گیر
ہاں بر چھپوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو
عباس مثل شیر بچھٹتے تھے بار بار
توڑی یصف اگر توجہی دوسری قطار
بلوہ ہوساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے
دیر پڑتے اک جواں کے لیے لاکھ لاکھ شہر
کس کس کا وار رو کریں دکھیں کدھر کدھر
سپاہ کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے
لڑنے میں بھی حسین کے بچوں کا تھا خیال
فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو
بس چور ہو گیا پسر شاہِ قلعہ گیر
تیور گیا علی ولی کا مہر
پھیلا کے ہاتھ مشکِ سکینہ پہ جھک گئے
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہو رسولِ خدا کا لال
یہ کرب ہو کہ ہوتا ہی جو وقت انتقال
جب آہ کی تو سینے پہ جانا کہ مر گئے
پکڑی لٹا بخیے کی گہ اور کمر کبھی
روئے پسر کو شہر پر رکھ رکھ کے سر بھی
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار
 کیسا یہ درد ہو کہ جگر کو نہیں قرار
 واحسرتا کہ بیکس ونے یار ہو گئے
 چلاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
 بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
 پیاری تمھاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہو
 حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہ گر بصد لال
 ڈیوڑھی میں اہل ہمت ہیں کھجے کمر کے بال
 لب ان کے آؤ آؤ ہے متھ گورے گورے ہیں
 کہتے ہیں سب لبوں پہ زباں کو کھپ کر
 حضرت سے پوچھتی ہو سیکینہ بچشم تر
 کیا میں سفر کرونگی جہاں سے تب آئینگے
 گھیرے ہیں اُن کو لاکھ سہنگارہائے لائے
 وہ کہتی ہو میں پانی سے گریزی نہ شکائے
 رکھے خدا جہاں میں علی کی نشانی کو
 یہ ذکر تھا کہ فتح کے بابے بکے اُدھر
 چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شہر
 کیا کیا چلی ہیں تیغوں پتینیں لڑائی میں
 افشاں ہو سر کے خون کی چھٹیوں نشان
 نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان
 لاش اُن کی با کمال ہوئی زخم پھٹ گئے

شانے دباؤ ای علی اکبر پر نشانہ
 بازو کا زور لیگئے عباس نامدار
 سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے
 پہنچا ہر دم لبوں پہ آہیں کے دیکھ جاؤ
 عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
 لو تم کو ڈھونڈھنے کو سیکینہ نکلتی ہو
 خچے میں غش ہو زو جعبا خوش خصال
 پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خرد سال
 آنکھوں میں شک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہو
 اب پانی لیکے آنے ہیں عباس نامور
 میرے چچا کب آئیں گے یا شاہ بحر و بر
 بہلاتے ہیں حسین کہ بی بی اب آئینگے
 مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
 ہو ہو بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
 میں کیا کرونگی آگ لگے ایسے پانی کو
 ترپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
 حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نامور
 وہ زخم کھائے شیر پڑا ہو ترائی میں
 عباس کا نہ چلاتے تھے جھکنا تھا جنبان
 کیوں احوال کون اٹھائے گا اب نشان
 جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک یار
تن سے نکل کے آنکھوں میں ان کی ہر جان

بابا کے ساتھ جلد سے تشریف لائی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان

طاقت بدن ہر سبب میں آتا ہوں بھائی جان

دست شکستہ بیٹے کی گرون میں ڈالے ہیں

دیکھا چور سے ہنٹ علی نے پشہ کا حال

چلائی کون قتل ہوا علی کے لال

دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو

خورشید مشرقین زمانے سے اٹھ گیا

وہ عاشق حسین زمانے سے اٹھ گیا

آتا نہیں قرار دل بے قرار کو

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار

ماتم جوان بھائی کا ہر قم پہ میں نثار

گرنے لگیں تو حیدر صفدر کا نام لو

اکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہرے جو لائے

چلائے شاہ لاش کدھر ہی کوئی تپائے

رو لیں گلے لگا کے تن پاش پاش کو

اکبر نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا البصد بکا

لیجے یہی ہر لاشیں عسدار با وفا

ٹوٹی ہوئی کمر ہر سنبھا لو حسین کو

آقا تمام ہوتا ہی یہ عبد جان نثار

اب ہی فقط حضور کے آنے کا انتظار

حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

گھر لٹ گیا ہر خاک اُٹا تا ہوں بھائی جان

اک اک قدم پہ ٹھوکرین آتا ہوں بھائی جان

بھیتا ہمیں تو اکبر مرہ رو سنبھالے ہیں

ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے ہر کھال

مڑ کر کہا حسین نے عباس خوش خصال

زینب اہل نے چھین لیا میرے شیر کو

حیدر کا نور عین زمانے سے اٹھ گیا

زینب ہمارا چین زمانے سے اٹھ گیا

دریا پہ روئے جاتے ہیں تنگنار کو

ہر حسین ہو گئے بے یار و غم گسار

اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار

بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

فلطاں لہو میں بازوئے سرور ہاتھ پائے

فرق آگیا ہماری بصارت میں بابائے

اکبر ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

رکھے چچا کے سینے پہ اور روکے یہ کہا

چلائے جھک کے لاش پہ سلطان کربلا

بھیتا ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عباس ہاتھ کٹ گئے شانوں پر غضب
 لوٹا ہمیں رسول کی امت نے بے سبب
 مرجائے جلاد وہ ہیں منہ سے بول کر
 کیوں خاک پر دھرے ہوئے خساروں میں تر
 لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹا دھر اُدھر
 ہو ہو دلیل مرگ ہو لکنت زبان کی
 غش میں سنی جو گریہ شہید کی صدا
 آہستہ کی یہ عرض کہ اسی سبط مصطفیٰ
 زیبا ہو نکلے جان اگر پیشوائی کو
 یہ کہ کے ہوئے شہ کی طرف کی نظر بغور
 تر پا قدم پہ شہ کے وہ مقتول ظلم و جور
 پھر کے چشم اشک فشاں بند ہو گئی
 قدسوں کو کھینچ کر جو کراہا وہ نیک نام
 آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام
 گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
 ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہو
 اب خست حسین علیہ السلام ہو
 موت آئی تو شریک عزاکون ہوئے گا
 آگے تمہارے مرتے جو عباس با وفا
 تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا
 کچھ شریک ہزم شہ مشرقین کو

رہتی پہ وہ طرف یہ تمہارا لہو ہو سب
 بھیا ہماری جان نکلتی ہر تن سے اب
 دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کھول کر
 آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمہارا سر
 ثابت ہوا کہ جلد ہو دنیا سے اب سفر
 بچکی نہیں یہ جسم سے خست ہو جان کی
 چونکے ترپ کے حضرت عباس با وفا
 اس پیار کے شاہ اس الطاف کے فدا
 گویا رسول آئے ہیں مشکل کشائی کو
 جھک کر بچا رہے شاہ کہ بھیا کو کچھ اور
 لیں بچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور
 تھرائے دونوں ہونٹھ زباں بند ہو گئی
 گودی میں لیکے پاؤں بانے لگے امام
 تھرائی لاش مر گئے عباس تشنہ کام
 سوکھی زبان دانتوں کے نیچے وہی رہی
 تم میں شریک روح رسول امام ہو
 تانچ آٹھویں ہو محرم مسام ہو
 جو سال بھرے گا وہ پھر شہ کو روئے گا
 پر سببانہ دیتے سبط رسول خدا کو کیا
 زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کرو بیا
 دے لو جوان بھائی کا پرہا حسین کو

پٹیو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
 رخصت طلب ہے باپ سے کبریا لالہ فام
 مقتول ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہ
 بس اے امیں رو کے اگلے کی غماں
 آنکھوں سے سین کی بھی ہیں انگلیں رواں
 آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو

لیٹو حضرت پاک سے کہ کہ کے یا امام
 خاموش ہیں سین نہیں کرتے کچھ کلام
 ہوتا ہے بختن کا کوئی دم میں خاتمہ
 یہ غم ہے جاں گزرا نہ کبھی ہو بیگیا بیاں
 خالق سے عرض کر کہ اے خلاق نہ جاں
 دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

سلام

خیال چہرہ شہ وقتِ خواب رہتا ہے
 سلامی ریش میں جب تک خضاب رہتا ہے
 خدا کا قبر نبی کا عتاب رہتا ہے
 ہمارے شیشہ دل کو نہ توڑا گردوں
 جودل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم
 زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی
 کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں
 لگا کے آتشِ قلب جگر کو اشکِ نخل

تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے
 اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے
 عدو علی کا ہمیشہ خراب رہتا ہے
 یہ طرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے
 مزا ہے بیخ چہ جب تک کباب رہتا ہے
 خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے
 سیاقداں سے حساب و کتاب رہتا ہے
 دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بھری ہے کونسی یارب لپٹیں میں آگ
 کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہے

مزید (۱۰)

جب لاشہ قاسم کو علمدار نے دیکھا
 منہ بھائی کا رو کر شبہ ابرار نے دیکھا
 تینوں سے عجب سرو رواں کٹ گیا آقا
 بچین کیا دل کو غم راحت جاں نے
 دنیا سے کیا کوچ عجب سرو رواں نے
 ہم خلق سے پہلے سفر کر گئے افسوس
 پامال ہوا گھوڑوں سے تن وائے مصیبت
 بیوہ ہوئی اک شب کی لہجہ مصیبت
 تازہ تھیں پھر بھائی کا غم ہو گیا آقا
 کیا کیا پوش فوج ستم دیکھ رہے ہیں
 دل کو تہ تشویر و ددم دیکھ رہے ہیں
 دنیا غم نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہو
 یاد آتی ہو بھائی کی وصیت مجھے ہر بار
 فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار
 جو اس پہ بلا آئے وہ رو کیجو بھائی
 تلوار چلی دل پہ بیتجہ کے الم سے
 کچھ بس نہ چلا حکم شہنشاہ الم سے
 قاسم کے عوض تیغ و سناں کھانا سکے ہم

قبضے کی طرف غیظ سے جہار نے دیکھا
 کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا
 واللہ کہ ول ترستے اب ہٹ گیا آقا
 کیا پیاس کی تکلیف سہی غچہ دہاں نے
 لوٹا یہ چمن فصل بہاری میں خزاں نے
 جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مراں ہوئے
 لوٹا گیا شادی کا چمن وائے مصیبت
 نے شمع ہوئی قبر حسن وائے مصیبت
 دو گھر ہوئے برباد ستم ہو گیا آقا
 کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
 یہ ظلم ہو اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں
 کیا جانے مے مرنے میں کیوں دی ہوئی ہو
 قدموں سے دم مرگ جو لپٹا تھا یہ غنوار
 عباس دلا ورمے قاسم سے خبردار
 ہر دکھ میں بھتیجے کی مدد کیجو بھائی
 ٹپکا کیا چہرے پہ لبو دیدہ نم سے
 دیکھا کیسے کیا خوب جفا ظنت اتنی ہم سے
 پامال بھتیجا ہوا اور جان سکے ہم

والہد کہ قائم کی بھی تقدیر تھی کیا خوب
 سر سبز ہوا سیبِ مسموم کا محبوب
 منہ زینبِ ناشاد کو دکھلا نہیں سکتے
 بگھے شہر والا یہ کنایہ یہ اشارا
 ہم نے بھی تو صدمے سے اور دم نہیں مارا
 یوں خلق میں تاراج نہ ہو بلاغ کسی کا
 سچ ہے کہ ہر صبر کیا تم نے مری جاں
 سرتن سے جو اترے تو ہو شکل مری آساں
 بھائی کی خوشی خلق میں سبکتے ہیں بھائی
 بیتاب ہر دل پیار کریں ہم تمہیں آؤ
 خوش ہو کے رضا دو ہمیں آنسو نہ بہاؤ
 داغ غمِ فرزندِ جواں سہ نہ سکیں گے
 تھر گئے عباسِ علیٰ سن کے یہ تقریر
 آقا کے نصیحت سے ملی ہو مجھے تو قیر
 بخشش تو کریں ہی کا دستور ہی آقا
 سر دہنے کو موجود ہوں اس کل کے مددگار
 حضرت نے کہا واہ مرے مونس و غمخوار
 آنکھیں نہ چراؤ کہ بگر بندِ علی ہو
 عباس نے کی عرض کہ شرمندہ نہ کیجے
 بارے گئے خویش و رفقا بھائی بھتیجے
 مشہور ہے جہادِ غلام آپ کا سب میں

سامان وہی ہو گیا جو تھا انہیں مطلوب
 اک ہم ہیں کہ بہنوں سے نکل بھائی سے محبوب
 بھاوج کے بھی پُرسے کے لیے جا نہیں سکتے
 رو کر کہا کیا خواہشِ تقدیر سے چارا
 گودی کے لیے مر گئے گھر لٹ گیا سارا
 اب ہم کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا
 بھائی میں ترے ضبط کے اور صبر کے قرباں
 اب آخری وقت اور یہ ہم پر کرواحساں
 ہم تم سے رضائیں کی طلب کرتے ہیں بھائی
 سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ غصے سے چباؤ
 فرزند کے صدمے سے برادر کو بچاؤ
 اکبر بھی پھر اس امر میں کچھ کہ نہ سکیں گے
 کی عرض کیلئے پھرے چل گئی شمشیر
 کیا آپ یہ فرماتے ہیں یا حضرت شہید
 میں آپ کو کچھ دوں مرا مقدور ہی آقا
 جانینے میں صرف ہے نہ محبت ہے نہ کلمہ
 تم دیتے ہو کچھ ہم ہیں کسی شے کے طلبکار
 دوزخ کی اجازت تو میں جانوں کہ تھی ہو
 امداد کا ہے وقت خبر بھائی کی بیجے
 میں پاؤں پہ گرتا ہوں اجازت مجھے دیجے
 عزت نہیں رہنے کی شجاعانِ عرب میں

گر آج نہ صدقے ہوا یہ عبد و فادار
 پھر پیار سے دیکھیں گے مجھے حیدر کمار
 ان قدموں کو چھوڑا ہی کبھی یاد تو کیجے
 شے نے کہا چل جائے گا جب حلق پہ خنجر
 کفایت زہرا کی ردا میں تن لے سر
 بکھا ہوا مونس شہنشاہِ زمیں کو
 عباس نے کی عرض بجا ہوا ہر ارشاد
 حضرت کی تو گردن پہ چلے خنجر فواد
 غارت کی خوشی لشکر نے پیر میں دیکھیں
 یہ کہتے ہی عباس پر رقت ہوئی طاری
 گھر لے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہوزاری
 آزدہ نہ ہو منہ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
 یہ کہ کے سوئے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ
 خضہ نے کہا زینب دلیگر سے ناگاہ
 ہر ریش بھی تراشکوں سے خیر بھی ہم
 زینب نے کہا خیر کے خالق اکبر
 خضہ نے کہا پیچھے ہیں عباس دلاور
 روتا نہیں بے وجہ جگر بند نبی کا
 یسن کے اڑا رنگِ رخِ آلِ پیہر
 یوں کہنے لگی زوجہ عباس دلاور
 بولیں کہ یونہی حال مرا غیر ہی بی بی

فرما نکلے کیا حق میں مرے احمد مختار
 خدو منہ کو نین خوشی ہو نگی کہ بزار
 بعد آپ کے ہم کیا کریں ارشاد تو کیجے
 مقتل سے اٹھا نامرے لاشے کو برادر
 رکھو تمہیں ہاتھوں سے ہمیں قبر کے اندر
 پُرسا مرا دینا مری ناشاد بہن کو
 قابل اسی خدمت کے ہر یہ بندہ ناشاد
 ہم بیٹھ کے خیمے میں سنیں راندوں کی فریاد
 عابد کا گلا طوق گلو گیسر میں دیکھیں
 اشک آنکھوں سے برے صفتا ہر ہاری
 اچھا دہی ہووے گا جو خنی ہی تمھاری
 تم جس میں خوشی خیر میں داغ نہیں گے
 عباس بھی تھے قبلہ کو نین کے ہمراہ
 میدان سے آئے ہیں ادھر سیدِ دیباہ
 رومال ہر آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہو
 ہر اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
 فرمایا میں سمجھی سب گریہ سرور
 سامان یہ ہر خصیتِ عباس علی کا
 بانو علی اکبر کے لیے ہو گئی مضطر
 کیوں خیر تو ہو کیا ہوا ای شاہ کی خواہر
 کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہی بی

۱۹۶
کہ کے چلی جاؤں شاہ کی ہمشیر

دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ پاندھی تصویر

اک ہاتھ کے لیں سبط ہمشیر کی بلایں

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا

فرمانے لگے روکے شراب و بطحا

بیروٹے ہیں نوجوان نہیں سمجھاتے ہیں بھینا

چوں کا نہ سدھ ہو نہ روئے کامے غم

بکھاؤ نہیں کچھ انہیں اور ثانی مریم

یغیٹ ہیں رکتے نہیں روکے کسی کے

ہستے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا

ہر در پر آزار و جفا لشکر اعدا

حجت انہیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہو

دے سب کو خدا خلق میں اس طرح کا بھائی

غصہ ہوا انہیں یہ کہ اجازت نہیں پائی

تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی

ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادر غمخوار

ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبکار

جو ہوتا ہوا ارشاد بجا لاتے ہیں عباس

حضرت نے اشارہ کیا تم بھائی کو سمجھاؤ

لیجاکے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رواؤ

تم پاس نہ ہو گے تو کہہ رہا میں گئے شہیر

داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرت شہیر

کس شوق سے آئی وہ قریب شہ دگھیر

اک ہاتھ سے عباس دلاور کی بلایں

جوڑی یہ سلامت ہے اور خالق یکتا

بس آج تک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا

بھائی تو ہیں چھوڑے چلے جاتے ہیں بھینا

ٹل جائے رضا رن کی تقاضا ہر چہ ہرم

مر جائے گا عباس تو جینے کے نہیں ہم

کہتے ہیں چلا جاؤ نگار و نئے پہ علی کے

بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا

اس وقت میں عباس تھیں چھوڑے گئے تنہا

ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہو

جرار و فادار مددگار فدائی

کیا سہل ہوا غمش کے پالے کی جدائی

رضت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دوں گی

پالا ہوا انہیں گو دیں کیا میں نہیں مختار

میں ان سے نہ بگڑوں کریں جانے میں کمار

کیوں آپ ہیں بیتا کہاں جاتے ہیں عباس

زینب نے کہا او میں قربان گئی آؤ

تم کو سیر زینب کی قسم ہو جو کہیں جاؤ

ہتھیار تو کھولو نہیں مرجائیں گے شہیر

عباس نے رو کر کہا اسی ثانی نہرا
 سردینے کو میداں میں چلے تھے شہ والا
 مرجانے سے میرے کوئی برباد نہ ہو گا
 خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا
 نہ دین میں تو قیر نہ دنیا میں ٹھکانا
 جہاروں کے سر جسم پر محسن کے لیے ہیں
 آگے مے گرتل ہوئے حضرت شہ شیر
 حضرت کا تو کیا ذکر ہو اسی خواہر دلگیر
 اس گھر کی غلامی مجھے منظور نظر ہو
 رو کو نہ سنجھے سید ابرار کا صدقہ
 کچھ سچی کرو حیدر کرار کا صدقہ
 میداں میں بڑی نے ادبی کرتے ہیں اعدا
 کچھ سوچ کے زینب نے کہا ہاے مقدر
 یاں انگاہ اصرار ہو والے روتے ہیں سرور
 سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہ زمین نے
 یہ کہ کے گئی شہ کے قریں زینب نے پر
 حضرت نے اشارہ کیا کیوں کیا ہو تھوہر
 منظور ہو صدقے ہوں شہنشاہ امم پر
 روتے ہیں کہ غم پیوں میں ابے تاہوں مجب
 خیر اب وہی کیجے کہ جو کچھ ان کو مطلوب
 تنہائی کا کچھ غم نہیں رہنی برضا ہیں

مرجانے میں عزت ہو نہ جاؤں تو کروں کیا
 رکتے نہ جو میں بانوں پہ آقا کے نہ گرتا
 شہ شیر نہ ہونگے تو گھر آباد نہ ہو گا
 فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھ کو زمانا
 جانا مرا بہتر ہو کہ شہ شیر کا جانا
 اچھا جھپٹیں پالا ہو وہ کس دن کے لیے ہیں
 صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی شہ شیر
 مرجاؤں میں اکبر پر جو تو لے کوئی شہ شیر
 وہ بھی مرا آقا ہو کہ آقا کا پسر ہو
 سردینے دو کو بین کے سردار کا صدقہ
 دلاؤ اور رضا احمد خاں کا صدقہ
 اکبر سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا
 دلاؤں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
 جینے کے نہیں جہر سے رضی بھی ہے گر
 فرمائیے گے کھو یا مرے بھائی کو بہن نے
 عباس بھی ہمراہ تھے ٹھوڑے مے سے سر
 کی عرض نہیں مانتے عباس دلاؤر
 سمجھاتی ہوں جب میں تھی یہ گرتے ہیں قہم پر
 معلوم ہوا یہ نہ رکیں گے کسی اہلوب
 حضرت نے کہا رو کے بہت غم بہت غم
 بندے کے تو سب مر محول بخدا ہیں

فرما کے یہ ارشاد کیا اُدُ برادر
 زخم و تیر و تیرو سناں کھاؤ برادر
 ششاق ہو جس کے گھیس وہ بلغ مبارک
 عباس گرے پاؤں پہ گردن کو جھکا کر
 بالوں نے کما غش سے سکیںہ کو جگا کر
 اس طرح جو شاہ شہدا روتے ہیں بی بی
 یہ سنتے ہی گھبر کے چلی جلد وہ بے آس
 زینب نے کہا آئی ہو لو عاشق عباس
 بہتے تھے جو آنسو خلف شیر خدا کے
 عباس نے رو کر کہا کیا چاہیے جانی
 عباس نے فرمایا بصد اشک فشانہ
 لوگو دے اُتر تو اب ہم جائیں سکیںہ
 یہ سنتے ہی اُس پاسبی میں اک جان سیئی
 ہوں کہنے لگی رو کے وہ شپیر کی جانی
 جلد اُدُ نگا دریا سے یہ فرما کے سدھارو
 عباس نے کی عرض کہ دریا نہیں کچھ دور
 اور آگے مری جان جو اللہ کو منظور
 تقدیر سے کیا زور ہو سقا حرم کا
 بابا سے یہ کہنے لگی وہ حور شامل
 ہر چند کہ نے اب مری زیست ہو مشکل
 حضرت نہیں حضرت عباس کی باتیں

شپیر کی چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
 لوداغ جوانی ہمیں دکھلاؤ برادر
 شپیر کے سینے کے لیے دلاغ مبارک
 رونے لگے شہ بھائی کو چھاتی سے لگا کر
 صدقے گئی دیکھ آؤ چچا جان کو جا کر
 سرور سے علمدار جدا ہوتے ہیں بی بی
 اودے ہو جاتے تھے لب لعل یغی پاسبی
 عباس نے گودی میں لیا آکے بصدایں
 سیکھے ہوئے لب ملنے لگی منہ سے چپا کے
 شہرما کے سکیںہ نے یہ کی عرض کہ پانی
 اللہ بھجائے گا تری تشنہ دہانی
 لے آؤ کوئی مشک تو بھر لائیں سکیںہ
 فقہ گئی اور دوڑ کے مشکیزے کو لائی
 میں رن میں چلی آؤں گی گردہ لگائی
 جاتے ہو تو آنے کی قسم کھا کے سدھارو
 مشکیزہ بھرا اور پھرے خرم و سرور
 مانع ہوئی آنے میں اگر موت تو مجبور
 وعدہ کریں کیونکہ کہ بھروسا نہیں دم کا
 کیوں مشک انھیں دین کہ نہ دوں انوشہ عادل
 صدقے گئی سینے میں ٹھرتا ہو مرادل
 ماتم کی خبر دیتی ہیں یہ یاس کی باتیں

بیٹی کی طرف دیکھ کے بولے شہر ذی جاہ
 پانی کی تو ہوتی ہے بہشتی کو بڑی چاہ
 کام ان کا تو ہے کوشش و تدبیر سیکھنے
 یسین کے سکینے نے جو دی مشک بصد غم
 سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلہ عالم
 یوں نیچے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
 بھرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
 ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
 جو ماحظ و مستح نے دامنِ علم کو
 جرات کو یہ تھا فخر کہ ہمراہ ہوں میں بھی
 صولت یہ بھاری کہ فلک جاہ ہوں میں بھی
 کتنا تھا حشم و جد ہو یہ حال مرا
 استادہ ہوا در پہ جو وہ رکنِ معظم
 تھا متصل برجِ شرفِ نیرِ اعظم
 گردوں پہ مدد مہر بھی چکر میں تھے تھے
 اسواری غنچہ امامِ زمین آئی
 جب گرد اٹھی بولے گلِ یاسمن آئی
 آمد در دولت پہ ہوئی کبک درسی کی
 گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسِ فلک جاہ
 جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
 اس سچ کا جواں غریبے تا مشرق نہیں ہے

تم پیاسی ہو کس طرح تمہیں من کر دوں آہ
 دو مشک انہیں خیر جو کچھ مرصی اللہ
 آگے تری قسمت تری تفتدیر سیکھنے
 آہستہ کما غنہ بن سے کہ موئے ہم
 عباس چلے گھر سے بپا ہو گیا ما تم
 گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا
 قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
 غیظ و غضب و قہر و تہور بہم آئے
 اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت سے قائم کو
 ہمت کا سخن تھا کہ ہوا خواہ ہوں میں بھی
 شوکت نے کہا خادم درگاہ ہوں میں بھی
 عزت نے کہا اوج پہ اقبال مرا ہے
 دونی در دولت کی بزرگی ہوئی اُس دم
 عالم کو نظر آنے لگا نور کا عالم
 گویا کہ علی عرش کے پہلو میں کھڑے تھے
 یا با و صبا ناز سے سوئے چمن آئی
 گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زبورِ مہن آئی
 مرغانِ ہوا بھول گئے چالِ پری کی
 روحِ اسد اللہ چلی شیر کے ہمراہ
 آتا ہے بڑا شیر دلا در سوئے جنگاہ
 حیدر میں اور اس میں سرِ موزق نہیں ہے

داؤدی زہر ہو اسی اندازے میں
 غصہ وہی چٹون میں وہی رعب نظر میں
 جس دم یہ چڑھا گھوڑے پیش گئے شہر
 جاموں یہ کتنا تھا کہ صفدر نظر آیا
 پھرا ہوا مقتل میں غضنفر نظر آیا
 گردوں پہ ہوا غل کہ یہ قدرت ہر خدا کی
 غازی کی وہ شوکت و شکوہ علم نور
 پر چم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے سحر و
 دکھلاتا تھا سہ سبزی اسلاک پھر ہرا
 زہر زہر تھا پنچہ تو یہ کتنے تھے خرد مند
 تھی اُس کی ضیا اُنہ مہر سے وہ چند
 سب فتح ملک کی نظر اس سے لڑی تھی
 اللہ سے اوج علم لشکر شاہی
 پنچہ جو ہلا پھیل گیا نور الہی
 سبزی حسن سرخی رنگ شہ دیں تھی
 مل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
 قبال و جلال و شہم ایسا نہیں دیکھا
 طوبی ہو تو ایسا مہ کا مل ہو تو ایسا
 گاہ بڑھے حضرت عباسِ فلک جاہ
 شعار رجز تھے کہ چلی سیف ید اللہ
 دم بند تھے دہشت سے فیضانِ جہاں کے

ہتھیار اسی شان سے باندھے ہیں کہ میں
 برپا تھی قیامت شہ زدی جاہ کے گھر میں
 ہم کو تو یقین ہو گیا تھا مر گئے شہ پیر
 جرار و قادر دلاور نظر آیا
 سب فوج کو تو یہ رُخ حیدر نظر آیا
 دی خاک کے ذروں نے صہل علی کی
 کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
 ہم پنچہ ہو پنچے سے یہ کیا مہر کا مقدور
 تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھر ہرا
 یہ ہاتھ سخی کا ہی نہ ہو دیکھا کبھی بند
 کرتا تھا ستاروں کو فلکِ فخر سے پند
 اوڑھے ہوئے ایک سبز دھو رکھری تھی
 تھا زبرنگیں ماہ سے تا مسکن ماہی
 دامن جو کھلا رنگ میں ہو گیا کاہی
 سونے کا فلک تھا تو زمرہ دکنی میں تھی
 زہر زہر ہی پنچہ کرم ایسا نہیں دیکھا
 سرداروں میں ثابت قائم ایسا نہیں دیکھا
 ایسے علم نور کا حال ہو تو ایسا
 ذروں میں چلا مہر ستاروں میں چلا ماہ
 ہٹنے لگے ڈر ڈر کے صفِ جنگ سے واہ
 کہتی تھی فصاحت کہ نثار اس کنی باں کے

نعرہ تھا کہ میں شیرستانِ علی ہوں
 پروانہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہوں
 گھر ہو وہ ملک بیچ شرف کہتے ہیں جس کو
 پڑھ کر یہ رجزِ بیان سے لی تیغ جری نے
 رہوار پہ اسپند کیا کیا کیبِ درمی نے
 اڑ کر گیب اور بھر کے طرادہ نکل آیا
 گھوڑے کو اُدھر سے جو پلٹ کر اُدھر آئے
 گویا کہ علی لشکرِ بیجا میں در آئے
 تلوار کی بجلی جو گری کوند کے رن میں
 اُس صف سے جھپٹ کر صفِ ثانی چب آئے
 نل پڑ گیا بھاگو کہ امیرِ عرب آئے
 جھونکا جو چلا صرصرِ شمشیر کا سن سے
 میدان سے کیا ڈر کے سلامت نے کنار
 خود امن نے گھبرا کے اماں کو یہ پکارا
 پھر وقت نکل جائے گا اصلاً نہ ملے گا
 شمشیرِ عمار کی تیزی کا بیاں ہو
 ڈھالوں کو تھجتی تھی وہ بجلی کہ دھواں ہو
 کیا قبضے سے اُن بتی جہاں سیر کے نکلے
 بجلی کی طرح ڈوب کے جوشن سے نکل جائے
 اسوار کا کیا ذکر ہو تو سن سے نکل جائے
 جب تک کہ کسا دکھی جھکتے نہیں دیکھا

جزار ہوں صغیر ہوں شجاعِ اذلی ہوں
 میں جوشنِ بازوئے ولی بن ولی ہوں
 بیشہ ہو وہ اپنا کہ بخت کہتے ہیں جس کو
 جلوہ کیا پردے سے نکلتے ہی پری نے
 بوسہ دیا قدموں پر نسیمِ سحری نے
 تلواروں کے چنگل سے چکارہ نکل آیا
 یوں آئے کہ رو با ہوں پہ جوشنِ شیر نر آئے
 سر خاک پہ گرتے ہوئے سیمِ نظر آئے
 آخر صفِ اول ہوئی اک چشمِ زدن میں
 معلوم ہوا شیر کے پنجہ میں سب آئے
 کیا ہو سکے جنتِ ق پر برقِ غضب آئے
 ڈھالیں تو اٹھی رہ گئیں سر اُٹکے تن سے
 راحت نے کہا غیرِ فرار اینیں چارا
 لشکر سے چلو اینیں یاں کام ہمارا
 لاشوں کے ہوئے ڈھیر تو رستمانہ ملے گا
 بتی ہیں دو پارا کہ قلمِ سیفِ باں ہو
 چار اُٹنے کیا یہ مہ نو ہو وہ کتاں ہو
 فولاد کا دریا ہو تو وہ پیر کے نکلے
 چار اُٹنے کیا قلعہ آہن سے نکل جائے
 سنان ہو وہ راہِ جدِ ہرن سے نکل جائے
 اسیل رُکے پر اُسے رکتے نہیں دیکھا

خاک اُڑ گئی اُس صفت کی جہدِ صر سے چلی وہ
اسوار کا گرنا تھا کہ تو سن سے چلی وہ

تھی ریت میں جب تو سن چلاک سے نکلی
آفت تھی قیامت تھی چھلا وہ تھی بلا تھی

روکے کوئی کیا باڑھ نہ تھی سیلِ فنا تھی
بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے

کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغِ زن کس کا
تارِ کینے میں اور وہ تاباں بدن اُس کا

ہو صاحبِ جوہر کا محلِ چرخِ بریں پر
غل تھا یہ کسی تیغ میں چم خم نہیں دیکھا

لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہیں دیکھا
پھر کیا ہو جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہو

دشمن کو ہوا لگ گئی اُس کی جو قصارا
گھاٹ اُس کا نہ تھا بحرِ فنا کا تھا کستارا

درباب بھی تلاطم میں رہا کاٹ سے اُس کے
وہ برق ہو جو خرمنِ ہستی کو جلا دے

وہ شعلہ ہو جو تیغِ دو دستی کو جلا دے
ہو دور سے برچھی تو برابر سے چھری ہو

ایک آفتِ نولشکرِ سفاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی

ہر صفت کا یہ احوال تھا اُس تیغِ دو دم سے

خود و سرِ رو کاٹ کے جوشن سے چلی وہ
دو کر کے زیرِ مینہ دشمن سے چلی وہ

کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی
بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی تھناتی

پیشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
تابِ س کی نہ تھی مانگ نکالی تھی پس نے

قامت میں کبھی چالِ یوں انکپن اُس کا
چلتی تھی سمروں پہ یہ نیا تھا چلن اُس کا

رکھا ہو یہ فونے کبھی پاؤں زمیں پر
بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا

ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
اس تیغ کے کاٹے میں کہیں لہ نہیں ہو

بٹھا وہ کہ شہپر ملک الموت نے مارا
نے تن سے سر اُترے ہوئے شکل تھا اتارا

ابھری نہ کوئی کشتی تن گھاٹ سے اُس کے
وہ آگ ہو جو شام کی بستی کو جلا دے

چمکے جو بلند سی پہ تو بستی کو جلا دے
سچ کہتے ہیں تلوار کی بھی تیغِ بری ہو

جس صفت پہ گری تیغ وہ صفتِ خاکِ آئی
دو ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی

جس طرح کوئی کاٹے سطرول کو قلم سے

سالم صنف ہیجائیں کسی سر کو نہ چھوڑا
 جشن کو کمر بندہ کو بکتر کو نہ چھوڑا
 لہے کو چبانے کی صدا بھاگئی اُس کو
 رٹا ہوا سپو بچا لب وریا جو وہ جوار
 کہنی سے ٹپکتا تھا ابو خاک پہ ہر بار
 دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
 گویا س سے تڑپا دل عباس خوش اطوار
 اُس وقت میں رہوار بھی تہتے تھے وفادار
 سمجھا کہ نجل ہو نگاہت پیاس بچیا کے
 ڈھیلی کی لگام اُس کی کئی بار یہ کہ کر
 کی عرض کہ احوالِ دل ساقی کو تر
 پانی پیے کس طرح علدار کا گھوڑا
 یُن کے علدار کی آنکھیں ہوئیں پُر خم
 منہ باندھ کے تسمے سے کھا دوش چسپ دم
 تو مشک کا حافظ ہو نگہاں ہو علم کا
 کیا قہر کا دریا تھا جسے جھیل کے آیا
 ہر چند کہ دور وز سے قطرہ نہیں پایا
 صابر ہوں کہ آغوش میں صابر کی پلا ہوں
 یہ کہ کے چلے نہر سے عباسِ فلک جاہ
 پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
 رستہ نہ ملے گا تو کہ ہر جائیں گے عباس

سر کیا ہو کہ شے دو کیے پیکر کو نہ چھوڑا
 چار آنہ کو ڈھال کو مختار کو نہ چھوڑا
 جس چنیر پہ منہ ڈال دیا کھا گئی اس کو
 تھا دستِ مبارک میں علم ہاتھ میں تلوار
 چھٹرا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں ہوار
 تر ہو گئی چھینٹوں سے زخمِ جہی کی
 بھولے نہ مگر تشنگی سید ابرار
 پانی سے اٹھائے رہا منہ اپنا وہ رہوار
 ہمت سے کہتے ہیں یہ معنی ہیں فلک
 تو پی لے کہ پھر پانی نہ ہو دے گا تیر
 دور وز سے ہر تشنہ جگر آلِ پیہر
 پیاس ہو ابھی سید ابرار کا گھوڑا
 سیراب کیا مشکِ سکینہ کو بصد غم
 کی عرض مدد کیجوا حافظِ عالم
 یارب میں بہشتی ہوں پیہر کے حرم کا
 لاکھوں سے لڑا اور کوئی زخم نہ کھایا
 پر نہر کے پانی کو میں بے تک نہیں لایا
 جس حال سے آیا تھا اُسی طرح چلا ہوں
 جاری تھا نیاں پر کہ تو کلفت علی الشد
 غل تھا کہ بہادر کو بکھنے کی نہ دو راہ
 خود ڈوب کے اس نہر میں مرجائے عباس

ساحل پہ ہونی قتلِ عمار کی تدبیر
 تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر
 یہ حال تھا ضیغم دم جنگ آتا ہر جیسے
 لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا
 سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا
 درست کسی رو باہ نے ضیغم کو نہ روکا
 یوں جاتے ہیں نہر سے یوں آتے ہیں غازی
 زخم تیر و تیر سناں کھاتے ہیں غازی
 رکتے نہیں یوں حکم خدا رو کے تو رو کے
 یہ کہ کے ترائی سے بڑھا شیر دلاور
 غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشق داور
 سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا چیخ پڑے گا
 ڈولا لکھ کے حلقے نے عمار کو گھیرا
 جو بھاگے تھے اُن لوگوں نے بھی لوگوں کو پھیلر
 تلوار سے تیروں کو قلم کرتے تھے عباس
 لکھا ہے کہ اک تھا بن ورقہ ستم آرا
 نے دست ہوا حیدر کرار کا سپا را
 دیکھو تو ذرا جرأت سقائے حرم کو
 جس وقت گرا خاک چھبک علم شاہ
 اس دوش پہ بھی تیغ چلی پشت ناگاہ
 تیروں کی جو بوجھار ہوئی چھن گئے عباس

ترکش کے دہن کھل گئے چلوں سے ملے تیر
 عباس بڑھے آتے تھے تو لے ہوئے شیر
 یوں آتے تھے ساحل پہ ہنگ آتا ہر جیسے
 بادل کو ہٹا کر میر انور نکل آیا
 دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
 تلوار اٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا
 لاکھوں ہوں تو ہوں جہان میں کب کا غازی
 جب بات چاتے ہیں مجھ سے ہیں غازی
 کیا رو کو گے تم ہاں جو قضا رو کے تو رو کے
 پستی سے نمایاں ہوا گو باشر خاور
 لو جاتا ہر دریائے شجاعت کا شناور
 پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا
 وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گردانہ میرا
 یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہر میرا
 پڑھ پڑھ کے دعا مشکت دم کرتے تھے عباس
 تیغ اُس کی لگی دوش مبارک قضا را
 احمہ کا نشان خون میں تر ہو گیا سارا
 تا دیر کٹے پانچ سے چھوڑا نہ علم کو
 کس پاس سے عباس عمار نے کی آہ
 دونوں نہر ہے دست جگر بندید اللہ
 بازو جو کٹے سرور وال بن گئے عباس

یاں کی تو یہ صورت تھی سُنو حال اُدھر کا
 عرباں ہی سرفاطمہ زہرا کے پسر کا
 بیہات کٹے ہاتھ شجاع ازلی کے
 مُجح حرم شاہ کا ہو نیچے کے در پر
 تھڑا رہی ہو زو بہ عباس دلاور
 مائیں جو تڑپتی ہیں جی کھوتے ہیں نیچے
 غش ہو کوئی سامان عزا کرتی ہو کوئی
 تسبیح لیئے ذکر خدا کرتی ہو کوئی
 دُکھ پہنچے نہ کچھ بازوئے شاہ شہدا کو
 زینب کا پتشتہ ہو کہ چادر نہیں سر پر
 چھائی ہو اُو اسی شہِ مظلوم کے گھر پر
 صدمہ یہ ہو کچھ کہ نہیں سکتی ہو سکیں
 کہتی ہو کبھی نہ تھے سے ہاتھوں کو وہ لک
 اب منہ نہیں دکھلائے گی بابا کو یہ دختر
 پھر گھر میں نہ اس چاند سی تصویر کو دیکھا
 میں کس سے کہوں کون ہو جو نہر پہ جاے
 کس کام کا پانی ہو جو وہ پھر کے نہائے
 کدے کوئی دنیا سے سفر کر گئی وہ تو
 یہ ذکر تھا جو شور اٹھا فوج سے یک بار
 اب پائیں گے شیر کہاں ایسا دگا
 کم ہو گیا نور آج امام ازلی کا

سب گھرتہ و بالا ہو شہ جن و بشر کا
 فرماتے ہیں لو ٹوٹ گیا بند کمر کا
 کانوں میں صدا آتی ہو رونے کی علی کے
 سیدائیاں سب بیٹھتی ہیں کھولے ہتھ
 فرزند تو ہو گود میں سر پر نہیں چادر
 منہ دیکھتے ہیں اُٹھوں کا اور روتے ہیں نیچے
 ششہ کوئی بی بی ہو جا کرتی ہو کوئی
 ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرتی ہو کوئی
 یارب تو بچا لیجو سکیں کے بچا کو
 گنہ گنہ میں آتی ہیں کبھی جاتی ہیں دہر پر
 چلتی ہو چھری پائیں کی بچوں کے جگر پر
 ایک ایک کا منہ پیاس سے تکتی ہو سکیں
 کیوں مشک چچا جان کو دی وائے مقد
 میرے لینے مجروح ہوا ان کا برادر
 کیوں بی بیو تم نے مری تقدیر کو دیکھا
 رند چچا کو کوئی میدان سے بلائے
 جان آئے بدن میں جو سکیں انھیں بلائے
 اب پانی پہ کیوں لڑتے ہو تم مر گئی وہ تو
 بو خاک پہ گھوڑے سے گرا شہ کا علمدار
 مارا سے کیا قتل ہوئے حیدر کراہ
 کشتا ہو گلا حضرت عباس علی کا

اس شور کے ساتھ آئی صدا طبل ظفر کی
اٹھے شہر میں دیکھ کے صورت کو پیر کی
سیدانیاں نے لگیں فریاد خدا سے
میدان میں عجیب حال سے پہنچے شہ ذی جاہ
فاقہ تو کئی روز کا اور صدمہ جا سکا ہ
خود صبر کے ہاتھوں سے مکر تھا مے ہوئے ہیں
گہرا کے یہ کہتے تھے پیر سے شہ ابرار
اللہ بہت دور گرے یاں سے علمدار
تلوار علم کرنے دو اب پاس کہاں کا
اکبر نے کہا روکے ہی تو ہی ترائی
عباس نے آواز خوں اپنی سُنائی
بازو ہی جدا بہر سلام اٹھ نہیں سکتا
نپتیر بکا کے ترے قربان برادر
ساونت برادر مرے ذی شان برادر
کیا ہو گیا طفلی کا وہ اقرار تمہارا
پانی کے لئے واہ مگر بھائی کی توڑی
جنت کی طرف یاں سے لگام اپنے ٹوڑی
پہلو سے برادر کے نہ ہٹتے تو مڑا تھا
یہ کہتے تھے جواشہ پر خوں نظر آیا
شانوں سے رواں خون کا جیوں نظر آیا
دم توڑتے تھے شیر سے لپٹے ہوئے ہیں

فصہ نے ادھر دوڑ کے زینب کو خبر کی
پرسو جھتی تھی راہ ادھر کی نہ ادھر کی
ہلتا تھا کلس عیمے کا ہر ہو کی صدا سے
اشک آنکھوں میں اور ہاتھ میں شمشیر پلاشتہ
نہ پاؤں میں طاقت تھی نہ کچھ جھتی تھی راہ
ہم شکل نبی دستِ پدر تھا مے ہوئے ہیں
دریا کی ترائی ہو کدھر اے مرے غنوار
غل کیسا ہو کیا لاش کو گھیرے ہیں تمکار
سر کاٹنے کوئی مے شیر جواں کا
نپتیر بکا کے مے بھائی مرے بھائی
گہراؤ نہ مولا ابھی زندہ ہو فدائی
تن چور ہو ایسا کہ غلام اٹھ نہیں سکتا
طاقت مری پیری کے مری جان برادر
دنیا میں کوئی دم کے ہو مہمان برادر
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لیا پیار تمہارا
پیاسوں کا دیا ساتھ رفاقت مری ٹوڑی
اٹھنا ترا دنیا سے مصیبت نہیں ٹھوڑی
اگر دونوں گلے ساتھ ہی کٹتے تو مڑا تھا
تلواروں سے کٹے قد مونوں نظر آیا
رنگ گل خسارہ دگرگوں نظر آیا
تیروں سے چھدی مشک کا شہم تھا ہن ہیں

شاہ شہدا لاکھ علمدار سے لپٹے
غبار سے عاشق سے مددگار سے لپٹے

یہ جوش تھا رفت کا شہ جن و بستر کو
چلاتے تھے اُدھائی کی پیری کے سہارے
ای باپ کے محبوب پیر بھائی کے پیارے
تھا میری ضیفی کا عصا ہاتھ تھا رارا

جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہو وہ بھائی
تھی یاد حسن کی تری الفت نے بھائی
بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی

یُن کے علمدار کے آنسو ہوئے جاری
سوکھی تھی زباں تن کی لگیں تھیں ساری
بو سے قدم شاہ پہ دینے لگے عباس
کیا دم کے نکلنے کا بھی ہو صدمہ جاننا
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ
روتے رہے شاہ شہدا مر گیا بھائی

غاموش اُمیں اب کہ تڑپتا ہو دل زار
اس جنس کا گو آج نہیں کوئی خریدار
افسردہ نہ ہو غنچہ امید کھلے گا

کس شوق سے کس یاس سے کس پیار سے لپٹے
زخمی سے مسافر سے وفادار سے لپٹے
جس طرح کہ روتا ہو کوئی باپ بہنو

ای شیر جواں یار و فدا دار ہمارے
اب خلق سے جینے کے لئے اُٹھ گئے ہمارے
آج اُٹھ گئی راحت کہ چھٹا ساتھ تھا رارا

معلوم ہوئی اب ہیں بابا کی جدائی
گویا کہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی
یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

شہ نے کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
بولانا گیا کچھ پہ کراہے کئی باری
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباس

کانپے کبھی کروٹ کبھی لی اور کبھی کی آہ
بولے دم آخر کہ نشانِ شہِ ذی جاہ
آغوش میں بھائی کی سفر کر گیا بھائی

کانفی ہو رولانے کو تری درد کی گفتار
فیاض ہو لیکن شہِ مظلوم کی سرکار
کھل جائیگی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہو * پیری میں شکلِ نوجواں پھرتا ہو
عصہ ہو جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر * خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہو

مرثیہ

(۱۱)

۲۔ ہر جگر بند شہ قلم شکن کی
 سرداروں پہ ثابت ہو جدائی سروں کی
 ہو تیغ بکف قوت بازو شہ دیں کا
 غل ہو کہ علمدار حسین آتا ہو رن میں
 مروے بھی تہ خاک رزتے ہیں کفن میں
 غازی کی سواری نہیں خیمے سے بڑھی تھی
 رنگ بے رخ خورشید ہوا جاتا ہو تغیر
 سما ہوا مخفی شکم قوس میں ہو تیر
 جمعیت عالم کے یہی شر کا دن ہو
 کہتے ہیں ملک عرش کے پالے کو سنبھالے
 کیا غزوہ خندق میں بے خون کے نالے
 نقشہ نظر آجائے گا پھر جنگ احد کا
 خود شیر ہے جد شیر چچا شیر پدر شیر
 پلکیں ہیں اگر شیر کا پنجہ تو نظر شیر
 ملتے نہیں میدان سے یہ پیشہ ہو انھیں کا
 تیار کے بچپن سے ہی لوگ دھنی ہیں
 جھنڈے میں انھیں کے ہنر تیغ زنی ہیں
 جب آگئے ہیں غلط میں یہ عرش ہلا ہو

لشکر میں تلاطم ہو زمین ہلتی ہو کن کی
 سمٹی ہیں رگیں خود سے شیروں کے بدن کی
 ٹھمتا نہیں ماہی پہ قدم گاؤں میں کا
 ہو تہلکہ مصر و حلب و م و ختن میں
 پھرتے ہیں ہرن چوڑی بھونچے بن میں
 شیروں کو نیستال میں تپ نہ چڑھی تھی
 جو یا ہو ستاروں کی زہرہ کا فلک پیر
 مریخ کے قبضے سے چھٹی جاتی ہو شمشیر
 سیاروں پہ ثابت ہو کہ یہ حشر کا دن ہو
 گیتی کو خدا آج تباہی سے بچالے
 ہیں قلعہ خیبر کے یہی توڑنے والے
 پوتا ہو لڑائی پہ چڑھا نہت اسدا کا
 نعرے ہیں جدا شیر کے دل شیر جگہ شیر
 کیونکر نہ ہو اس طرح کے شیر و نکا پس شیر
 کہتے ہیں نجف جس کو وہ ہمیشہ ہو انھیں کا
 جانبا زود لاؤں میں قریشی مدنی ہیں
 سر بات پہ دیتے ہیں غنی از غنی ہیں
 ورثہ میں انھیں زور ید اللہ ملا ہو

جانبا زوں سے لے جانیں سکا کوئی بڑی
ہر سب سے قوی بازوئے سلطانِ جازی

ساونت ہیں یہ جان کی پروا نہیں ان کو
ہر خوف کے مارے پسر سدا کا منہ زرد
ہر شور کہ بازارِ شجاعوں کے ہوئے سرد

ہر بے خبری فوج کو آمد کی خبر میں
رن میں نہیں ششیر ابھی شیر کی چکی
طاقت گئی یکست دلیروں کے قدم کی
جی چھوڑے ہوئے کوئی دشامی ہیں بھی

بے جنگ مڑی جاتی ہیں تلواروں کی حیاں
جو آپ ہی کشتہ ہوئے تینیں کسے ماریں
سر بر کوئی جھنجھائے ہوئے شیر سے کیا ہو

ظاہر میں تو موجود ہر سب جنگ کا بہاب
کس طرح چھپیں امن کا گوشہ تو ہر ایاب
بڑھتے ہوئے کچھ سوچ کے پھر پڑتے ہیں کر

تفتیش کو جاسوس چلے جاتے ہیں ہر بار
ناگاہ خبر لیکے پھر ایک خبر ردار
غل ہر حرم شاہ میں فریاد و فغاں کا

سیدانیاں نکلی ہیں شہ دیں کو سنبھالے
چلاتے ہیں شہ ہائے مری گود کے پالے
میتابی شیر چکھراتے ہیں عباس

مر جانے کو اک کھیل سمجھتے ہیں یہ غازی
کر سکتا ہر شیروں پہ کوئی دستِ مازی

ہٹتے ہوئے رن سے کبھی دیکھا نہیں ان کو
زنگ لڑتا ہر آندھی سے جو اٹھتی کبھی گرد
بانہے ہوئے ہتھیار لرزتے ہیں جان مرد

دھالوں کو تو ہوتا نسے ہیں بغیر میں
ہر سب سے لرزتی ہیں صفیں فوجِ ستم کی
ہر دم کا ارادہ ہر کہ لے رہا عدم کی

سارے علم فوجِ سلامی ہیں ابھی سے
خود تیغ کے گھاٹ اترینگے سر کر کا تاریں
ہر سامنا ایسوں کا جو لاکھوں سے ہا ہیں

جب ہاتھ میں ریشہ ہو تو ششیر سے کیا ہو
دریا کے نگہبانوں کا نہ ہرہ ہر مگر آب
اُترے ہوئے چلوں کو چڑھانے کی نہیں پتا

پتا بھی کھڑکتا ہر تو گر پڑتے ہیں ڈر کر
ہیں کان لگائے ہوئے سرفیج کے سارے
خیچے سے برآمد ہوئے عباسِ علمدار

گھر سب سے دبلا ہر امام دو جہاں کا
ہیں سب کو مگر فاطمہ کی جان کے لالے
ہر ہر مے غنوار مے چاہنے والے
جھک کر قدم شہ سے لپٹ جاتے ہیں عباس

شہ کہتے ہیں سہ بھائی کا چھاتی سے لگا کر
کہتا ہے علمدار کہ یا سبط پیہر

بھائی کی سعادت جو کرے بھائی کی خدمت
اک چھوٹی سی لڑکی ہر کہ جینے سے ہر اس
کہتی ہے چچا جان بھجھا دیجے مری پیاس
گردیر لگی تم کو تو جینے کی نہیں میں

منہ چوم کے کہتے ہیں یہ عباس دلاور
اتک تو دغا کرنے کو جا چکا توہ صفدر
بھائی کا نہ دکھائے خدا دل غ کسی کو

سب حال ابھی کہ نہ چکا تھا وہ خبردار
گھوڑے پہ چڑھا تختِ دل حیدر کرار
لشکر لے ساتھ آیا ہے اقبال و حشم کا

نے ڈول ہیں تیور خلعت شیر خایکے
ایک آن میں آپرتا ہے گھوڑے کو اڑکے
بھاگو گے صفوں سے تو نکلنا نہ ملے گا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شانِ چمنِ قدرتِ باری نظر آئی
آتا تھا جری گھوڑے کو باجے ہوئے وہیں

آتا تھا کہ کچھ اور ہی لشکر کا ہوا رنگ
سب سوئے میں تھے دیکھیے اتنے تارہ کی رنگ
لاکھوں ہیں مگر فتح سے دل سرور ہیں سب کے

مر جائیں گے ہم داغ نہ دو ہم کو برادر
حسرت ہے کہ بچوں کے لب خشکوں تر
کو تر ہو مرے واسطے سقائی کی خدمت

ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی وہ دہن عباس
اقرار کیے جاؤ کب آؤ گے مے پاس
پھر پانی بھی آئے گا تو پینے کی نہیں میں

جلد آنکے گھبراؤ نہ تم اکر مے دلبر
ہر دیر کی یہ وجہ کہ سب پٹیتے ہیں سر
ڈیور بھی پٹیش آیا ہے حسین ابن علی کو

جو پیک دوم نے یہ کہا آن کے اک بار
آتا ہے وہ بجلی سا چمکتا ہوا رہوار
اب اس کو نہ سمجھو یہ پھر برا ہے علم کا

لشکر کی صفیں دم میں الٹ دے گا وہ آ
جیتے رہو دیکھو کہ رکھتا ہوں جگہ کے
گھوڑوں پہ سواروں کو سنبھلانا نہ ملے گا

پہاں ہوئی گرد اور کسی باری نظر آئی
آمد اللہ کی ساری نظر آئی
اور بچوں کی لپٹیں چلی آتی تھیں جلیں

سینوں میں جگمگ لگے چہرے اڑانگ
بولا کوئی ہے آج لڑائی کا نیا رنگ
بے جنگ کیے خوف سے منہ زرد ہیں سب کے

آپو نچا قریب اتے میں جیدر کا وہ پیارا
 تھا شور کہ اللہ نظر کا نہیں یارا
 کثرت یہ نہ ہوگی یر بیضا میں ضیا کی
 گویا وہ کمائیں ہیں یہ ابرو کے خمیدہ
 قرباں ہر شہ دیں کا دل درد رسیدہ
 دل چھ گئے کسمر ننگ غبط جدھر کی
 چتون میں غضب شیر کا آہو سے بڑی آنکھ
 تیراں کو لگا جس سے لڑائی میں لڑی آنکھ
 یوں غیظ سے شیروں کو بھی تنکے نہیں دکھیا
 اللہ کے صنع قلم کا تبقتدیر
 یہ حاشیہ خط یہ رُخ بازو کے شیر
 دکھی یہ لطافت نہ کبھی پھول کی بو میں
 ہر جوش جوانی پہ بہار گل رخسار
 ہر نکست فردوس غبار گل رخسار
 محفوظ بہر زنگ ہیں صدمے سے خزاں کے
 بہتر یہ کہیں پارہ پاقت سے ہر لب
 گویا ہیں نزاکت سے دو برگ گل تر لب
 باتوں میں فصیحان عرب بند ہوئے ہیں
 غنچے کا ہر کیا منہ جو مقابل ہو دہن سے
 لانا بزباں بات کا مشکل ہو دہن سے
 عالم میں گم وہ شعر ایک زباں ہو

لشکر نے کیا حسن کے گلشن کا نظار
 سجے کا نشان ہو کہ یہ صبح کا ناما
 خورشید پہ اختر ہو یہ قدرت ہو خدا کی
 دونوں بہم اور ایک سے پھر ایک کشیدہ
 نئے شل کماندار ہیں یہ مردم دیدہ
 پلکیں نہیں پر گیریاں ہیں تیر نظر کی
 آہن کا بھی دل نرم ہوٹا ہے جو کمری آنکھ
 تھر گیا جس شخص پہ غصے سے پڑی آنکھ
 پلکوں کو بہادر کی جھپکتے نہیں دیکھا
 جرات میں ہو ہزار بیاں صورت تصویر
 ہر نور کا سورہ ورق ماہ پہ تحریر
 بینی ہو نشانی کی طرح مصحف رو میں
 کہتی ہو نزاکت کہ نثار گل رخسار
 اور طوطی خط آئندہ دابر گل رخسار
 دو ٹکڑے کف عور پہ ہیں سید جفاں کے
 مردے کو دکھا دیں لب عیسیٰ کا اثر لب
 نے مثل ہیں شیریں سخن میں یشکر لب
 یاں یوسف مصری کے بھی لب بند ہوئے ہیں
 دیکھے تو خجالت اُسے حاصل ہو دہن سے
 خود سمر بہ گریباں ہو یہ قائل ہو دہن سے
 عقدہ نہ کھلے گا کہ یہ اسرار نہاں ہو

کلیوں سے عین کی بھی معطر ہیں یہ دنداں
 ہیرے کے ٹکینوں سے بھی بہتر ہیں دنداں
 چہرہ ہو صفا دیکھ کے ان انتوں کی صف کی
 کیا حسن ہو کیا نور ہو کیا صاف۔ گلا ہو
 منہ اپا اگر کیجئے انصاف، گلا ہو
 دعویٰ کرے کس منہ سے قمر جلوہ گری کا
 اللہ ہی شبیہ شکسِ حور ہو گردن
 روشن صفتِ آسمان نور ہو گردن
 کب جلوہ خورشید ٹھہرتا ہو نظر میں
 کس حسن سے تیار ہیں اس ماہ کے شانے
 تھے ایسی ہی حیدر سے شہنشاہ کے شانے
 باغداد آیا تھا جعفر کو نہ جاہ و چشم ایسا
 ہیں ماہی دیاے شجاعی ہاڑو
 ہیں بازوئے شیر کی قوت ہی بازو
 ہم پنچہ ہو طاقت یہ تمہن کی نہیں ہو
 خوبی میں زمانے سے نزلے ہیں یہ ساعد
 بار سپرو تین سنبھالے ہیں یہ ساعد
 پہنچے کو کسی حور کا پہنچا نہیں پہنچا
 کیا پنچہ ہو اس صاحبِ مصاصم کا پنچہ
 ہم پنچہ نہ پنچہ سے ہو ضرغام کا پنچہ
 یہ انگلیاں سب عقدہ کشائی کوئی ہیں

گو یا فلک حسن کے اختر ہیں یہ دنداں
 ہون کا بہا خلد وہ گوہر ہیں یہ دنداں
 دو لعلوں میں تسبیح ہو اک درخشت کی
 اسی اہل نظر لائق اوصاف گلا ہو
 آئینہ بلور سے شفاف گلا ہو
 غیرت سے ہیاں بند ہو دم حور و پری کا
 مانند قمر حسن سے معمور ہو گردن
 پروانے ہیں دل شمع سرطلو ہو گردن
 دیکھی یہ صباحت نہ کبھی نورِ سحر میں
 ہیں جیسے بھرے سید ذی جاہ کے شانے
 رکھتے تھے ہی شانِ ید اللہ کے شانے
 اس دوش کے اوپر ہو تو ہووے علم ایسا
 رکھتے ہیں ید اللہ کی طاقت ہی بازو
 نیروں کو بھی دیتے ہیں نہایت ہی بازو
 کچھ جنگ میں حاجت انھیں چٹن کی نہیں ہو
 سانچے میں فقط نور کے ڈھالے ہیں ساعد
 ہاں کفر کا در توڑنے والے ہیں یہ ساعد
 اس حسن کو حسنِ یار بیضا نہیں پہنچا
 انگشتِ ملائے تو پھرے سام کا پنچہ
 خصوصِ پشمشیر کے ہو کام کا پنچہ
 پنچہ پہ وہ قربان ہیں جو پنجتنی ہیں

روشن گر مصباحِ انال ہیں یہ ناخن
 یوں دیکھو تو رشکِ مدِ کامل ہیں ناخن
 قطعِ نظر اس کی صفتیں اور بھی سُو ہیں
 مصروفِ شناختی سپرِ شام کہ ناگاہ
 نعرہ کیا بنیم نے کہ اسی لشکرِ روباہ
 بھاگے ہو وہ جس فوج کا وار اپنے چلے ہیں
 گھرِ حسن کا اور علم کا گنجینہ ہی سینہ
 دلِ بعض سے خالی ہو توئے کینہ ہی سینہ
 ہو غیرتِ آئینہ تن اس رشکِ ثمر کا
 آمادہ ہو دلِ باپ کی خیرِ شکنی پر
 تیار ہر انگشت ہو شمشیرِ زنی پر
 تنِ عطر میں خوشبو سے سینے کی بسا ہو
 ہٹنے کے نہیں قاف کے ہمسرِ قدم ہیں
 شاہوں کے سروں کے لیے ہسریہِ قدم ہیں
 گیتی جو اٹ جائے تو پھوٹا نہیں کب ہو
 ہو جس کا پدِ قاتل کفار وہ ہیں ہوں
 جو لشکرِ دیں کا ہو علمدار وہ ہیں تہاں
 چاہی نہیں مشکل میں مددِ جنِ ملک سے
 خادم ہوں میں اُس کا جو نبی کا پیروں
 ہم شہیروں کا طفلی سے شجاعت ہو ویرا
 کب بن رکھلا جو اسد اللہ نے باندھا

حلالِ دوصِ عقدہٗ مشک ہیں یہ ناخن
 ترشیں تو مدِ نو کے مقابل ہیں ناخن
 ہر ہفتہ میں دس بدر ہیں ورسِ میرِ نو ہیں
 میدان سے بڑھا مارِ نبی ہاشمِ بچاہ
 وہ شیر ہوں میں جس کا پدرِ اسد اللہ
 ہمیشہ ضرغامِ الہی کے پہلے ہیں
 رخِ شمعِ تجلی ہو تو یہ سینہ ہی سینہ
 دشمن سے بھی ہو مساوہ آئینہ ہی سینہ
 اس پہلو سے پہلو نظر آتا ہو اُدھر کا
 قربان ہو جاں آلِ رسولِ مدنی پر
 شاہد ہو کمرِ شیر کی نازک بدنی پر
 ٹکے کو عجب حسن سے مرنے پہ کسا ہو
 چھوڑینگے نہ جاسد سکندر یہ قدم ہیں
 ہاں ورتِ اسلام کے لنگر یہ قدم ہیں
 تہا بیتِ قہمی کفشِ دلاور کا لقب ہو
 کہتے ہیں جسے صفدر و جبار وہ ہیں ہوں
 رکتی نہیں جس شیر کی تلوار وہ ہیں ہوں
 تلوار ہمارے لیے اتری ہو فلک سے
 درگاہِ خدا میں ہو دعا جس کی پذیرا
 گوارے میں اژدہ کو مرے باپنے چیرا
 عفریت کے ہاتھوں کو ید اللہ نے باندھا

عالم میں لقب صاحبِ مصمصام ہو کس کا
 حیدر کے سوا شیرِ خدا نام ہو کس کا
 انساں کوئی جہات کے لشکر سے لڑا ہو
 مہربان پہ چلی کون سے جزائر کی شمشیر
 کس شخص نے صفین میں لاشوں کے گئے دھیر
 کس سے ہوا جو کام ہوا درست علی سے
 خندق پر اسے توڑ کے پُل کر دیا کس نے
 مصباحِ مدہ کفر کو گل کر دیا کس نے
 کئی لشکرِ کفار میں صد حیف کی آواز
 چکھا ہو شجاعوں نے مرا تیغ کے پھل کا
 پوشیدہ ہو قصہ نہ احد کا نہ جمل کا
 اُس دن کے ثرِف کیا شبِ معراج سے کم تھے
 بتلاؤ لقبِ فاتحِ صفین کا کس کا
 فہرِ حسنِ لالینِ تحسین ہو کس کا
 گر بدر میں وہ شیرِ پُرِ جنگ نہ جاتا
 مصحف کی عبارتِ عیاں نشانِ علی ہو
 خورشید کو رحمت ہو وہ فرمانِ علی ہو
 محسن سے پھرے کیوں سب اس کا نہیں کھلتا
 ہو سورۃ نور ابنِ شہنشاہِ ولایت
 مصحفِ باطن کے صحیفے کی ہر آیت
 شبیرِ ہویوں آلِ رسولِ دوسرا میں

شہرہ بجا ہاں روم سے تا شام ہو کس کا
 کاٹے ہو جبریل کو یہ کام ہو کس کا
 کون آگ میں پانی کے لئے کو دپڑا ہو
 اور عمر ہوا کس کی زبردستیوں سے زبر
 جو قاتلِ عنترہ ہو کون ہو وہ شیر
 خیبر کا وہ در تھا کہ اکھڑا وہ کسی سے
 بشاشِ دل ختمِ ریل کر دیا کس نے
 تا چرخِ ہیریں مستح کا غل کر دیا کس نے
 یانِ عرش سے تافشِ تخی لسیف کی آواز
 حیدر کی نہ تھی ضربِ طباغچہ تھا اجل کا
 بت توڑے ہیں کسے میں ابھی نہ ہو گل کا
 سرِ عرش پہ تھا دہشِ محمد پہ قائم تھے
 حق جس سے غموا رہو وہ دین ہو کس کا
 آئینہ کرے دیں کو یہ آئین ہو کس کا
 آئینہ ایساں سے کبھی نہ نکلتا جاتا
 ذاتِ احدی آپ ثنا خوانِ علی ہو
 جن ملک و انس پہ احسانِ علی ہو
 نے اُن کی عنایت کوئی عقد نہیں کھلتا
 سمجھو اسے مصباحِ شہبستانِ ہدایت
 پایا ہو شرف وہ کہ نہیں جس کی نہایت
 یسین ہو جس طرح سے قرآنِ خدا میں

اس صولت و شوکت رجز خواں ہو آہنم
 نے جنگ صفین ہونے لگیں درہم و برہم
 سرکا کے برخس سے خود چتر نری کو
 منہ پھر کے عباس نے قبضہ پہ دھرا ہاتھ
 اذکبہ تسلیم و رضا قبلہ حاجات
 واللہ جواں آپگے نایاب جہاں ہیں
 آپ آئیں اس وقت ملاقات کروں کیا
 مشکیزے کو بھر لیجئے حاضر ہو یہ دریا
 کچھ چھڑ سے دعا ہو تو قسم لیجئے اگر
 مرضی ہو تو لکھدوں میں ابھی خط غلامی
 آپ آئیں تو ہوئے ابھی یہ فوج اسامی
 گر آپ کا دل صاف ہو بندے کی طرف سے
 منہ دیکھ کے اس کا منہ ہونے عباس
 میں جانا ہوں ہونے ایسا ہی مرا پاس
 میں کیا ہوں ہر اک طفل بھی اس گھر کا جری ہو
 بچپن سے غلامی میں با کرتا ہوں دن رات
 لازم ہو مجھ کے نواسے کی مدارات
 ملتی ہو نجات ان کے سوا کس کے لئے سے
 ہو مدح کے قابل پسہ حضرت نہ ہر ارض
 حاضر مری کوثر بھی ہو اور سایہ طوبے
 شیر کے ہم دامن دولت میں پلے ہیں

تھڑ گئے دل کانپ ٹھٹھا شکر اظلم
 نکلا پسہ سعادت لیں فوج سے اس دم
 کی دور سے تسلیم غلامی جبری کو
 تب کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ بدلتا
 میں فوج سے کرتا ہوں ثنا آپ کی نریتا
 حضرت اولو العزم زمانے میں کہاں ہیں
 بندے کو سرفراز کیا مشکر کی ہر جا
 اب سوپ ہیں میں آپ مجھے ہوتی ہر ایذا
 سایہ میں مرے چتر کے دم لیجئے اگر
 ہو فخر کہ آقا ہو مرا آپ سا نامی
 جھک جھک کے قدموں میں سب کی دشامی
 نذیریں لئے سردار ہیں فوج کی صف سے
 فرمایا کہ جو کہتا ہو تو لائے خدا را اس
 پر بھائی سے گشتہ ہوں اس کی نگرانی
 بھائی کے تصدق سے مری ناموری ہو
 اُن کا جوہوں میں کوئی پونچھے نہ مری بات
 ہو اُن کی ملاقات پیسبر کی ملاقات
 لُ اس سے کہ ملتا ہو خدا جس کے لئے سے
 میں بندہ ناچیز ہوں تعریف مری کیا
 پانی کی نہ خواہش نہ ہیں چتر کی پروا
 سایہ میں جواں کے ہیں وہ طوبی کے تلے ہیں

یہ چتر سے بہتر عظیم شاہ کا سایہ
 حق مجھ پہ رکھے فاطمہ کے ماہ کا سایہ
 پروا نہیں تھمتے میں اگر زر نہیں آیا
 آقا سے کہدورت ہو غلاموں سے صفائی
 پچھتائے گا اچھی نہیں نیلوں سے برائی
 شیر کو ایذا ہو مجھے رنج بڑے ہیں
 سوچا عمر سعد کہ خالی گئے سب وار
 وہ چپ جو ہوا بول اٹھا شمر سنگار
 حاکم ہو زبردست نہ کچھ زور چلے گا
 یہ سنتے ہی عباس کو غیظ آگیا اک بار
 بڑھ کر کہا کیا بکتا ہو او ظالم غدار
 مرتد ہو مجھ کفر سے سرمست ہو ظالم
 کیا منہ ہو جو بھائی پہ کوئی ہاتھ اٹھائے
 بجلی سی جو چمکے تو کوئی تاب نہ لائے
 ہو زمین بول سوختہ جس میں پڑھ گھر ہو
 یہ کہ کے سرو ہی کو علمدار نے کھینچا
 نقشہ ملک الموت کا تلوار نے کھینچا
 دہشت سے ہر نشت کی چھوڑ بھاگے
 بجلی سی جو چمکی تو دمندوں کے اڑے ہوش
 سب کوہ دامن میں درنہ ہو روپوش
 ہلتی تھی زمیں شور و فوج و دل تھا

پنجہ یہ نہیں سر پہ ہو اللہ کا سایہ
 ہو نعل ہما سید ذی جاہ کا سایہ
 یہ چتر سلیمان کو میسر نہیں آیا
 ہرگز یہ مدارات تری مجھ کو نہ بھائی
 وہ پیاسے ہوں اور پانی پیئے ساری خدائی
 ڈیڑھ ہی کے قرین دھوپ میں سایہ کھڑے ہیں
 قابو میں کسی طرح نہ آئے گا علمدار
 کیوں کرتے ہیں بیعت تین لٹ شہ ابرار
 سر تیغ سے کٹ جائیگا خیمہ بھی جلے گا
 تھرانے لگا جسم اگلنے لگی تلوار
 یاں کچھ ترے حاکم کی حقیقت نہیں رہنا
 کیا دست خدا سے بھی زبردست ہو ظالم
 رستم ہو تو مہلت نہ مری تیغ سے پائے
 جل جائے وہ خیمہ کے جلانے کو آئے
 سیانیوں کی آہ میں بجلی کا اثر ہو
 باگوں کو او دھو فوج سنگار نے کھینچا
 سر خوف سے بانہی میں ہر کانٹے کھینچا
 دریا کی ترائی کو اسد چھوڑ کے بھاگے
 گھر چھوٹ گئے بچوں کی ہوئی یاد فراموش
 تھرانے لگے کان کھڑے کر کے سیہ گوش
 شیر آتا ہو چیتے رہو چیتوں میں غل تھا

رانوں میں علم دار نے گھوڑے کو جو مسکا
 ممکن نہ ہوا اکا گزراُس تک نہ ہوس کا
 شہدیز نظر کو بھی رسائی نہیں دیتا
 گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمک تیغ وہ دم کی
 تاب اس کی ہر اک راہ دکھاتی تھی عدم کی
 غل تھا کہ جلے آگے کیا رو ہو بشر کا
 ہم گھاٹ پہ ہیں نہرا دھر ہوا دھر آتش
 میدان میں ہو دوزخ کی طرح شعلہ در آتش
 بج کر کرہ نارسے کس طرح نکل جائیں
 جب تیغ پکڑ کر پسر عقدہ کشائے
 ٹوٹے ہوئے دل پہ تو ظفر کیا کوئی پھر پائے
 شیروں سے جہاں میں کسے یاد رہا ہو و غاکا
 یہ زور گھٹا ہو کہ کمائیں ہیں کیا دے
 ہیں کشمکش فوج سے پامال پیادے
 ہوں تیرا جل کا جو نشانہ تو بجا ہو
 روباہوں کی فریاد کو سننا تھا نہ وہ شیر
 سن سن صفِ اعدا پہ چلی جاتی تھی شمشیر
 ترکش تھی قلم تیغ سے پیدا گروں کے
 جس صف پہ گئی تیغ وہ بیجان نظر آئی
 گرتی ہوئی بجلی سر میدان نظر آئی
 اعجاز کے انداز دم جنگ دکھائے

اڑنے میں تال نہ ہوا ایک نفس کا
 غل تھا یہ چھلاوا ہو کہ سایہ ہزاروں کا
 ہاں تاہر نظر ہو کہ دکھائی نہیں دیتا
 یاں گر کے گئی واں ادھر آئی تو وہ چمکی
 جل جل کے صفیں خاک ہوئیں فوج ستم کی
 تلوار نہ سمجھو یہ نہ بانہ سمندر ہو
 ہو زیر قدم آگ تو بالائے سر آتش
 کھینچے لیے جاتی ہو میان سفر آتش
 بجا گیں تو گریں نہر میں یاں ٹھہریں تو جل جائیں
 کس طرح سے نیروں کا ہر اک بندہ تھکے
 ٹوکے کوئی حنیف کو کہاں سے یہ جگر لائے
 اور شیر بھی وہ شیر ہو شیر خدا کا
 ہیں چلے نشیں تیر ہوئے سست ارادے
 غل تھا کسی گوشے میں کئی ہم کو چھپائے
 سیّد سے لڑے کیوں ہماری ہو خطا ہو
 تھا جوش شجاعت سے جہاں نکلیں انہیں مہر
 پشتے کہیں کشتوں کے کمانوں کے کہیں ڈھیر
 ایک ایک قدم خاک پہ توڑے تھے سروں کے
 سر کاٹ کے یاں سے جو پھریں اُل نظر آئی
 دم میں کہیں سیل اور کہیں طوفاں نظر آئی
 اک آبِ دم تیغ نے سوزنا دکھائے

کاٹے ہوئے نیزوں کے کہیں بند پڑے تھے
 جو زخمی تھے آنکھیں وہ کیے بند پڑے تھے
 پنجہ کہیں بازو کہیں اور شانے کہیں تھے
 تھے غرق بخوں خود کسی جا تو کہیں سر
 چار آئے ٹکڑے تھے کہیں اور کہیں منفر
 ہاتھ ان کے نہ تھے تن پہ بہا در جو بڑے تھے
 یوں کنج ہوا غوں سے دم تیغِ ہمالی
 کھینچی قلمِ فکر نے تصویرِ خیالی
 دل آبِ ہو غربت پہ شہِ تشنہ گلو کی
 اک ضرب نہ اُس تیغ کی تن نے اٹھائی
 نفث و دمِ شمشیر سے جوشن نے اٹھائی
 اک دم میں نہ منفر تھا نہ سر تھا نہ گلا تھا
 کر دیتی تھی ہر شیم کو خیرہ چک اُس کی
 کیوں دھوم سما سے رہے تاسک اُس کی
 مقرر سی چلتی تھی تن اہلِ ستم پر
 ہر ضرب میں سر بچھپیوں والوں کے اڑائے
 دم میں ورقِ ادا کے رسالوں کے اڑائے
 کم چلتی ہو ایسی بھی ہوا باغِ جہاں میں
 بڑھ کر جو کوئی شیرِ غصہ بتاک پہ آیا
 تلوار کا سر گردنِ سفاک پہ آیا
 چھوٹا نہ جنم کا کنا اس قمری سے

ترخوں میں جو انان تنو مند پڑے تھے
 تھا باپ کہیں اور کہیں فرزند پڑے تھے
 پہنچے کہیں جا پہنچے تھے دستانے کہیں تھے
 بکھری ہوئی کڑیاں کہیں جوشن کی ہر سر
 گھوڑوں کے کہیں زین کہیں بان کہیں ہاتھ
 تلواروں کے پھلٹے حالوں کے پھولوں میں پڑے تھے
 جیسے لبِ مشقوت پہ ہویان کی لالی
 لیکن نہیں یہ بات بھی کج گائے خالی
 تلوار بھی پیاسی ہو لیمبوں کے لہو کی
 دو تھا جو سپر سر پہ تہمتن نے اٹھائی
 تن کیا ہو شکست اُس سے جب آئیں اٹھائی
 لوہے کو بھی کھا جاتی تھی منہ تھا کہ لا تھا
 دوزخ کے دہانے سے سوتھی کپک کی
 کرتے ہیں صفت سیفِ نباں آئے نگہ اس کی
 بس قطعہ یہ جامہ تھا اوی تیغِ دو دم پر
 ٹکڑے صفِ جنگاہ میں بھالوں کے اڑائے
 پھل تیغ کے پھول آہنی ڈھالوں کے اڑائے
 سر اڑتے تھے یوں برگِ اڑیں جیسے نخل میں
 خالق کا غضب اُس گناہ پاک پہ آیا
 سر اڑ کے گرا نہر میں تن خاک پہ آیا
 دوزخ میں بیٹھی سے گیا اور وہ قمری سے

جس طرح تپاں نہیں صفح کو دیکھا
 جب فرد کو دوڑ کے پھرے زونج کو دیکھا
 جاتی تھی جو اک برق سے گردوں چپکے
 یاں سے کبھی واں سے چپک کر ادھر آئی
 اُس صف سے زہ پوشوں تک ادھر آئی
 شمشیر نہ نہ تھی کہیں ہالہ کہیں تھی
 ہر وار میں چلوں کو کمانوں سے اڑایا
 بڑھ بڑھ کے پھر ہروں کو نشانوں سے اڑایا
 جو راہ ہوئی بند وہ تہ ہیر سے کھولی
 چلے کو اگر بڑھ کے کماندار نے کھینچا
 ہاتھ اپنا ادھر ڈر کے جھاکار نے کھینچا
 سہا ہوا وہ دشمن دیں غش میں پڑا تھا
 سرداروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
 اس طرح پڑے خاک پہ دو چار گرائے
 گرتی تھی جو اک برق سی مہیا دگروں پر
 چار آئینہ کو کاٹ کے اُس شیر کی تلوار
 آہن پہ بھی رکتی تھی وہ صاعقہ کردار
 تھی پنج تہی تیغ نے ڈھنگ تھے اُس کے
 اُس تیغ نے سب ان کی میں خون سے رنگی
 کوئی کہیں کشتہ کہیں رومی کہیں رنگی
 ہر طائر جاں ڈھوٹھتا تھا راہِ عدم کو
 بیاب تلاطم میں نہ یوں موج کو دیکھا
 دیکھا کبھی پستی کو کبھی اوج کو دیکھا
 کرتے تھے ملک بند و پیاں کو فلک کے
 نے سر ہوئی وہ صف تو لپک کر ادھر آئی
 یہ واں گئی اور آگ بھڑک کر ادھر آئی
 بجلی تھی کہیں شعلہ جو الہ کہیں تھی
 ہاتھوں کو جواں مردوں کے شانوں سے اڑایا
 جزائر نے نیروں کو سنانوں سے اڑایا
 نیزہ کی گرہ ناخن شمشیر سے کھولی
 جوں کاہ رُبا تیر کو تلوار نے کھینچا
 تلوار نے چھوڑا تھا کہ بس نار نے کھینچا
 اک رشتہ جاں لاکہ کشاکش میں پڑا تھا
 کس طرح اُٹھے جس کو وہ تلوار گرائے
 جیسے کوئی فولاد کی دیوار گرائے
 جا پڑتے تھے اس صف کے سر اس صف کے سر
 یوں تن میں آتی تھی کہ صابوں میں ب تار
 خود و ترہ و بکتر و مستانے تھے بہار
 یہ چار تو ہر وار میں چورنگ تھے اُس کے
 مارے گئے جتنے تھے جواں فوج میں جنگی
 اہل چل تھی کہ سنیوں میں نفس کتے تھے تنگی
 پرتن سے نکلنے کی نہ جا ملتی تھی ہم کو

جس طرح تپاں نہیں صفح کو دیکھا
 جب فرد کو دوڑ کے پھرے زونج کو دیکھا
 جاتی تھی جو اک برق سے گردوں چپکے
 یاں سے کبھی واں سے چپک کر ادھر آئی
 اُس صف سے زہ پوشوں تک ادھر آئی
 شمشیر نہ نہ تھی کہیں ہالہ کہیں تھی
 ہر وار میں چلوں کو کمانوں سے اڑایا
 بڑھ بڑھ کے پھر ہروں کو نشانوں سے اڑایا
 جو راہ ہوئی بند وہ تہ ہیر سے کھولی
 چلے کو اگر بڑھ کے کماندار نے کھینچا
 ہاتھ اپنا ادھر ڈر کے جھاکار نے کھینچا
 سہا ہوا وہ دشمن دیں غش میں پڑا تھا
 سرداروں کے سر خاک پہ ہر بار گرائے
 اس طرح پڑے خاک پہ دو چار گرائے
 گرتی تھی جو اک برق سی مہیا دگروں پر
 چار آئینہ کو کاٹ کے اُس شیر کی تلوار
 آہن پہ بھی رکتی تھی وہ صاعقہ کردار
 تھی پنج تہی تیغ نے ڈھنگ تھے اُس کے
 اُس تیغ نے سب ان کی میں خون سے رنگی
 کوئی کہیں کشتہ کہیں رومی کہیں رنگی
 ہر طائر جاں ڈھوٹھتا تھا راہِ عدم کو

اسو اردوں کے تن نے تگڑے ہو گئے نہ سر
تو رہ گئے دوسو میں تو سو ہو گئے نہ سر
نخا شور کہ بھاگو کسے طاقت ہو غامی
غازی سے جو لڑنے سپہ شام میں آئے
پہنی جو زہرہ جانے کو اندام میں آئے
تھکے ہو غلط یہ کہ حصار آئیں ہوگا
شملہ کی لپک فوج کو دکھلا کے پھر آئے
دیر سے چمک کر گئے لہر کے پھر آئے
مہلت ہو جو دم بھر تو کسی گھات سے گھیں
جلی سی اور صف پر گری اور ادھر الٹی
گر سنگ پہ بیٹھی تو بساں شرر اوٹھی
رہ رہ کے اڑاتے تھے جو اعدا کے سروں کو
قوت اسد اللہ کے غازی نے دکھائی
لشکر شکنی شیر مجازی نے دکھائی
لڑنے جو بڑھا ڈر سے لہو گھٹ گیا اس کا
جلی میں نہ اسی کبھی چل بل نظر آئی
آروں سے چمکتی ہوئی ہیکل نظر آئی
دیر یا تھا کہ دکھلا کے روانی نظر آیا
جان باز قوی ہیکل و خوش رو و توانا
دور و تر سے نہ کاہ میسر تھی نہ دانا
صرصر تھا کسی جا تو کہیں کیا بڑی تھا

بھاگے سپہیں دک کے تو ہو گئے بے سر
دش میں جو بچا ایک تو لڑ ہو گئے بے سر
موج آتی ہو دریا کی طرح بحر فنا کی
آہو کی طرح پنجہ روضہ غام میں آئے
دی موت نے آواز کہ اب نام میں آئے
دم میں نہ زہرہ ہو گی نہ چار آئیں ہوگا
دس بیس کے سر خاک پہ پر سا کے پھر آئے
چلاتے تھے ماری کہ اجل حا کے پھر آئے
جیراں میں کہاں مرگ مفا جاسے بھگیں
بازو تھا قلم ہاتھ سے جس کے سپہ اوٹھی
جس غول سے جس صف اٹھیں غن میں اٹھی
چھاتی تلے جبریل چھپاتے تھے پروں کو
شان اپنی لڑائی کی غازی نے دکھائی
جلی کی تڑپ دشت میں تازی نے دکھائی
گھوڑے کی پڑی ٹاپک سر پٹ گیا اس کا
کاوے تھے کہ پھرتی ہوئی اک کل نظر آئی
آیا وہ جدھر فوج میں بل چل نظر آئی
جب ٹاپ پڑی خاک سے پانی نظر آیا
کوڑا کسے کہتے ہیں کبھی اس نے نہ جانا
کاووں میں بھلا لگتا تھا کیا جھوم کے آنا
پوئی میں جو طائوس تو اڑنے میں پری تھا

گردن تک اسوار چھپے پیش و پس ایسا
 مرکب جو لڑائی میں خدا دے تو بس ایسا
 رفت رفت بھی اس انداز سے فر فر نہیں جاتا
 تھا شور کہ بھاگو یہ لڑائی ہو علی کی
 جرات اسی جرات نے پائی ہو علی کی
 اے شیرِ ثریانِ اسلام اللہ اماں دے
 اب زیست کا اپنی کوئی اسباب نہیں ہو
 گھر موت کا ہو تیغ کی اب آبنی نہیں ہو
 کر رحم محمد کے نواسے کا قصد
 نوشاہ کے اس لاشہ پامال کا صدقہ
 پیاسے علی اصغر کے سن و سال کا صدقہ
 دم بند ہوئے ڈر سے تری تیغِ دو دم کے
 حاکم تھے قوتِ خیر شکنی ہو
 بس اب نہ بگڑ ہم سے کہ جانوں پہ نبی ہو
 مشہور ہو قاتل پہ جو احسان کیے ہیں
 حضرت نے سنی جب یحییٰ کی ہائی
 گھبرا کے بلندی سے یہ آواز سُنائی
 اس وقت اماں دے انھیں گونے ادبی کی
 روتا ہوکسنی جاتی نہیں مجھ سے یہ فریاد
 بچوں پر مرے ہووے تو ہو پیاس کی پیاد
 پانی نہیں ملتا تو چلے آؤ برادر

سائے پہ بھی بل کرتا تھا فاقوں میں کس ایسا
 اسوار جو ایسا ہو تو ہووے فرس ایسا
 یوں تختِ سلیمان بھی ہوا پر نہیں جاتا
 پنجویہ علی کا یہ کلائی ہو علی کی
 نئے سر ہوئے جاتے ہیں ہائی ہو علی کی
 اے قوتِ بازو کے ید اللہ اماں دے
 دہشت سے تری کس کا جگر آبنی نہیں ہو
 تلوار نہ چمکا کہ اہیں تاب نہیں ہو
 پیشک ہو جس کی اسی پیاسے کا تصدق
 اکبر کی جوانی کا اور اقبال کا صدقہ
 خون اب نہ بہا فاطمہ کے لال کا صدقہ
 آزاد کر اب ہم کو تصدق میں علم کے
 تلوار کا مالک ہو شجاعت کا دھنی ہو
 توفیق کا دریا ہو غنی ابنِ عسائی ہو
 حیدر نے تو دشمن کے گنہ بخش دیے ہیں
 کیا رحم ہو امت کے یئے چشم بھرائی
 بس بس مرے بھائی مے بھائی مے بھائی
 عباس میں قربان یہ امت ہو نبی کی
 دشمن کی بھی ہم لوگ سد کرتے ہیں امداد
 مرجائے سکینہ مگر است نہ ہو بر باد
 اگر مری چھائی سے لپٹ جاؤ برادر

غامی نے سدا دی کہ میں تجلیں فرماں
 اقبال سے حضرت کے مے ہاتھ ہر میاں
 میدان کی تو سب غول میں سرشارِ صفیں ہیں
 پھرنے کا موقع نہیں اور عاشقِ باری
 سنتے نہیں دشمن کی کبھی منت و زاری
 اُمت نے ہمیں خوب صفا مند کیا ہو
 یہ کہہ کے لیا شیر نے دریا کا کنارہ
 اک آن میں تلوار کے گھاٹان کو اتارا
 تیرا بے ہزاروں پہ نہ گھائل ہوئے عباس
 پانی میں یکایک جو پڑا عکسِ علم کا
 ٹپکا چو پینہ رُخِ سقائے حرم کا
 کوسوں گئی پھولوں کی مہکِ دشتِ بلائے
 دی خضر نے آواز کہ اے یوسفِ ثانی
 رو کہ یہ پکارا اسد اللہ کا جانی
 خشکی میں تباہی ہو سینیے پہ نبی کے
 جل جائے کلیجہ تو نہ میں پیاس بجھاؤں
 حسرت ہو کہ یہ مشک لئے خیمہ میں جاؤں
 تو ابریں بھی برسیں تو نہ یہ تیر چل آئے
 فرما کے یہ رکھتا تہِ رال تیغِ دو دم کو
 پھر جھک کے بھرا مشکِ یتیمانِ حرم کو
 کیا ساتھ دیا پیاس میں سب بھر عطا کا

بندے سے دعا کرتے ہیں یہ دشمنِ ایماں
 اب نہر کو لیتا ہو غلامِ اسی شہِ ذی شاں
 باقی فقط اب گھاٹ کی دو چار صفیں ہیں
 مرجائے گی بن پانی سیکھ مری پیاری
 آتش میں جلا دینے کے قابل ہیں ناری
 پر دیسیوں پر آبِ رواں بند کیا ہو
 پھرتی سے جھپٹ کر لے مارا سے مارا
 سٹھا ہوا لشکر متفرق ہوا سارا
 تلوار لیے نہر میں داخل ہوئے عباس
 تھا پنچہ پنچہ شہید کہ اُٹھنے میں چمکا
 پانی میں ملا عطر گلِ باغِ ارم کا
 فردوس کی بواگئی دریا کی ہوا سے
 گرمی میں گوارا ہوئے مجھے نہر کا پانی
 ہنتم سے ہو آقا کو مرے تشنہ دہانی
 اطفالِ تڑپتے ہیں حسین ابنِ علی کے
 کوثر کا ہو پانی تو نہ لبِ تک سے لاؤں
 ٹھنڈا مرادل ہو جو سیکھ کو ہلاؤں
 جینے کا مزہ کیا جو وفا میں خلل آئے
 اور داب لیا دوسرے زانو سے علم کو
 دریا سے نکالا فرسِ تیز قدم کو
 افسانہ رہا خلقت میں گھٹے کی وفا کا

دیکھا جو عمر نے کہ چلا شاہ کا غم خواہ
 لو مشک لیے جاتا ہو عباس علمدار
 ہو موت جو قابو میں نہ یہ شیراب آیا
 ہو شیت کدھر لیکے کمانداروں کو چکا
 نفل بھی پر اپنے سواروں کا جائے
 خشکی میں بنی زادوں کی کشتی کو ڈوبادو
 جو تیر بہادر کے لگاوے وہ گھر لے
 باور جو نہ ہو ہر مری فرد پہ کر لے
 کچھ غم نہیں مجھ کو جو خزانہ مرالٹ جائے
 پانی کے نہ دینے سے ہم ان شیریں رہیں
 دنیا میں یہی مالک شمشیر وہ سہر ہیں
 پانی جو گیا خیمہ شاہ شہدا میں
 سال سے بڑھا آتا ہو وہ گھاٹ پہ جاؤ
 مشکیزہ سے پانی تو لہو تن سے بہاؤ
 دیکھوں میں کہ یاں حشر ہو واں بزم عزاء
 آنکھوں میں دیکھوں کہ گرا گھوڑے سے عباس
 بیشک و علم خون میں ترے مرے پاس
 خلعت نہیں پہناؤں کہ آرایش تن ہو
 یس کے پھری دور سے بھاگی تہی سب فوج
 نقارہ جو بکتی فرد وہ دول پہوئی زور
 دم لیکے صفت جنگ میں تہتا نے صدا کی

چلانے لگا پیٹ کے زانو وہ جفا کار
 دوڑ و صفت اب کرو تیروں کی بو چھار
 مشکیزہ گیا خیمے تلک اور غضب آیا
 نیزوں کی سناں ابن انس ٹھکے ہائے
 سقائے حرم راہ کھلنے کی نہ پائے
 ہاں خوں میں سبکینہ کے بہشتی کو ڈوبادو
 اس شیر کو جو سرخ کرے خوں میں نہ لے
 سہر لیکے پھرے جو وہ سپر آن کے بھرے
 عباس علمدار مگر بھائی سے چھٹ جائے
 ہٹتے ہیں کوئی یہ اسد اللہ کے پسر ہیں
 تلواروں میں آنے کے لیے میدان سپر ہیں
 یہ آگ لگا دیویں گے میدان و غا میں
 جب جانوں جو اس شیر کا سر کاٹ لائے
 تینوں سے چراغ رتہ مرداں کو بچاؤ
 ٹوٹے کمر سبط پیہر تو مزا ہو
 کانوں سے سنوں میں کہ سبکینہ ہوئی بے اس
 غل ہو کہ یہ شمشیر کے بچوں کی بجھی سپاس
 اور لاش علمدار کی محتاج کفن ہو
 جس طرح کہ آندھی سے سمنیں اٹھو ج
 افتادہ نشانوں کو دوبارہ ہوا پھر اوج
 بیٹھی ہوئی آواز کھلی طبل و غا کی

سب شام کی فوج ابن یزید اللہ پہ آئی
 سب تیروں کی پوچھا جو ذی جاہ پر آئی
 روکیں سپرے ربنے قدم پیچھے ہٹا کے
 کس طرح رُکے ایک سے دولاکھ کا ریلہ
 سقائے یتیمانِ حرم جان پہ کھیلے
 اس جنگ کو پوچھے کوئی اُس تشنہ جگر سے
 لاکھوں سے لڑے یوں علم شہ کو سنبھالے
 فرصت یہ کہاں تیر جو سینہ سے نکالے
 سر زخمی ہو خون بہ کے ٹپکتا ہو گلے سے
 تھا شور کہ یہ شیرِ دریاں جانے نہ پائے
 بازوئے امام دو جہاں جانے نہ پائے
 برباد کرو محنتِ سقائے سکینہ
 ملتی جو نہ تھی راہ تو حیراں تھا علمدار
 ہر ضرب میں سر خاک پہ گر پڑتے تھے دُچار
 مچ آنکھیں بھٹیں غصہ سے پسینہ تھا جبین پر
 ناگاہ پس پشت گئے دو ستم ایجاب
 مکار ستم گار دغا پیشہ و کیا د
 جو مشک کو تار کے تھے نظر ان کی دھڑکتی
 شانے پہ جو ظالم نے برابر سے کیا وار
 غصے میں جو قاتل پہ چلے داب کے رچاوار
 عباس دلاور کو اسی ہاتھ کا غم تھا

کس شور سے گنگوڑ گھٹا ماہ پہ چھائی
 تلوار کی بجلی صفت گمراہ پہ آئی
 اک دم میں دھوئیں اُڑ گئے ڈھالوں کی گھٹاکے
 اک تھر کا دریا تھا پہ کیا کیا اسے جھیلے
 وحسرت و دردا وہ نہراؤں پہ اکیلے
 پانی نہ ملا ہو جسے چو بیس پہرے
 کچھ مشک پہ آفت ہو تو کیونکر اُسے ٹالے
 دم لینے میں سو جسم پہ پڑ جاتے تھے بھالے
 پر شک ہٹاتے نہیں چھاتی کے تلے سے
 ہاں غار پوہاں تشنہ دہاں جانے نہ پائے
 جس گھر کا بہشتی ہو یہ داں جانے نہ پائے
 گر پیاس سے مرنے ہو تو مرنے جائے سکینہ
 بیتی میں تنگ و دو سے تھکا جاتا تھا دہوار
 ٹوٹی ہوئی تھی خون میں ڈوبی ہوئی تلوار
 کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خانہ زریں پر
 تھا ایک حکیم ابن طفیل اک بن وقاد
 سادات کو کعبہ میں کریں فریح وہ جلا
 پہلو سے ابل آئی ہو اس کی نہ خبر تھی
 جس ہاتھ میں تھی تیغ قلم ہو گیا اکبا
 ہیہات چلی وہ سرے قاتل کی بھی تلوار
 وہ ہاتھ بھی ریتی ہیں گر اب میں علم تھا

اک چوٹ لگی دل پہ گرجا جب علم شاہ
 کیا ہمت عالی تھی ارادہ تھا عجب واہ
 اس وقت عجیبان تھی اُس تشنہ دہن کی
 مجبور تھا غازی کہ نہ تھی ہاتھ میں شمشیر
 و احسرت و درد اک لگا مشک پاک تیر
 گھوڑے سے گرا خاک پہ سقائے سکینہ
 دریا پہ ہوا شور کہ ضرغام کو مارا
 و الشہد بڑے صاحبِ مصمام کو مارا
 لڑکر علم صاحبِ معراج لیا ہر
 پہنچی یہ صدا کان میں حضرت کے جوناگاہ
 خم ہو کے پکارے کہ کمر ٹوٹ گئی آہ
 لا صاحبو حضرت پہ فدا ہو گیا بھائی
 تم ساتھ رہو باپ کے ای اکبر مر و
 اٹھ اٹھ کے کئی بار گرے میں شہ خوشخو
 اک دم بھی جدا ہو گئے جو اس وقت پرست
 اب کوئی نہیں شاہ کے جینے کا سہارا
 ڈیوڑھی پہ یہ غل سُن کے سکینہ نے پکارا
 کیوں روتے ہیں قربان میں شاہ شہدا پر
 کہ دے کوئی پانی نہیں ملتا تو نہ لائیں
 پانی پہ لگے آگ سا وہ دریا پہ نہ جائیں
 صدقے میں قصور ان کی محبت میں نہیں ہر

چلائے یہ کیا قمر ہوا اس مرے اللہ
 پکڑے ہوئے تھا مشک کدائیوں میں بیجاہ
 گو یاد ہن شیر میں گردن تھی ہرن کی
 ہر سونگراں تھا کوئی بیتی تھی تدبیر
 پانی جو بہا اور بھی حالت ہوئی تغیر
 مشکینے پہ منہ رکھ کے کہا ہائے سکینہ
 پیاسا شہ مرداں کے گل اندام کو مارا
 لوفت ہوئی شاہ خوش انجام کھارا
 صفین کے کشتوں کا عوض آج لیا ہر
 بیکس پہ گرا یاس میں کوہ غم جا بجاہ
 دوڑی یہ بیاں کرتی ہوئی زینب بیجاہ
 ہر مرے بھائی سے جدا ہو گیا بھائی
 ماتم ہو جواں بھائی کا دل پر نہیں قابو
 تھا مومرے ماں جا کے کاٹوا ہوا بانو
 میں بالوں کو بکھر کے نکل آؤں گی گھر سے
 عاشق مرے ماں جا کے کا دنیا سے ہلایا
 کیا کہتے ہو تم سب ارے لوگو کسے مارا
 کیا دشت میں کچھ بن گئی ہو میرے چچا پر
 زخم تیر و تیر و سناں تن پہ نہ کھائیں
 ہر مرے مظلوم پر نہ رو لائیں
 کیوں رٹتے ہیں پانی مری محبت میں نہیں ہر

ہو کر کہیں لٹ جائے نہ زہرا کی کمائی
 معلوم تھی مجھ کو تو مقدر کی بُرائی
 اس پیاس نے شرمندہ کیا سبطِ نبی سے
 تھارو چہ سقائے سکینہ کا عجب حال
 کہتی تھی گیا نہر پہ کیوں فاطمہ کا لال
 نے وجہ یہ حال شہ دیں غیر نہیں ہو
 میں راند ہوئی دل مرادیتا ہو گواہی
 یہ ایک ادھر نہر پہ دو لاکھ سپاہی
 پیاسے پہ جو کوہِ غم جا نکھا گرا ہو
 فضلہ سے کہا پردے کا اس وقت کر دھیا
 ہو ہو مجھے ماتم کا نظر آتا ہو سامان
 دریا پہ ہیں یا شام کے لشکر میں نہاں ہیں
 فضلہ گئی روتی ہوئی اور پیٹنی آئی
 سیدانیو مارا گیا شہتیر کا بھائی
 ڈیوڑھی سے ہٹو لشکرِ غم آتا ہو لوگو
 طور ان کی ملاقات کا اب حشر پہ ٹھہرا
 تھامے ہیں کمر زخمِ کلجے میں ہو گہرا
 پانی جو بہا جان گنوا دی اسی غم میں
 رہ ہوا بھی کوتل ہو کہ مارا گیا اسوار
 منہ دیکھ کے دریا کی طرف تکتا ہو رہا
 آنسو ہیں رواں خاک میں سب بالٹھیں

مر جاؤنگی زخمی جو ہوا شاہ کا بھائی
 پہچانتی ہوں کیوں خشک باں اُن کو دکھائی
 اب آنکھ مری چارہ ہووے گی کسی سے
 اٹھا تو بھرا خاک سے اور کھرے تھے بال
 غل کیسا ہوا لٹ گیا لوگو مرا اقبال
 اللہ کرے خیر مگر خیر نہیں ہو
 پردیس میں آئی مرے بچوں پہ تباہی
 کس کس سے لڑے دلبرِ فراغِ الہی
 یا مشک چھدی یا علم شاہ گرا ہو
 بچے مرے روتے ہیں لیکن ہو مر جان
 لادے مرے وارث کی خبر میں تہ قرآن
 دیکھ آ کہ سکینہ کے چچا جان کہاں ہیں
 تھالاب پہ کمر کہ دہائی ہو دہائی
 حیدر کے بھرے گھر کی ہوئی آج صفائی
 عباس نہ آئیں گے علم آتا ہو لوگو
 خنم ہو گئی ہو ہو کمرِ دلبرِ زہرا
 افشاں ہو لبو سے علم دیں کا پھر ہوا
 تیروں سے چھدی مشک لگتی ہو علم میں
 ہرنی سی لگی ہو سپر و تنہ علمدار
 سر زخمی ہو ڈھلکا ہوا زمین خوش ہو گلزار
 گردن ہو چھپی تیروں سے اور بالٹھے ہیں

حضرت کو ہو بھاج کے رڈ لپے کا بڑا غم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صفت ماتم
پر دیس میں عموں سے چھٹی لائے سیکینہ
فضہ نے کہا یہ جو لصد گر یہ دُزاری
سر پیٹ کے یہ زوجہ عباس پیکاری
لو گوشہ والا کے مصاحب نہیں آئے
ناگہ علم شاہ چمکتا نظر آیا
مشکیزہ بے آب لکنتا نظر آیا
لشکر کی جو زینت کو قضا لوٹ گئی تھی
تھامے ہوئے دامن علم سبط پیمبر
رایت کو بٹھالے ہوئے چلاتے تھے اکبر
عمو بتمامی ہوئی اس جاہ و حشم کی
ڈیوڑھی سے جھکا کر جو اسے خیمے میں لائے
غل پڑ گیا ہو ہو اسد اللہ کے جائے
پیاسے گئے پانی نہ پیا نہ میں جا کے
عباس کے فرزند تر پتے تھے زبیں پر
کتا تھا بڑا خاک پہ سر اپنا پٹک کر
دل سینے میں بیتاب ہو ٹکڑے ہیں حکیم کے
سب خیمے میں ہیں اُن کو کیا کس کے حوالے
بجھاتے تھے اکبر سے گودی میں بٹھالے
ٹر پونہ کہ بیتاب امام دوسرا ہیں

پُرسے کے لیے آئیے اب قبلہ عالم
پیشیں وہیں سر کھول کے سب بی بیابا ہم
تھا مو اسے ایسا کہ نہ مر جائے سیکینہ
ہو ہو کا ہوا غل کہ نہیں ہل گئی ساری
مُجر کو تو کھا دو مرے وارث کی سواری
ہو ہو علم آیا مرے صاحب نہیں آئے
ماتم تھا کہ پنچہ بھی لچکتا نظر آیا
اور خون پھریرے سے ٹپکتا نظر آیا
صدے سے علم کے بھی کمر ٹوٹ گئی تھی
خوں منہ پہ لے چاک گریبان کھلے سر
عمرہ کی وفات آج ہوئی اٹھ گئے حیدر
بن آخری ہو آج زیارت یہ علم کی
حضرت کے حرم زیر علم پٹتے آئے
مشکیزہ بھی تیروں سے چھدا زخم بھی کھائے
صدیقہ تری ستانی کے قربان وفا کے
تھامے تھے حسین ایک اور ایک کو اکبر
لشکر ہیں چھوڑ دو اس وقت بہادر
سر پٹنے ہم جائیگے لاشے پہ پد کے
لاشے کو کہیں قوج ستم رہ نہ نہ ڈالے
رستہ نہیں دینے کے تھیں بچھپوں دالے
لاشے کی گھبائی کو داں شیر خدا ہیں

ناشاد سکینہ کا عجیب حال تھا غم سے
 آنکھوں کو چرائے ہوئے سلطانِ اُم سے
 تیشہ جگر و تلِ تضریر ہو لوگو
 عاشق نے مرے میرے لئے جان گنوائی
 اب شاہ کہاں پائیگے اس طرح کا بھائی
 جاتے ہوئے کیا خانِ حق کیا جاہ و شہم تھا
 اب کون مری پیاس کا غم کھائے گا ہر ہر
 کیا جانتی تھی بیچ یہ پڑ جائے گا ہر ہر
 روکے نہ کوئی واسطے دیتی ہوں خدا کے
 اس شور میں یں پ سے کہا شہ نے کہ جاؤ
 زینب نے کہا باؤں بیکس ادھر آؤ
 تقدیر نے لوٹا اُسے آفت کی سفر میں
 لے آئیں اُسے بی بیاں کرتی ہوئی زاری
 دیکھو تو ذرا خوں میں بھری مشک ہماری
 مشکیزہ تو دیکھا تن صد پاش کہاں ہو
 پین کے اٹھے خاک سے روتے ہوئے سرور
 بھاوج سے یہ فرمایا کہ اسی بیکس و مضطر
 لاشانہ اٹھانا یہ وصیت ہو انہی کی
 پھر کر جو لگی دیکھنے وہ بیکس و ناچار
 دم گھٹنے لگا سینے میں تڑپا یہ دلِ نزار
 طاقت یہ نہ پائی کہ گرے جا کے علم پر

ماں تھا مٹی تھی اور وہ لپکتے تھے علم سے
 چلاتی تھی فریاد چچا چھٹ گئے ہم سے
 کیوں پانی کو بھیجا مری تقصیر ہو لوگو
 جیتی رہی رونے کو مجھے موت نہ آئی
 پانی جو نہ پایا مجھے صورت نہ دکھائی
 اُن ہاتھوں کے قربان میں جن میں یہ علم تھا
 کون اب مرے مشکیزہ کو بھر لائے گا ہر ہر
 ڈوبا ہوا خوں میں یہ علم آئے گا ہر ہر
 اب جا کے میں سر پیٹوں گی لاشے پر چپا کے
 اب زبیر علم زوجہ عباس کو لاؤ
 پہلے جو مناسب ہو تو رنڈ سالہ پنجاؤ
 اک دن تھا کہ یہ بن کے دہن آئی تھی گھریں
 چلائی سکینہ کہ بچی جان میں واری
 وہ زبیر علم خاک پر گر کر یہ پکار سی
 بتلاؤ کہ وارث کی مے لاش کہاں ہو
 سند پہ ٹایا علم اور ڈال دی چادر
 مجبور تھا دریا سے میں لاتا اُنھیں کیونکہ
 سمجھو کہ یہی لاش ہو عباس علی کی
 معلوم ہوا صاف کہ یہ لاش علمدار
 تاریکی سی آنکھوں کے تلے چھا گئی اک بار
 غش ہو گئی منہ رکھ کے سکینہ کے قدم پر

چلائے حرم ہائے علمدار علمدار
 نکلا ترا دم ہائے علمدار علمدار
 اے شیرِ جواں کس کی نظر کھا گئی تجھ کو
 کیا پیٹے گی ماں جائے گی مجھے میں سنانی
 یوں مٹ گئی ہے ہر شہِ مرداں کی نشانی
 روئیں گے جو انانِ مدینہ ترے غم میں
 اے سید لب تشنہ کے غمِ خوارِ برادر
 اے بھائی کی راحت کے طلبگارِ برادر
 کہتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں و تہ ہو بھائی
 اس مدح میں ہر چند خوشی ہو مرا تنگ
 تھا سچ بھی آپس آج کے پڑھنے کا نیا دھنگ
 حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بستانِ عزا ہے
 لوٹے گئے ہم ہائے علمدار علمدار
 تنہا ہو علم ہائے علمدار علمدار
 بیس برس کا تھا کہ موت آگئی تجھ کو
 مادر کو بڑھاپے میں دیا داغِ جوانی
 خوں ہو گیا اور ہاتھ نہ آیا ترے پانی
 مر جائے گی ناشادِ سکینہ ترے غم میں
 مظلوم کے بیکس کے مددگارِ برادر
 غمخوارِ خوش اطوار و فادارِ برادر
 خاک اڑتی ہو یاں نہرِ تم سوتے ہو بھائی
 پر ہو دلِ حاسد کی طرح وقت بہت تنگ
 ہر مصرعہ رنگیں نے دکھایا ہے عجیب رنگ
 تھوڑی سی بھی صلت جو فلک سے تو مزید

چلائے حرم ہائے علمدار علمدار
 نکلا ترا دم ہائے علمدار علمدار
 اے شیرِ جواں کس کی نظر کھا گئی تجھ کو
 کیا پیٹے گی ماں جائے گی مجھے میں سنانی
 یوں مٹ گئی ہے ہر شہِ مرداں کی نشانی
 روئیں گے جو انانِ مدینہ ترے غم میں
 اے سید لب تشنہ کے غمِ خوارِ برادر
 اے بھائی کی راحت کے طلبگارِ برادر
 کہتے نہیں اب شہ سے کہ کیوں و تہ ہو بھائی
 اس مدح میں ہر چند خوشی ہو مرا تنگ
 تھا سچ بھی آپس آج کے پڑھنے کا نیا دھنگ
 حق یہ ہے کہ تو بلبلِ بستانِ عزا ہے

رُبَاعِی

جو ہر محل میں رُصدف میں ہوگا
 جو عاشقِ حیدر ہو نجف میں ہوگا

خورشید شرفِ برج شرف میں ہوگا
 مشرق میں کہ مغرب میں کہ دُفن ہوگا

رُبَاعِی

ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہو
 ہر ایک نفس سے جزوِ مد پیدا ہو

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہو
 سینہ ہو بشکرِ وہ محیطِ زخار

مشریہ

جب بادبان کشتی شاہِ امام گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہم گرا
صدہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
بجائ تھا واں سپاہ میں نقارہ ظفر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ مجرب
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ سکتے تھے
اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ
عباس سا تو اب کوئی ہو گا نہ خیر خواہ
چنے دو گلِ پسر کو شہادت کے باغ سے
دنیا سے کوچ کر گئے عباسِ نامدار
حضرت کا شکر و صبر ہی عالمِ آشکار
آہیں نہ بھرے پٹیلے سر کو نہ روئے
بھائی کا داغ اور ہی داغِ پسر اور
قوتِ بدن کی اور ہی نورِ نظر اور
گر صبر ہی تو گود کے پالے کو بھیجے
دشوار ہی اگر غمِ فرزندِ نوجواں
مشتاقِ تیر ہیں تبر و خنجر و سناں
اصغر سے کچھ غرض ہی نہ اکبر سے کام ہی

یعنی نہیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
یاں فاطمہ کے لعل پہ کوہِ الم گرا
ختم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے
ماتم تھا نوجوانی عباس کا ادھر
اکبر کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر
چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے
باقی ہی کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
کب تک بجائے گا کلیجے کو داغ سے
اب نے چراغ ہی لحدِ غیر کر دگار
مثلِ خلیل کیجئے فرزندِ کونستار
جب جانیں ہم کہ کھوکھلے پسر کو روئے
بازو کا درد اور ہی دردِ جگر اور
سینے کا زخم اور ہی دردِ کمر اور
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجے
مرنے کو آپ آئیے اسی قبلہ زماں
جان اپنی دیجئے جو ہی پیاری پسر کی جاں
ہم کو تو آپ کے سہرا نور سے کام ہی

حضرت نے سکرا کے نظر کی سوئے پسر
 فرمایا کیا ارادہ ہو انغمیسرت قمر
 عباس کے فراق نے مارا غلام کو
 شہ نے کہا خوشی ہو بہر حال خاکسار
 پر میں نہ دو گنا رخصت میدان کا سدا
 راضی ہوں وہ تو داغ انھیں مٹے جائیے
 رو کو نگا میں بھینس یہ نہ کیجیو کبھی خیال
 صدقے ہو نورین تصدق ہو جان مال
 ماں کوں باپ کوں عطا کبریا کی ہو
 توطرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا
 بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا
 آنکھوں کا نور جائے کہ گھر نے چرخ ہو
 خیمے میں اے روتے ہوئے کبر حزیں
 اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ جس
 روتے ہیں غیر سید والا کے حال پر
 اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی ہاں
 اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہ دیگے پاس
 گھیرے ہیں سب امام غریب الدیار کو
 تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجوم عام
 فریاد ہو کوئی نہیں آتا ہمارے کام
 مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

نیلین عرش ساچھکا یا پسر نے سر
 کی عرض اذن دیجئے یا شاہ بحر و بر
 بس اب نہیں ہو صیر کا یا را غلام کو
 تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں شاہ
 اس امر میں تھاری پھوپھی کو ہو اختیار
 پالا ہو جس نے اُس سے رضا لیکے جائیے
 صابر خدا کی راہ میں ہو قافلہ کا لال
 طفل و جوان و پیر کا حافظ ہو ذوالجلال
 اولاد ہو تو کیا ہو عنایت خدا کی ہو
 بچاں حسن کا لال ہو او میں نے کچھ کہا
 سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا
 حاضر دل و جگر ہو تھار ابھی داغ ہو
 چھاتی لگا یا ماں نے جو بھی نے بٹائیں لیں
 نرغے میں خالوں کے اکیلے ہیں شاہ دیں
 اماں مقامِ رحم ہو بابا کے حال پر
 بازو شکستہ صنفِ بشارت ہجومِ یاس
 اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہو اس
 تنہا کھڑے ہیں تو لے ہوئے ذوالفقار کو
 میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہو گی فرجِ شام
 مٹنا ہو صفحہ دو یہاں سے پردہ کا نام
 بیٹا جوان ہم سا نہ بیونہ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شادیت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزند بو تراب
دنیا کا نور سیرِ اعظم کے ساتھ ہو
جب گھر لٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنی خانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبر ختمِ رسل نہ ہو
دنیا سے ہم کو جلد اٹھائے ہمارا رب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پہ
مانع ہیں آپ اور پھر بھی سدا رہ ہیں
مجھ کو تو آرزو ہو کہ سر کو فنا کروں
سر کے حقوق والہ ماجد ادا کروں
وال اقلوا بحسین کا اعدا میں شور ہو
تم دونوں صاحبوں کے اب میں سوال
رکھ لیجے آبرو کے پیر ہر ذوالجلال
بلشہ ہاتھ اٹھائیے اب نورعین سے
ہو دوسری یہ عرض جو نصرت نہیں قبول
یثرب سے کیا علاقہ ہو بلحا سے کیا حصول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو بچانے کے
پڑھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
صدقے امام دیں پھوٹے سارے نامور
بستی بسا کے زن میں شبہ کر بلا رہے

اچھا مریگے بعدِ شہرِ آسماں جناب
ذرا کہاں غروب ہوا جبکہ آفتاب
اپنی تو زندگی شبِ عالم کے ساتھ ہو
صاحب نہ ہو تو روضہ کا شانہ پھر کہاں
گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گل نہ ہو
آغوشِ قبر میں ہو الہی ہمیں یہ شب
بیٹا مدونہ کر سکے بابا کی ہو غضب
میرا قصور کچھ نہیں زہرا گواہ ہیں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا و غاکوں
مالک مے اگر نہ رضا دیں تو کیا کہوں
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہو
اؤل تو یہ کہ دیجئے مجھے نصرتِ جدِ ال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہ کا لال
اماں ہیں عزیز نہ کیجئے حسین سے
جلدی ہو کر بلا سے روانہ ہو دلِ ملول
نہ جائیں گے نجف نہ سوئے روضہ بزل
کافی میں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے
کہ وہ بچو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
کچھ اُن سے ہو سکتی مدد گاری پھر
کنبے سے منہ چھپانے کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہ کے جو وہ چودھویں کا
 بھاوج کے منہ پہ یاس سے زینب کی نگاہ
 بنت علی تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
 ماں کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
 مجھ کو بھی لیلو ساتھ جو منظور ہو سفر
 اچھا رضا حسین سے لیلو تو جایو
 کیوں پالنے کا حق ہی ہوتا ہے میں نشانہ
 قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
 سہرا دکھا کے مادر پر غم کو چھوڑ دیو
 مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھا
 غل ہو کہ لوحین ہو گھر میں بیاہ لائے
 جیتے ہیں گر تو حسرت دل یوں نکالینگے
 اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پان بھر
 یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گھر
 غازی ہو صف شکن ہو سادت نشان ہو
 دادا کا مرتبہ تھیں دے رب ذوالجلال
 قابل ہو رحم کرنے کے واری ہمارا حال
 کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
 دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہو گر شجر
 بالفرض یہ جہاں میں پھولے پھلے گا گر
 کچھ تو لے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا

بنت علی کی آنکھوں میں نیا ہونی سیاہ
 گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرواہ
 بانو پسر کے پاؤں پیش کھا کے گر پڑی
 بیٹے کے گرد بھر کے یہ بدلی وہ نوہ گر
 زینب پکاری چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
 کا نہ صابرے جازے کو دے لو تو جایو
 اللہ واری بھول گئے سب ہمارا پیار
 بن بیاہے تم ابھی تو ہوا میرے گلزار
 آئے دہن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑ دیو
 یہ دائی اپنے ہاتھ سے دولہ تھیں بنا
 اچھا نہ ہم سے آکھ ملانا دہن تو آئے
 اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالینگے
 کرتا وہ پہنے دوڑتے پھر ناراد صرا دھر
 یانج تیخ ہاتھ میں ہو دوش پر سپر
 کیا کام ہم سے نام خدا اب جان ہو
 تاہم تمہارے سر پہ رہے قافلہ کالال
 بچپن کی دایوں کا بھی رکھئے ذرا خیال
 اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو
 ہوتی ہو یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
 خوش ہونگے اس درخت کے سایہ میں بیٹھ کر
 صدقے گئی ریاض ہو اٹھا ہر سال کا

قوت تھیں ہودل کی تھیں پارہ جگر
 لاشیں بھی گھر میں آئیں تو بیٹا نے سر
 اکبر تو ہو اگر مرے پیارے نہیں نہیں
 باتیں کر کے منہ پہ لیا گوشہ ردا
 یس گر ہڑا پھو پھٹی کے قدم پر وہ سلقا
 میں نے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہر آپ پر
 منہ سے ہٹائیے تو ردا بہر کر دگار
 چادر ہٹا کے منہ سے یہ بولی وہ دلنگار
 اصغر ہو یا کہ تم ہونے مجھے سب سے یاس ہو
 اکبر نے ماں کے چہرہ اقدس پہ کی نظر
 تم سے پھو پھٹی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
 سر کی نہ کچھ خبر ہو نہ چادر کا ہوش ہو
 جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ نام
 بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
 بندے پہ کی ہو ماں نے یقین نہ باپ نے
 انصاف کیجئے کے پیاری نہیں ہو جاں
 کرتا ہو کوئی باغ جوانی کا رائیگاں
 لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہو
 اکبر نے یہ کلام کیئے جب بصداد ب
 لیکر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشن لب
 سچ ہو جہاں میں ملتا کوئی با وفا نہیں

یہ بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
 میں کہتی تھی جیسے یہ مرغی رت قمر
 روشن ہو گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں
 سر چوب سے ٹپک کے کہا وا محمد ا
 کی عرض رو کے اے پھر بھی ماں کی دل میں کیا
 نرغہ ہو فوج کا مرے مظلوم باپ پر
 اچھا نہ جائیگے سوئے میدان کارزار
 میں کون صدقے جاؤں بھٹیں کو ہر احتیاج
 رخصت گلا کٹانے کی لوماں تو پاس ہو
 ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
 قربان جاؤں غدر کرو ہاتھ باندھ کر
 واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہو
 نصیر عفو کیجئے اے خواہر امام
 میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
 راتوں کو جاگ کر نہجھے پالا ہو آپ نے
 اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
 روتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشن جہاں
 عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہو
 الفت کا جوش آگیا بہت علی کو تب
 کڑھتے ہو کس لیے میں تھیں وکتی ہوں کب
 واری تمہارے سر کی قسم میں خفا نہیں

کیوں کانپتے ہوا شک ہیں آنکھوں سے کیوں
 لوہے نے دی رضا تمہیں اسی میرے نوجوان
 یوں تو تمام گھر کو محبت ہی آپ سے
 جس شب کو رونے لگتے تھے سوئے چمکے
 دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
 جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی
 آنکھیں بچھا میں ماں نے جو تم گھنٹیوں چلے
 نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پہلے
 مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہی
 بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینب سے یہ کہا
 اس قافلہ میں آپ ہیں اب فاطمہ کی جا
 صدقے ہی یہ بھی صورت پر واندہ آپ پر
 یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہ خسرو پر
 بانو بھی روئی شہ کے قدم پر چھلکے سر
 سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
 بانو کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
 وہ چپ ہوئی تو بولے بن سے شہ ہوا
 راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہو گئیں
 ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر نے عرض کی
 زہرا کی وہ بہو ہیں تو یہ دختر علی
 روایا جو میں تو ماں نے گلے سے لگا لیا

تم راست گو ہو سچ ہی تھا راہ سب یہاں
 تم جانو آگے صدقے گئی اور تھاری ماں
 کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہوا باپ سے
 گو دی میں لیکے تم کو یہ پھرتی تھی تاسحر
 پس جاگنا تھا اور دعائیں محض رات بھر
 جھولے کے گرد صورت پر واندہ پھرتی تھی
 تلودوں سے اس نے دیدہ حق میں سہا لے
 صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
 برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوتی ہو
 صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
 میں نے بھی دی جو اپنے بیٹے کو دی رضا
 پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہی باپ پر
 لے لیں بلا میں بھائی کی زہینہ دوڑ کر
 بولی پٹ کے بالی سکینہ کہ اسی پر
 لواہو گھر سے نہر چھٹا بھی جاتے ہیں
 کیوں سچ ہو تم نے بیٹے کو منے کی سی رضا
 کہتے پھو پھی بھتیجیوں میں کیا فیصلہ ہوا
 سنا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہو گئیں
 اماں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھو پھی بھی
 آقا سوال رہیں کرتے کبھی سخی
 مرنے کا اذن دیکھے پھو پھی نے جلا لیا

عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہ نامدار
 دیکھی ہیں کس نے بنی بیاں سی فلک قار
 سب فاطمہ کا صبر ہو تو اسی ہو
 ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
 زمین یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھیے
 کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
 رومال رکھ کے انگلیوں پہ پٹا لٹام دیں
 سچ ہو اہل سے کچھ کسی انساں کا نہیں
 بچا ہو روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
 آیا بنائے ہستی انساں میں جب ظل
 جاتا ہو کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
 نہ فاطمہ رہیں نہ امیر عرب رہے
 رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریے
 زمین سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ہاریے
 لے آؤ مصطفیٰ کی قبا ان کے واسطے
 آنسو بہا کے بانو سے ناشاد سے کہا
 لائے عمامہ شب معراج مصطفیٰ
 جاتے ہیں برچھپیوں میں انہیں دیکھ بھال لو
 کشتی میں لائی بنت علی بیاہ کا لباس
 کپڑے تو ہیں نہ پہنوں نگاہ اس فلک اساس
 ہیں سو گوار ہاتھ میں رومال دیکھیے

مجھ سے ہوں سنو پسر تو کہیں آپ پرشار
 وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
 بیٹی ہو اس طرح کی ہو تو ایسی ہو
 نام خدا زباں کی طاقت تو دیکھیے
 ہر بات میں ثبوت اجازت تو دیکھیے
 گویا زبان پر مصحفِ ناطق کے لال کی
 تم دو گئی نصرت ان کو مجھے نہ تھا یقین
 آیا تھا اتنی عمر ہی لیکر یہ منہ جبین
 او بنتِ فاطمہ یہ کرشمے قضا کے ہیں
 رونا ہونے حصول کہ ہو سنی بے عمل
 روؤ کہ خاک اُٹاؤ نہیں چھوڑتی اہل
 ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کیسے
 پوشاک تو پہنیے یہ کپڑے اتاریے
 شانہ شکاک کے گیسوئے اکبر سنواریے
 خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن واسطے
 پردان آج چڑھتا ہو صاحبِ بیہ لقا
 ارمان تھا بہت تمہیں اکبر کے بیاہ کا
 دولہ بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو
 اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بدردوباس
 تازہ ابھی ہو ماتم عباس حق شناس
 گردن میں لاکے شالِ عزادال دیکھیے

محتاج قبر ہو ابھی تختِ دل حسن
 ہم کس طرح سے بین یہ شادی کا پیرنا
 بھائی کے غم میں چاک گریباں ہو شاہ کا
 تڑپنی پس کے زو جو عباس نامور
 کبرائے آہ سمر د بھری اک جھک کے سر
 فریاد شاہ دیں کی صدا تا فلک گئی
 جب بہر جنگ اکبر شیریں سخن چلے
 واری اُجاڑ کر کے ہمارا چین چلے
 پروا اٹھا جو خیمہ گردوں پناہ کا
 خدام تازی علی اکبر کو در پہ لائے
 ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبر قریب آئے
 اللہ کننا شوقِ شہادت ہو آپ کو
 دنیا سے کوچ کرتا ہو تم سا جواں پسر
 جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
 رونے کو ضبط کیجے جگر کو سنبھالیے
 شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تک گھر کہاں
 اس وقت تم کو روئیں نہ ایسا جگر کہاں
 گھر تھاے کون تم کو کمر توڑے جاتے ہو
 فرزند نے جو روح محمد کی دی قسم
 منہ دیکھ کر پسر کا یہ بولے چشمِ غم
 پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو

عریاں پڑے ہیں عون و محمد سے گلبدین
 عباس نامدار نے پایا نہیں کفن
 مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہو بیاہ کا
 قاسم کی ماں پکاری کہ ہو مے پسر
 بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینب بھی جگر
 عمو کا حال سن کے سکینہ پاک گئی
 بانو پکاری اے مے گل پیرہن چلے
 تیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
 اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا
 آنکھوں سے اشک قبلہ کو نین نہ بھائے
 چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ایسے بائے
 دو چار کام ساتھ تو چلنے دو باب کو
 اسی لعلِ قبر تک تھیں ہو نچاؤ دے پدر
 تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
 ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے
 بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیات پدر کہاں
 خود سے خبر میں ہم کو کسی کی خبر کہاں
 ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو
 بس تھر تھرا کے بیٹھ گئے قبلہ اُمم
 اچھا سدھار و خیر نچائیے ساتھ ہم
 مرجائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گلبدن
 گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دُہن
 آہو نخل تھے گبک درسی کو حجاب تھا
 پہنچا عجب شکوہ سے رن میں مہ جبین
 اُسے رسول حق پہ ہر اک کو ہوا یقین
 تصویر سر سے تا بقدم مصطفیٰ کی ہو
 مثل کہاں کشیدہ ہیں ابروئے نے نظیر
 سر بہ نہ ہونے دینگے عدو کو مرثہ کے تیر
 قربان چشم سر مہ کشیدہ کی شان پر
 ہر جلوہ جبین میں چاند سے دو چند
 زیبا ہو اختروں کو جو گردوں کے سپند
 ہو عین راستی پہ کجی دل نواز ہیں
 آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
 صانع نے کر دیا صفِ مرگاں کا بندوبست
 مردم میں روشنی ہو اسی نور عین سے
 ہم شکل ہیں جناب رسالت مآب کے
 گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکے سحاب کے
 دونوں سے نور میں مہ و خوشیاد ہیں
 گلزارِ حسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
 شرمندہ ہو لبوں سے عقیقہ یمن کا رنگ
 بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰ کی ہو

گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
 ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
 دریا پہ موج تھا تو ہوا پر عقاب تھا
 کوسوں فروغِ حسن سے روشن ہوئی زمیں
 غل تھا یہ نوجواں تو ہی یوسف بھی حسین
 اس حسن کے بشر بھی ہیں قدرتِ خدا کی ہو
 ارجن بھی جس سے ہم کے ہو جائے گوشہ گیر
 ہیں اس کمان و شیر کے قرباں جوان دہیر
 چلہ چڑھا ہوا ہو کیا فی کمان پر
 گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں مکند
 پایا ہو ابروؤں نے عجب رتبہ بلند
 آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ لے سر فراز ہیں
 کیفیتِ رقیقِ محبت سے ہیں پرست
 عین الکمال سے انھیں پہنچے نہ ناشکست
 دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے
 کتنا ہو حسن خود کہ نثار اس شباب کے
 رنسا رہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
 زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں
 اڑتا ہو غنچہ و سن و یا سن کا رنگ
 رنگیں بیاں ہیں سب کے جواہرِ سخن کا رنگ
 غنچہ سے پھول جھڑتے ہیں قدرتِ خدا کی ہو

اللہ سے نور گوہر دندانِ آبدار
 الماس صدقے حاصل بحرِ عدنِ نثار
 دولت ملی ہو اکبر شیریں مقال کو
 روشن ہو دشت گردنِ نازکے کُور سے
 موسیٰ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے
 گردن بھی نئے عدیل گلابے مثال ہو
 ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمایاں
 سر کیس ہیں دم میں بدرِ واحد کی لٹایاں
 بالار ہا ہو سب سے جہاں میں علی کا ہاتھ
 سینہ خزینہ کرم و عدل و داد ہو
 جو رطب و یابس اُس میں ہو سب ان کا ہونہار
 دولت جو نوح کی ہو سفینے میں ان کے ہو
 وہ سینہ جس کا مصحف اکبر مشبہ بہ
 بیداد برچھپوں کی ہو تیروں کا بے مینہ
 دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقہ پر
 کس طرح کوئی وصف سراپا کرے رقم
 قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم
 یاں سب تعلیاں شمعِ اکی فضول ہیں
 کس شان سے کھڑے ہیں علی اکبر جواں
 کہتا ہو ابنِ سعد ستمگارِ رخت جاں
 صدمہ مفارقت کا امامِ زمان پہ ہو

بجلی چمک رہی ہو بدخشاں میں بار بار
 ہیں گوہر خزینہ محبوبِ کمر و گار
 ان موتیوں سے عشق ہو زہرا کے لال کو
 فی الواقعی فزوں ہو ضیاء شمعِ طور سے
 شبیشہ بھرا ہوا ہو شرابِ طور سے
 نغمہ ہیل ہو تو گریباں ہلال ہو
 مثلِ علی کرینے صفوں کی صفائیاں
 زور یدِ علی سے بھری ہیں کلائیوں
 پہنچے یہ واں جہاں نہیں پہنچا کسی کا ہاتھ
 ہاں لاکھامِ مصحفِ ربِّ عباد ہو
 ایمان جانتا ہو جو خوش اعتقاد ہو
 جو طور پر ضیاء تھی وہ سینے میں ان کے ہو
 نیزے لگائے اُس پہ لعین کیا غضب ہو
 سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زہرہ
 کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبی کی شبیہ پر
 جلوہ خدا کے نور کا ہو سر سے تا قدم
 مہرِ ضعیف و مدحِ سلیمانِ ذی شہم
 بس خاتمہ ہوا کہ شبیہ رسول ہیں
 اور اُس طرف کھدے ہوئے ہیں فوج کے نشان
 شیر کے چراغ کو جلدی بچھا دیاں
 دیکھیں حسین اور سہراکبر سناں پہ ہو

کستی ہو فوج سب کہ خدا سے ڈراؤ امیر
حاکم کے گرجا کا ڈر ہو نہ اکر شریہ
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا متقی نہیں

تیرے ہمارے بیچ میں ہو روئے مصطفیٰ

قامت ہو صاف قامت دلجوئے مصطفیٰ

سب روشنی جمال رسولِ زمین کی ہو

کیوں لیے امر زشت کا ہو مگر کب بشر

آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر

بیشک کرم کیا ہو رسالت پناہ نے

کہنے لگا یہ تب روسا سے وہ فتنہ گر

ہوتا نہ تھا گس کا تن پاک تک گزر

ہوتا نہ تھا دھوپ میں جو گزرا جس جاب کا

جس راہ سے گزرتے تھے پیغمبرِ زماں

محبوبِ کبریا ہیں ارم میں یہاں کہاں

محبوبِ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں

بالفرض گرنی ہو تو پھر تم کو خوف کیا

اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی وفا

دیر پڑ رہے جاب رسالت پناہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں ایساں ہو کس کا نام

وٹمن کی مدح واہ یہ ہو کو نسا کلام

گریوں کرو گے رحم ہر اک نو بہرین پر

چپ رہا رہے شاہیں یہ تصور نے ظہیر

اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جان پیر

بتلا یہ کون ہو جو ہمارا بچی نہیں

کھا تو قسم نہیں ہیں یہ گیسوئے مصطفیٰ

ایسے نہ تھے ملے ہوئے امروئے مصطفیٰ

جنگل بسا ہوا ہو یہ پوسٹن کی ہو

ایمان کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر

اُترا ہو آسمان سے ملک وہ نہیں ہیں

تجھ کو ٹوک کر دیا ہو حُبِ جاہ نے

مجھ سے نشانِ خیر و راسخ لو سر بسر

سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر

رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہِ سحاب کا

پھولوں کی تین روزہ مک رہتی تھی ہاں

اکبر ہو حسین کا فرزندِ نوجواں

ہم صورتِ رسول ہو کچھ اس میں شک نہیں

فرمانِ جو امیر کا حاکم کی جو رضا

پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفیٰ

تلواریں ماریں فرقِ شیرِ الہ کے

بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کسی کے کام

ہوتی ہو دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام

کیونکر چھری پھراؤ گے خلقِ حسین پر

اکبر کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو ادھک حرام
اُن کے قدم پہ جن و بشر جان دیتے ہیں
سُن کر صدائے شیر ہما فوج سے شریر
صفر نے لی نیام سے تیغ قضا نظیر
بجلی عیاں ہوئی غضب کر دگار کی
پڑھ کر رجز دلیر و آیا سپاہ میں
بل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قمر کی تھی یا حسام تھی
دورخ میں ناریوں کے پے پے پٹ پٹ گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
چھایا تھا ابر غم سپہ بد صفات پر
جو ہر شناس تیغ زباں منجا دھڑکیں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہو
دیر پڑی تھی سرکشوں کی جو وہ تیغ جاں تاں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کہاں
یار اعقاب تیر کو پرواز کا نہ بھتا
قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
دھالوں سے پھول لے گئے پھول سے زلیا
بہر حصول جزئیہ جو وہ تیغ تل گئی

دی این سعد کو یہ صدا تو لکر حسام
لیجو زباں سے پھر نہ امام اُحم کا نام
امام حسین صلی علیہ کے لیتے ہیں
یاں سے بڑے تھے یہ کہ چلے اس طرف تیر
سمٹی زمین لرز نے لگا آسمان پر
یاد آگئی ہر اک کو چپک ذوالفقار کی
گو یا جھپٹ کے شیر ز آیا سپاہ میں
خیبر کا سرکہ نظر آیا سپاہ میں
پہلے ہی وار میں صفِ اول تمام تھی
پانچ اُس طرف پہنچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
جب برق تیغ کو نہ گئی سر برس گئے
غل تھا کہ اگلے پڑتے ہیں شجاعت پر
تیزی کو حرف حرف کی مد نظر کریں
مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بین السطور تیغ حسینی کی تاب ہو
گو شہوں سے بھنی بلند صدکا اماں اماں
گردن سے سر رگوں سے لہو اور بدن چل
رن میں کہیں نشان قدر انداز کا نہ تھا
برہمی سے پھل تو نہ دین فرس سے تبر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
اک راک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کل گئی

نیکرش وہ جن کو جانتے تھے سیال کا گھر
ہر اک عتاب تیر کے ڈٹے ہوئے تھے پر

اُس جنگ میں دہن کو نہ سونا رکھو لے تے

سر ہائے تھے برچھپن لوں کے ہر طرف

پا مال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف

خاطر نشان نہ تھی کسی آفت نشان کی

جی سننا گئے وہ جدھر سن سے آگئی

جلتے ہوئے کہا ب کی بوتن سے آگئی

کچھ وال فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن کسی تیغ زن کے ہاتھ

سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ

پہنچا تھا ہاتھوں ہاتھ جو ست خدا کا زور

دن میں جمے تھے دلبرِ ضرغام دیں کے پاؤں

بہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہ لیں کے پاؤں

بس دم وہ وہ حرب و ضرب اسے یاد آتی ہو

دیکر سوارِ شام کے لشکر کے رہ گئے

روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے بھگئے

تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی

سر سے عدد کے خود جہاتن سے سر جدا

سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا

ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا

کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ بیتی پر سر بسر

طاقت نہ تھی کہ شاخ کمان تکا کریں نہ

طاقتِ دُور سے ہوئے تھے کہ متنا رکھو لے تھے

ٹکڑے پڑے تھے دستِ یمن لوں کے ہر طرف

پر کالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف

انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

گو یا سموم کوہ کے دامن سے آگئی

چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آگئی

خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل تپیدہ تھی

اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ

وہ معرکہ رہا اُسی گل پیر ہن کے ہاتھ

ہر ضرب میں دکھا دیا خیر کشا کا زور

سچ ہو کہیں اکھڑتے ہیں کن بکس کے پاؤں

تخمی نہ معرکہ میں جوتے زمیں کے پاؤں

یہ زلزلہ نہیں ہو زمیں کا نپ جاتی ہو

خالی صفوں میں سر و نفس بھر کے رہ گئے

ہر چند سنگدل تھے پہ مرم کے رہ گئے

اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا

گھٹنوں سے دونوں اپنے ضلالت اثر جدا

عالمِ مرکبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھ کر تھکی تو سحر بپا ہو کے رہ گیا

تھا ایک ہاتھ میں سہرا سوارِ زمین پر
سہر سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمرِ حصول
زہر کا باغ اُجاڑ کے راحت سے تھے

لکھتا ہوا وہ قلم اب سرعتِ عقاب
پستی میں سیل ہو تو بلند سی میں ہو سحاب
اُڑنے میں اُس فوس کو پرندوں پہ اوج ہو
افزوں ہو زلفِ حور سے خوشبوِ ایال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگردِ چال کی
وہ حسنِ تن پساز کا جو بنِ یراق کا

نازک مزاج و نترن اندام و تیز رو
اُس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا

صرصر سے تند بو سے سبک و ہول سے تیز
طاؤس و کبک و نسرو عقاب ہا سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروزِ بخت تھا

سمٹا جما اُڑا ادھر آیا ادھر گیا
تیروں سے اڑ کے بھٹیوں میں نے خطر گیا
گھوڑ و بھاتن بھی ماسپے اُس کے کھار تھا

سہر تن سے جسم سہر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے تالکر کوئی لا ہو کے رہ گیا
رہوار کی کٹی ہوئی گردنِ زمین پر
تھے زرد شل برگِ خزانِ یدِ مہربان
برنجی سے پھل کمان سے ناخن پہ پھل
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو پکے تھے

نعل اُس کے ماہِ نوہنِ سمِ رشکِ قباب
سرعت میں برقِ گرمِ روانی میں جو آب
اک شور تھا قدم نہیں دریائی موج ہو
دیکھیں تو لیں بلا میں صدا بال بال کی
غصہ میں جہت شیر کی شوخیِ غزال کی
دُلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

گردوں میں سیر باد پہ پھیلا و برق دو
دور و ز سے نہ کاہ ملی تھی اُسے نہ جو
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چل بل میں فتنی تھا

چالاک فہم و فکر سے ذہنِ رسا سے تیز
جانے میں اڑ کے ہندو شہرِ صبا سے تیز
رہوار کیا ہوا پہ سیماں کا تخت تھا

چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھس گیا
برسم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
ضربت تھی نعل کی کہ سرو ہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا تھے دین کا سرور جہاں
 بدکار و بدعشرت و بد آئین و بد زباں
 غرا تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
 افروں تھا دیو سے بھی تن توں نابکار
 اسفند یارِ عصر و نمودار و نامدار
 شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
 بارگاہِ حاکمِ فاسق تھا خود سر
 ذی الجوش شقی کا جو تھا ناطق پسر
 ظاہر کہاں سے سرکشی بندھا دھکی
 میدان میں یوں رجز پڑھا اُس نے بشدد
 گر مارا تھا خش کو وہ بانیِ حسد
 پڑھتے دعا ملک عقبِ باد پا چلے
 وہ کفر تھا یہ دیں تھے عظمت یہ نور رب
 وہ ننگِ روزگار تو یہ عزتِ عرب
 کاذب تھا وہ شقی یہ صداقت نشان تھے
 تازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
 انساں کو اپنے آپ ستائش نہیں روا
 ذی قدر ہیں سید ہیں عالی جناب ہیں
 یوسف نہیں ہو وہ جو کرے دعوے جال
 پایا ہی آفتاب نے کیا اوج کا جلال
 شیطان کو وصلِ نار کا آدم کو نور کا

نکلا اُدھر سے جنگ کو اکشام کا جواں
 سر ہنگ و جنگ جو صلح شور و پہلواں
 رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو
 قوت میں عمرو و عترو و حرب کا یادگار
 شیر آئے سامنے تو کرے تیرے شکار
 نہ آنکھ میں جیا تھی نہ رحم اس کے دل میں تھا
 تھی رو سیاہی پسر سعد کی سپر
 پئے تھا اُس کے تن کی زہر بریں بگہر
 قبضہ میں تیغِ بدعتِ ابنِ زیاد تھی
 تھر کے قلبِ ہل گئی سہرا بکی لہر
 یاں سے بڑھا سر ویدلِ ضعیفِ صمد
 حرب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے
 یہ رشکِ آفتاب درختاں وہ تیرہ شب
 یہ خیر میں رسول وہ شر میں ابولہب
 وہ جسمِ کفر کا تھا یہ ایماں کی جان تھے
 او غل گرفتہ کچھ تھے دعویٰ ہو گرتو آ
 قابل ہیں جس کے سبب ہمارا ہو مرتبا
 ذرے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں
 کب بدرنے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال
 کی سرکشی ادھر تو ادھر آگیا زوال
 یہ عجز کا ثمر ہو وہ پھل ہو غرور کا

ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
 کس کا ہر جہد شفیق الم سید عرب
 جو دوست ہو خدا کا پیر اُس ولی کے ہیں
 شامی پڑھا دھر کو جو بھالا سنبھال کے
 ہمیں کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
 سیما ہو جو گرم تو پھر کیا قرارے
 پیچھے ہٹا جھبک کے جو خونخوار کا سمند
 دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
 لہرتے تھے ہوائ سے پھر ہرے کھلے ہوئے
 گہ ڈاٹھ پر تھی ڈاٹھ سناں پر کبھی سناں
 ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تھان
 یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
 کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب ادھر
 ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیر نر
 سر بر جھلا ہوئے ہیں سخی سے دنی کہیں
 گرز گراں اٹھا کے بڑھا وہ سپہروں
 چلتا ہو کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
 تھا ان کا بفضل خدا سے علی کا ہاتھ
 ظالم نے گرز پھینک کے قبضہ میں کی کہاں
 چھوڑا شفیق نے تیر سے پہلو کہ الاماں
 ضربت تھی یا کہ قہر خدا سے قدیر تھا

روشن ہو آفتاب سے اپنا نسب حسب
 ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیر ذاتِ ب
 کافی ہو بس یہ فخر کہ پوتے علی کے ہیں
 صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
 رہو ارشیر بن کیا آنکھیں بکال کے
 نزدیک تھا شفیق کو سر سے اُتارے
 آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند
 عقیدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
 دوازدہ تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے
 انیوں سے اُترے تھے شرارے کہ الاماں
 طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
 پر زور ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا
 زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
 نیزے سے کار تیغ لیا دلا دے ہنر
 بوڑھی کہیں تھی ڈاٹھ کہیں تھی انی کہیں
 آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثل ظاموں
 ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوقوں
 نے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شفیق کا ہاتھ
 آیا مثال پیل قوی ہیکل و داماں
 تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادہ جہاں
 گوشہ تھا نہ کہاں تھی نہ چل نہ تیر تھا

رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
 کیوں سہلی ہو کھینچ کے نوار منہ پہ آ
 تینیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تلے ہیں
 لی زور و نے میان سے شمشیر بر قدم
 لکے سیاہ ابر سپر کے اٹھے ہم
 دونوں طرف ہوئی تگ و دو کا رزم
 چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
 اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
 رُخ زرد تھا ہر اس سے اُس ہرزہ گرد کا
 شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
 تیغ و سپر میں شیر الہی کی چال ڈھال
 نقشہ دکھا دیا شبہ و دلدل سوار کا
 ڈھالوں کے پرزے ہو گئے سپر کے جوار
 دانتوں کو پسینے کے آنا تھا بار بار
 بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
 لایا کلام سخت جو لب پر وہ بد زباں
 دست اجل بڑھا کہ اٹھی تیغ جانتاں
 گھبر کے خود اجل کے شکنجے میں آ گیا
 نہ وہ تہمتی تھی نہ وہ زور گیو کا
 ظالم نسکا رہن گیا گیاں خدیو کا
 انجلی بفل سے تیغ عجب کروفر کے ساتھ

کوچ نہاد و سرکش و بد کیش و بے حیا
 میدان سے بھاگتا ہو یہ ہر تیسری خطا
 ہم پر تو کچھ ابھی ترے جو ہر کھلے نہیں
 دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
 چالاکیاں دکھانے لگے ہر پیش قدم
 یہ گرد و آری کہ چھپ گیا گردوں غبار میں
 کس کس ہنر سے رُڈ کیے اُس نے اوکھے دار
 یاد آگئے ہر اک کو امیر عرب کے وار
 یاں ٹھاٹھ تھا علی ولی کی نبرد کا
 تیور وہی جو اس وہی اور وہی کمال
 دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تکبر نہ قیل و قال
 جب حرب کی تو نام لیا کر دگار کا
 بھرتا تھا اثر ہے کی طرح دم سیاہ کار
 لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
 جس طرح زخمی صید دیکھا ہو شیر سے
 بس آگیا جلال میں شہزادہ جہاں
 اڑ کر گیا فرس پہ سمندر سبک غناں
 غصہ و شہادہ باز کے پنجے میں آ گیا
 منہ پھر گیا طمانچہ ضیغم سے دیو کا
 کافروہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
 اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہونی ظفر
 سجدے سے سر اٹھا کے پکارے بچشم تر
 قابو میں دل نہیں جو بہت نے قرار ہوں
 بہتر نہیں ہو اس سے مرے پاس کئی شکر
 گزری بہار زیست کی آیا زمانہ و
 حرمت سے اس پسر کو شہادت حصول ہو
 مقبول جس طرح ہونی قربانی خلیل
 دہر وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیل
 اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سید ہو
 مصروف تھا دعائیں ادھر فاطمہ کا لال
 بڑھ کر و غاکرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
 سوکھے تھے ہونٹ نگ بھی فاقوں سے زرد تھا
 یہ دیر سے لڑے تھے وہ فوج تازہ دم
 ہاتھوں کا زور کم ہوا باہا تھا دم بدم
 انکھیں تو سُرخ غیفہ سے تھری چڑھی ہوئی
 نکلا پرے سے ایک جفا کار و کینہ خواہ
 چلایا دیکھ کر طرف بارگاہ شاہ
 اس نوجواں کے ہجر میں آخر نہ کل پڑی
 تھا عشق سے چھو پھی کے تو واقف لالہ نام
 گردن پھر کے جلا نظر کی سوئے خیام
 برچھی کسی کی سینہ اوزر پہ چل گئی

بس چمک گئے زمین پہ شہنشاہ بحر و بر
 یارب لڑا ہر تیرے فاقے سے یہ پسر
 ہاں تیرے رحم و لطف کا امیڈا ہوں
 مایہ ہو تو یہ ہو جو بضاعت ہو تو یہ ہو
 اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہو
 یارب فقیر کا ہو یہ ہدیہ قبول ہو
 اُس طرح سرفراز ہو یہ بسندہ ذلیل
 میں اس کا تھی نہیں اسے خالق جلیل
 مقبول ہو اگر یہ نوبہ تو عید ہو
 دُعا ہوا تھا فوج عرویش نو نہال
 لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں تھی جدال
 باز و تھکا ہوا تھا کلانی میں درد تھا
 فاقوں کا صفت پیاس کا صدمہ ہر کاغم
 پکھیت میں نے جے ہوئے تھے شیر کے قدم
 طاقت گھٹی ہوئی تھی چہت بڑھی ہوئی
 تھا کید میں نلیفہ شیطان وہ رو سیاہ
 آفت ہر پالنے کی محبت بھی آہ آہ
 لو گھر سے بنت فاطمہ نہرا نخل پڑی
 گھبرا گیا حسین کا فرزند نیک نام
 منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
 دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈنگھانے لگا تھا مگر جگر
 سب ہو گئے دوست بلویں ہو میں تر
 جڑ بے کسی نہ تھا کوئی اس ماہر کے ساتھ
 لیتا تھا غش میں چکیاں وہ چودھویں کماہ
 بیٹھا گلے بغیر کہ حالت ہو فی تباه
 بنت رسول رونے کو منہ ڈھانپنے لگی
 سر کاٹ لویہ غل جو لگے کرنے اشقیاء
 ای نور عین فاطمہ ای سبط مصطفیٰ
 جلد آئیے عسلام پہ احسان کیجئے
 جس دم سنی حسین نے یہ جاں گزاصدا
 ہاتھوں سے دلو تھا م کے دوڑے ہنہیا
 مگر غریب دیکیں و تنہا سے جایو
 ای ہر مرے شفیق پسر مہرباں پسر
 مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر
 مقتل کہ ہر ہر کوئی بتاتا نہیں مجھے
 مجھ کو غریب دشت بلا کے پھر پکار
 ای شیرید الشہدا کہ کے پھر پکار
 میری بھی جان تن سے تے ساتھ جائے گی
 کچھ ہوش دست و پا کا نہیں ہے جوں
 غمگیں ہوں مردہ دل ہیں حزیں میں افسوں
 کیونکر قرار آئے دل نا صبور کو

فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
 رہوار سے لپٹ گئے ہرنی پر رکھ کے مہر
 مکرے کبد کے زخم سے نکلے ہو کے ساتھ
 جو گرنہ فرق پاک پہ مارا کسی نے آہ
 رہوار سے گرا پسر شاہ دیں پناہ
 تڑپا وہ نوجوان کہ زمیں کا پنے لگی
 گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
 ای بحر فیض ای قمر برج ہل آتا
 مشکل کو دم کھلنے کی آسان کیجئے
 صابر اگر چہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
 نعرہ کیا کہ ای علی اکبر کروں میں کیا
 آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جایو
 خوشرو پسر سعید پسر قدر داں پسر
 کم گو پسر شہید پسر نوجواں پسر
 ای نور عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے
 اک بار یاشہ دو سرا کہ کے پھر پکار
 صدقے ہو باپ یا ایتنا کہ کے پھر پکار
 مرجاؤ نگاہیں جو نہ آواز آئے گی
 زخمی ہو قلب کشتہ اندوہ دیاں
 دم توڑو تم تو ہو غضب انریں پاس ہوں
 لاؤں کہاں سے دھونڈ کے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آئی حضرت زہرا کی یہ صدا
 دم توڑتا ہر گود میں میری یہ مہ لقا
 دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
 چلائے سر کو پیٹ کے شیر نار
 جو یا ہوں اُن کا میں انھیں میرا ہر انتظار
 عاشق کا حال کچھ لیں کچھ بات کے جائیں
 دوڑے یہ بات کہ کے جو سلطان مجبور
 اٹھا یہ دل میں ورد کہ خم ہو گئی کمر
 ترپے جو گر کے اور ترپے کے ٹھہر گئے
 ہوش آیا تین ساعت کال کے جنب
 آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب لب
 دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
 بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
 اینٹھی ہو گز زبان تو آنکھوں کو واکرو
 وادی کے پاس چشم کو تر پہ جاتے ہو
 اکبر نے آنکھیں کھول کے دیکھا رخ پر
 فرمایا شے زانو پہ رکھ کر سر پسر
 یاں سے اٹھا کے آل ہمبر میں بے چلیں
 کی عرض ملت اتنی کہاں اوشہ اعم
 دولت ملی کہ دیکھ لیئے آپ کے قدم
 ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دو ہیں

ہاں حسین تیرے ٹپنے کے ہیں فدا
 جاں اس کی تجھ میں اٹھی ہوا میرے دل پر
 آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو
 اماں خدا کے واسطے اکبر سے ہوشیار
 کہد تجھے کہ آتا ہر بابا جگر فگار
 دنیا سے کوچ ہر توفقات کر کے جائیں
 بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی ہو میں نہ
 دیکھا جو زخم منہ کے قریب آگیا جگر
 غل پر گیا صندوق میں کہ شیر مر گئے
 دیکھا کہ مٹ رہی ہر شبیہ رسول رب
 چلاتے تھے کہ چوڑ چلے ہم کو ہر غضب
 باہیں اٹھا کے باپ کی گردن میں لادو
 غفلت کا وقت یہ نہیں وکر خدا کرو
 صدقے پر اشارے میں مطلب واکرو
 عروں سے باتیں ہوتی ہیں سکرانے ہو
 گالوں پہ اشک آنکھوں سے چمک اُدھر اُدھر
 روتے ہو کس کے واسطے اے غیر تفر
 غم ماں کا ہو تو آؤ تمھیں گھر میں بے چلیں
 اب کیجے قبلہ رو کہ نکلتا ہر تن سے دم
 غیر از غم فراق مجھے کچھ نہیں ہو غم
 روتا ہوں اس لیے کہ اکیلے حضور ہیں

شہ نے کہا مرے لیے بیاناہ روؤ بس
 دنیا کی آرزو ہر نہ بچنے کی کچھ ہو س
 اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہو
 بتلا کس امید پہ یہ نیم جاں بجے
 دنیا میں جس کا تم سانہ کوئل جواں بجے
 پہلے نہ ہم گزر گئے شہرِ سنگی یہ ہو
 یہ بات سن کے لیے لگا پچکیاں پسر
 زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سرسبر
 دنیا سے انتقال ہوا تو رعین کا
 نکلی ادھر تو جسم سے اکبر کی جان زار
 فتنہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر ایک بار
 پھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
 گھبرا کے شاہ دیں نے اٹھالی پسر کی لاش
 لائے قریب خیمہ جو اس سیمبر کی لاش
 زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سرِ نخل پڑیں
 سرنگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
 بانو پکاری تھی تھی کہ یا شاہِ شہ نہ کام
 منکا دھلا ہے۔ ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہو
 زین تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
 طاقت نہیں ہو آپ میں یا شاہِ نامدار
 شہ کہتے تھے یہ کام ہو مجھ خستہ جان کا

ہو گا جہاں سے جانے میں خراسان ہیں
 میرے لیے ہو اب دمِ خنجر ہر اک نفس
 جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے چاک ہو
 افسوس شیرِ قتل ہو اور ناتواں بجے
 وہ باپ کس طرح جیے کیونکہ وہ مان
 ہم دونوں تیرے ساتھ مرین نہ گی یہ ہو
 سوکھی زباں دکھائی کہ پیا سا ہوں دیو
 دو بار لی کراد کے کروٹ ادھر ادھر
 ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسین کا
 یاں بیدیاں ہوئیں درختے پہ نئے قرار
 اکبر پہ کیا گزر گئی ای شاہِ نامدار
 جلد آئے کہ حضرت زینب نکلتی ہیں
 لپٹائے تھے کلیجے سے نعتِ جگر کی لاش
 غل پڑ گیا کہ آتی ہو رشکِ قمر کی لاش
 سب بیدیاں خیام سے باہر نکل پڑیں
 تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لیے امام
 جیا ہو یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
 او جانِ فاطمہ مرے بچے میں جان ہو
 پہ لاش میری گود میں دیجے بہنِ نثار
 صدقے گئی لڑتا ہو فاقوں سے جسم زار
 تجھ سے بہن اٹھے گا نہ لاشہ جو ان کا

لاشہ پسر کا خیمہ میں لائے امام پاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہ دردناک

پہلے گماں تھا غش میں و غاکر کے آئے ہیں
لاشہ کے پاس ہائے پسر کہ کے ماں گری
دل پر ہر اک کے برق غم نو جواں گری
چھوٹی بہن جو لاشہ سے آکر لپٹ گئی
بس اے انیس اب نہیں آگے بیاں کی تیا
گر قدرواں ہیں کم تو نہ کراتنا اضطراب
تو ذاکر حسین علیہ السلام ہو

مسند رسول حق کی بچپانی بروئے خاک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آسے ہیں
ہاتھوں سے دل پر کے چھو پھی عجباں گری
غش کے کوئی یاں گری اور کوئی وال گری
اک حشر ہو گیا صف ماتم الٹ گئی
لکھوں حرم کے ہیں تو ہوتی ہر اک کتاب
جلدی مدو کرینگے شہ آسماں جناب
تیری انہیں کو فکر ہو جن کا غلام ہو

رُبَاعِی

ہو مدح ہیں علی کے دربانوں میں
خوشید فلک فخر سے آملتا ہو

خادم بھی ہو کمترین ثنا خوانوں میں
دن کو دنوں میں شب کو پڑانوں میں

رُبَاعِی

عمر اپنی غم شہ میں بسر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شعل ماتم میں سدا

آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
پھر قصر جاناں انیس مر کر لے تو

مرثیہ (۱۳)

یوسف کو عزیزوں نے چھوڑا یا چھوڑتے
 رنگِ سُرخ پر نور اُڑا اور دِجِ سر سے
 دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
 تھا چشم کے چشموں سے وال اشکِ سیلا
 آرام کی صورت نہ کوئی زلیخت کی اسباب
 بستر کو کبھی دیکھ کے دلہند کے روئے
 پیرا ہنِ یوسف کبھی آنکھوں سے لگاتے
 رو رو کے یہ فرماتے جو کپڑے نظر آتے
 افسوس کہ وہ خلق سے بن باپ سدھارے
 جاتے تھے عصا تھا حے ہوئے شہر میں گھر گھر
 جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر
 اب جان نکلتی ہو جلا دے مجھے کوئی
 ہر بات پہ رو کر کفِ افسوس کو ملتے
 اشکِ آنکھوں سے ہر مرتبہ خساروں ڈھلتے
 جب شہر میں پاتے تھے نہ اُس شکِ قمر کو
 سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے
 صحر کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے
 اب اُس کی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہو

فرقت ہوئی یعقوب کو اُس شکِ قمر سے
 دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے
 بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہ الم میں
 برہیں دل مجروح تپاں صورتِ سیما
 فرزند جب آنکھوں سے نہاں تو کہاں خواہ
 بچیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے
 گرتے کی کبھی سونگھ کے پوشاک بہاتے
 پوشاک جس کی ہوا سے ہم نہیں پاتے
 کپڑے تو دھرے رہ گئے اداس پھاہے
 بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
 ملتا نہیں گم ہو گیا یوسف مراد لبر
 فرزند سے لبتہ ملا دے مجھے کوئی
 ہر گام پہ سہل کی طرح گر کے سنبھلتے
 کہ ضعف سے گرتے کبھی اُٹھتے کبھی چلتے
 صحر کی طرف ڈھونڈھنے جاتے تھے پسرو
 اشکوں سے کبھی دشت کے دہن کو بھگوتے
 دریائے یہ کہ کبھی سُخا اشکوں سے دھوتے
 تجھ میں تو مرا گوہر نایاب نہیں ہو

تھے چاہے قشت میں فرزند کے جو یا
یوسف تھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈوبا
کچھ تیرا پتہ اسی مرے مہر د نہیں ملتا
کیا جانئے ہو دھوپ میں یا سر پہ ہر سایا
گر می کے ہیں دن پانی بھی ٹھنڈا کہیں پایا
راحت بھی کوئی دم ہو کہ دکھ ہتے ہو بیٹا
گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہو پیارے
گر دن کو چھے شب کو نکلتے ہیں ستارے
حیرت ہو مرے دیدہ دیدار طلب کو
بند ملاقات کی صورت تو بتاؤ
اس لعل بھی خواب میں بابا کے تو آؤ
چہرے سے ردا کا کبھی کونا نہیں چھٹتا
برسوں جو اسی طرح رہے مضطرب و دلگیر
تھے فرق سے تانا خن پا درد کی تصویر
زور اپنا دکھایا کمر راست کے خم نے
بیت الحزن اور آپ نہ کھانا تھا نہ سونا
آہیں کبھی کرنا کبھی منہ اشکوں سے دھونا
آرام نہ نے گریہ و زاری کوئی دم تھا
افراط الم سے یہ جوانی میں ہوا حال
اک طاہر روح اور رگوں کا تھا فقط جال
روئے شیب و روز جدائی میں پسری

چلاتے تھے اس لعل تو کس قبر میں ہوا
خود گم ہوں کہ پیارے تھے ان نگاہیں کھو یا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا
کھانا بھی کہیں چین سے کھایا کہ نہ کھایا
آرام مرے ہجر میں کیونکر نہ تھے آیا
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں رہتے ہو بیٹا
تو دیکھتے ہیں لوگ اے صبح کو مارے
تو کونسی بدلی میں ہوا چاند ہمارے
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہو نہ شب کو
آنکھوں کی بصارت بھی چلی اب نہ رلاؤ
مادر کے تڑپنے کو ذرا دیکھ تو جاؤ
جس روز سے تم چھوٹے ہو رونا نہیں چھٹتا
طاقت تو گھٹی رنج بڑھا غم سے ہے ہر
اب جاییں کہاں ضعف ہوا پاؤں کی خمیر
بٹھلا دیا بیٹے کے بچھڑنے کے الم نے
گودن تھا تو رونا تھا جو تھی رات تو رونا
اک کہنہ حصیر اور نہ تکیہ نہ بچھونا
رخساروں پہ تھے زخم اور آنکھوں پہ دم تھا
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہیں پیر کمن سال
کوئی نہ رہا ریش مبارک میں یہ بال
آنکھیں بھی ہوئیں نذر اسی نور نظر کی

فرمایا جب آنکھوں کی بصارت ہوئی نازل
یوسف کی نظر اُسے نہ جب شکل و شکل
جو نور نظر تھا وہ نظر بند ہوا ہی
پوچھا یہی گر کوئی ملاقات کو آیا
افس کہ پیارے کی خبر کوئی نہ لایا
کیا لطف ہی گر جیتے رہے کھوکے پسر کو
یارب کوئی فرزند جدا ہونہ پدر سے
موت آکے نہ بیجائے یہ دولت کسی گھر سے
فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
ہر چند کہ یعقوب کے گیارہ تھے پسر اور
یعقوب محمد کی مصیبت پر کرو غور
حق کہ رضا جوئے خدا وہ شہ دیں تھا
یعقوب کے آگے جو پسر بھی کو کھاتا
فرزند کا دکھ باپ سے دکھا نہیں جاتا
ہوتا ہی قلق گل ہوا گر خار کے نیچے
غیروں کے لئے اپنی کمائی کوئی کھوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ مکتا کو ڈلوئے
فرزند کا غم بانوئے ناشاد سے پوچھو
یعقوب پہ ثابت تھا کہ زندہ ہی جگر بند
تھی اُن سے سوا بیٹے کی الفت نہیں نہ چند
فرماتے تھے فرزند عنایت ہی خدا کی

بہتر ہوا مضطر نہیں سینے میں مراد ل
میان سے کیا فائدہ کیا آنکھوں سے حال
ان آنکھوں کے حجرے نہ نکلیں اب تو بجا ہی
بتلاؤ کہ یوسف کا پتہ ہی کہیں پایا
ایسا نہیں بچھڑا کہ ٹٹے گا مرا جاپا
ای جان نخل اب کہ قرار آئے جگر کو
اٹھ جاتا ہی جینے کا مزا مرگ پسر سے
جانا نہیں یہ داغ ہوئے پر بھی جگر سے
یہ داغ کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو
آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
آقا پہ تھا رے ہوئے کیا کیا ستم و جور
اُس نعل کو کھویا کہ جو یوسف سے حسین تھا
ہی دل کو یقیں سننے کے کلج ب نخل آتا
اکبر سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنوا نا
رکھے تو کلیجہ کوئی تلوار کے نیچے
دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
فرزند جواں قتل ہوا اور باپ نہ روئے
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو
یوں روتے تھے جس طرح کہ مر جاتا ہی فرزند
لیکن پسر فاطمہ تھا خرم و خرسند
دینے میں ہی کیا عذر امانت ہی خدا کی

کرتا ہے سفر یوسف شاہنشاہ عالی
 تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی
 کرتی ہے نظریاں سے جب روئے پسر پر
 آہوں کے کلیجے میں در آتے ہیں جو بھالے
 بیٹے کے اشارہ ہو کہ اے گیسوؤں والے
 جنت میں ہیں ساتھ نہ لیجاؤ گے بیٹا
 حال اپنا اشاروں میں چل کر قیامتھی اظہار
 رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار
 فرزند بھی گھر بار بھی سب تذخہ ہا
 ہم شاد ہیں کیوں روتے ہو اے کبر کلہا
 کر دے گا خدا اپنے سفر کا بھی سر انجام
 حق تم پر ہر زینب کا وہ ہاں رکھے تو روکے
 پس باپ ہوں الفت مری کیا اے مرے پیارے
 مشکل ہے دو چاہنے والے ہیں تمہارے
 دامن جو وہ پکڑیں تو چھوڑا سکتے ہو بیٹا
 یہم نہ ہوں جو تم نے کہا منہ سے وہ مانا
 اشکوں کے بہانے کو بھی بھینگی ہر سانا
 جو ماں کا وہی زینب دلگیر کا حق ہے
 نزدیک ہمارے تو ہر نصرت میں تامل
 بالوں کو جو بکھرا بیگی وہ صورتِ سبیل
 صدقے کوئی ہوگی کوئی قدیموں پر گرے گی

کسانِ حسین ابن علی ہوتا ہے خالی
 ہاتھوں سے جگر تھامے ہواں پالنے والی
 چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پر
 بسمل کی طرح لوثتی ہو دل کو سنبھالے
 واری تھکے اس تیج سے اللہ نکالے
 کیا چھوڑے کے مادر کو چلے جاؤ گے بیٹا
 رہ جاتا ہے رو کر پسر میکس و نا حیار
 فرماتے ہیں حضرت کہ جو جنگ کے ہتھیار
 مادر سے کہو باپ تو راضی برضا ہے
 تم شوق سے سروے کے کرو خلیہ میں آرام
 میرا تو یہ مطلب ہے کہ اُمت کا بنے کام
 ہم تم کو نہ روکیں گے جواں روکے تو روکے
 یکساں ہے رہے یا نہ رہے پاس ہمارے
 جان ایک کی اور ایک کے ہتھکڑیاں
 نئے دونوں کے راضی کیے جاسکتے ہو بیٹا
 دیکھیں گے کہ جاؤ گے کچھ آسان ہے جانا
 دشوار ہے مشکل ہے رضا جنگ کی پانا
 یاں پالنے کا حق ہے تو وہاں شیر کا حق ہے
 دو قمریاں اک سرو ہو دو بلبلیں اک گل
 ہوئے گا بسا نالہ و فریاد کا اک گل
 ماں پکڑے گی دامن تو پھر بھی گرد پھرے گی

لوحان کیا ہم نے کہ ماں نے تری مانا
 ہو جائے گا دم تن سے ترے ساتھ روانا
 مرجائیگی گرد و برہم ہوئی آنے میں بیٹا
 دو جانیں تلف ہوئی ہیں اس جانے سے حال
 والے جاؤ تو جاؤ مرے پاس آنے سے حال
 اکہم ہوئے ایسے کہ کیا صبر پسر کو
 ہو ایک تو کوئی اُسے بچھائے مری جاں
 اور ماں کی جو پوچھو اُسے سوط کے ہیں نہیان
 منصب ہو یہ دنیا سے سفر کرنے کے دن ہیں
 اکبر نے کہا باپ سے یہ ماں کو سنا کر
 وہ آپا کینگی کہ فدا ہو مراد لبر
 زہرا کی بہو یہ ہیں تو وہ بنت علی ہیں
 فرزندوں کو حضرت پہ پھوپھی جان نے ارا
 اس وقت میں مجھ کو بھی نہیں کہنے کی پیارا
 دھڑکا ہو رنڈا لپے کا جو رنجیدہ ہیں اماں
 وارثت ہو جو سر پہ تو ہو عورت کے لئے تاج
 کو کھاجڑے تو اُجڑے پہ نہ دنیا میں تاج
 ہاں باپ کی خدمت کو سپر حق نے دیے ہیں
 ممکن ہو کہ یہ اپنی کمائی کو بچائیں
 یہ وہ ہیں کہ مرضی ہو خدا آپ کی پائیں
 "تلواروں سے دل کو نہ بچائیں نہ جگر کو

ہوئے گا گوارا نگھے زینب کا رُلانا
 تو جان ہو سب گھر کی مناسبت نہیں جانا
 دو جانوں کا نقصان ہو ترے جانے میں بیٹا
 خصت کا سخن لب پہ بھلا لانے سے حاصل
 تدبیر نکالو کوئی غم کھانے سے حاصل
 اُن سے تو سنبھالا نہیں جلے گا جگر کو
 بہنیں ترے صدقے ہیں پھوپھی ہو تر تریاں
 پوتے کے کھلانے کی ہوس بیاہ کا اداں
 راتیں یہ مرادوں کی ہیں یا مرنے کے دن ہیں
 خادم کو نہ رو کینگی پھوپھی اور نہ مادر
 حضرت سے زیادہ انھیں پیارا نہیں اکبر
 جو چاہیں سودیں یہ بھی سخی وہ بھی سخی ہیں
 بیٹی ہوئی رائٹہ اُن کی مگر ہم نہیں مارا
 ہاں آپ کی فرت نہیں ہونے کی گوارا
 ناداں نہیں سنجیدہ و ہمیدہ ہیں اماں
 ہوتی ہو رنڈا لپے میں ردا کے لئے تاج
 سا پہ ہو فقط آپ کا ان کے لئے معراج
 فرزندانگر ہیں تو اسی دن کے لیے ہیں
 اور قاطعہ کے لعل کو ہاتھوں سے گنوائیں
 اصغر کو بھی جھوٹے سے ابھی نذر کو لائیں
 خود بھیجیں "تلواروں میں بیار پسر کو

حضرت سے چھو پھی جان کو جیسی ہو محبت
 ہیں آپ کے بدلے یہ گرفتار مصیبت
 حُر کے لیے سجادے پہ مشغول دعا ہیں
 مطلق نہیں دھیان اُن کو رہے یا کوئی جاکے
 کچھ غم نہ ہوا ہاتھ سے دو لعل گنواے
 کیا ذکر خا ہونے کا خوشنود ہیں وہ تو
 بانو نے کہا زینب بیکیں سے کہ ہمشیر
 ہر بات ہو یہ میرے کلیجے کے لیے تیر
 اکبر سے محبت کے گلے مجھ کو بڑے ہیں
 کیا ہوئے گا سینے میں ہڑکتا ہر مرادل
 اس وقت مدد کیجے کہ آسان ہو مشکل
 کچھ آپ ہی سمجھائیے اس غنچہ دہاں کو
 یہ آپ سے ہرگز نہیں کر سکنے کے تکرار
 زینب نے کہا تم سے بچھڑتا نہ یہ دلدار
 رخصت نہ اگر دو گی تو قدموں پہ جھکے گا
 لٹ جائے گی اٹھارہ برس کی یکمائی
 دو لہا نہ بنایا نہ دھن بیاہ کے آئی
 میں خوش تھی کہ اب ساتھ دہن لیکے چلیں گے
 بانو سے بھی زینب سے بھی کہنے لگے سرور
 چپ رہ گئی زینب تو کلیجے کو کپڑا کر
 میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی

یہ بھائی بہن میں کبھی دیکھی نہیں الفت
 کیا دور ہو بن ملنگے اگر دین مجھ خدمت
 جو آپ پہ قربان ہو یہ اُس پہ فدا ہیں
 اُن کو تو وہ پیارا ہی جو کام آپ کے آئے
 اس کی ہیں وہ جو یا کہ بہن بھائی کو پائے
 جاں اپنی فدا کرنے کو ہو جو ہیں وہ تو
 سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
 میں کیا کروں کچھ چھ کو بن آتی نہیں تدبیر
 ہر پاس اب سب طبعی پاس کھڑے ہیں
 کیوں لائے ہیں ہمارا پسر کو شبہ عادل
 نے آس کر نیگے ہوئے جب بایکے قابل
 گویائی کی طاقت تو نہیں میری زباں کو
 میں باندھتی ہوں ہاتھوں کو کھلائیے ہتھیلیا
 وہ کیا کرے ہر باپ مصیبت میں گرفتار
 یہ صاحب غیرت نہ رُکے گا نہ رُکے گا
 ہو جائے گا پھر بیکیں و تنہا مرا بھائی
 مر جاؤ تگی ہو ہو علی اکبر کی جدائی
 کیا اس کی خبر تھی کہ نہ پھولے نہ چھلین گے
 کیا کہتی ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبر
 بانو نے کہا حکم سے لوٹا ہی نہیں باہر
 مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

واجب ہر اطاعت مجھے یا سید را برابر
 میں آپ کی گھر آپ کا اور آپ کے دلدار
 شکوے نہیں گرہیں تو مجھ کے گلے ہیں
 ہر کام کا وہ ان میں جو کام آپ کے آئے
 فرماؤ تو لونڈی علی اصغر کو بھی لائے
 پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہم سے جدا ہوں
 شبہ بولے نہیں جس میں غشی ہوئے تمہاری
 بانو نے کہا میں تو رضامند ہوں ارے
 سب جائیں مگر آپ کا جانا نہیں منظور
 گر کہیں تو آنسو بھی نہ آنکھوں سے بہاؤں
 ہاتھوں کو بھی پھیلا کے گلے سے نہ لگاؤں
 اولاد جو پیاری ہو تو حضرت ہی کے دم تک
 پھٹ جائے کیلچر بھی تو منہ سے نہ کروں آہ
 گودل پہ گرے ہجر میں کوہ غم جانکاہ
 سمجھوں نہ کہ غفلت میں یہ کیا ہو گیا مجھ سے
 شہ نے کہا کیا کہنا ہو واللہ تمہارا
 ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پایا
 ہر دکھ میں ہر اک پنج میں راضی جتنا ہیں
 جیتا نہیں وہ جس کے مقدر میں ہو مرنا
 آفت تو ہو فرزند کا دنیا سے گزرنا
 برسوں سے یہی رنگ گلستانِ جاں ہو

طاقت ہو میں اس امر میں کر سکتی ہوں تکرار
 لونڈی کے بھی مالک ہوا اور اکبر کے بھی مختار
 یل ل مجھے آپ کے صدقے میں ملے ہیں
 ارشاد جسے کیجیے وہ مرنے کو جائے
 حسرت ہو کہ مادر انھیں فر شاہ بنائے
 اب تو یہی شادی ہو کہ حضرت پہ فدا ہوں
 اکبر رہیں ہم جائیں سوئے لشکر ناری
 کہہ دیجیے اب ان سے کہ منگو ایسے سواری
 خاتونِ قیامت کا رُلانا نہیں منظور
 بیٹے کی محبت کے سخن لب پہ نہ لاؤں
 رونی ہوئی پہنچانے کو دیکھ بھی نہ جاؤں
 کہتے تو بلائیں بھی نہ لوں سر سے قدم تک
 دامن بھی نہ پکڑوں جو زمیندان کی لیں راہ
 نہ روؤں نہ پیٹوں نہ کہوں بٹے مراہ
 پالاتھا کسے کون جدا ہو گیا مجھ سے
 ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
 کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو ملا
 یہ کام انھیں کا ہو جو خاصانِ خدا ہیں
 مشکل ہو مگر صبر کی سل چھاتی پہ دھرنا
 انسان کو لازم ہو مگر صبر بھی کرنا
 جس گل پہ بہار آج ہو کل اس پہ خزاں ہو

کچھ بھول تو دکھلا کے بہا رہی ہیں جاتے
 کچھ گل ہیں کہ پھولے نہیں جاتے میں سکتے
 بل کی طرح روتے ہیں فریاد و فغاں سے
 مرنے والے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر
 سرپٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر
 آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سلا کر
 مٹی سے بچاتے ہیں سدا جبر کا تن پاک
 مادر جسے عیاں نہیں کرتی یہ افلاک
 غربت میں کوئی پچھنے والا نہیں ہوتا
 بس ہوتا تو فرزند سے ہم پہلے نہ مرتے
 نے اُن کے کوئی اُن نہ دنیا میں ٹھرتے
 پر دخل ہمیں مرضی مجبور میں کب ہو
 منظور ہمیں شیعوں کی ہو عقدہ کشائی
 ہوگی جو کسی باپ سے بیٹے کی جدائی
 جب اپنے پسر کے لئے فریاد کریں گے
 فرزندِ صغیر اُن کا تلف ہوگا کوئی گر
 ہو جائے گی بیوہ جو کسی شخص کی دختر
 بھولینگے مرے غم میں الم خوش و پسر کا
 تھا مجھ کو تردد نہ دو گی انھیں نصرت
 بانو سے کہا ختم ہو زہرا پہ سخاوت
 خوشنودی خالق جو مجھے مد نظر ہو

کچھ سوکھ کے کانٹوں کی طرح ہیں نظر آتے
 غنچے بہت ایسے ہیں کہ کھلنے نہیں پاتے
 کچھ بس نہیں چلتا جن آراء جہاں سے
 ماں باپ کا کیا زور ہو جو خواہش تقدیر
 جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
 رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر
 اُس گل پہ گرا دیتے ہیں اب سیکڑوں خاک
 وہ قبر میں سوتا ہو دھری رہتی ہو پشتاک
 شمعیں بھی جلاؤ تو اُجالا نہیں ہوتا
 کوچ اُن کا نہ ہوتا کہ سفرِ خلق سے کرتے
 یغسل و کفن دے کے ہیں قبر میں نہ مرتے
 وال ہم سے بھی پہلے علی اکبر کی طلب ہو
 عباس کو روٹینگے جو مر جائے گا بھائی
 دھیان آئے گا اکبر نے سناں سینے پھائی
 وہ داغ کلیجے کا مرے یاد کریں گے
 ہیں دوست مرے یاد کرینگے غمِ صفر
 کبرا کے رنڈا ہے وہ روئے گا مقبر
 مرہم ہی اُن لوگوں کے ہو زخمِ جگر کا
 پر کیوں نہ ہو زہرا کی بہو صاحبِ عزت
 کیا صبر مرا کیا مراد دل کیا مدی ہمت
 صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہو

میکے میں ہوئی کبھی اس صبر کے قابل
 شوہر تو ملا ابن علی سائشہ عادل
 ہاتھ آگیا خورشید تو ایسا قمر ایسا
 سراوہ کہ جس شیر کے قبضے میں خدائی
 ساس ایسی کہ جو احمد مختار کی جانی
 خود مصحف اکبر میں بیاں جن کا کیا ہو
 جب خواب میں آئی تھیں مے اپنی ماہ
 ارشاد کیا تھا یہ دلہن مجھ کو بنا کر
 لاتی ہوں کمائی کو شہ عقدہ کشا کی
 لونڈی نے جو گردن ہر زانو سے اٹھائی
 اس حسن کے نظارہ کی میں تاب نہ لائی
 قطرے کئی رخساروں پہ آنکھوں نے حل آئے
 زہرانے کہا یہ مری آنکھوں کا تارا
 لیجو مریے پیارے سے کمائی کو نہ پیارا
 حق اُن کی محبت کا ادا کرتی ہو بانو
 بانو نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقت
 فرمایا کہ اُن سے بھی تو لو مرنے کی نصرت
 گو چپ ہو مگر اُس کو قلق ماں سے سوا ہو
 زینب نے کہا جس میں رضا ہے شہ عالی
 کیا غم ہو نہ پوچھنا مجھے ماں سے تو رضائی
 صدقے کیے فرزند پوچھی سوگ نشیں ہو

فیض اسی گھر سے ہوا ہر مجھے حاصل
 بیٹا علی اکبر سا ملا جو رشتہ سائل
 کس بی بی نے پایا ہو گھر ایسا پسایا
 کی جس نے رسولوں کی سدا عقدہ کشائی
 نند ایسی کہ جس عابدہ کا آپا بھائی
 رشتہ مجھے اُن موتیوں سے حق نے دیا ہو
 کس پیار سے چھاتی سے لگایا تھا ماسر
 میں فاطمہ ہوں ہی تیرا دولہا مراد لبر
 لے دیکھ لے صورت کو مے ماہِ لقا کی
 حضرت کی یہی چاند سی صورت نظر آئی
 پر یکسی دیاس سی تھی چہرے پہ چھائی
 حضرت تو ہنسنے اور مے آنسو نکل آئے
 فرزند کو احمد نے اسی لعل پہ دارا
 صدقے گئی وہ آج کھلا مجھ پہ اشارا
 دولت یہی اک ہو سو خدا کرتی ہو بانو
 اکبر کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
 جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہو ریاضت
 تم پر مری ہمیشہ کا حق ماں سے سوا ہو
 میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
 مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پائے والی
 تجھیں تو مرا حق ہو نہ تجھیں تو نہیں ہو

بچپن میں یہ چھائی پھری کا ہے کوئے
 لنگھی نہیں کی گیسوے مشکیں نہیں ہوئے
 کیوں روئے ہیں کس لئے حضرت کو قلعہ ہو
 سی کرنے کرتے تھے کس روز پھٹا
 رکھتی تھی میں کس دن انھیں دلہا سا بنائے
 پوچھے تو کوئی گھنٹیوں جس روز چلے تھے
 راتوں کو رہا کون چھٹی چلوں میں بیدار
 پہلو میں رہا دل کی طرح کس کے دلدار
 بے میری اجازت جو یہ مرنے کو چلے ہیں
 جذبہ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام
 قرباں رہی اٹھارہ برس جو سحر و شام
 کیوں ان کی بلا لیکے پہلے ہی موئی میں
 مانے مرے پوچھے کہیں جاتے تھے زہار
 اس فاقے پر باز بھی کمر اور سچ لئے تھیا
 بھگیں جو میں موت کا پیغام بھی تھا
 خوش ہیں کہ رضا مرنے کی لی اپنے پرستے
 میں ساتھ ہی نکلونگی رہا پھینکے مرے
 دل بند کیلئے جدا میں نے کیے ہیں
 اب تک مری آنکھوں سے ہے یہ کبھی جل
 بستی مری دیران ہو آباد ہو جنگل
 سرسبز ہو جو نخل اکھاڑا نہیں جاتا

کب جاگی میں تبسج جو یہ چوٹ کے روئے
 ان کے لئے کب ہیں نہ سپر ہاتھ سے کھوئے
 حقدار میں کا ہے کو مر ا کو نسا حق ہو
 اسبند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
 نازان کے پھوپھی نے کبھی کا ہی کو اٹھائے
 ان تلوؤں سے یہ دیدہ تر کس نے ملے تھے
 کس نے کہو سر مہ دیا ان آنکھوں میں ہر بار
 کس بی بی نے گیسو میں یمنٹ کے رکھے چار
 پوچھے تو کوئی کس کی مرادوں کے پلے ہیں
 اس شادی کا کس نے کیا کنبے میں ہر انجام
 پوچھا بھی نہ ہاں سچ ہوا بس بی بی کیا کام
 سب لوگ تو ان کے ہوئے کوئی نئی نہیں
 یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
 مجبور ہیں پا کے یہ ایسے ہوئے فخر
 آغاز خطِ سبز کا انخام یہی تھا
 اُلفت کے سبب بس نہ چلا ماں کا پیسہ
 کس طرح سے جاتے ہیں جھلا جائیں گھر سے
 اس محل پر دو لعل فدا میں نے کیے ہیں
 میں عیبتی ہوں یہ جائینگے کیونکر سوئے مقتل
 اٹھارہ برس کی ہر ریاضت کا یہی پل
 ہاتھوں سے چین اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہو سو اس
 نہ عون و محمد میں نہ قاسم ہیں نہ عباس
 تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں
 سُن کر یخن بی بیاں رونے لگیں ساری
 بانوئے دو عالم پیقت ہوئی طاری
 نہ دھیان سکینہ کا نہ صفر کی خبر تھی
 بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبائے عالم
 دو چاند سے فرزند ہوئے ہیں ابھی نے دم
 ماں کی یہی مرضی یہی بابا کی خوشی ہو
 لازم ہو کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ۔
 خود چاہتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ
 جاں اپنی جو اتی میں نہ دو باسکے بدلے
 لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار
 لوٹے نہ کوئی آل ہمیں خبردار
 کیوں روتے ہو اے لعل جھکائے ہوئے سر کو
 کھرام ہوا شہ نے یہ بیٹے سے کہا جب
 بانو نے کہا ہائے مرا راج کٹا اب
 روئی جو سکینہ قدم سے لپٹ کر
 زہرا کی صدا آئی کہ فریاد ہو فریاد
 فکر اپنی ہو سب کو مراد کھ درد نہیں یاد
 بہنیں نہیں یا گود کا پالا نہیں کوئی

زینب نہیں جینے کی جو یہ بھی ہے پاس
 اب تو یہی میری ہو مراد اور یہی آس
 ہاتھوں سے مجھے قبر میں صہ لیں سدھاریں
 حضرت کے بھی اکبر کے بھی آنسو ہو جا رہی
 غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
 زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی
 رخصت نہ ملے گی تمہیں کیوں کتنے تھے ہم
 مرجائے گی اس درد سیدہ کو نہ دو غم
 زینب کی خوشی حضرت زہرا کی خوشی ہو
 کہتی ہیں نجانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
 دن پھولنے پھلنے کے ہیں کیوں چھپاؤ
 اُسٹ پہ فدا ہونگے ہیں آپ کے بدلے
 بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
 بنت اسد اللہ کی چادر سے خبردار
 دیکھو تو ادمرا بتونہ رو کو گے پدر کو
 سینوں کو لگے پیٹنے ہاتھوں سے حرم سب
 اکبر کا تو رنگ اڑ گیا گھبرا گئی زینب
 کبرا بھی لگی پیٹنے گھونگٹ کو الٹ کر
 سب دیکھتے ہیں اور مرا گھر ہوتا ہی برباد
 ایسی مری اولاد سے پیاری ہوئی اولاد
 شیر کا کیا روکنے والا نہیں کوئی

اس وقت ہر کس ج میں زینب مری جائی
 کی میری کمائی سے عزیز اپنی کمائی
 فرزندوں کے مرنے سے ہلاکت کریں ہر
 جس وقت سنی حضرت زہرا کی یہ تقریر
 کی عرض بعد عجز کہ یا حضرت شہید
 کیوں آپ ہوئے مستعد جنگ یہ کیا تھا
 کیا اس لیے روکا تھا رہیں اکبر ذیجاہ
 حضرت تو ہیں واقف بن ایسی نہیں ایسا
 بیٹے مرے کیلئے علی اکبر ہتھی کیا ہیں
 ہم شکل یہ جن کے ہیں اگر آج وہ ہوتے
 اس لشکر اعدا کو علی خوں میں ڈبوتے
 کس دروے فریاد بکا کرتی ہیں اماں
 اکبر سے کہا لومری جاں رن کو سدھا رو
 جو دشمن اولاد علی ہیں اُنھیں مارو
 اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہو بیٹا
 تسلیم کو خوش ہو کے بھلے اکبر ذی جاہ
 کانپے فلک اس نور سے شیر نے کی آہ
 خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نخل آیا
 گھوڑے پہ چڑھے شاہ سے نصرت ہو اکبر
 کس صدمہ جانکاہ سے نصرت ہوئے اکبر
 کتنا دل بیتاب کو سمجھاتے تھے شیر

منظور نہیں کدو کے پالے کی جدائی
 دنیا میں وہ پھر پائے گی اس طرح کا بھائی
 مظلوم ہوا ہوش میں اس وقت نہیں ہر
 روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
 صدقہ علی اکبر کا مری بخشے تقصیر
 روکا تھا جو اکبر کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا
 اوتار نہ دین آپ سدھائیں سو جگہ
 گر جان بھی کام آئے تو موجود ہی واللہ
 سو ایسے پسر کو کدو پہ زہرا کی فدا ہیں
 میدان میں حضرت کے لیے جان کھوتے
 وہ چاہنے والے تو ہیں سب قبر میں تے
 سن لیجئے بیٹی کا گلا کرتی ہیں اماں
 زینب کا بنا کام بگڑتا ہو سوارو
 اب حق ہی میرا ہو کہ سر باپ پہ دارو
 ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہو بیٹا
 دل تھام کے غش ہو گئی بنت اسد اللہ
 ماں ڈیوڑھی تلک وٹی گئی بیٹے کے ہمراہ
 خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا
 کس صدمہ جانکاہ سے نصرت ہوئے اکبر
 شہ پھرتے نہ رتھے راہ سے نصرت ہوئے اکبر
 ہر گام پہ مڑ کے ٹھہر جاتے تھے شیر

چلا تے تھے اب بھی جو ہلاو تو چلے آئیں
 اے نور بھارت تھیں ہنڈیں تو کہاں پائیں
 مجھ کو جو اہل کا نہ پیام آئے گا بابا
 یہ کہ کے بڑھے دن کی طرف اکبر دلیگیر
 روشن جو ہوا پشت تو گھبرا گئے نے پیر
 نور رخ احمد جو دو بار نظر آیا
 کہتا تھا کوئی موسیٰ عمراں ہے یہ غازی
 لکتنوں کو یقین تھا یہ کنہاں ہے یہ غازی
 کچھ متفق اس پہ تھے کہ یہ روح نبی ہیں
 وارث ہے رسولوں کے تبرک کا یہ فی جو
 آدم کا کمر بند و کلمہ خود سر ہو
 شان نبوی عزت و توقیر حسینی
 گیسوئے مسلسل رخ روشن پہ چوہن چار
 پیچھت رخسار کی سطریں ہیں نمودار
 زلفوں میں کرو غور ذرا رخ کی ضیا کو
 چہرے کو اگر صبح کہیں لف کو گرات
 دنیا میں سدا شام سے ہو تاب سحر رات
 گیسو ساروئے دل افروز بہم ہے
 دنیا میں کوئی آج نہیں ثانی اکبر
 یہ راہ دو ہفتہ ہے کہ پیشانی اکبر
 یہ جلوہ گری مہر کی پر تو میں نہیں ہے

کیوں پھیر دیا راہ تو بتلاؤ کہ ہر جا ہیں
 وہ کتنا تھا تکلیف بس اب آپ نہ فرمائیں
 پھر آپ کی خدمت میں غلام آئے گا بابا
 طاقت جو نہ تھی بچھ گئے خاک پشیر
 ذروں میں نظر آنے لگی مہر کی تنہا
 خوشید جہاں تاب ستار نظر آیا
 اک سو تھا پل غلی عیسیٰ وہاں ہے غازی
 چلائی تھیں پریاں کہ سلیمان ہے یہ غازی
 کہتے تھے مسلمان کہ رسول عربی ہیں
 علامہ محبوب خدا سر پہ ہو موجود
 پیرا ہن یوسف زہرہ حضرت داؤد
 نیزہ جو حسن کا ہے تو شمشیر حسینی
 ہر ان کے عیاں سلسلہ احمد غمار
 میں معنی پہ پہنچد کھلے گر تو ہو طومار
 دیکھو شب معراج میں محبوب خدا کو
 دن ہوتا ہے جب خلق سے کہتی ہے معرفت
 یاں بیچ میں غم رشید ادھر رات ادھر رات
 کیا قدرت حق ہے کہ شب و دن بہم ہے
 یوسف کی زباں پر ہے ثنا خوانی اکبر
 خوشید ہے یا چہرہ نورانی اکبر
 ابرو میں جو خم ہے وہ بہ نو میں نہیں ہے

سجدے کا نشان اور یہ پیشانی انور
 حقائق یہ ہر تاج ہر عرش کا گوہر
 حصے میں ستارا یہ نہیں اور کسی کے
 ابرو جو کمائیں ہیں تو مژگان سیتیر
 ہر دیدہ ابرو سے عیاں جنگ کی تصویرو
 اب بچھیں تو کون اٹکھ ملا سکتا ہر دن میں
 آغاز ہو سبزہ انھیں اٹھارواں ہر سال
 اک نور مجسم ہر ذرہ حشمت و اجلال
 سیارے ہوں اسبند جو سارے تو بجا ہو
 سبزہ رُخ گلگوں پہ نکلنے نہیں پایا
 موسم بھی لڑا کین کا بدلنے نہیں پایا
 چہرے سے عیاں ہو کہ جو انی میں بھی کم ہو
 پستہ ہو کہ غنچہ ہر دن عقل ہر یاں گم
 دانتوں کی چمک لیکھ کے ہنگام تکلم
 تابش میں جو دندان فلکں برق ہے ہیں
 نے شل ہو کہ گردن و بازو و برو دوش
 ہر صوفے متلی کی قرابریں روپوش
 ناخن نے دکھایا جو رُخ جلوہ گر اپنا
 سینہ ہو وہ سینہ کہ جو کینہ سے بری ہو
 کب قرص مہر میں یہ جلوہ گری ہو
 دیکھے جو اسے علم کے گنجینے کو دیکھے

طالع سرخورد شیدہ ہر نہرہ ازہر
 دکھلائے تو کوئی فلک اس طرح کا اختر
 تارا یہ وہ ہو گھر میں جو اتر اٹھا علی کے
 ہر جن کے ہر اک گوشہ پہ قرباں دل شیر
 دو مردم خوریز میں کھینچے ہوئے شمشیر
 اُلٹیں گی صفیں فوج کی اک چشم زدن میں
 کس فصل میں اس گل کو خزاں کرتی ہو پامال
 خورشید پہ نقطے ہیں خساروں میں خال
 تاروں کو فلک ان پہ اُتارے تو بجا ہو
 نخل قد ابھی پھولنے پھلنے نہیں پایا
 ہاتھوں میں حنا بیاہ کی ملنے نہیں پایا
 دو سال ابھی عشرہ ثانی میں بھی کم ہو
 لالے کی کلی میں نہیں دیکھا یہ ترسم
 اشکوں کی طرح آنکھ سے گرجاتے ہیں انجم
 دریائے خجالت میں گہر غنم ہوئے ہیں
 ساعد کی ضیا دیکھ کے موسیٰ کے ارے ہوش
 پگھلیاں روشن ہیں کہ شمعیں ہو میں خاموش
 شرم کے مہ نونے جھکا یا ہو سراپنا
 نور اس میں ہو یا اُسنہ میں عکس ہو
 یاں روشنی طور چرخ سحری ہو
 اس سینے کو دیکھے تو نہ آئینے کو دیکھے

نے مثل ہی سینہ کی طرح پیش کش صاف
دیکھیں جو نظر بھر کے لئے صاحب انصاف

ضوایی نہ آئینہ مناب میں دیکھی
ہیں ان کے قدم راہ رو بادہ تسلیم
ان قدیموں پہ جو سر ہو وہ ہو لایت تعلیم
روشن جہیز میں ہی تو یہ پر تو ہو او نہیں کا

ناگاہ رجز خواں ہوا وہ شیر غضبناک
دادا حاریدہ ہو صی شہ لولاک
عیسیٰ کو نہ موسیٰ کو نہ آدم کو ملا ہی

مشہور ہیں جو صاحب توقیر وہ ہم ہیں
بھجی جنہیں اللہ نے شمشیر وہ ہم ہیں
ناری ہو وہ اس گھر سے جو الفت نہیں کھتا
ہو نور الہی کی ضیا گھر میں ہمارے
نست کے طبق آئے سد گھر میں ہمارے

خوشید کو حبت ہو وہ اعجاز بیاں ہیں
روشن گر آئینہ دیں ہیں تو ہمیں ہیں
اور بعد بنی تخت نشیں ہیں تو ہمیں ہیں

قدسی ہیں معرف سحر و شام ہمارے
ہر شخص کی مشکل میں ہیں عقدہ کشا ہیں
مردوں کو جلا یا ہو وہ اعجاز نما ہیں
عالم پہ ازل سے ہی عنایات ہماری

ہو صاف تو یہ بات کے و شواہد و صاف
خوشیہ سے روشن ہو تو آئینے سے شفاف
مخل نے یہ نرمی نہ کبھی خواب میں دیکھی

ہاتھ آئے ہیں کیا پاؤں نہ ہے عزت و کرم
ثابت قدمی ان سے سدا پاتی ہو تعلیم
جو راہ خدا میں ہو وہ پیرو ہوا نہیں کا

میں شیر کا فرزند ہوں اے لشکر سفاک
ہر جس سے دنیا کے جسے حق نے کیا پاک
جھٹل الہی سے شرف ہم کو ملا ہو

ہو جن کا شرف عرش پہ تحریر وہ ہم ہیں
آیا جو جنہیں آیہ تطہیر وہ ہم ہیں
عالم میں کوئی ہم پہ فضیلت نہیں رکھتا

اُترے ملک عرش علا گھر میں ہمارے
نازل ہوا قرآن خدا گھر میں ہمارے
قرآن زباں جس کی ہو ہم اس کی نیاں ہیں

گر مہر نبوت کے نگیں ہیں تو ہمیں ہیں
اسم ابراہی کے ایسے ہیں تو ہمیں ہیں
جو عرش پہ کھے ہیں وہ ہیں نام ہمارے

خوشید سخا ابر کرم عین عطا ہیں
ہم طرہ دستار سہر عرش خدا ہیں
ہو خلقت آدم کا سبب ذات ہماری

حال اپنی شرافت کا ہر سب غلت پہ چالی
 فردوس کے مختار ہیں کوئین کے والی
 گہ تحت ثریٰ اوج ثریا پہ کبھی ہیں
 اسرار الہی کے جو ماہر ہیں تو ہم ہیں
 ہر آئینہ صفت کے اگر سر ہیں تو ہم ہیں
 قرآن کو جو پوچھو تو وہ حصہ ہے ہمارا
 طالب ہو تو انجائز رسولوں کے کھادیں
 بیمار جہل سال کولاؤ تو شفا دیں
 پتھر کو کریں موم بلا لیویں شجر کو
 معبود کو خدا وچ ہے منظور ہمارا
 گویاں ہیں میں پر ہے مکاں دور ہمارا
 اللہ کے ہم ظاہر و باطن میں دلی ہیں
 غل عرش پہ ہے تہہ برتر کا ہمارے
 خاقان ہے ادنیٰ سا گداور کا ہمارے
 اس گھر کے وہ محتاج ہیں جو صاحب ہیں
 اللہ نے سب طرح کی دولت ہمیں دی ہے
 کوئین کو بخشیں وہ سخاوت ہمیں دی ہے
 رو باہوں کے بلوے سے ترو داہیں کیا ہے
 زیبا ہے ہمارے ہی لیے رتبہ شاہی
 ہے آل محمد کا غضب قہر الہی
 برق غضب حضرت باری نہیں رکتی

اللہ نے بخشا ہی ہیں تہہ عالی
 ہیں نور خدا ہم سے کوئی جان نہیں والی
 یاں ہیں کبھی اور ظارم اعلا پہ کبھی ہیں
 باطن میں ہیں تو ہم ہیں جہ ظاہر میں ہم ہیں
 قاری ہیں تو ہم ہیں جو منسرب تو ہم ہیں
 تو ریت اور گیل میں قصہ ہے ہمارا
 تلومردوں کو فیشی کی طرح دم میں ملا دیں
 اونچتر سے رہبر کو کبھی ہم راہ بتا دیں
 ٹکڑے کریں انگلی کے اشارے سے قمر کو
 کعبہ جسے کہتے ہیں وہ ہے طور ہمارا
 ہم خاک پہ ہیں عرش پہ ہے نور ہمارا
 گہر خفی اس کے ہیں اور گاہ جلی ہیں
 دربان ہے جبرئیل امیں گھر کا ہمارے
 قیصر بھی غلام ایک ہے قبر کا ہمارے
 اللہ کے ہاتھوں کے سبھی دست لگ رہیں
 عزت ہمیں بخشی ہے شرافت ہمیں لوی ہے
 قابل ہیں عرب جس کے وہ جہات ہمیں دی ہے
 ہم شیر ہیں اس شیر کے جو شیر خدا ہے
 ہیں حکم شریعت کے ہیں آمر و نای
 ہم ہوں تو آجائے زمانہ پہ سب ہی
 لاکھوں سے کبھی تیغ ہماری نہیں رکتی

ہیں فتح بدر و احد خندق و خیبر
 اک ضرب میں کاٹا سر عمر و دوسرے
 منصور و مظفر ہے تائب احد سے
 شہرہ ہر ہمارا عرب و روم و عجم میں
 باندھا ہر گلا دیو کا طاقت ہر وہ ہم میں
 جنات کے لشکر سے کئی بار لڑے ہیں
 میں اس کا پسر ہوں جو خدا کا ہر شناسا
 جان اس کی ہوں پانی نہ ملا جس کو ذرا
 دلدار ہوں خاتون قیامت کے پسر کا
 اے قوم ابھی اٹھا رہے ہیں کاہر مرا سن
 ماں باپ کو راحت نہیں اک ن مے بن
 کھانے کی نہ پروا ہر نہ پانی کی ہوس ہو
 فرما کے رجز شیر نے شمشیر علم کی
 تعریف کرے کیا کوئی اس کے چم غم کی
 کیا آگ بھٹی اس شعلہ پر قہر کے اندر
 ڈھالوں کی گھٹا چار طرٹ چھا گئی گھنگھو
 گر جہ صفت رعد جو اتان سلشور
 جاتے ہی وہ شمشیر نہ بھپرتی نظر آتی
 تھا حملہ اکبر غضب حضرت باری
 اک برق جندہ بھٹی وہ رکھیں کسے ناری
 دشمن کو گرا کر بھی نہ منہ موڑتی بھٹی وہ

ان ہاتھوں سے مارا گیا مر حبسا دلاور
 دو انگلیوں سے چاک کیا کلا اثر دور
 کہیہ میں سر لٹ کو توڑا ہر لکڑ سے
 تلوار سے رستم کو بھگا دیتے ہیں دم میں
 اور گاڑ دیا دیں کا نشان سیرلم میں
 پانی کے لیے آگ میں ہم کو دپڑے ہیں
 فرزند ہوں اس کا جو نبی کا ہو نواسا
 میں وہ ہوں پدر جس کا ہو دور و زبے پیاسا
 ملکر اہوں محسن کے کلجے کا جگر کا
 رایتیں ہیں جوانی کی مرادوں کے ہیں یہ دن
 پر جان کا صرف میں کروں نہیں ممکن
 میں وہ ہوں جسے مرگ جوانی کی ہوس ہو
 اور نا د علی پڑھ کے دم تیغ پہ دم کی
 سیدھی صف دشمن کو ملی راہ عدم کی
 چنگاریاں اڑ اڑ کے گریں نہر کے اندر
 تیروں کے برسنے کا ہوا مینہ کی طرح شور
 اکبر جو بڑھے شام کے بادل کا گھٹنا زور
 اک برق سی ہر غول پہ گرتی نظر آتی
 دو ہو گیا شمشیر جسے شیر نے ماری
 تینوں کا یہ عالم تھا کہ تھیں جنگ ماری
 دم تن سے نکل جاتا تھا تب چھوٹی تھئی وہ

اک مجروحہ موبیٰ عمر اے مٹی وہ شمشیر
 بجلی سی کبھی یاں تو کبھی واں مٹی وہ شمشیر
 اک حشر کا عالم تھا غضب جنگاں مٹی مٹی
 تھے فوج شقاوت کے پرے مضطرب بحال
 تھا ہول کے مارے یہ تمکاروں کا احوال
 رُخ پھیرے تھے وہ جو قدر انداز بے تھے
 غل تھا یہ کمانوں میں کہ ہم گوشہ گزیں ہیں
 چلا تے تھے یہ تیر کہ ہم چلائشیں ہیں
 کس طرح سے قابو سے زبردست نکلیں
 ہر وار پہ اکبر کو صدا دیتے تھے شیر
 ٹکڑے کیے یوں ڈانڈ کے کٹا کٹے پیر
 فردوس میں جنت کا نخل ملتا ہر دم کو
 رو رو کے یہ کہتے تھے ابھی سید بچا
 اک ظلم کی برجھی جو لگی سینے پہ ناگاہ
 آلودہ بچوں کھنچ کے جو برجھی کا پھل آیا
 برجھی کو تو اُس شیر نے جلا دے چھینا
 دی باپ کو آواز کہ اے شاہ مدینا
 اٹھا رہے ہیں آپ کے سایہ میں پلے ہم
 آواز پسر سنتے ہی حالت ہوئی تغیر
 برجھی سے تو زخمی ہوئے واں اکبر و دیگر
 تھا کون اٹھا تاجِ زمیں سے انھیں آکر

شملہ مٹی کہیں اور کہیں لٹاں مٹی وہ شمشیر
 گوشتے بہر کفار تو چوگاں مٹی وہ شمشیر
 افراط سے کشتوں کے زین تنگ ہوئی مٹی
 تلوار لگانے کی جگہ روکتے تھے دھال
 سو فار اُدھر تیر کا چلے کی طرف بھال
 چلوں کی طرح تیر کشاکش میں پڑے تھے
 شہزادے ترے خون کے در پہ لپیں ہیں
 کہش و خطا کا رہی دشمن دیں ہیں
 بس ہو جو ہمارا تو نہ ہم شست نکلیں
 شاہ باں مے شیر یہ مٹی جنگ کی تیر
 یہ بند نہ کھلتے کبھی جسز ناخن شمشیر
 کیا دیکھیے اس جنگ کا پھل ملتا ہر دم کو
 اکبر پہ اُدھر ٹوٹ پڑا شکر گم راہ
 دل تھام کے غازی نے کہا یا اسد اللہ
 اک نعت جگر سینے سے باہر نکل آیا
 پردوب گیا خون میں وہ چاند سا سینا
 برجھی سے جگر چھید گیا دشوار ہو جینا
 جلا آئے یا شاہ کہ دنیا سے چلے ہم
 چلا کے کہا ہائے کیلچے پہ لگا تیر
 بسل سے تڑپنے لگے یاں حضرت شیر
 اٹھ کر کبھی دوڑے تو گرے تھو کریں کھاکر

میدان میں جوشہ آئے تو اکبر کو نہ پایا
 دھندلایا کیے مشکل پیمبر کو نہ پایا
 دریا پہ گئے جھک کے کبھی چاہ کو دیکھا
 اعدائے کہا کیا ہوا یار و مرا پیارا
 کس ظالم نے رحم نے اُس نسل کو مارا
 صورت دکھاؤ گے جو اُس تشنہ لگو کی
 یہ کہتے ہی لی میان سے ششیر شر بار
 آئی یہ صدا حیدر کرار کی یکبار
 صحرا میں وہ اک نخل تلے خون میں تہہ
 ناگاہ نظر پڑ گئی اُس نورِ نظر پر
 اک کوہ غم و درد گرا شہ کے جگر پر
 چلائے کہ دنیا سے سفر کرتے ہو بیٹا
 سمجھایا یہ پیر پاؤں رگڑنے کا اشارہ
 جن آنکھوں کو ان خاک بھرے تلووں پر لایا
 بابوں کوڑ میں پر جو چٹکتے ہو اٹھا کے
 پیٹے علی اکبر یخِ سن کے پیر سے
 دیکھا شہِ مظلوم کو حشر کی نظر سے
 چلائے شہِ دیں کہ سفر کر گئے اکبر
 خاموش امیس اب کہ نہیں طاقتِ گفتار
 جانکاہ ہے یہ ماتمِ فرزندِ خوش اطوار
 وحسرت و درد کہ عجب غنچہ وہاں مُرد

لاشوں میں کہیں لاشہ صفدر کو نہ پایا
 غازی کو بہادر کو دلاور کو نہ پایا
 لیکن نہ کہیں جلوہ گر اوس ماہ کو دیکھا
 میدان سے کس سمت مرا شہرِ سدھارا
 بتلاؤ سلامت ہے کہ میرتن سے اتارا
 ندی اسی میدان میں ہا دو کٹا ہو کی
 اور غیظ میں آیا پسر احمد مختار
 اکبر کا پتا دیتا ہوں میں اسی مے دلدار
 آغوش میں زہرا کے ترا نورِ نظر ہے
 چھاتی پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
 بس ہائے پسر کہنے گرے لاشِ پسر
 ہے ہی یہ پدرِ جیٹا ہے تم مرتے ہو بیٹا
 میدانِ شہادت میں قدم اپنے مارا
 دیکھیں آنکھیں آنکھوں سے ہم اب کے چہ تھارا
 کیا ہاتھ نہیں چھوٹے پنجے سے قصا کے
 اشک آنکھوں سے جاری ہے کی آہ جگر
 بیٹا تو چھٹا باپ سے اور باپ پسر سے
 زہرا کی صدا آئی کہ ہاں مر گئے اکبر
 غش ہو گئے مجلس میں کئی شہ کے عزادار
 ہو حق بطرف و میں اگر سیدِ ابرار
 میں ماتمِ سخت است کہ گویند جواں مُرد

مرثیہ

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر

صد مومن میں علاجِ دلِ مجروح ہی ہو
ماں باپ کا دل غچہ خنداں ہی اسی سے
سباحت و آرام کا سماں ہی اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہو
یہ وہ ہی خصایہ پیرِ جواں رہتا ہو جس سے
وہ شمع ہو پر نور مکان رہتا ہو جس سے
کھوٹے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے

صوابت ہی شوکت ہی اجال ہی ہو
سرمایہ ہی نعمت ہی مال ہی ہو
دل بند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہو
ماں باپ کی آسائش و راحت ہی پسر سے
خون جسم میں آنکھوں میں بصارت ہی پسر سے
آرام جگر و دستِ دلِ راحتِ جاں ہو
وہ شمع ہو خوشی در پہ کھڑی رہتی ہو جس سے
وہ لال ہو امید بڑی رہتی ہو جس سے
آرام جگر تاب و توان ساتھ ہو اس کے

راحت کوئی آرامِ جگر سے نہیں بہتر
نکمت کوئی بوسے گل تر سے نہیں بہتر

ریحاں ہی روح ہی راح ہی روح ہی ہو
وہ گل ہو کہ گھر شگ گستاں ہی اسی سے
آبادی کا شانہ انساں ہی اسی سے
گھر قبر سے بدتر ہو جو فرزند نہیں ہو
یہ وہ ہی گئیں نام و نشان ہوتا ہو جس سے
وہ در ہو قوی رشتہ جاں ہوتا ہو جس سے
موتی بھی ٹٹا دیتے ہیں اس ال کے بدلے

ثروت ہی ثمت ہی اقبال ہی ہو
گوہر ہی پاؤت ہی لال ہی ہو
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہو
تلی میں بھی جینے کی طاقت ہی پسر سے
ایامِ ضعیفی میں بھی طاقت ہی پسر سے
پیری میں یہ طاقت ہو کہ فرزند جواں ہو
وہ چین ہو راحت کی گھڑی رہتی ہو جس سے
وہ دُر ہو یہ دُر جان لڑی رہتی ہو جس سے
پھرتا ہو جدھر رشتہ جاں ساتھ ہو اس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُجر جانے کو پوچھو
ماں باپ قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو

اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا

اب نصبتِ اکبر ہی شرتِ شندہاں سے

پیری میں چھڑاتا ہو فلک تازہ جواں سے

آتی ہو اہلِ گود کا پالا نہیں جاتا

فرماتے ہیں فرزندے آنکھوں کو چرا کر

کستا ہو وہ ناشاد جواں اشک بہا کر

مٹھ نیزہ و شمشیر سے موڑا نہیں جاتا

مولایہ غلام اب متمنی ہو رضا کا

شہرہ ہو علمِ بار دلاور کی وفا کا

اس خاک کا ذرہ ہو تو خورشید و ہی ہو

جینے پہ مرے عشقِ خدا جس کو نہیں ہو

خاک اُس زرد گوہر پہ بقا جس کو نہیں ہو

ادنیٰ ہو تو اعلیٰ ہو گدا ہو تو غنی ہو

ڈوبے گا جو حیدر کے سفینے میں نہیں ہو

دلِ مردہ ہو گر وہ بھی سینے میں نہیں ہو

سر دینے کی لذت کوئی سرداروں کو پوچھے

پھر موت ہو گر عمر ملی لاکھ برس کی

واماندوں کو آتی ہو یہ آواز جس کی

اس دن کے سوا تو شہِ عقبے نہ ملے گا

طہر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
بیخواب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
پر جاتا ہر آنکھوں سے ہو قلب و جگر کا

فرزند بچھڑتا ہو رامام دو جہاں سے

کس فصل میں دیش ہو قوتِ تن جاں سے

صابر سے کلیجے کو سنبھالائیں جاتا

دیکھ آؤ ذرا مادرِ ناشاد کو جا کر

اب جائینگے جیمے میں سناں سینے میں کھا کر

سب چھوڑیں مگر آپ کو چھوڑا نہیں جاتا

ششاق ہو یہ خشک گلا آبِ بقا کا

کچھ کام تو خادم سے بھی ہو راہِ خدا کا

جو آج مرے زندہ جاوید ہو ہی ہو

پتھر ہو محبت کا مزا جس کو نہیں ہو

لٹتی ہو یہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ہو

حصہ یہ ایسی کا ہو جو قسمت کا دھنی ہو

نام اُس کا شفاعت کے نگینے میں نہیں ہو

مرنے میں جولنت ہو وہ جینے میں نہیں ہو

زخموں کا فراشہ کے نیک خواروں کو پوچھے

بلبل سے اب اٹھتی نہیں تکلیفِ نفس کی

ایسا ہو مسافر کو فقط چنِ نفس کی

ڈھونڈے گا تو پھر قافلہ ایسا نہ ملے گا

دوری نہیں کچھ عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ
 سالک ہر وہی راہِ رضا سے ہے جو آگاہ
 جاتا ہے وہیں پھر کے جو آتا ہے جہاں سے
 کوتاہی قسمت نے چھرایا ہمیں سب سے
 سر دیں گے دمِ صبح ارادہ تھا یہ شب سے
 دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
 چھوٹے جو ہوں وہ جو شیر شیر دکھائیں
 عباس علی خوں میں لب نہ نہائیں
 فرزندِ فدایاں پہ ہوتے نہیں شایہ
 بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی
 ہم شیریں شیروں کی قسم شیرِ خدا کی
 قبضوں میں کمانیں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے
 نہ صبر میں حضرت سا کوئی ہے نہ رضا میں
 یہ حوصلہ کس کا ہے کہ روئے نہ عزا میں
 گر بعدِ خدا کے ہیں تو ماں باپ ہیں مولا
 اے سالک نہ مانج علی راہ دکھا دے
 مشتاق ہوں جس در کا وہ درگاہ دکھا دے
 وال پنچیں جہاں عرش بھی پایا نہیں رکھتا
 یہ کہ کے جو قدموں پہ گرا وہ مہِ انور
 میں مانج تحصیل سعادت نہیں دلبر
 یہ سنئے ہی دنیا سے گمز جائے گی زینب

۵۰

ہمت ہو تو کٹ جاتی ہے نرمی سے گری
 آئیل کی صورت نتھے کوثر کی ہے گر چاہ
 دن بھر میں کہاں مہر پہنچتا ہے کہاں سے
 محبوبِ مجھ سے نخلِ شاہِ عرب سے
 ترپا کیے اور کچھ نہ کہا پاسِ ادب سے
 قاسم تو ہوں فردوس میں انہم ہیں جہاں میں
 ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
 بعد ان کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
 ہم حیدرِ کرار کے پوتے نہیں شایہ
 مٹ جائینگے جو ہر جو ہمیں نے نہ وفا کی
 حرمت ہیں شجاعت کی تو عزت ہیں فنا کی
 بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے
 گھر آپ نے صدقے کیا سب اہِ خدا میں
 کیجے مری امداد بھی اس رنج و بلا میں
 دیجے مجھے نصرت کہ سخی آپ ہیں مولا
 دروازہ رحمت مجھے لٹہ دکھا دے
 دربارِ شہنشاہِ فلک جاہ دکھا دے
 ہمسائے میں اُس کے ہونج سایا نہیں کھتا
 سر چھاتی سے لپٹا کے یہ کہنے لگے سرور
 جو تم سے بن آئے وہ کروا دی علی اکبر
 رونامہ مجھے اس کا ہے کہ مر جائے گی زینب

عمر اُس نے گنوائی ہر محبت میں تمہاری
 اٹھا رہا بریں کاٹے ہیں الفت میں تمہاری
 اللہ ہی چاہے تو نہ حائل کوئی شو ہو
 بسم اللہ اگر عزم ہو تو رخسے میں جاؤ
 رو کو نکانہ میں شوق سے پھر پھیاں کھاؤ
 دیر اب کہیں دنیا سے گزرنے میں نہ ہوئے
 شہرت ہو جواب دیکھے سہراہ خدا ہیں
 آبادی ہوٹ جائے جو گھر راہ خدا ہیں
 اک یہ بھی عطا ہو کہ بنے کام ہمارا
 یس کے گیا خیمے میں وہ صاحب توقیر
 پلٹا کے گلے کہنے لگی شاہ کی ہمشیر
 دو دن سے اس آفت میں نہیں سو ہو بیٹا
 حضرت کی تو ہو خیر کہو اور مرے دلیر
 اب خیر کہاں کٹ گیا سب شاہ کا لشکر
 عمو نے بھگایا تھا جنھیں وہ بھی پھرے ہیں
 اک ہم ہیں کہ بابا کی مدد کر نہیں سکتے
 فوجوں کے ہٹا دینے میں کد کر نہیں سکتے
 دربار میں سہروینے کی باری نہیں آتی
 خیمت ہمیں مال میں نہ پھوپھی دیں نہ پدر دیں
 دم بھر میں یہ میدان وغالاشوں سے بھر دیں
 اندوہ مصیبت کی صفیں ہٹ نہیں سکتیں

سب ہیں یہ وہ عاشق ہیں خفیت میں ہماری
 کیونکہ اُسے صبرائے کافرت میں تمہاری
 یہ مرحلہ ایسا ہو کہ دو باتوں میں طو ہو
 ماں سے بھی چھو بھی سے بھی صنا جگ کی لاؤ
 آب دم شمشیر سے یہ پیاس بجھاؤ
 ہاں جلد کہ عرصہ مرے مرنے میں ہوئے
 تنو نفع سے بہتر ہو ضرر راہ خدا ہیں
 ہو عید جو قرباں ہو پس راہ خدا ہیں
 دولت تو اُسی کی ہو سب اور نام ہمارا
 الفت سے پھری گرد پسر بانو سے دلگیر
 سونا لگئی ہو دھوپ میں چاند سی تصویر
 آنکھوں پر ورم کیسا ہو کیا روے ہو بیٹا
 اشک آنکھوں سے پٹکا کے یہ پونا وہ دلاور
 نہ آپ کے بیٹے نہ بھتیجیا نہ برادر
 مظلوم پدر لاکھ سواروں میں گھرے ہیں
 اظہار جواں مردی جد کر نہیں سکتے
 نئے حکم کوئی وار بھی رو کر نہیں سکتے
 سب مرتے ہیں اور موت ہماری نہیں آتی
 مجبور ہیں کیونکہ قدم شاہ پہ سر دیں
 سرکش جو بڑھے آتے ہیں سپاہ انھیں کہ دیں
 وہ بیڑیاں ہیں پاؤں میں جو کٹ نہیں سکتی

جائیں گے کہ صبح نہ رہے سید عالی
 کیسی مصیبت فلک پر نے ڈالی
 یا کوہ میں یادِ ثمت کے سیدال میں مرینگے
 الفت میں بگڑتا ہو بسا کام ہمارا
 شہرہ تھا بہت روم سے تا شام ہمارا
 یہ منزل اندوہ و ہلاکات کے مرتے
 ہمدے کے شجاعانِ عرب خلدیں پہنچے
 پھر راحت و آرام ہو جب خلدیں پہنچے
 آفت میں کوئی روکنے والا ہی نہ ہوتا
 کس کو ہو نظر تشنہ دہانی پہ ہماری
 رونے کی ہو جا مرتب دانی پہ ہماری
 چرچانہ فدا ہونے کا دنیا میں رہے گا
 ہتھیار کہاں پھکیں کہاں چھپنے کو جائیں
 تنہا ہیں سفارش کے لیے کس کو بلائیں
 اعجاز ہو تو کام مرا بس نہ ہو گا
 زینب نے کہا کس پہ یہ غصہ ہو میں اری
 کیا وجہ یہ کس بات پہ ہو گریہ و زاری
 انصاف کرو صدقے گئی اہل وفا ہو
 کیوں کاٹو گلا غیظ سے کیوں مونٹ چباؤ
 مر جاؤنگی ہر پیٹ کے آنسو نہ بہاؤ
 تقصیر ہیں سے ہوئی لو جانے دو بیٹا

نہ دوست نہ بہر روز نہ مولی نہ موالی
 یہ آج کا جینا نہیں دو حال سے خالی
 یا بیڑیاں پہنے ہوئے زماناں میں مریں گے
 اب عینِ ہستی سے مٹا نام ہمارا
 آغازِ ثوہ اور یہ خبام ہمارا
 گر منہ نہ ہوتا تو گلا کات کے مرتے
 دنیا سے بصدِ عیش و طرب خلدیں پہنچے
 ادا دہیں رہ گئے رب خلدیں پہنچے
 ایک کاش پھوپھی نے ہمیں پالا ہی نہ ہوتا
 دے گا نہ کوئی تدر بھی پانی پہ ہماری
 جیسے رہے خاک ایسی جو انی پہ ہماری
 مانع ہوئے ماں باپ یہ کوئی نہ کے گا
 کس بن میں رہیں کون سے گل کو بسائیں
 امداد کریں شیرِ خدا فاطمہ آئیں
 یونہی کوئی نصرت پہ رضا مند نہ ہو گا
 کچھ منہ سے کہا میں نے کہ مادر نے تمہاری
 سچ لیجئے ہتھیار طلب کیجے سواری
 روکیں تو یہ رپائے والوں سے خدا ہو
 میں شہ سے دلا دوں گی رضا شوق سے جاؤ
 لو رخ کی بلا میں تو میں بیلوں دھرو آؤ
 اوجھی ہوئی زلفوں کو تو سلجھانے دو بیٹا

انوکے کہا لو انھیں یوں کون منائے
 تجھی میں یحضر ت سے خفا ہو کے ہیں آئے
 کچھ ان کی ہیں کچھ آپ کے ہیں بانی کی باتیں
 بانو کا یہ کہنا تھا کہ رقت کا ہوا غل
 آفت کی پڑی کوک قیامت کا ہوا غل
 گہرا گئے سجادِ حرمیں چونک کے غش سے
 فضا سے کہا کیا ہوا کیسی ہو یہ نداری
 شیر اکیلے ہیں غضب ہو گیا داری
 ماں خاک اڑاتی ہیں بھی غش میں پڑی ہیں
 فرمایا عصا لا کہ برادر سے مل آئیں
 دہرے شہادت کے شہادے مل آئیں
 بھائی کا نہیں کوہِ نصرت ہو نبی کی
 فضا نے عصا دے کے جو بازو کو سنبھالا
 خم ہو گیا تھا دردِ کمر سے تیر بالا
 اشک آنکھوں سے بہتے تھے گریبانِ قبا پر
 آوازِ حرمیں حتی کہ مری جانِ برادر
 ہم آتے ہیں پھر سے رہو اک آنِ برادر
 ہم روئیں تجھیں تم نہیں روتے ہوئے جاؤ
 عابد کی طرف دیکھ کے دوڑے علی اکبر
 سجاد نے فرمایا کیلچے سے لگا کر
 شانے کے قرین لفِ معبر رہے بھائی

غصہ بھی اٹھائے وہی جو ناز اٹھائے
 اس پر دے میں پیغامِ جدائی بھی ہیں لے
 میں خوب سمجھتی ہوں یہ دانائی کی باتیں
 مائٹوں میں شہیدوں کی مصیبت کا غل
 اُس شور میں اکبر کی بھی حصت کا ہوا غل
 سمجھے کہ سفر ہو گیا اصغر کا عیش سے
 سر پہ کے وہ خادمہ خاص پکاری
 اب جاتی ہوں کو علی اکبر کی سواری
 سب بی بیاں حلقہ کیے گردان کے گھری ہیں
 غامی سے بجاہر سے دلاور سے مل آئیں
 شیر کے پیارے علی اکبر سے مل آئیں
 ہم آپ چلیں گے کہ زیارت ہو نبی کی
 بستر سے اٹھا کانپ کے وہ گیسٹوں والا
 تھرا کے پڑا پاؤں کیوں اور کہیں ڈالا
 ہر بار پھر جاتے تھے سر رکھ کے عصا پر
 بیجاہر برادر ترے قربان برادر
 ذی قدر برادر مرے ذی شان برادر
 بھائی سے بغلیگر تو ہوتے ہوئے جاؤ
 آنکھوں کو ملا ہاتھوں سے قدموں پہ ملا سر
 گردن میں مرے ڈال دیا ہوں کو برادر
 چہرہ مرے چہرے کے برابر ہے بھائی

اے رشتہ خاں نہرا تیرے صدقے
 اے تشنہ لب اے بیکس و تنہا تیرے صدقے
 گھر آج اُجڑا ہو لٹے جاتے ہیں بھائی
 غربت میں مبارک تمہیں ہمارا ہی شہر
 مرنے کی اجازت نہیں دیتے شہر دلگیر
 لٹ جائے گا گھر بد شہنشاہ و زن کے
 اے اکبر مہر و تجھے پاؤں گا کہاں میں
 اے زمین پہلو تجھے پاؤں گا کہاں میں
 نے غسل و کفن آپ تو میدان میں بیٹے
 بھیا یہ نقاہت مری اور بوجھ یہ گھر کا
 عمو کا سہارا نہ تمہارا نہ پدر کا
 گھر جلنے میں رہنے کا نہیں ہوش کسی کو
 اے راحت جان یا ورو غمخوار ہمارے
 پہلے نہ چلی حلق پہ تلوار ہمارے
 ملتے ہیں کہاں ساتھ کے کھیلے ہوئے بھائی
 اللہ ہی ان بھائیوں کی گریہ و زاری
 ماں کہتی تھی قربان میں الفت کے تمہاری
 سہرا اللہ کی جانی کو دکھائے
 غش آنے لگا جب تو کہا بھائی سے رو کر
 آہستہ چلے جاتے ہیں بھائی سوئے کوثر
 مرکز بھی پس قبلہ و کعبہ کے قریں ہو

اے باپ کے عاشق مے شیدا تے صدقے
 اے روبرو فروں مٹا تے تیرے صدقے
 ہم قافلے والوں سے چھٹے جاتے ہیں بھائی
 کیا دیکھیے دامادوں کو دکھلائی ہو تقدیر
 تپ کیا مجھے اُن کی پڑی پاؤں میں زنجیر
 بیہات گلا ہوئے گا حلقے میں سن کے
 اے صغیر خوشنویس تجھے پاؤں گا کہاں میں
 اے قوت بازو تجھے پاؤں گا کہاں میں
 ہم بیڑیاں پہنے ہوئے زنداں میں بیٹے
 کیا زور ہو جو حکم شہنشاہ و بشر کا
 غربت تو یہ اور سامنا اس لشکر شہر کا
 بچوں کو سنبھالو بچا کہ ناموس نبی کو
 دلدار مددگار پرستار ہمارے
 افسوس ہوئے تم نہ عزادار ہمارے
 فریاد کو ہم آج اکیلے ہوئے بھائی
 جس طرح برستا ہی کبھی ابر بہاری
 بس صبر کرو تپ میں غش آجائے گا واری
 بھائی کا خدا داغ نہ بھائی کو دکھائے
 کچھ ہم سے وصیت تو کرو اے علی اکبر
 پانی جو ملے یاد ہمیں کیجو برادر
 تربت مری پائین مزار شہر دیں ہو

اس مہر کے سے جب ہر وطن آپ کا جانا
 کہنا کہ بہن پسر گیا بابا سے زمانا
 پشیم پر فوجوں کی گھٹا چھا گئی صفرا
 یہ کہ کے چھو پھی پاس گئے اکبر و گیسر
 مسند دیکھ کے مادر کا یہ کی پاس سے تقریر
 اس فردہ سے تن میں مرے جان لے گئی لیں
 زینب نے کہا میں ان صامند شاخوں
 ماں بولی میں ان سوکھے ہوئے پتوں کے قرباں
 اگے ترے دنیا سے سفر کر نہ گئی میں
 یسین کے ٹپنے جو لگی زینب نا شاد
 جس وقت چلا خیمے سے غیرت شمشاد
 یوں گرد حرم روتے تھے اُس سرور واک
 فخر نے جو پردہ در دولت کا اٹھایا
 ذروں پہ جو پڑنے لگا اوس مہر کا سایا
 میں رتبے میں ہوں چرخ چہارم سے زیادہ
 پستی مری اس نور سے ہر طور تجلی
 دامن ہو مرا حورو ملائک کا مصلّا
 تاحشر رہا فیض یہ شاہ شہدا کا
 پہونچے جو قرین شہ کے تو کی عرض کھرت
 فرمایا کہے دیتی ہو چہرے کی بشارت
 مہرئی ہو تو یہ پیر بھی دے ساتھ تمہارا

صفرا کو کئی بار کلیجے سے لگانا
 وعدہ تو کیا تھا پہ نہ تم تک ہوا آنا
 آنے ہی کو ہم تھے کہ اجل آگئی صفرا
 ہاتھوں کو بھی جوڑا کہ کل یکے بقصیر
 دودھ آپ بھی بخشیں تو لے عزت و توقیر
 دوزخ کی یہ پیاس ابھی بجھ جائے گی ماں
 تقصیر تری کچھ نہیں ای اکبر ذی شاں
 لود و دھ بھی بخشا تمہیں اس بدل و جاں
 یہ ذکر سنا ہائے غضب مر نہ گئی میں
 ہر ہو علی اکبر کی ہوئی رائیوں میں فریاد
 غل تھا کہ بہو فاطمہ کی اب ہئی ہر باد
 جس طرح کہ ماتم ہو جنازے پہ چوال کے
 خوبشید میں برج شرف سے نکل آیا
 چلائی زمیں سب سے فزوں ہر مہر پایا
 خورشید مرے پاس ہیں انجم سے زیادہ
 بھاری ہو تراندوے فلک سے مرا پلا
 مجھ پر وہ مرے جس کو علی سے ہو تولا
 تسبیح مری ہوئے گی اور ذکر خیا کا
 اقبال سے مولا کے ملی جنگ کی نصرت
 مسنون مبارک سفر گلشن جنت
 مجھ جائیں گے ہم تھائے ہوئے ہاتھ تمہارا

اکبر نے کہا آپ سلامت رہیں آقا
 کوثر کی نہ خواہش ہے نہ جنت کی تمنا
 تو قیر ملی خلق میں ماں باپ کے آگے
 نام آپ کے بابا کا ہو کوئین میں شایا
 جو آپ نے طفلی میں کہا اُس کو نہا ہا
 قرباں مجھے کیجیے یہ تمنا سے دلی ہو
 فرمایا اَلَا اِدِیْ پسر عاقل و دانا
 جو آیا ہو اک دن اُسے دیش ہو جانا
 وقفہ کبھی دن کا ہو تو عرصہ کبھی شب کا
 تھی صبح کہ احباب مسافر ہوئے سارے
 اب جاتے ہیتم بعد زوالِ عمر پیلے
 تم اور نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہو
 اک ہم ہیں کہ اس پیاس میں کام آئے ہیں ریکے
 فاقے سے کئی روز کے جاگے ہئے شرب کے
 اعدائے جہاں دوست کو مارا وہیں پہونچے
 اتنا بھی کوئی ابن نہیں ادا اکبر مراد
 تلواروں سے مجروح ہو سمر تیروں سے پہلو
 پامال ہمیں لشکرِ نا اہل کرے گا
 ہر طرح گزر جائے گی ادا کبرِ دنی جاہ
 کچھ جان چلی جاتی ہو تن سے تے ہمراہ
 جس پاس پسر ہو وہ جواں نخت ہو بیٹا

دنیا کا شرف دولت دیں عزت عقیبا
 ہوں میں فقط آبِ دمِ شمشیر کا پیاسا
 مشتاق ہوں اس کا کہ مروں آپ کے آگے
 یسین کہیں حق نے کہا ہو کہیں طسا ہا
 چاہا وہی مولانا جو اللہ نے چاہا
 میراثِ خلیل آپ کو حصے میں ملی ہو
 ہو ذاتِ خدا قادر و قیوم توانا
 آگے کوئی تیجھے کوئی ہوتا ہو روانا
 جب طر ہوئی منزل تو کہاں ایک ہو سکا
 دن دو پہرایا تھا کہ عباس سبھا سے
 عرصہ نہیں کچھ آتے ہیں ہم بعد تمنا سے
 روتے ہیں ہم اس پر کہ ضعیفی کا سفر ہو
 لاشے ہمیں لے آئے شجاعانِ عرب کے
 ہوتا تھا یہ ثابت کہ غش آجائے گا اب کے
 میدان میں ہمیں جس نے پکارا وہیں پہونچے
 جب تیروں سے غمِ مال کریں ہم حجاج
 گھوڑے سے اُتارے تو کوئی تھام لے بازو
 پر خیر یہ مشکل بھی حل کرے گا
 پر الفتِ اولاد سے عاجز ہو بشر آہ
 غش آتا ہو گرتے ہیں ہنھالو ہمیں رشد
 یہ ہجر تو کچھ موت سے بھی سخت ہو بیٹا

کس طرح سنبھالوں کہ دل ارنہ تڑپے
 اس طرح کوئی مرغِ گرفتار نہ تڑپے
 تازہ غمِ محبوبِ خدا ہو گیا مجھ کو
 گزری نہیں اس طرح کی ایذا کبھی دل پر
 بر چھی کبھی سینے پہ ہی نیرہ کبھی دل پر
 اب اشکوں کی ندی بھی بہانی نہیں جاتی
 لو چھاتی سے لپیٹو کہ قرار آئے جلر کو
 حضرت نے کہا چھاتی سے لپٹا کے پسرو
 منظور یہ تھا ساتھ مروں ساتھ فدا ہوں
 رخصت ہے جب شہ سے علی اکبر ذی شال
 وہ خوش کی چھل بلوہ صنایے رخ تاباں
 زردی رخِ خورشید پہ چھالی نظر آئی
 سب شہت بسا پھولوں سے بون کی چھالی
 نور ایسا جہاں چادرِ مہتاب بھی میلی
 اک عشق ہی ہونٹوں سے حلاوت طلبوں کو
 آنکھوں سے نکل آئے چہرے پسینی و خطائی
 مردم کے لیے غمخواریاں ناصیبہ سائی
 یاں کچھ گلِ بادامِ حقیقت نہیں رکھتا
 دیوانی ہوں پر یاں نظر آئے جو یہ رفتار
 تھم تھم کے اٹھاتے ہیں قدمِ مردم ہمار
 لازم ہے سدا پاس ضعیفوں کا قوی کو

کچھ دل کی کہوں قلبِ جو اک بار نہ تڑپے
 یوں مرتے ہے صاحبِ آزار نہ تڑپے
 اب تک تو میں اچھا تھا یہ کیا ہو گیا مجھ کو
 لکھ لال یہ صدمہ نہیں پہنچا کبھی دل پر
 کہ دل ہو کیجے پہ کیجے کبھی دل پر
 وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی
 فرزند نے خم ہو کے رکھا پاؤں پہ سر کو
 برباد کیے جاتے ہو اکبر مرے گھر کو
 پر خیر سدھارو کہ میں رضی برضا ہوں
 گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآن
 اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سرسیدال
 پر تو سے زمیں زن کی طلائی نظر آئی
 فردوس میں مہمانِ خدا جن کے طفلی
 گیسو وہ کہ محنوں ہو جنھیں دیکھ کے لیلی
 گردیکھے تو چاٹا کرے شیریں بھی لبوں کو
 دونوں نے یہ چتون یہ سیاہی نہیں پائی
 شیروں کو تپ آتی ہے دمِ چشم نمائی
 زگس وہ کہے کیا جو بصرارت نہیں رکھتا
 گوشوقِ شہادت ہے پہ غلبت نہیں زہار
 پہونچا نہ سلیمان سے کبھی مور کو آزار
 دیکھا ہے کبھی شیر کی آہستہ روی کو

پیشانی پہ پٹھرے یہ نظر کو نہیں پارا
 دشمن کے لیے تیغ ہو ابرو کا اشارا
 خال ایسے کہ اختر بھی شرماتے ہیں جس سے
 وہ شان وہ شوکت وہ نور وہ جلالت
 طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت
 دیکھا جو وہ رُخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
 جو رُخ میں عباحت وہ کہاں نور سحر میں
 تابندہ ذرہ حضرت داود کی بر میں
 شوکت اسد اللہ کی تصویر بنی کی
 بھگی ہیں مسیں سبزہ خط بھی ہو نمودار
 وہ فصل شباب و در وہ رنگ گل رخسار
 وال جوڑے ہوئے ہاتھ قصا بھی کھی ہو
 کس حسن سے لپٹ ہو ستایش اب جد کی
 نعرہ ہو کہ حیدر نے رسولوں کی مدد کی
 گردش کبھی دی اور کبھی اونچا کیا سر سے
 نے جسے تھا خدق سے اترنے میں تامل
 جب تک نہ گئی فوج نبی قلعہ میں باطل
 وہ پائے مبارک تھے ہوا پر نہ زمیں پر
 تقسیم غنیمت سے ہوئی جبکہ فراغت
 نولاد ہوا موم نہ ہے زور و ولایت
 سب ٹکڑے برابر تھے عجب ل و کرم تھا

سجدے کا نشان ہو کہ چمکتا ہو ستارا
 پلکیں بھی ہیں خونی زری اعدا پہ صفت آرا
 آنکھیں وہ ہرن شیر دیک جاتے ہیں جس سے
 چھپتے ہیں کہیں جو ہر شیر اصالت
 اقبال علی شان شہنشاہ رسالت
 زلفوں کو جو دیکھا شب معراج کو دیکھا
 چشم اسد اللہ کا سب عرب نظر میں
 کاندھے پہ سپر لب پہ رجز تیغ کمر میں
 داؤد کی آواز تھی تستیر بنی کی
 گویا کہ خضر آب بقا کے ہیں طلبگار
 دنیاں وہ سب الناس سے وہ لعل گہر بار
 تقریر مسلسل ہو کہ موتی کی لڑی ہو
 اعدا کو دکھاتے ہیں و غا بدر و احد کی
 توڑا ہو در قلعہ کو شدت میں مدد کی
 ہلکا تھا وہ دردست مبارک میں سپر سے
 خندق کا اوی در کو بہادر نے کیا پل
 تھلے ہے اک ہاتھ سے در صبا و دل
 مولا کے قدم تھے پر جبریل امیں پر
 پھر توڑ کے اُس در کو لگے ہٹنے جو حضرت
 کس میں تھی سوا بانوے احمد کے طاقت
 تو لا تو نہ جو بھر تھا زیادہ نہ وہ کم تھا

آغا تر برز تھا کہ پہلی تیسریں کی بوجھا
 تلوار کا کچھا تھا کہ تھا فوج میں رہوار
 اس شان سے تخت دل شیر صدر آیا
 بل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پس سے
 ظاہر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
 غل تھا یہ جری مثل ید اللہ لڑے گا
 تلوار تھی جرار کی یا قہر خدا تھی
 بجلی جو ادھر تھی تو ادھر سیل فنا تھی
 نے سر ہوئی وہ صفت جو نظر چڑھ گئی اُس کی
 جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو
 جو آگے بڑھا غول سے نے جاں کیا اُس کو
 نے سر تھا ازل سے تھی خطا اہل میں جس کی
 کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا بہت عالی
 جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
 لہا تھا نشان رن میں صفوں کا نہ پروں کا
 آفاق میں جن کی قدر اندازی کا تھا شور
 نے جاں کوئی سرکش کوئی بکیش لگے
 سو فائر کو چلے سے مانا کسے سو جھے
 کیا جرب تھی قربان جگر گوشہ شیر
 آیا جو کہاں اس کے کیس سے کوئی بے پیر
 جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا

شہزادہ عالم نے بھی لی میان سے تلوار
 رہوار کی چل پھر میں صفیں پس گئیں دو چار
 گویا صف آ ہو چکا یکا یک اسد آیا
 ڈھالیں تو رہیں ہاتھوں میں ہر اڑکے تن سے
 آگے تھا ہرن شیر سے اور شیر ہرن سے
 تر ہو گی زمیں خوں سے وہ رن آج پڑے گا
 سر تھا تو الگ تھا جو کمر تھی تو جدا تھی
 تلوار تھی یوں سر پہ جب آئی تو قضا تھی
 چاٹا جو لہو اور برش بڑھ گئی اُس کی
 جمع تھا جہر دم میں پریشاں کیا اُس کو
 بخشی جسے جاں بندہ احساں کیا اُس کو
 مارا اُسے دیندار نہ تھا نسل میں جس کی
 دم بھر میں نو دار صفیں ہوتی تھیں خالی
 بجلی سی چاک جاتی تھی شمشیر ہالی
 تھا شور کہ مینہ آج برستا ہو سروں کا
 ہاتھ اُن کے پیادوں کی طرح ہو گئے مرفور
 کر دیتی تھی تابندگی برت دو دم کور
 رُخ پھر گئے ہوں جب نشانی کسے سو جھے
 نکلا جو کہاں سے تو قلم ہو کے گرا تیر
 گوشہ تھا نہ چلہ تھا نہ حلقہ تھا نہ رہ گیر
 قبضے سے کہاں ہاتھ کلائی سے جدا تھا

یا شیر خدا کہ کے جب عدا میں آئے
 یوں غیظ و غضب میں ادھر آئے ادھر آئے
 جانوں کو بچاتے تھے پیادے ہی نہ ہٹ کر
 کٹ کٹ کے ہر ایک ضرب میں گتے تھے ہر
 پھر جاتی تھی گردن پر کبھی گاہ جگر پر
 نگلی جو کمر سے تو چلی خانہ نہیں پر
 نہ خود نہ چہرہ نہ جسم چھوڑتی تھی وہ
 نہ حلق نہ سینہ نہ شکم چھوڑتی تھی وہ
 آجاتی تھی آواز نہ ہے ضرب کی زہ سے
 دال شایموں میں شب بھٹی ادھر نور کا ٹرکا
 رٹ پاتا تھا ہر قلب کو سر کٹنے کا دھڑکا
 تن جلتے ہیں پھر کس سے جو برق اس میں نہیں ہی
 اللہ ری زباں آوری تیغ بلا نوش
 گھاٹ ایسا کہ دے لب یا بھی ہیں خاموش
 کٹتے ہیں گلے تیز زبانی سے اُسی کے
 ناہیں وہ کہ شہرگ کسی گردن میں نہ چھوڑیں
 جو ہر وہ کہ حلقہ کسی جو شین میں نہ چھوڑیں
 منہ وہ کہ دم سے شطخوں بہتی ہی جس کے
 بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھرائی
 دعویٰ تھا مگر بھول گئی ہرزہ سرائی
 ہر بار ہی موجود تو ہر بار نہیں ہی

انبارن دس کے دوستہ نظر آئے
 جیسے صف آہی کی طرف شیر نرا آئے
 کہ پڑتے تھے گھوڑے بھی سواروں لپٹ کر
 برچھی پہ نہ بھل تھا نہ کوئی پھول سپر پہ
 مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
 نہیں سے تھی جو مرکب میں تو مرکب نہیں
 نہ ہاتھ نہ ہیرق نہ علم چھوڑتی تھی وہ
 نہ خوں نہ گیس تن میں دم چھوڑتی تھی وہ
 غل تھا کہ یہ کڑیاں نہیں ٹھٹھنے کی نہ سے
 قرنا کی وہ آواز وہ کڑکیتوں کا کڑکا
 اک غل تھا کہ دو لاکھ پہ بھاری ہی یہ لڑکا
 سر بسم سے اڑ جائیں گے فرق اس میں نہیں ہی
 زہیں ہمہ تن چشم بھینٹتے تھالیں بہت گوش
 بارہ اسی کہ میں ٹھیلیاں پانی میں سرہ پوش
 دریا بھی ہی چکر میں روانی سے اُسی کے
 دشمن کا کلا قلعہ آہن میں نہ چھوڑیں
 پشے وہ قیامت کہ لہو تن میں نہ چھوڑیں
 قبضہ وہ ہی قبضے میں ظفر رہتی ہی جس کے
 پھر تیغ نے بکلی صف اعدا پہ گرائی
 چلاتے تھے بھاگو کہ وہ خونخوار پھرائی
 یہ مرگ مفاجات ہی تلوار نہیں ہی

شمشیر کے اک جزو سے ہر شیر جو ہم نام
 تحم جاتی ہو چلی مگر اس کو نہیں آرام
 مرغ لڑتا ہو تو جو ہر سے اسی کے
 چار آئینہ یوں لکھتے تھے ایک ایک جواں کے
 بے گتھے کمانداروں کے دل غوث جاں کے
 پلاستے تھے سب مثل اعلیٰ آتی ہو یہ تو
 لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
 شہباز اہل صید پہ پر کھول کے آیا
 حق جس کی طرف ہو وہ زبردست ہا ہو
 ہم شہر تھا ابرو سے جسموں کے خم اوس کا
 ناگن تھی اترتا ہی نہ تھا چڑھ کے سم اُس کا
 جو ہر کی چمک دھیمی نہ ہیروں کے نگوں میں
 اک برق سی گرتی تھی ہر اک شہنشاہ پر
 ترکش پہ کبھی سن سے کبھی گاہ کماں پر
 دل سے کہیں چینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
 لوہے سے اوی تیغ کے آئینہ بنے گر
 پائے نہیں اب تک کسی حربے نے یہ جو ہر
 قطاع طریق آئے تو وہ خوف سے ہٹ جائے
 معشوق کو عاشق سے جدا کرتی تھی شمشیر
 جھلکتی تھی جدھر حشر بپا کرتی تھی شمشیر
 مرغ بھی دل باختہ تھا سامنے اس کے

رعب اس نے یہ پایا ہو کہ تھرتے ہیں ہم
 گیتی کو الٹ دے یہ قیامت ہو وہ مصم
 شیروں کو چڑھتی رہتی تھرتے سے ہی کے
 جس طرح کہ کتاب میں لکھے ہوں کتاں کے
 چلے نہ کھینچا تھا کہ پہ پھٹی سر پہ کماں کے
 سیفی سے بھی جلدی کہیں چل جاتی ہو یہ تو
 پیشتر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
 اُڑتا ہوا سر بیچ میں اُس غول کے آیا
 بیچ ہو کہ بڑے بول کا سر پست ہا ہو
 التدری چمک بقی بھی بھرتی ہو دم اُس کا
 ہر ہاتھ میں ہاتھ اُس کا تو باز و قلم اُس کا
 یوں دوڑتی تھی تن میں ابو جیسے رگوں میں
 کہ سر پہ کبھی ڈھال پہ پھٹی گاہ سناں پر
 کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
 دم بند ہو ڈر سے کہ نفس قطع نہ ہو جائے
 عکس اُس میں جو دشمن کا نظر آئے تو بے ہر
 ذکر اوس کی برش کا جو مسافر کے ہول پر
 کیسی ہی کڑی راہ ہوا کُن میں کٹ جا
 ہر آن حق اکبر کا ادا کرتی تھی شمشیر
 جب اُٹھتا تھا حشر سمہ خدا کرتی تھی شمشیر
 گردوں سپر انداختہ تھا سامنے اس کے

ہل چل میں صیف گرتی تھی جب صنف پندرہ کی
 بھولا ہوا تھا باپ محنت کو پسری
 مرتے تو لہو تیغ کی گردن پہ نہ ہوتا
 تھو سو کا سر اک ضرب میں کٹے نہیں دیکھا
 بڑھ کر کبھی حصار کو ہٹے نہیں دیکھا
 جب تک اٹھا بر چھپوں پھر آتا ہی گھوڑا
 آفت میں زمانہ تھا تاظم میں حسدائی
 دکھلا گئی تیغ اپنی برش سر چب آئی
 وہ چور تھا پاؤں سے جو تون چڑھا تھا
 ہنر تھا غیرت وہ تیغ صفائی
 کف منہ سے گرانا غضب کی تھی نشانی
 یوں رکھتا تھا آہستہ قدم دوش صبا پر
 سرعت میں تنک وین چھلاوے سے زیادہ
 دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جاوہ
 شعلہ ہوا لپکا جو ذرا غیظ میں آکے
 جب خاک پہ گنجل میں قدم رکھتا تھا تنک
 رشک میر نو گردن پر نور کے سنکے
 پامال ہوا جاتا تھا دل کی دبی کا
 گر لاکھ مدد گردش ایام کو پہونچے
 وال پہونچے یہ اور صبح نہ اتنا م کو پہونچے
 وقفہ کہیں یہ اسپ سبک پی نہیں کرتا

نہ ہوش تھا تن کا نہ خبر تیغ و سپہری
 بھاگے تو یہ سمجھے کہ ہم پاؤں نے سر کی
 کرتے نہ مدد پاؤں تو سرتن پہ نہ ہوتا
 یوں غیظ میں شیروں کو چھٹے نہیں دیکھا
 گھوڑے کو کسی باگ پہ چھٹے نہیں دیکھا
 پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہی گھوڑا
 چلاتی تھیں پریاں کہ سلیمیاں کی دُبائی
 ہر صف کو دکھا دیتا ہی ہاتھ اپنی صفائی
 اسوار تو اسوار غرس رن پہ چڑھا تھا
 جب ٹاپ پڑی خاک سے پیلا ہوا پانی
 تیزی یہ ہوا میں تھی نہ دریا میں روانی
 بوئے گل تر جاتی ہی جس طرح ہوا پر
 باگ اُس کی تھی کیا جودل لکسب کا ارادہ
 تیار کفل تنگ کمر سینہ کشادہ
 بجلی کی رگیں اک کا دم پاؤں ہوا کے
 سر اپنا پنکٹیتے تھے طاووس چین کے
 جب جم کے ارادہ تو اڑتے شہر کے
 گھوڑے کی اچانک کہ جھڑا تھا پری کا
 کب سرعت شبیر سبک کام کو پہونچے
 جس بن میں نسیم سحری شام کو پہونچے
 خورشید بھی منزل کوئی یوں طو نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ میرعت نہیں رکھتی
 گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی
 یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پیک ہوا کی
 پہلوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی
 اس زور سے تلوار دو دھاری نہیں چلتی
 دو گام بھی ساتھ اس کے فرس چل نہیں سکتا
 جس وقت و غاکا نہ رہا ایک کو یا را
 دو لاکھ نے بھی تل کے نہ اک طفل کو مارا
 جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
 پیستے ہی غیظ اک یل غدار کو آیا
 کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا
 کاندھے پہ سپرلب پہن بے ادبی کے
 رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرا
 بدکار جہاں حسن لیاقت سے معرا
 پر ہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گزر جائے
 وہ خود تہمتن سے بھی کاندھ اٹھے بار
 اژدر تو خود اور مار سیہ نیزہ خونخوار
 خنجر وہ کہ مرنج کارنگ اڑتا تھا جس سے
 کافر نے رجز پڑھ کے گھاؤ کو بخالا
 اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا
 پڑتی تھی سناں پر چو سناں شست غایں

گر کیسے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
 گر حر کہوں حر یہ صورت نہیں رکھتی
 بس خاتمہ اس پر ہو کہ قدرت ہر خدا کی
 ان پھرتیوں سے باد بہاری نہیں چلتی
 چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
 اس طرح یہ چلتا ہو کہ بس چل نہیں سکتا
 خیمے سے نکل کر سپر سعد پکارا
 اپ چادریں اوڑھو کہ مشا نام تمہارا
 نے اب ہوئی آج سے تلوار عرب کی
 میدان میں اڑاتا ہوا رہوار کو آیا
 دبلندیدالسد سے پیکار کو آیا
 ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے
 خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرا
 گردن تھی ازل سے تیشتر تبرا
 صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈرجائے
 چار آئینہ اک قلعہ فولاد کی دیوار
 وہ گزر گراں سر جو کرے کوہ گوہار
 ڈھال ایسی کہ تلوار کا منہ مڑتا تھا جس سے
 اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھال
 گردن کو لڑاے ہوئے تھا کالے سے کالا
 جنگا ریاں اڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں مٹ گئے والے ارٹ گئے رہوار
چو میں جو کئی کھا کے جھجکے لگا عتدار

کیا بند بندے تخت دل عقدہ کشا پر
غصے میں کہاں لیکے بڑھا کش و بے پیر
بچہ تھا کہ سر بچہ ضرغام عیب و گیر
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی ٹانگ دو کو

پھر گزراں شیر کو غدار نے مارا

چمکا جو تہرین ملک الموت پکارا

شیروں کے جگر کانپ گئے خوف کے بریں

خفت ہوئی بھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے

روباہ ظفر شیر پر کس طرح سے پائے

ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا

اکبر نے کہا خیر تھا اگر ہی تو دم لے

دم بیکے بس اب میان سے شیر دو دم لے

ناخن جو نہ ہو عقدہ مشکل نہیں کھلتا

مرغوب ہو دم کی نہ دیار کی جھنکار

دکھپ نہیں ظفر طلا کار کی جھنکار

دارفتہ اسی کی ہی زرہ ڈھال اسی کی

ہی طول عمل نیلہ خطی کا ہلانا

ہی گز فقط ہار گراں دوش پہ لاتا

ایسا کوئی منہست ہو عرب میں نہ ہم میں

نقطہ یہ سمنے میں وہ پھر جانے میں پر کار
نیزے کو اڑا لے گیا نیزے سے یہ خبار
دیکھا تو سناں خاک پر پختی ڈانڈ ہوا پر

مہر پر تھا عقاب علی اکبر صفت تیر

غل تھا کہ زبے زور جگر گوشہ شیر

یا بچہ خور شہید میں دیکھا مہ نو کو

اوس ضرب کو زد کر کے بڑھا شاہ کا پیالہ

لو قطع ہو اب نخل حیات ستم آرا

دو ٹکڑے ہوا گزراں ایک تہر میں

پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹھ چبائے

پھر گرد ہی خاک اڑ کے اگر عرش آجائے

اسفل کبھی علی کے مقابل نہیں ہوتا

نئے تیرے بڑے وار کریں ہم تو قسم لے

کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے تلے

جب تک کہ نہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

بھاتی ہی نہ زنجیر کی نہ تار کی جھنکار

کانوں کو بھلی لگتی ہی تلوار کی جھنکار

کہتے ہیں گلے جس سے وہ ہو چال اسی کی

کرتی ہی کہاں تیر سفاہت کا نشانا

لو ہے کو گر تیغ کے مانے ہی زمانا

جب کھنچ گئی تلوار تو ہی فیصلہ دم میں

خوش تر ہو خم اُس کا خم ابرو سے صنم سے
 پایا ہو درِ راست کو تلوار کے خم سے
 دشمن جو بڑھے تاب کہاں رہتی ہو اُس کو
 تلوار سے کا نپا کیے کفارِ عرب سب
 سر تا بقدم عمر بھی بہت جاہل مرکب
 نصرت تھی جبرِ تیغ چلی حق کے ولی کی
 سہ سبز کیا گلشنِ اسلام اسی نے
 شاہوں کو دیئے موت کے پیغام ہی تھے
 کا نپا کیے خاقان جہاں حربے اس کے
 آفاق میں ہو دب دہ شاہی کا اسی سے
 اقبال چلتا ہو سپاہی کا اسی سے
 یاد اُن کو نہ بھولی کوئی دم تیغِ علی کی
 چار آئینہ مردوں کے لیے دفعِ ضرر ہو
 گہ ہاتھ کی زینت ہو گئے زیبِ کمر ہو
 خوش قد ہو خوش سلب ہو خوش ہو جیس ہو
 جب تیزیِ شیرِ زباں اُس کو دکھائی
 تلوار غم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی
 خوش مست پیدا ہو زرد اڑی گردِ بن کی
 شہِ بزرگوں کو کس نے بھی کاوے پہ لگایا
 منہ کھولے ہوئے شیر پہ حملے کو سنگ آیا
 لاتی تھی اجل کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

بت اُس نے نکالے ہیں تارے جس م سے
 سیکھ کوئی آتشِ نفسی تیغِ دودم سے
 یسعی کی دعا درِ زباں رہتی ہو اُس کو
 دنیا سے جہنم کو گئے غم و مرہب
 ظلمت نہ رہی کفر کی وہ قتل ہوا جب
 اللہ نے کی آپ ثنا ضربِ علی کی
 کعبے سے جدا کر دیئے احسانِ ہی
 قبضے میں کیا روم سے تا شام ہی نے
 جاری ہوا سکے کا چلن ضربِ اس کے
 آغاز ہو ملکوں کی تباہی کا اسی سے
 بیٹھا ہو عملِ شیرِ الہی کا اسی سے
 جبریل بھی کھاتے ہیں قسم تیغِ علی کی
 جوہر ہیں زرہ قبضہ شمشیر سپر ہو
 رکھ لیجیے پہلو میں تو آرامِ جگر ہو
 جب یہ ہو تو حاجت کسی حربے کی نہیں ہو
 ٹھنڈا تو ہوا تھا پہ حرارت بھی کچھ آئی
 معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھپائی
 گھوڑے کی نچا پوسے زمیں ہل گئی زن کی
 واں سے بھی تڑپ کر فوس تیز نگ آیا
 پردب کے الگ نے سے گیا اور الگ آیا
 آسکتا ہو روباہ کہیں شیر کے منہ پر

اکبر نے صدا دی کہ ٹھہر سامنے آ کر
 مردانہ دکھا وار حریفانہ دغا کر
 ناداں ہی تمیز حق و باطل نہیں رکھتا
 یہ خوف کہیں جان نہ گھر کے نکل جائے
 ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا کے نکل جائے
 ایک جا عفت سایہ آہو نہیں تھمتا
 تجھ سا تو جواں لشکر بدخو میں نہیں ہو
 گھوڑا ہو یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہو
 ہم ایک ہیں جاننا ز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
 نیزے کے ہانے میں بھی تو زور کو ہارا
 اک ضرب تیر تھکی کہ ہوا گرد دپارا
 آیتخ جواتان خوش اقبال کے منہ پر
 یُن کے بڑے غیظ و غضب سے وہیل آیا
 بارے شجر جرات و ہمت میں پھل آیا
 پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہو
 تلواریں کھنچیں بچھیاں چکیں علم اُٹھے
 نظارہ کو گردوں پہ ملائیم ہم اُٹھتے
 اکبر جو مقابل ہوئے اُس ضال و مضل سے
 چلائے کہ اک میرے بہادر ترے قریاں
 کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہو رہی جاں
 کیا پیاں بہت ہو کہ پکارا نہیں جد کو

کیوں منہ کو چھپاتا ہو سپر چہرے پہ لاکر
 دیکھ اپنے رسالے کے جواں سے نہ جیا کر
 تو اتنے تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا
 بودا ہو جو لڑنے کی جگہ پاپ کے نکل جائے
 پنجے سے نہ شیروں کے شکار کے نکل جائے
 سیلاب ٹھہر جاتا ہو پر تو نہیں تھمتا
 ہاں زور شجاعت سے بازو میں نہیں ہو
 فوجیں ہیں اور دھریاں کوئی پہلو میں نہیں ہو
 کیا تجھ کو کہیں گے جو صفیں بازے کھڑے ہیں
 کیوں میں نے کہاں چھین لی اور تیر تمہارا
 لڑنے پہ تہرا ہو ترا او ستم آرا
 چہرے کو چھپاتا ہو جھلم ڈال کے منہ پر
 اکبر نے کہا کہ مفت ام اہل آیا
 بس روکے بودا کہ فرس منہ کے لڑ آیا
 گر پڑتا ہو جہل سہی تری کچھ اہل نہیں ہو
 گھوڑوں کی ٹنگ و پو میں برابر قدم اُٹھے
 گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ اُمم اُٹھے
 شیر قریب آگئے بیتابی دل سے
 یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میداں
 اس دیو پہ اللہ طفرے نہیں اس آں
 اب ل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدو کو

رونے لگے اکبر یہ صدائیں کے پیر کی
 کی عرض دعا بس ہو شہ جن و بشر کی
 غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہو
 تشویش نہ فرمائیے میں نے اسے مارا
 مر حب کی طرح طول میں کتاہوں دو پارا
 دل آپ بڑھائیں گے تو بڑھ بڑھ لڑو گنا
 ہر چند سن اس کا ہو زیادہ مے سن سے
 بیزاری ہو جن و ملک و انس کو اس سے
 اُس چاہ کے اندر بھی چلے پیہم اب تک
 خادم کی لڑائی نہیں کچھ قابل تعریف
 غم پہ ہو کہ مولا کو نہایت ہوئی تکلیف
 گردن میں تہ تیغ اب اس عہدہ جو کی
 حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر
 پیکیں بے پروا ہو مدد کرنے کو حاضر
 تہور کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
 ہاں وہی طرف آنے نہ دیجو اسے زنا
 مغرور تن و توش پہ اپنے ہو یہ غدار
 دشمن جوڑے جم کے تو پھر لطف سوا ہو
 یسین کے بڑھا جنگ کو وہ شیر زینہ
 شوکت وہی سب تھی وہی حلقے کا تہ
 یوں سینہ کشادہ گئے اوس عہد شکن پر

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رخ شہ نظر کی
 اس وقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
 اس شغل میں کچھ دھیان بھی پانی کا نہیں ہو
 آیا ہو تھانا ہو کہاں یہ ستم آرا
 اللہ کی تائید ہو مولا کا سہارا
 اس یو سے میں سورہ جن پڑھ کے لڑوں گا
 پانی بھی لبوں تک نہیں پہنچا کئی دن سے
 ہم وہ ہیں کہ جانبر نہ ہوئے یو بھی جن سے
 مشہور ہو افسانہ بیرالام اب تک
 آقا کے کرم سے ہو بہت پیاس تخفیف
 ہو دھوپ کڑی سایہ میں لیجائیے تشریف
 چھٹیٹیں نہ پڑیں قبلہ عالم پہ ہو کی
 جرات میں نہ تم کم ہونہ میں صبر میں قاصر
 دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہو کایفر
 اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علی کے
 گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے ہوئے تلوار
 خود منہ کے بھل آئے گا جو خالی گئے دو درواز
 ہاں تھام لو باگ اس کے فرس کی تو مزاد
 پہونچا تھا جسے زور علی سینہ بہ سینہ
 شہد زپہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
 جس طرح چھپتا ہو کبھی شیر ہرن پر

لڑ جانا وہ ڈھالوں کا وہ تلواروں کی جھنکا
 مہرب تھا او دھراو دھراو دھراو دھراو
 بجلی سی فزوں تھی ترپ آتش نفسوں کی
 ہمیں پہ ہمیں تھی اور کوڑے پہ کوڑا
 کل پھر گئی جس باگ چپس نے جسے موڑا
 اس زور سے تیروں کی بھی سریاں سین چلتیں
 زن سے جو وہ تلوار گئی سن سے یہ آئی
 وہ کھنچ کے پہر سے گئی جوشن سے یہ آئی
 ہاں بعد علی کم ہوئی جنگ و جہل رسی
 غصے میں جو سفاک نے کی خش کو ہمیں
 بس تھام لی اکبر نے عنانِ فرس تیز
 ہوش اُٹ گئے اس بانیِ بیدارِ دم کے
 نازی کی عنان چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا
 گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ل گیا سارا
 دکھلا دیا صفدر نے جو ارشاد پد ر تھا
 مصروف تھے لڑنے میں او دھراو اکبر دلگیر
 تھرتے تھے ہاتھ اور زباں پر تھی یہ تقریر
 بیکس ترے بندے پہ عجب وقت پڑا ہو
 ہاتھم سے ہی بانی کا تلامم مرے گھر میں
 دے صبر کرنے تاب نہ ہوں پھر پسر میں
 فرزندِ جواں باپ سے منہ موڑ رہا ہو

آفت کی لڑائی تھی قیامت کا ہلکا
 تلوار تلوار تھی رہوار پہ رہوار
 اسواروں تک آجاتی تھیں ٹاپیں فرسوں کی
 ہر مرتبہ منہ ڈالتا تھا گھوڑے پہ گھوڑا
 زخمی ہونے پر کھیت کو دونوں نے نہ چھوڑا
 یونچم کے چلتی تھیں کہ پر یاں نہیں چلتیں
 وہ خود سے ملتی ہوئی گردن سے یہ آئی
 وہ صدر سے خالی گئی تو سن سے یہ آئی
 غل تھا کبھی دیکھی نہیں رو دو بدل ایسی
 شہزادے کے گھوڑے کے قریب گیا شہید
 جھوٹا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
 سرکٹ کے گرافق پہ چالیس قدم کے
 چاروں سم رہوار کٹے صاف قصار
 بس چور ہوا پس کے وہ کافر ستم آرا
 نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا
 نے تاب تھے تھامے ہوئے دل حضرت شہید
 پیس تری تائید ہو اے مالکِ تقدیر
 یارب یہ پسر تیرے فلق سے لڑا ہو
 نہ بھر میں پیاسوں کا ٹھکانا ہو نہ ہمیں
 لوٹا ہو مجھے امتِ احمد نے سفر میں
 چھوٹا جو ہو گوارے میں دم توڑ رہا ہو

طالب نہیں اس کا کہ سلامت یہ پھرائے
 خادم کے بزرگوں کا جو منصب پڑھ پائے
 دنیا سے پُرار مان سفر کرنے پہ روئیں
 یہ کہ کے علی اکبر نہ رو کو پکارے
 ٹھہرو کہ پدر چوم لے باتوں کو تمہارے
 جعفر ہی کس بل سے اسی ڈھک لٹے تھے
 بالیدہ ہوا شہ کی صدا سن کے وہ جرار
 کی عرض شہادت کی عاکا ہوں طلبگار
 گرمی سے عیش آتا ہو جھکا جاتا ہو سبھی
 قوت کا سٹارہ گھٹا زور جوانی
 ہو دھوپ کڑی اور اسد اللہ کے جانی
 سنبھلوں تو بھگا دوں ابھی اس لشکر کو
 حضرت نے کہا پانی کا ملنا تو دشوار
 جلتی ہو زہر گر تو اتارو مرے دلہار
 رہنے دو جو ہو دھوپ میں آرام پہرے
 کہتے تو کہا یہ پہ ہوا دل تہ و بالا
 بولا یہ اُسے سونگھ کے وہ گیسوؤں والا
 اعجازِ امامت شہ خوشخو نے دکھایا
 اُس سیبِ سخن بو کی ثنا کا کسے یارا
 اٹھ جائے گر اُس کی طرف انگشتِ اشارہ
 بہتر کو فی سیب اس سے نہیں ظہر میں

مخروج تری راہ میں جو بر چھیاں کھائے
 جرات جو دکھائی ہو تو غربت بھی کھائے
 سب سپردِ جواں اس کے جواں منے پڑیں
 اسنت مرے شیر مرے پیاسے مائے
 خالی ہو علمدار کی جا اور مرے پیارے
 خیبر میں علی بھی یوں ہی مرجھا لٹے تھے
 مگر اکیار ہوار سے جھک جھک کنی بار
 اب پیاس نے مارا مجھے یاسیدِ ابرار
 ہتیار بھی سب گرم ہیں جلتا ہو جگر بھی
 اب دستی ہو پیغامِ اہل تشنہ دہانی
 جاں آئے زہرہ پر جو چھڑکے کوئی پانی
 ایسی ہو کوئی چیز کہ ٹھنڈک ہو جگر کو
 اب دور کرو خود سے کیا تم کو نہر و کار
 کافی ہو لڑائی میں جواں مرد کو تلوار
 جو سینہ سپر ہوا سے کیا کام سپرے
 اک سیب ترو تازہ گریباں سے نکالا
 فرزند میں جان آگنی اور سیبِ دلا
 پانی کا اثر سیب کی خوشبو نے دکھایا
 دید اُس کی ہو یوسف کے زنجیل کا نظارہ
 اللہ ہی لطافت کہ وہ ہو جائے دوپارا
 بواج تک اس کی ہو ہمارے شہ دیں میں

تسلیم کی اور سب صبادم کو اوڑا کر
 یان بٹھ گئے تھام کے دل سب سے بھڑک
 تیروں کی جو بوجھار ہوئی چھین گیا سینہ
 ٹکڑے ہوئے تیروں سے پرعت کو نہ ہار
 صحرایں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے
 روکے نہ پد قتل ہو سخت جگہ ایسا
 لڑتے تھے کہ پیشانی انور پہ لگا تیر
 لکھا ہو گئیں میں تھا کوئی غلام کے پیر
 اللہ سی شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
 ٹکڑے جو بے خوں کے ڈیڑھوں میں ملے
 نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے
 تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا
 جس دنت ہوا دینے لگا زخم جگر کا
 گرتے ہوئے گھوڑے خیال آیا پد کا
 بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
 بیٹے کی صدا سن کے ہوا صد جانکاہ
 معلوم ہوا جان علی آہ کے ہمراہ
 اب باپ کے جینے کا مزہ لے گئے بیٹا
 چلائے بتاؤ علی اکبر کہ معر آئیں
 بیابان پر دل قلب میں لشکر کے رہیں
 رنگسٹا گیا تھا گیسوؤں پر گرد بھی تھی

پھر ڈوب گیا فوج میں وہ شیر دل اور
 واں شام کے بادل میں گھرا وہ میر انور
 روزن ہوئے اتنے کہ نہ روئے گیا سینہ
 مجروح نے اتنی نفر اس فوج کے مارے
 پھر دیکھ گئے باپ کو پھر بن کو مارے
 باپ ایسا ہو صابر تو جبری ہو پسر ایسا
 سب خوں سے بھری احمد غبار کی تصویر
 بر چھی جو لگی سینے میں حالت ہوئی تغیر
 پھل اس نے جو کھینچا تو کلیچہ نکل آیا
 غش ہو گئے سر گردن رہو اور پدھر کے
 پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
 جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ ہنچتے جڑا تھا
 سینے میں رکا کے دم اس شب قبر کا
 چلائے کہ اب کوچ ہو دنیا سے پسر کا
 اپنے علی اکبر کی خبر لیجیے بابا
 اک ہوک کالجے میں اٹھی بیٹھ گئے شاہ
 دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسد اللہ
 عہدہ جو تمہارا تھا ہمیں بے گئے بیٹا
 ڈھونڈیں نہیں اس بحر میں اسوے برائیں
 تم انہیں سکتے تو ہمیں لاش پر آئیں
 تورا کے جو سنبھلے تو بصارت میں کمی تھی

بیٹا ہمیں پھر یا ابستاکہ کے پکارو
 ناشاد گرفتار بلاکہ کے پکارو
 جو وقت معین ہو وہ ہرگز نہ ٹلے گا
 مہر علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 گلرو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 اس عمر کا پودا کوئی نے برگ نہ ہویں
 اٹھارہواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی
 دلچسپی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی
 کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے
 لے آئی جو بیٹائی دل لاش پسر پر
 اک تیر لگا قلب شہ جن و بشر پر
 اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
 ہونٹوں پہ زباں رخ پہ عرق خاک گیسو
 گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سے پہلو
 یہ زیر لب آواز کہ آقا نہیں آئے
 اے درد و جگر تھم کہ شہ خسرو بر آئیں
 اے روح توقف شہ والا ادھر آئیں
 ارمان دل زار پسر ہوش میں نکلے
 چلائے شہ دیں علی اکبر پدر آیا
 تم ڈھونڈتے تھے اے میرے انور پدر آیا
 کچھ دل کی کہو بات کرو ہوش میں آؤ

مظلوم غریب الغریبا کہ کے پکارو
 لب تشنہ و مجروح جہاکہ کے پکارو
 خنجر مری گردن پہ اسی طرح چلے گا
 دبو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 خوشخو علی اکبر علی اکبر علی اکبر
 تجھ سا کوئی دنیا میں جواں مرگت ہوئے
 یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
 یوں خاک ہوئی ہائے صورت جوانی
 گویا کہ حسین آج بچھڑتا ہر نئی سے
 جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخم جگر پر
 سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
 بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا
 پتھر اے ہوئے آنکھ کئی تیغوں سے ابرو
 چہرے پہ اہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
 نزدیک اہل آگنی بابا نہیں آئے
 اے جان نہ گھبرا شہ جن و بشر آئیں
 اے موت ٹھہر جا پدر آئیں پدر آئیں
 حسرت ہو کہ دم باپ کے آغوش میں نکلے
 اٹھو مے پیارے مے دلبر پدر آیا
 ناشاد پدر بکس و نلے پدر آیا
 صدقے پدر آؤ مے آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے کالوں
 گرتا ہی پہاڑ اس کو میں کس طرح سے مانوں
 بہ بہ کے لہو میں جسک آتا ہی تمہارا
 کچھ منہ سے تو بولو علی اکبر علی اکبر
 رخصت بھی تو ہو بولو علی اکبر علی اکبر
 دولہ بھی اس آرم سے سوتے نہیں بیٹا
 ہم آئے ہیں لو پاس ہمارا کرو بیٹا
 کچھ کچھ تو مرے درد کا چارہ کرو بیٹا
 حویریں تمہیں گھیرے ہیں کہ دھان نہ ہو
 غش میں جو سنی باپ کی آواز پسر نے
 پٹا لیا پھاتی سے شہ جن و بشر نے
 فرمایا کہ قطرہ مرے جانی نہیں ملتا
 کی عرض علی آئے ہیں شاہِ غش انجام
 ایک جام مجھے دے کے بصدِ شفقتِ انام
 میں کہتا ہوں مجروح ہوں آفرہ وطن ہوں
 اشک آنکھوں سے ٹپکا کے فرماتے ہیں حید
 گھبرانہ کہ نزدیک ہو اب چشمہ کوثر
 دو دن سے اٹھائے ہیں تعبِ تشنہ لبی کے
 یہ کہتے ہی آنکھوں سے بس آنسو بے جاری
 کی عرض حضور آتی ہو زہرا کی سواری
 کھولے ہو آنکھوں کو مسافر ہوئے اکبر

گرد و نہو ہاتھوں کو بازو سے سمجھالوں
 مرتے لے دیکھوں جسے غش میں پالوں
 سینے سے کلیجہ نظر آتا ہی تمہارا
 آنکھوں کو تو کھولو علی اکبر علی اکبر
 لو باپ کو رو لولو علی اکبر علی اکبر
 ہم روتے ہیں اور تم نہیں دتے نہیں بیٹا
 اک آن کی تکلیف گوارا نہیں بیٹا
 بولا نہیں جاتا تو اشارہ کرو بیٹا
 باتیں ہیں یہ کس سے کہ نہیں بھول گئے ہو
 بس ہاتھوں کو پھیلا دیا میں شکِ قمر نے
 منہ کھول کے دکھلائی زباں تشنہ جگر نے
 مجبور ہوں اکبر مجھے پانی نہیں ملتا
 ہاتوں میں ہیں تیرے چھلکتے ہوئے دو جام
 فرماتے ہیں پی لے لے ادا اکبر کلفام
 دونوں مجھے دیکھیے کہ بہت تشنہ ہیں
 شیر بھی پیاسا ہی بہت ادا مرے دلبر
 حصہ یہ تیرے باپ کا ہو ادا علی اکبر
 تیسرا فاقہ ہو نواسے پہ نبی کے
 منہ پھیر کے دیکھا سوئے صحرائے باری
 پھر درد اٹھا سینے میں پھر غش ہوا طاری
 چکی کا بس آنا تھا کہ آخر ہوئے اکبر

لکھا ہے کہ نکلا علی اکبر کا ادھر دم
 سرنگے تھیں پیچھے کئی سیدانیاں ہم
 ہلتا تھا فلک نالہ و سہریاد و کجاسے
 نور شید چھپا گرد اڑی زلزلہ آیا
 پھیلی تھی جہاں دھوپ ہاں ہو گیا سایا
 جو حشر کے آثار ہیں سارے نظر آئے
 محبوب الہی کی نوا سی کا تھا یہ حال
 کچھ چہرے پہ کچھ دوش میں کھے ہوئے تھال
 ٹوٹا تھا مصیبت کا فلک زار و حزیں پر
 چلاتی تھی جنگل کی مجھے راہ بتا دو
 کس ابر میں پنہاں ہو مرا ماہ بتا دو
 آنکھوں میں بھارت بھی نہیں جاؤں کدھر کو
 زینبؓ کی صدا سنتے ہی ڈرے شہ والا
 فرمایا قدم خیمے سے کیوں تم نے نکالا
 کمرے ہو بدن کشتہ شمشیر ہیں کسب
 خاموش اٹھیں آگے نہایت تم کی
 کیونکر کوئی رو داد لکھے اہل حرم کی
 مصروف ہر اک اشک بہانے میں ہے گا

نکلی دہ خیمہ سے ادھر زینبؓ پر غم
 منہ پھٹی تھی کوئی کوئی کرتی تھی ماتم
 ایک حشر تھا ہر علی اکبر کی صدا سے
 اک ایسیہ دشت پر آشوب میں چھپا
 بجلی کو سیاہی میں چمکا ہوا پایا
 گرتے ہوئے مقتل میں ستارے نظر آئے
 سر پر نہ ردا تھی نہ قصابہ تھا نہ رومال
 ہر گام تھی سہل کی ٹرپ زخمیوں کی چال
 تھی نصف ردا دوش پہ ادا نصف میں پر
 سیدانی ہوں رستہ مجھے لٹہ بتا دو
 لاشے پہ کدھر ہیں شہ زوی جاہ بتا دو
 میں پہلے پہل ڈھونڈھنے نکلی ہوں سپر کو
 دامن عبا فرق پہ ہمشیر کے ڈالا
 اہ بنت علی مر گیا وہ گیسوؤں والا
 دیکھو گی کسے خاک پہ اب ڈھیر ہیں اکبر
 شق ہوتی ہو پھاتی دم تحریر قلم کی
 حقا کہ نہایت نہیں شیر کے غم کی
 ماتم علی کسب کا زمانے میں ہے گا

شیر (۱۵)

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ
 آنکھوں کا نور کھوتا ہو نورِ بصر کا داغ
 یہ حال ابنِ فاطمہ کے دل سے پوچھیے
 جب بچھی کھاکے گم ہوا اکبرؑ کا نہال
 لرزہ تھا جسمِ پاک میں خوشیدی مثال
 تھامے ہوئے کیجے کو گھبرائے پھرتے تھے
 آنکھوں میں اشکِ لب پہ فعالِ دل میں د
 صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
 دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
 ہر دم پکارتے تھے کہ اکبرؑ کدھر گئے
 مرنے والے باپ ادمؑ کے دل پر کدھر گئے
 ادمؑ میرے شیر کیا کسی جنگل میں چھپے ہے
 اکبرؑ ہماری آنکھوں میں اب تیور اتے ہیں
 کھوئے گئے ہیں خود کہ نہیں تم کو پاتے ہیں
 اکبرؑ سنبھال لو کہ نہایت نحیف ہیں
 ادمؑ میرے بے گیسوؤں والے ترے نثار
 کھائے جگر پہ زخم کے بھالے ترے نثار
 فرزندِ فاطمہ کی مخفی پہ رحم کر

دل کو ٹھکار کرتا ہو نختِ جگر کا داغ
 مرنا جوان بیٹے کا ہو عمر بھر کا داغ
 زخمِ جگر کے درد کو گھائل سے پوچھیے
 فرزندِ فاطمہ کا کہوں کس نے اس حال
 چلاتے تھے شبِ بواہائے میرا لال
 اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھا کھائے کرتے تھے
 ہاتھوں میں عیشہ چہرہ اقدس کا رنگِ زرد
 مثلِ کماں خمیدہ کمر گیسوؤں پہ گرد
 جلدی کبھی چلے کبھی خش کھاکے گر پڑے
 ادمؑ نو چشمِ بانو نے پر کدھر گئے
 آواز ووشِ بھیر کدھر گئے
 ادمؑ میرے چاند کون سے بادل میں چھپے
 ہاتھوں کو تھام لو کہ قدم تھر تھرتے ہیں
 کیا جانیں خطر اب میں کس سمت بکا ہیں
 بیٹا ابھی جوان ہو تم ہم ضعیف ہیں
 ادمؑ باپ کی ضعیفی کے پالے ترے نثار
 بابا کو پاس اپنے بلالے ترے نثار
 ادمؑ نو جوان پدر کی ضعیفی پہ رحم کر

بیٹا بیکس ہوں نے وطن ہوں غریب الیہ ہوں
آفت میں مبتلا ہوں بلا سے دوچار ہوں
صورت دکھا دو اپنی جوانی کا واسطہ

باغ جہاں میں آہ نہ چھوئے نہ تم پھلے
رورو کے کیوں نہ دستِ تاسف پڑے
ارمان مال کو بیاہ رہ جانے کا رہ گیا

اے نور عین باپ کی حالت تباہ ہو
جائیں کدھر کہ لشکر کیس سدا رہ ہو
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے

محبوب حق کا آخری دیدار دیکھ لوں
ڈونے ہو میں چائے خسار دیکھ لوں
اب ہو یقین کہ منہ سے کلیجہ نکل پڑے

اعدا کو تب بکارت شہنشاہ کر بلا
بتلاؤ کس طرف ہو مرا لالہ صلقا
اے فوجِ شام چاند ہمارا کدھر گیا

اس کی تلاش میں میں پھرا ہوں کدھر
یوسف مرا تجھے نہیں آتا کہیں نظر
کیا زیرِ خاک میرے قمر کو چھپا دیا

دردِ دل حسین سے آگاہ کیا نہیں
یہ حال ہو کہ آنکھوں سے کچھ سوچتا نہیں
ورنہ تڑپ کے خاک پہ مرجائے کا حسین

بیٹا بیکار لو کہ بہت سے قرار ہوں
اہلِ تم تو ہوتے ہیں میں اشکبار ہوں
بو لو پردے سے تشنہ دہانی کا واسطہ

صدقے پر تڑپتے ہو کس نخل کے تلے
ناشا و نامراد ہی اس دہر سے چلے
اک داغ تیرے خلق سے جانے کا رہ گیا

بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہو
دم چڑھ گیا ہو خالقِ عالم گواہ ہو
طاقت جو تھی بدن میں وہ بھائی لے گئے

جی چاہتا ہو پھر تیس اک بار دیکھ لوں
منہ پر شکستے کیسوئے خم دار دیکھ لوں
اکبر گلے سے گیشو تو بابا کو کل پڑے

آئی کسی طرف سے نہ اکبر کی جب عدا
سببِ نبی کے حال پہ اب رحم کی ہو جا
برجھی ستم کی کھا کے وہ پیارا کدھر گیا

اے ظالموں کہاں ہو مرا نوجواں سپر
اب مضطرب بہت ہوں سنبھلتا نہیں جگر
کیا قتل کر کے چاہ میں لاشہ گرا دیا

ہم تم میں کوئی صاحبِ لاویا نہیں
اس وقت ہوش سببِ نبی کے بچا نہیں
اکبر جو لے گئے تو ٹھہر جائے کا حسین

کہتے تھے اہل ظلم کہ یاسید اُمم
 اک نوجواں تو آیا تھا باشوکت و جنتم
 دو بار گرتے گرتے وہ غازی سنبھل گیا
 سچ ہر عجب حسین تھا وہ غیرت چین
 شیریں زباں شگفتہ مزاج او کم سخن
 چرچے اسی کے حسن کے لشکرین سے ہیں
 آغاز تھیں میں ابھی تھا عالم شباب
 پیاسا تھا تین روز کا وہ آسماں جناب
 سوکھے تھے ہونٹھ پیاس کی کچھ انتہا نہ تھی
 چھپی ستم کی ہو گئی سینے کے وار بار
 گھیرے تھے چار سمت سے زخمی نیزہ دار
 مانند شیر جھومتا تھا فاش زمین پر
 برجھی کے ساتھ چھد کے نکل آیا تھا جگہ
 تلوار ایک ہاتھ میں ایک ہاتھ میں سپر
 بیٹھا گلے پہ تیر تو دم اس کا رک گیا
 چلائے شاہ دیں کہ وہی میرالال تھا
 آیا زوال اُس پہ جو بدر کمال تھا
 یہ داغ دل حسین کو پہلی پہلی ملا
 ناسور اس الم سے کلبے میں پڑ گیا
 کیا نوجواں ضعیفی میں مجھ سے بچھڑ گیا
 صدقے کرو پدر کو اب اُس نورین پر

حضرت کے نو چشمے اُفتاب ہیں ہم
 چھاتی پہ اُس جری کے لگانیزہ ستم
 گھوڑا کسی طرف اُسے لیکے نکل گیا
 سنبھل کے کیسے پھول اُسٹھ چاند سا بدن
 کیا کیا راہی لاکھوں سے تنہا وہ صفت شکن
 یاں کے بھی لوگ اس کی جوانی پڑتے ہیں
 گویا زمین پہ چرخ سے اتر تھا آفتاب
 غیرت یہ تھی کہ پینے کو ہم سے نہ مانگا آب
 لیکن طلبے اُس کی زباں آشنا نہ تھی
 رہوار سے چارہ نہ ہوا پر وہ شہسوار
 برسا رہے تھے تیر کہاں دار دس ہزار
 بوندیں ٹپکتی ہی تھیں لہو کی زمین پر
 مانند گل تھی تن کی قبا غل میں تر برتر
 کہ فوج پر نظر تھی کبھی زخم نظر
 ہاتھوں سے دل کو تھام کے کھڑے پڑ گیا
 وہ یوسف حسین عیم المثال تھا
 بارغ محمدی کا وہ تازہ نہال تھا
 برجھی سی اس کو مار کے کیا تم کو بھل ملا
 میں لٹ گیا تباہ ہوا گھر جھڑ گیا
 سبط نبی کی زیست کا نقشہ بگڑ گیا
 تلوار لاکے پھیر دو حلق حسین پر

جنگل سے آئی اتنے میں اکبر کی یہ صدا
 ہو غم قریب کو چ سوئے گلشن بستا
 آلودہ خوں بھرا ہوا چہرہ ہو گرد سے
 سُن کر صدا پکارے شہنشاہِ نامدار
 دوڑے گئے جواش پہ نالائ وئے قرار
 دیکھا ابو پسر کا تو دل تھر تھرترا گیا
 لاشِ پسر سے دوڑ کے لپٹے امام پاک
 چلا تے تھے کہ غم سے کیچہ ہو چاک چاک
 میں دیکھتا ہوں پاؤں زمیں پر گر تے ہو
 تقدیر جب کہ تجھ سے جواں کو جدا کرے
 دکھ میں کسی کو یوں نہ فلک بتلا کرے
 بدلے عصا کے ہاتھ میں بیٹے کا ہاتھ ہو
 اکبر نے جب غش میں سنی زاری پدر
 زخمِ جگر دکھا کے کہا یوں چشمِ تر
 اب والدہ سے تابقیامتِ فراق ہو
 شہ نے کہا کھڑی ہو دھڑپور تھی کھولے بال
 فرزند کو جو لیکے چلا فاطمہ کا لال
 چلا بے شاہ دیں کہ جہاں سے گزر گئے
 دھڑپور تھی پہ لاشِ لائے پسر کی جو شاہ دیں
 زینب کو یوں پکارا وہ زہرا کا نازنین
 دو لہا بنے ہیں غن کی ہندی لگائے ہیں

اب جاں لب ہل آئیے یا شاہِ کربلا
 حسرت یہ ہو کہ دیکھ لوں یدِ مآپ کا
 بسل سا لوٹتا ہوں کیچے کئے روستے
 ہمشکلِ مصطفیٰ تری آواز کے تثار
 دیکھا کہ غش پڑا ہو زمیں پر وہ گلخندار
 آنکھوں کے نیچے شہ کی اندھیرا سا لگیا
 کانپی زمیں ترپکے جو کی آہ دردناک
 احوال تیرے بعد ہو اس نازگی پہ خاک
 اٹھاڑھویں ہیں میں بیٹے سے بچھڑتے ہو
 پھر یضعیف باپ بھلا جی کے کیا کرے
 اب جلد موت آئے ہمارے خدا کرے
 ہر آرزو جہاں سے سفر ہو تو ساتھ ہو
 دیکھا ابو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
 اب کوئی دم میں گلشنِ مستی سے ہو سفر
 مادر کے دیکھنے کا بہت اشتیاق ہو
 آؤ میں لے چلوں تمہیں ایسی جگہ نوہال
 رستے ہی میں ہو اعلیٰ اکبر کا انتقال
 مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے
 باہر نکل کے بی بیاں سر پیٹنے لگیں
 دوڑ رہیں کہ قتل ہوا اب جہیزیں
 سہرا تمہیں دکھانے کو قتل کئے ہیں

خیمے میں پائے پائے کا یک غل ہوا بپا
ہاتھوں سے کوکھ کپڑے سے ہوا ماں بھید بکا

کس کا جواں سپر تھا کہ بابا سے چھٹ گیا
خیمے میں ٹکے شہ نے لٹائی سپر کی لاش
اس جواں سپر کی جواں نے پائی لاش
کستی تھی ہاں نثار ہوں آنکھیں تو وا کرو
اماں نثار کس کی نظر تجھ کو کھسائی
جنت کے بوستان کی فضا تجھ کو بھاگئی
داری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے

میری امید کچھ نہ برائی ہزار حیف
چھاتی پہ برچی ظلم کی کھائی ہزار حیف
بابا یہ صدقے ہو گئے ایذا قبول کی
بابا کے سامنے تمہیں مرنے کی تھی ہوس
دی جان تم نے پانی کی خاطر ترس ترس
نے جان کس نے کر دیا بانو کی جان کو
اک لال تجھ پہ کیسی مصیبت گذر گئی
اُڑا کے ریت زکسی آنکھوں میں بھر گئی

چین آئے گانہ دن کو نہ راتوں کو سوئی
ہی نہ تیرا بیاہر چانا ہوا نصیب
پوتے کو گود میں نہ کھلانا ہوا نصیب
نڈی لہو کی چاندی چھاتی سے بہ گئی

کلی درخیا م سے زینبؓ برہنہ پا
چلاتی تھی اسے مے نیچے کو کیا ہوا
یکس کی کوکھ اُجڑ گئی گھر کس کا لٹ گیا
غل پڑ گیا کہ اکبر غازی کی آئی لاش
پھیلا کے ہاتھ چھاتی سے جلدی لائی لاش
ان غلوں میں ڈوبی زلفوں پہ مجھ کو فدا کرو
اٹھا رہویں برس میں تجھے موت آگئی
یاں سے سواری جانب ملک بقا گئی
جنت میں جا بسے مری بستی اجاڑ کے

تم نے دلہن نہ مجھ کو دکھائی ہزار حیف
پانی کی ایک بوند نہ پانی ہزار حیف
اب تک لیے ہونہ میں انگوٹھی رسول کی
نہ کچھ پھو پھی کا زور چلا اور میرا بس
ہی ہی یہ کیسا آیا تھا اٹھا رہواں برس
کس کی نظر لگی مرے کرپل جواں کو
وہ حسن کیا ہوا وہ جوانی کدھر گئی
اکبر تمہاری پالنے والی نہ مہ گئی
جب تک جیوں گی تیری جوانی کو کوئی
ہی نہ دلہن نہ بیاہ کے لانا ہوا نصیب
شادی کے بدلے خاک اڑانا ہوا نصیب
بہنوں کو نیگ لینے کی حسرت ہی گئی

باتیں تمہارے بیاہ کی جی لوگ لگتے تھے
 سُن کر دہن کا ذکر نہ آنکھیں اٹھاتے تھے
 بن بیاہے اٹھ گئے مرے پیارے جہان سے
 ہنس ہنس کے اب بیان کے دولہ بنائے گی
 اب سالی کس کے ہاتھ میں ہی لگائے گی
 بستی مری اُجر گئی ویرانہ ہو گیا
 یہین کر کے غش ہوئی بانوئے نیک نام
 لاش پسر کو لے گئے قتل میں پھر امام
 کس کو جوانی علی اکبر کا غم نہیں

بہنیں بلاتی تھیں تو نہ تم پاس آتے تھے
 کیا سکر کے شرم سے گردن جھکاتے تھے
 ناشاد و نامراد سدھارے جہان سے
 واری جواب دو دہن اب کس کی آئے گی
 ماں بیاہنے کو دھوم اب کس کو جائے گی
 شادی کہاں کی گھر تو عز خانہ ہو گیا
 اٹھ اٹھ کے بیٹھے لگیں سب بی بیاں تمام
 بس ادا نہیں آگے نیں طاقت کلام
 گو بند مختصر میں پہرونے کو کم نہیں

رباعی

ہو ملکیت جسم میں شاہی دل کی
 بعد اس کے دعائے پیچیدی کرنا

کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
 پہلے دھولے ذرا سیاہی دل کی

ایضاً

کس بات میں کیا کس میں نہ ویر نہیں
 اس عہد میں رستی کا کیونکہ ہو رواج

جز حروفِ غلط نہ باں پہ تقریر نہیں
 مسطر کج ہو قلم کی تقصیر نہیں

مرثیہ (۱۶)

حضرت سے جب برادرِ خوشِ خود جدا ہوا
جو گھر کی روشنی تھا وہ مہر و جوا ہوا
تیغِ خزاں چلی شہِ مرداں کے باغ میں
دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتمِ خدا دکھائے
فرماتے تھے پسر سے یہ رو کر کہ لئے لئے
عباس کیا جدا ہوئے گھر سے لٹ گیا
اعدا میں شور تھا کہ لکھنے ہوئے امام
تھا شکروں کو خوفِ علمدارِ نیک نام
کیا ہو سکے گا اب شہِ گردِ دلِ اساس سے
غصے سے کا پنتے تھے علی اکبر دلیر
کہتے تھے لئے موت نے کیوں کی ہوائییر
اکبر بھی جلد قافلہ والوں سے جا ملے
دیکھا امام دیں نے کہ ہر غیظ میں پسر
فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر
اعدا کی ہر خوشی ہمیں جتنا مال ہو
قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مجھ میں
مجھ کو سنا سنا کے یہ کہتے ہیں اہل کیس
پیا سے جو ہوں جان کو کھوئے نہیں ہر کیا

تہنا ہوئے کہ زینت پہلو جدا ہوا
جس سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا
ٹوٹی کمرِ حسین کی بھائی کے دلغ میں
پوچھو اسی کے دل سے کمر جس کی ٹوٹ جائے
اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لئے
بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا
وہ مر گیا کہ جس سے لڑتا تھا روم و شام
بکیں ہوئے حسین لڑائی ہوئی تمام
اک نوجواں پسر ہی وہ مرنا ہی پیاس سے
تکے تھے روئے فوج کو ہر دم مثالِ شیر
میں تو خدا کی راہ میں تیں زندگی سے سیر
مشکل ہو دیکھے ہمیں کیونکر رخصت ملے
تیغِ علی کو ٹیک کے اٹھے بچشمِ تر
ہر شادی شہادتِ عباسِ نامور
تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو
کب تک غلامِ صبر کرے یا امام دیں
اب فاطمہ کے لال کا یاد کوئی نہیں
ہم شیر کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا؟

اچھا کہیں جو کہتے ہیں تیرے بکے بد خصال
 باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال
 میاں سے دم و زری کے دلاور کہاں گئے
 ہم حق پر ہیں تو پھر ہمیں مرنے سے کیا ہراس
 صابر ہیں بندگانِ شہنشاہِ حق شناس
 پیاسے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
 پانی سے کیا اٹھیں جنہیں ہو آپ کا حیان
 گر لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں جان
 اب عطا و فیض ہیں ریا نوال ہیں
 دیکھا حسین نے کہ رکے گانہ دلربا
 کی عوض دم بدم یہی خالق سے ہو دعا
 میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے میر ہو
 خیمے میں آئے اکبر مہر و جھکائے سر
 رو کر کہا کہو مرے بھائی کی کچھ خبر
 رونے کی جا ہو قبلہ و کعبہ کے حال پر
 پتین دن کی پیاس تو ہو پائے زوال
 تینوں پر نہیں سامنے ہیں ہال پر ہو ڈھال
 اتنا کوئی نہیں ہو کہ سینہ پہر کرے
 یس کے بیٹے لگی زینب جگر تکار
 بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار
 اس کے لیے رہا ہے کامیاب نام لائے ہو

پاس ادبے عرض کی ہم کو نہیں مجال
 لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پامال
 لاشے کہاں تڑپتے ہے سر کہاں گئے
 فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
 لب تشنہ جائیں گے یوں کوثر پہ جد پاس
 دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں
 ہم اور سوال آکے یں گے خدائی شان
 ہونٹوں پہ بھی پھر پیش سوکھی ہوئی زباں
 کوثر کو جو لٹائے گا ہم اس کے لال ہیں
 رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مر گئے کیا
 فرمایا لاؤ اپنی چھوٹی جان سے رضا
 جلدی مگر کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو
 لپٹا لیا کلیجے سے زینب نے دھڑکے
 اکبر نے عرض کی تن تنہا ہیں اب پدر
 سب فوج کی چڑھائی ہو نہ لال پر
 نیلے ہیں ہونٹھ زرد ہیں رخ ضعف ہو کمال
 چلے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بد خصال
 تیروں کی اب مہم ہو خدا اس کو سر کرے
 رانڈوں میں حسین کی ہر سو ہوئی بچا
 تم دن سے ایسے وقت میں آئے میں شام
 کس نے طلب کیا تھا جو گھر کے آئے ہو

میں مر گئی تھی کیا جو چلے آئے بے حواس
 ہر ہی یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ بھوک مایں
 کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں
 کیسا لہو سفید ہو دنیا کا ہاٹے ہاٹے
 یوں ناز اٹھا اٹھا کے جو پائے تیر کھائے
 کیا وقت ہو تشارشہ مشرقین کے
 بتلا و پاس سب میں یفکان پر جب گرا
 قاسم کیسے ہیں سینوں میں تلواروں کو پسز
 تم گھر میں آئے گرتو سن مجھے کچھ گلا نہیں
 بچے نہیں جاں ہو بہادر ہو میں تشار
 یہ سحر کہ یہ جنگ ہو دنیا میں یا دگار
 جینا ہو تب جو فاطمہ کا مدد تقابحی
 کہتی ہوں صاف میں کہ نہ بھائے مجھے یہ طور
 عاقل وہ ہو مال کی جانب کے جو غور
 مرتاتے ہیں وہاں صفیں توڑ توڑ کے
 گھر کیسا ماں کہاں کی نہیں کیا کسی سے کام
 اچھا خدا نہ کر وہ خون خمی ہوئے امام
 ماں سوئے میں کہوں تمہیں نہ مگر نہ دھیان ہو
 یہ کہ کے منہ کو ڈھانپ کے روئی وہ نوہر گر
 کہنے لگیں یہ حضرت نبیؐ جھکا کے سز
 گھر لٹ رہا ہو کشتہ اندوہ و یاس ہوں

چھوڑ آئے کس کو تینوں میں سبطانی کہیں
 کیا کہتے ہونگے دل میں شہنشاہ حق شناس
 سچ ہو مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں
 بیٹا جوان باپ کو آنت میں چھوڑ آئے
 سید تری مدد کو یہ لونڈی کے بلائے
 کلائے مرا گلا کوئی بدلے حسین کے
 بھائی سے دور تو نہیں عباس نامور
 زینبؓ کے دونوں چاند ہیں ہلو میں جلوہ گز
 تنہا تو نور چشم رسول خدا نہیں
 بھولو پھر بھی کو دل سے اٹھا دو ہمارا پیار
 یہ موت زندگی ہو عبادت یہ کارزار
 اچھا پردہ کو کھوکے بیٹے گرتو کیا بیٹے
 میں منہ نہ دکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
 مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
 گھر میں بھی مرد آتے ہیں مایاں کو چھوڑ کے
 نیزوں میں پ گھر میں جگر بند تشریف کام
 پھر آبرو رہے گی مری اور تمہارا نام
 جاؤ سدھار و نام نہ اب ان ہو
 اکبر نے کی پھوکی کی طرف یاس سے نظر
 حق ہو یہ سب جو کہتی ہیں بانو سے ناموس
 واری مجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں

بن آئے تم سے جو وہ کروڑ پوچھ پی کی جان
 آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجوان
 جو خود لہو گرائے تیسنے پہ باپ کے
 عمو سے پہلے تھی مجھے مرنے کی آرزو
 تو تو طرح سے کی اور مطلب کی جستجو
 میں اور نہ نہ شک کے قدم پر خدا کروں
 جب میں گرا قدم پہ کہاں سے ازل و
 دن کی طرف بڑھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
 میں کس طرح کہوں کہ سیہارو سوار ہو
 اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری
 رگ رگ میں ہو لو کے عوض نو حیرری
 اس کو ہر اس کیا ہی جو شیروں کا شیر ہو
 تسلیم کو جھکا جو یہ کہہ کر وہ سیمبر
 ماں کو ایتھیں ہوا کہ چلا اب جواں پسر آگے
 اتنا تو منہ سے کہہ دو کہ دن سے کب آگے
 قدموں پہ مال کے جھک گیا بڑھکر وہ زونہال
 کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں کیمرے لال
 صدقہ یہ آپ کا ہو کہ عالی مقام ہوں
 میں ہی پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب
 احساں کیا غلام پہ او آساں جناب
 میں آپ صابرہ غم و اندوہ و یاس میں

حافظ علی خدا پسر نگاہبان
 میرا ہی سب قصور یہ ہو والدہ کو دھیان
 وہ تیر لگتے دیکھے کا سینے پہ باپ کے؟
 چارہ ہو کیا رضا جو نہ دیں شاہ نیک خو
 کھوتا ہو کوئی دیدہ و دانستہ آبرو
 لکھی ہر بخت میں جو ندامت تو کیا کروں
 جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینب سے پوچھو
 مالک ہیں لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ
 دونوں خوشی سے دیں صنائب تیار ہو
 دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفری
 ہمسایہ بھی دوسرا کوئی دنیا میں ہو جری
 بخشیں نہ آپ دھ چمرنے میں یہ ہو
 بنت علی زمیں پہ گری تھام کر جگر
 پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر
 واری مے گلے سے نہ کپا ل کجاو گے
 رخ کی بلا میں لیکے یہ بولی وہ خوش خصال
 اکبر یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال؟
 خادم ہوں جاں نثار ہوں دنی غلام ہوں
 جیسے شمر پہ تاب جہاں تاب آفتاب
 کیجے دعا کہ اب میں شہادت کا میاب
 اب دھ بخشیے کہ افاقہ ہو پیاس میں

ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سو گوار
 کیا دو دھڑا سی چیز ہی بخشا ہزار بار
 اہل سے دور رنج و غم دور دھو گیا
 باندھے کمر جو خیمے سے نکلا وہ گل بدن
 عامتہ دست پاک پہ ہر لب پہ یہ سخن
 بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ہاں اضطراب میں
 اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہی گلخوار
 ماں آتما کی آنچ سے ہوئے گی بے قرار
 فرقت ہو اس کی تلخ جو فرزند اہل ہو
 سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد
 اکثر جہان میں تھے بندے ہیں لا ولد
 نانا نبی ہو باپ علیؑ ماں بتولؑ ہی
 ہو جائے ہر شکر جو ہرے تن زباں
 اے خالق زمین و زماں رب انس و جان
 دیتا ہوں واسطہ میں جناب امیر کا
 بعد اس دعا کے چپ چپ ہے شاہ و نامدار
 لایا غلام رخصت میدان کا رزار
 مشکل ہی سہل جس کو بھروسہ خدا کا ہی
 طر ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقین نہ تھا
 کی عرض سن کے بلیسی شاہ کر بلا
 چلتے ہیں تیر قبلاً عالم پناہ پر

میں صدقے تم پر اور مے ماں پ بھی تیار
 ماں کو دعائیں سے کہ یہ بولا وہ ہی قار
 تر ہو گئی زبان بسر د ہو گیا
 دیکھا کہ قبلہ رو میں شہنشاہ بے وطن
 اکبر کو بہرہ یاب کرا دی رب ذوالمنن
 یار سب خلل نہ ہو کہیں کا ر ثواب میں
 پالا جو ہی دکھوں سے پھوپھی اتن ہو تیار
 تو صبر کر عطا انھیں ای میرے کردگار
 ماں تو مدد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو
 آساں اس امر صعب کو بھی کر دے یا احد
 مجھ پر تو وہ کرم ہو کہ جس کی نہیں ہو حد
 بیٹا بھی وہ دیا جو شہید رسولؐ ہی
 شمع نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
 لاتا ہر بندہ بندہ مسکین و ناتواں
 مقبول بارگاہ ہو مدیہ فقیر کا
 حضرت کے پاس جاکر بولا وہ گلخوار
 فرمایا صاف ہوتا ہی چہرے آشکار
 اے مہ لقا اثر یہ ہماری دعا کا ہی
 مجھ تو کچھ کہو تمہیں کیونکر ملی رضا
 اتان نے اور پھوپھی نے ٹپکے ہی کہا
 دوڑ و سپر ہوتے اطہر زہرا کے ماہ پر

بہشت علی یہ کہتی تھیں مجھ سے بصد قلوب
 تھا فرط غم سے الہ صبا کا رنگ فق
 نے خود وہ تھیں غم شہ عالی جناب میں
 آنسو بہا کے کہنے لگے شاہ نیک فات
 دنیا میں یوں لڑائے کوئی ایسی کائنات
 کیونکر نہ ہو کہ دونوں میں خود ہی تولد کی
 یہ کہنے کے دونوں ہاتھ بٹھائے سوتے پسر
 بانڈی کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
 اگر تو عین ہجر ترا مجھ پر شاق ہو
 لپٹا پڑے اٹھ کے وہ آغوش کا پلا
 سوکھے لبوں پر رکھ دے لبٹ پہ منہ ملا
 نکلت جو سر بسر تھی رسول کریم کی
 فرماتے تھے فدائے اک گلبدن جواں
 صفدر جواں شکیل جواں تیغ زن جواں
 عالم میں اس طرح کے بھی خوش نہیں ہو
 ایسا تانی رسولِ فلک جاہ الفراق
 اوشہ سوارِ عرصہ جنگاہ الفراق
 سیر بہشت و عہد مبارک ہو آپ کو
 گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادہ زماں
 قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر کمال
 بڑھتے ہی راہ گلشن فردوس مل گئی

کام آؤ شہ کے ہر میرے پالنے کا حق
 ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
 خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں
 حقا کہ ہیں وہ بی بیایں سی بختی شصت
 ان کی بختیں ہیں نہ بھولوں گاتا حیات
 بیٹی ہو ایک ایک ہو ہو بتول بختی
 اکبر نے جھک کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
 بیٹا لکھنے سے کہ بیاب ہو حبلہ
 تیرا سفر رسول خدا کا سراق ہو
 بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہ کربلا
 چو ما کبھی دہن کبھی ہاتھ کبھی گلا
 بوسو نکھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی
 میرے حسین جواں مے گل پر ہن جواں
 پیاسے مے جواں مے شیریں سخن جواں
 فاقوں کی تلخیوں میں ترش و نہیں ہوئے
 اوشہ شہرِ بیشہ اسد اللہ الصفاق
 در پیش ہو ہیں بھی ہی راہ الفراق
 کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو
 آنکھوں میں پھر گیا شب معراج کمال
 اللہ سے عیب حق کہ اٹھا شورِ لالماں
 رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے مل گئی

وہ شان وہ شکوہ وہ اقبال ہ جمال
 گرمی سے تھا جو چاند سے چمکے کارنگ لال
 غصے کی وہ نظر کہ حسد کا عتاب تھا
 قامت کے آگے پست ہی سرور وان باغ
 خوشبو سے بس گیا تھا بیا بان بسان باغ
 کیا خوشنما ہر خط رخ جان بتول پر
 غنچے ہزار ہوں تو تھار و بان تنگ
 یافت کیا ہی سانسے ان کے ہنؤ بھی تنگ
 وہ کونسا نہیں ہی جو شیریں مقال ہی
 دشمن ہوئی جو اُمت نا اہل و نئے وفا
 دندان صاف گوہر دندان مصطفیٰ
 کیسے پہلے ہو اسے تو جنگل مہاک گئے
 وہ شہسوار اور وہ سمندر فلک نور و
 بازو برق گرم روانی سے اس کی سر و
 اس کی سبک روی سے خجالت تاب کو
 نہیں کو گاڑ کر جو ہر جزواں ہے جناب
 فتن تھا کسی کارنگ تو زہرہ کسی آب
 گہرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے
 تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
 چکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسمان کے پار
 پہونچے تھے سم ابھی نہ برا بر زمین پر

گویا ہے جہاد چلے شیر ذوالجبال
 خورشید کو نہ آنکھ مانے کی تھی جمال
 انساں تو کیا ہنر کا زہرہ بھی آب تھا
 خسار میں شگفتہ گل ارغوان باغ
 بنرہ میں پھول تھے ہیں اکثر میان باغ
 دیکھو نہی ہمار کہ سبزہ ہی پھول پر
 بازک لبوں میں سب ہی لب مصطفیٰ کا دھنگ
 دل خوں ہوا مگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ
 ہاں اس کا جوہری ہی تو زہرہ اکالال ہی
 زخمی ہوئے وہ لب بجا پر ہوئی جفا
 نریق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا
 جب جنس کے بات کی تو تباہ چمک گئے
 پانی کبھی صبا نے جس کے قدم کی گرد
 یوں چال میں پری تو مچھلا وادم نبرد
 دریا پہ جاے اور نہ خبر ہو حجاب کو
 یاد آگئی ہر اک کو صدائے ابو تراب
 مٹنے لگیں صفیں یہ ہوا دل کو اضطراب
 جو مورچے یہاں تھے سرک کر وہاں گئے
 لی میان سے دبیر نے شمشیر آبدار
 اتر اکئی صفوں کے اوھر اڑ کے راہوار
 گھوڑوں پتن سواروں کے تھے سر زمین پر

پھر تو جی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
 توار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف
 سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
 موت آئی اس لیے پہ جہاں ناگہاں گئی
 توڑا یہ دور جہم نصف لٹی وہاں گئی
 ایک کی شکل سامنے لی راہوار کی
 اللہ سے ضرب تیغ صفا پانی جری
 خالی کیے پکے پنہلوں میں کبھی بھری
 گوخوں سے لالہ رنگت شبت مصفا ہر
 فوجوں کو بے جواب تیزنی بان میں
 پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں
 نے فتح پھیرتی تھی نہ منہ کارزار سے
 جو ہر وہی برش کا وہی طور خم و ہی
 چلنا اسی طرح کا چمک دم دم و ہی
 نے مثل آبرو میں اصالت میں نیک تھی
 پڑتا تھا پیلہ جو چمک کر ادھر ادھر
 کٹ کرتوں سے گڑھے تھے سر ادھر ادھر
 رنگت نہ تھا سمند کہیں اونچ نیچ میں
 آفت کا سر کہ تھا قیامت کی جنگ تھی
 اللہ ری برق و شوق کہ بجلی بھی تنگ تھی
 جو کھینچتے ہیں سر وہی پامال ہتے ہیں

وہ شیر ہر جگہ تھا لڑائی تھی ہر طرف
 مثل صافرس کی رسائی تھی ہر طرف
 بجلی کہاں نہ تھی وہ چھڑاوا کہاں نہ تھا
 زخمی کیا فنا کیا مارا جہاں گئی
 حیرت تھی فوج کو کدھر آئی کہاں گئی
 غل تھا یہ ران باگ ہر دلدل سوڑ کی
 سرٹ گئے تنوں سے چلی جب سرری
 دعویٰ یہ تھا کہ ہر مے حصے میں صفری
 جو چاہے دیکھ لے مرا منہ پاک صاف ہر
 ترکش میں چھوڑے تیز نہ چلے کمان میں
 نازل ہوا تھا آئے برق اس کی شان میں
 دعویٰ ہمدی تھا اسے ذوالفقار سے
 تیزنی وہی غضب کی وہی گھاٹ دم وہی
 رنگت زمرودی وہی پانی میں سم وہی
 مل جاتیں دوزبانیں بھی اس کو تو ایک تھی
 چل جاتے تھے کبجوں پہ خنجر ادھر ادھر
 زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر ادھر
 ندی لو کی بہتی تھی شکر کے بیج میں
 کوسوں اوسے ن کی زیریں لالہ رنگ تھی
 چمکی کسی سوار پہ جب زیر تنگ تھی
 نام آوروں کی تینوں کے منہ لال ہتے ہیں

کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جا بجا
 گوشوں میں گورخوں کو چھپاتے تھے جا بجا
 بھاگیں نہ کس طرح قدر اندازہم کے
 نے رُخ کمانیں تیروں کے چلے کمال کے
 برچی سے پھل گے بے نینے سناں کے
 رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پامال تھیں
 بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پر ٹال کے
 تلواریں منہ چھپاتی تھیں امن میں ٹھال کے
 چار آنے پڑے تھے زمیں پر رکے ہوئے
 کس کے لیے دغا میں وہ تلوار سم نہ تھی
 کس کی سیریت کلائی تسلیم نہ تھی
 فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشت مصاف تھا
 جس صف پر آئی کاٹ گئی خود سروں کے ہاتھ
 فرماتے تھے اڑا کے برابر پروں کے ہاتھ
 پیر اک ماننے نہیں کیا کے شور کو
 میں جاں بلب ہی ہوں جم رہا تھا پاسبان سے
 کیوں دو رہا گئے جاتے ہو شیروں کے پاس سے
 کیوں ہونٹھ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
 بریل اسد ہوں مکر دغا میں نہنگ ہوں
 مشتاق زخم نیزہ و تیغ و خنجر ہوں
 میں دوق ہوں اور تین نہایت بری لگے

تو دے کمانوں کے نظر تے تھے جا بجا
 لیکن سروں پر تیغ کو پاتے تھے جا بجا
 وال تیر کیا کہ جلتے تھے پر مرغ و ہم کے
 مرغان تیر سمے ہوئے آشیاں سے دور
 پیروں سے غفل دور تھوڑ جواں سے دور
 کا ندھوں پر روسیا ہوں ڈھالیں ٹھال تھیں
 بھالے چھپے تھے امن کی جا دیکھ جال کے
 زمر میں تھیں باکھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
 لٹکے تھے جوشنوں کے گریباں پھٹے ہوئے
 آتے ہی کاٹ جانے میں امنی سے کم نہ تھی
 منہ پر کسی جواں کے سلامت جھلم نہ تھی
 چہروں کے کاٹنے میں کیا ہاتھ صاف تھا
 تھرا ہے تھے خوف سے نام آہوں کے ہاتھ
 چلتے ہیں کارزار میں یوں صغروں کے ہاتھ
 دکھامے تھکے ہوئے ہاتھوں کے نور کو
 دیکھو لڑا ہوں لاکھوں میں کس کس جواں سے
 ماروں کسے کہ مرے تہم خود ہراس سے
 تلوار سے مرو کہ جوانوں میں نام ہو
 حیدر تھے شیر حق تو میں ضرغام جنگ ہوں
 بھاگے ہو چار آئینہ باندرہ میں نہنگ ہوں
 دل کھول کر لڑو کہ لڑائی میں جی لگے

کچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیف باں کو
 گھوڑے بڑھاڑھا کے ہٹاتے تھے بار بار
 زہر سے تھے آب غیظ جو تھا اس جناب کو
 دق تھے مبارزانِ روم و مصر و شام
 بجلی سی کو نڈتی تھی ادھر اور ادھر حسام
 وہ بھی قریب مرگ تھے جو دور دور تھے
 جب صف پہ نیزہ بازوں کی اڑ کر گیا سمند
 سر پہ اڑے کہ بچ گئے رستے ادھر کے بند
 نیزے ستم کے چار طرف تل کے رہ گئے
 کرٹے تھیں بیرقین نشانِ بگے سزگلوں
 بیتا لہو کی آئی یہ برسا زمین پہ غول
 تھراتے ہیں پیادوں کے دل اس کے کاٹے
 خالی کیے دلیر نے جنگل بھرے ہوئے
 سروں گرے اُٹھتے جدھر تل بھر ہوئے
 اس زور شور سے کوئی اڑتا نہیں کبھی
 چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی ہر سو گھٹایا
 چھپنے کی ذجہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ
 جو گھاٹ پر تھا غول میں وہ شور بورتھا
 چلا رہا تھا یوں پسپا کیسے جو
 جاتا ہر تین روز کا پیاسا کنارا جو
 گھبرو کر میں نیزوں کی اس آفتاب کو

کٹ کٹ کے سر جھکانے تھے لشکر کے مار
 کیا تاب تھی کسے جو کوئی مے کے آنکھ چار
 گھوڑا ہر شہرک نے کبھی آفتاب کو
 غل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
 یہ گر کے مر گیا تو وہ پسر ہوا تمام
 کاسے سروں کے گھوڑوں کی پاؤں سے چور
 جی سن سے ہو گیا کہ یہ گھوڑا ہی پرند
 ہر دم تھی تیغ عقدہ کشا کی برش و چند
 باندھے تھے جتنے بند وہ سب کھل کے رہ گئے
 ثابت الف تیروں کے تھے نلکوں کے نوں
 چلا تے تھے زمیں پہ ٹرپ کر سیہ دروں
 نڈی چڑھی ہوئی ہی سرکباؤ گھاٹ سے
 لہرا رہے تھے خون سے جل تھل بھر ہوئے
 جیسے کبھی بستے ہیں دل بھرے ہوئے
 یوں دو گنڈا اسارٹھ میں پڑتا نہیں کبھی
 بجلی چپک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
 نڈی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا سب تباہ
 سارا یہ تیغ تیز کے پانی کا شور تھا
 کس سے کہوں بہاے جو اس شیر کا لہو
 جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
 کیوں خاک میں ملائے ہوئی کی آب کو

نام آوروں کو چاہیے عزت کا اب خیال
 حاضر ہو خلعت و زو جاگیر و آپ د مال
 باقی مجاہدوں میں یہی نور عین ہو
 نکلا یسن کے غیظ میں اک پہلو ان روم
 سرنگ پر غرور سیق لبش و شوم
 مر حب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گویو تھا
 چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام
 موزی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ نام
 کندہ سقر کے قعر کا پست لا گناہ کا
 کیا ذکر خود کا سر و گردن کا کیا حساب
 سینے کے تھے کوڑا کہ خیمہ کا بند باب
 رات بستی کا رزق سپاہ یزید تھا
 ٹکڑے کے پہاڑ کو وہ گرز گاؤں سر
 زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
 دستانے دونوں دست تعدی پسند پر
 اکبر بھی مسکرائے ستم گر کو دھیکر
 ہمت پکاری ادا سحر حق کے شیر نر
 جوشن سمیت کیجیے دو ایک حسام میں
 پڑھتا ہوا برج جو بڑھا وہ ستم شعار
 بھولا کلام زور تلسی وہ نابکار
 گویا ہوں یہ تو کس کو مجال سخن ملے

کرد و ریاض فاطمہ زہرا کو پال
 خوں اس کا جو بہاے وہ بھر کلائے حال
 خنجر ہو پھر تو اور گلوئے حسین ہو
 گیتی کے چار و انگ میں تھی حشمتی کی حوم
 لنگرے جس کے ہل گئی مقتل کے مزدوم
 گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہپاڑی پہ دیو تھا
 تھرائے سام خوف سے کا ندیہ وہ جسم
 کھاتا تھا لاکھ ل جو کوئی نے علی کا نام
 دشمن تھا خاندان رسالت پناہ کا
 گویا تھا اک قراپہ معکوس پر شراب
 تنور گرم تھا شکم خانماں خراب
 تھا بار بار نسرہ ہل من مزید تھا
 پہنے ہوئے زندہ پہ زندہ بریں بدگھر
 منہ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
 پالکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمندر
 فرمایا آدمی ہو کہ صہرا کا جانور
 یہ نابکار آئے تو جاتا ہوا اب کدھر
 لائی ہو موت دیو کو لوہے کے دم میں
 چلنے لگے ادھر سے بھی تیغ زبان کے وار
 لب کیا ہے کہ چل گئی حیدر کی ذوالفقار
 منہ پھر گیا جواب وہ دندان شکن ملے

فرمایا ہم سے مکر کی باتیں خدا کی شان
روباہ اور شیر کے بچوں کا امتحان
لے تیغ اگر بڑھوں تو ابھی تو ہلاک ہو
ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست ہیروست
عمر و ابن عید و دوسے دلاور کو دہی شکست
بالا کو پست پست کو بالائے جانہو
لادا ہو تو نے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر
ظالم تھے خرابی خیبر کی ہر خبر
کیا جانے جس کو شیروں سے پالا پرانہ ہو
ان جو دتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کند
بڑھ کر جودل بڑھانے لگے افسرانِ جند
برچھا ادھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
نیزے پہ وہ چل گئیں چوٹیں کہ الاماں
چنگاریاں اڑیں جو سناں سے لڑیں
پھیلے شر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
ان کی طرف خدا تھا اُدھر لشکرِ غنیم
وہ کفر میں قوی یہ رہتی میں مستقیم
بالے تھے دو لمے ہجے گھوڑوں کی گشت
گھوڑا تھا یا چمکتی تھی بجلی اُدھر اُدھر
غل تھا سکار بند ہو یہ یا ہما کے پر
سائن سے زبردست پرچہ فی کمال ہیں

نیزے سے چھید لیتے ہیں کتاب کی زباں
کیا تاب کیا مجال ہو اور کیا کسی کی جان
پنگوں مکر پڑکے تو پیوند خاک ہو
جو سر بلند تھے انہیں ہم نے کیا ہر پست
ہر دیکھنے کا یتن و توش او شکم پرست
لو ایں کھانا منہ کا نوالا نہ جانہو
آہن ہو اپنی تیغ کے آگے خیار تر
محب کو کس نے بھیجا یا جانب سفر
لو ہا ہر نرم موم سے جب دل کرانہ ہو
بھاری سبق تھا بھول گیا نوشت و خواند
آیا اڑا کے خیش کو وہ مثل باد تند
اکبر اُدھر سنبھل گئے بھلا سنبھال کے
ہرطن قہر کی تھی قیامت کی ترکاں
دوازدہے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
شموں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں
سردارِ شام سب تھے میانِ امید و بیم
دونوں طرف تھی کشش و کششِ عظیم
خاکِ سماں پہ جاتی تھی اڑاڑ کے نشے
گہ منہ کفل پہ تھا کبھی ہٹے قریب
نئے استخوان ہو اسب جہاں میر کی مکر
پیشہ سوار دوش محسوس لال ہیں

اُن کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
 کیا دیزہ بازی میں تھا بار بار بند
 خالی گئی نہ فرق کی دوست و پاکی چوٹ
 ڈوبی گرہ میں نیزہ ظالم کی جب سناں
 اندر سے زور اٹھ گیا گھوڑے سے پہلاں
 نیزے کے ساتھ شور اٹھا اُس گروہ سے
 نیزہ اڑا چکا تو پکارا وہ شہ سوار
 حربوں سے دور کے ہر دائرہ گنگوٹ
 کمزور کو حسدانے زبردست کر دیا
 ظالم نے ڈھال و شیلے اور کمر ستیغ
 دوچار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
 مضطر تھا اپنی زبیر سے دشمن کو پاس تھی
 چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال
 سر کو بتا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال
 روکے کسے جواب کے دے کدھر پھرے
 شمشیر تیز سن سے جو اُنی جھجک گیا
 جل کر کبھی بڑھا کبھی پیچھے سرک گیا
 ناری ہر نور حق سے کہاں بچ کے جاگا
 دونوں طرف و غائب ہوئی جدو کد ہوئی
 نایب کی خدانے علی کی دہوئی
 گرمی میں ایرن گئے تھے وہ جو برق تھے

بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ ہسوار بند
 چوٹوں سے نیلگوں تھے جتا جوے چاہند
 کھلتی بھی ہر بندھی ہوئی مشک کشا کی چوٹ
 گھوڑا اڑا کے ہاتھ کو اکبر نے دی تگن
 دست شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈا گماں
 لواڑ ہے کو لے گیا سیرخ کوہ سے
 دیکھا ہماری ضرب کو کیوں اوتھ شہار
 جو کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارنار
 یہ تیری سرکشی نے تجھے بہت کر دیا
 بدلا تھا اس نے ٹھاٹھ کہ چکی اور ستیغ
 چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس نہر سے تیغ
 جب ہاتھ اٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی
 شانے پائی سینے پلی جب شقی نے ڈھال
 چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا ہنصال
 بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر ہے
 ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بیک گیا
 شعلہ تھا آگ کا کہ بجا اور بھڑک گیا
 اک دم میں تیغ تیز کا پانی بھجائے گا
 پروہال بہر تیغ سکندر کی سد ہوئی
 جو اس نے ضرب کی وہ ہر دست ہوئی
 اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار
جنگ آزمودہ آتش سوزندہ آبدار

جس دن سے اتری سان سے بٹ چڑھی ہی
آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال
تلوار کو اٹھا کے پکارا علی کا لال

پسپانہ ہوئیں یہی وقت نبرد ہو
چکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریب سر

متحضر سے سر میں تھی سرگردن سے صدر
سب نشہ غرور جوانی او تر گیا

قربان تیغ نخت دل بادشاہ دیں
پاکہ دست تھی نہ سلامت تھا صد رویں

کانپا سمند پاؤں کو ریتی میں گار کے
تکبیر کی صدا سے ہلے بشت و کو ہسار

چلائے شاہ دیں کہ میں اس ضرب کے نثار
بجلی گری ہو تیغ شقی پر چلی نہیں

تسلیم کر کے شہ کو پکارا وہ فوجاں
تا لوہی خشک بیٹھ گئی ہو مری زباں

دریا پر قتل ہوتا ہوں میں قحط آب سے
ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہو لمبے لمبے

کیجے دعا کہ جلد شہادت غلام پائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو

تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی ہار

اکبر سے بھی دغا میں کچھ آگے بڑھی رہی
پیشہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال

ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ او زبوں ل
رو کو ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہو

اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
سیٹھ سے جبٹھی تو ہوا تبہ ہا خبر

تلوار تھی کہ حلق سے پانی اتر گیا
گندی کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں

دو ایک ضرب میں تھا مع احمہ لعلیں
پھٹ کر گرے زمین پر ٹکڑے بھاڑ کے

یاد آیا جبریل کو دست خدا کا وار
فاقے میں تین دن کے یہ حملے یہ کارزار

افسوس ہو کہ آج جہاں میں علی نہیں
اب پیاس مارے ڈالتی ہو یا شہ زماں

جلتا ہو دل کلجے سے اٹھتا ہو جبٹاں
ہتھیار گرم ہیں تیش آفتاب سے

پانی زہرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
اکبر بہ آبرو سوئے کوثر جہاں جائے

اب موت لے خبر تو ہماری حیات ہو

یہ کہ کے ابر شام میں دواوہ رشک ماہ
 پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سبیاہ
 پر کیا وہ ران باگ تھی کیا شہسوار تھا
 شمر اس طرف کو تھا عمر کینہ جو اودھر
 چل کر اودھر سے جب گئے وہ تند خوا اودھر
 سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں
 پھائی تھی ابر شام میں گھنگھور اودھر گھٹا
 دریا کے اس طرف سے اٹھا شور اودھر گھٹا
 جانیں تھیں اس کے قبضے میں ہر تھا تو نذر تھا
 لڑتے تھے پر نہ ہوتا تھا انہوہ فوج کم
 بہر و فاکیں میں گئے بانی ستم
 مارا جو پیدلوں کو سوار آ کے جم گئے
 مانند شیر جنگ میں تھی چار سو گناہ
 لیکن اہل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
 چھاتی ہلک کے پشت سے نیزہ گزر گیا
 نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لیں نے جب
 ہرنے پر ہر جھکا کے جو منہ لادہ تشہ لب
 غش آیا نبضیں چپٹ گئیں تو رہل گئے
 فریاد ہر کہ ٹوٹ پڑا لشکر گراں
 گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نہیجاں
 جلدی اٹھائے مجھے شہت نہر دے

یوں چکی پھروہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
 حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
 دایا جہاں سمند کو فوجوں کے پار تھا
 بڑھتا کبھی رادھر کبھی وہ ماہرو اودھر
 اولے رادھر گراے تو برسا ہوا اودھر
 بجلی سیاہ ابر میں یوں کو ندتی ہیں
 یہ شیر جب اودھر سے بڑھا زور اودھر گھٹا
 ڈھالوں کی تھی لہو میں شرابور اودھر گھٹا
 یہ آب شور تیغ کا د تھا وہ جزر تھا
 نیزوں کی صف رادھر تو اودھر بر چھیاں ہم
 جنگل تھا فوج کا ملک آتی تھی ہم ہم
 سوتل ہو گئے تو ہزار کے جم گئے
 چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثل ماہ
 دکھا جو پھر کے یوں نظر آئی عدم کی راہ
 اُبلتا ہوا کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا
 ٹکڑے کئی کبد کے نخل آئے ہر غضب
 تر ہو گئی لہو سے قبا مصطفیٰ کی سب
 حلقے رکاب کے بھی قدم سے نخل گئے
 حرنے تمام فوج کے اور ایک فوجاں
 لیجے خبر سلام کی اسی قبلہ زماں
 اب جان نکلی جاتی ہر سینے کے در سے

سُنا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمانِ غم
 دُور سے گئے اُٹھے کئی جا قبلہ اُتم
 خالقِ پسر کا داغ دکھائے نہ باپ کو
 چلاتے تھے کہ مھر کو ہر تو ای جو ال پسر
 مہر سے سجد لال مرے قدر وال پسر
 بیٹا بیاہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہو
 کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے
 کس طرح لڑکھڑاکے نہ یہ ناٹواں گرے
 اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے
 جنگل میں پہنچے لاش پہ اس وقت شاہ دیں
 پہلائے پاس گر کے فیرے بیکس و حزمیں
 بابا کو مطمئن تو کرو منہ سے بول کے
 تم نے بھی منہ کو باپے موڑا نہزار حیف
 پہنانہ بر میں بیاہ کا جوڑا نہزار حیف
 بھگی ہوئی مسوں پہ عجب آب و تاب تھی
 کیوں ٹھرتھرا کے گروٹیں لیتے ہو بار بار
 حضرت سے دم نکلنے میں بولا و گلعذار
 کیا حالِ دل کہوں نہی طاقت بیان کی
 ناگاہ رنگ زرد ہوا ہاتھ تھرتھراے
 اٹھا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلاے
 پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا

اتنا کہا کہ آہ ہوئے اب تمام ہم
 رکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑا قدم
 آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو
 عاشقِ پسر شفیقِ پسر مہربانِ پسر
 ہونٹوں پہ دم ہی باپ کا ای نہجاں پسر
 جلدی نہ کیجیو کہ یہ بیکس بھی ساتھ ہو
 آواز پھر دو ای اعلیٰ اکبر کہاں گرے
 پیری میں جس پہ کوہِ غم نوجواں گرے
 اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے
 جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبر حسین
 حاضر ہو باپ ای مرے فرزندِ مہربان
 باپیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے
 بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا نہزار حیف
 قسمت نے تانہ پھول کو توڑا نہزار حیف
 ہو کر ابھی تو آمدِ فصلِ شباب تھی
 کیا ہو کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
 برجھی کا زخم ہو مری چھاتی کے وار پار
 لوالو دلِ جسم سے ٹھٹھکتا ہو جان کی
 کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
 ہنستے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہا ہائے
 خوشبو سوئے بہشت گئی پھول ہ گیا

اللہ باپ کو نہ دکھائے غم پسر
اکبر کے انتقال کی نوبت بھی ادھر
تھراتی تھی زمیں کوئی دل تھانہ چیرے
زخمی تھا سر پٹنے سے تھا کھلے تھے بال
تن کا پنا تھا صفتِ خورشید کی مثال
ای ظالمو ڈرو غضب کر دگا رے
چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہو تو
کیونکر بھوپ بھی جگر کو سنبھالے کدھر ہو تو
چھریاں جگر پہ صد نہ زقت نے پھیری ہیں
بس ای امیں بس نہ سنے تھے کبھی یہ بین
میں ایک کیا نہیں کسی ہومن کے دل کو چین
عسرت ہو دور عیش کا سامان کم نہ ہو

صد مہ ہوا کہ غش ہوئے سلطان بکروبر
نخلی ادھر سے دختر زہرا برہنہ سر
سب جوش و طیر رتے تھے زینکے بیگ
مخدومہ جہاں سے مشابہت تھی پال
کہتے تھے شہ لہینوں سے وکرب پال
سُخا ڈھانپ لو کہ نخلی میں نہ مرا مزارے
ہو ہی کیس کے خون کے میں تھالے کدھر ہو تو
اماں کی اجڑی گود کے پاسے کدھر ہو تو
سنٹی ہوں میں کہ اہ میں گلیاں تھیری ہیں
برپا ہو بزمِ ماتم اسبر میں شور و شین
کچے مدد ان اپنے غلاموں کی یاسین
جز ماتم حضور کوئی اور غنم نہ ہو

رباعی

خام بھی ہو کتریں شناخاؤں میں
دن کو ذروں میں شب کو پرواؤں میں

ہر صبح امیں علی کے ربانوں میں
خورشیدِ فلکِ فخر سے آملتا ہو

مرثیہ (۱۶)

برہم پر مرقع چنستانِ جہاں کا
سائے میں ہر تینوں کے بدنِ جانِ جہاں کا
مضطرب ہیں ملکِ شورِ نظم ہو فلک پر
تھراتے ہیں لوح و قلمِ عرشِ معظم
باندھے ہیں ملائک کی صفیں حلقہٴ ماتم
ہاتھوں سے عطاروں کے قلم چھوٹ پڑا ہو
منہ ڈھانپے ہو رونے کے لیے چرخِ بہشت
ناروں پہ بھی طاری ہو غم ایسا کہ نہیں تاب
قتلِ پسِ سیدِ لولاک کا دن ہو
ہر گلشنِ فردوس کا اس غم سے عجب حال
حوروں کے پرے پیٹے ہیں لے ہوئے بال
پانی نہیں ملتا چمنِ مرتضوی کو
نرگس ہو خیاں میں کھڑی شدیدِ حیراں
ہر سرو ہو مثلِ علمِ آہِ نایاں
ماتم میں ہر اک گل کا گریباں پھٹا ہو
نہروں کو بھی ہو جوشِ غمِ سبطِ پیہر
روتے ہیں کنارہ پکڑے حیدِ صفدر
پیاسوں کے لیے جام جو بھر طہر کے دھڑپاں

ہوتا ہو سفرِ خلق سے سلطانِ جہاں کا
جنات میں ماتم ہو سلیمانِ جہاں کا
آہِ دلِ زہر سے تلاطم ہو فلک پر
کرسی پہ یہ صدمہ ہو کہ ہل جاتی ہو ہر دم
ڈر ہو نہ الٹ جائے کہیں دفترِ عالم
ہر فرد پہ اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا ہو
سر کھولے ہو خورشیدِ فلک چشمِ ہر پرب
سیاروں پہ ثابت ہو کہ رحمتِ نئی نایاب
یہ خاتمہٴ پنجتنِ پاک کا دن ہو
پژمردہ ہیں گلِ باغِ خزانِ بیدہ کی تمثال
ہو شور کہ گزارِ علی ہوتا ہو پا مال
اب جان کے لالے ہیں حسینِ ابنِ علی کو
اس سوگ میں سنبل کے بھی ہیں بالِ پیشال
اور ملتے ہیں پتے کفِ افسوس کو ہراں
فریاد کی غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہو
ہر موج ہو سینے پہ رواں صورتِ خضر
اک دیدہ پر آب کی تصویر ہو کوثر
دو چشم کے ساغر ہیں کہ اشکوں سے بھرے ہیں

حضرت پہ ادھر ہوتی ہوا دعا کی چڑھائی
 سید انیاں بتی ہیں محمد کی دوہائی
 ڈوبے ہوئے خوں میں شہدا گر ڈپے ہیں
 ہر تابشِ خورشید سے عرقِ افشاں رخِ گلِ فام
 لوں چلتی ہو خاک اُڑتی ہو ہر قطر کا ہنگام
 یہ شوقِ شہادت ہو شہنشاہِ زمیں کو
 ہیں اگ میں تیخوں کی کھڑے پر نہیں کچھ غم
 ہیں گردِ بیاہاں میں اٹے گیسوئے پر خم
 بو آتی ہو دریا سے برادر کے لہو کی
 ذکرِ غم عباس بھی اصلا نہیں کرتے
 خونِ علی اکبر کا بھی دعویٰ نہیں کرتے
 پانی کے بھی طالب نہیں گشتِ دہن ہیں
 فرماتے ہیں باز آؤ مرے قتل سے یارو
 کیوں منہ پہ چڑھے آتے ہو چلوں کو اتارو
 دنیا پہ کسی کا کبھی قبضہ بھی رہا ہو
 مظلوم مسافر پہ یہ لازم نہیں بیداو
 کیا فائدہ ظلمت کو پہن کر جو چھوئے شاد
 ظاہر میں تو نے کس میں گرفتارِ الم ہیں
 وال ہو گا نہ یہ اوج نہ یہ زور نہ یہ زور
 بریں تو کفن ہو گیا اور خاک کا بستر
 دشوار ہو وال خوفِ نیکرین سے سونا

تنہا ہیں نہ بیانا بھتیجا ہو نہ بھائی
 اعدا میں یہ غل ہو کہ کرو فتح لڑائی
 گھوڑے پہ اکیلے شہر ابرار کھڑے ہیں
 لبِ خشک میں پانی کا میسر نہیں اک عام
 تنہا پہ چلی آتی ہو امڈی سپہِ شام
 بوچھاڑ سے تیروں کی بچائے نہیں تن کو
 امت پہ نہ آنچ آئے وعا ہو ہی ہر دم
 نیلے ہیں لبِ لعل یہ ہو پیاس کا عالم
 چھٹیں ہیں قبا پر علی اکبر کے لہو کی
 غیرت سے نظرِ جانبِ دریا نہیں کرتے
 اُمت کے ہیں یہ ظلم پہ شکوہ نہیں کرتے
 کلمے ہیں نصیحت کے محبت کے سخن ہیں
 مرنا ہو تمہیں خانہٴ عقبے کو سنوارو
 میں گوشہٴ نشینِ دہوں مجھے تیر نہ مارو
 مہماں کو بناتے ہو نشانہ یہ خطا ہو
 برباد مجھے کر کے نہ ہو گے کبھی آباد
 جس روز کفن پہنو گئے وہ دن بھی یاد
 کام آتے ہیں جو قبر کی حشت میں ہم ہیں
 نے جیمہ و مسند نہ علم اور نہ لشکر
 کام آئے گی اک دوستی آلِ پیغمبر
 آرام یہاں دو ہمیں پھر چین سے سونا

تم سب کو تمنن ہو میں ہوں دست تمہارا
 آزار دہی سے لوٹ چکے گھر مرا سارا
 گاڑوں سے اتنی مجھے مہلت نہیں دیتے
 جلتی ہو پڑی دھوپ میں لاش علی اکبرؑ
 یہ جسم کہاں کہاں خاک کی چادر
 دادی سے کہا ہوگا جنت کے چین میں
 حضرت کے نعتی سن کے یہ بولی سپہ شام
 کھائیں گے ابھی دھوپ بہت اکبرؑ کا مقام
 صفین میں خمیر میں بے کھیت پڑے ہیں
 نہ نے کہا کیا دیکھو گے بیکس کی لڑائی
 آنکھوں کی بصارت غم اکبرؑ میں گنوائی
 ہم دم نہیں اب گود کا پالا نہیں کوئی
 بابا سا کہوں آپ کو یہ منہ مرا کیا ہو
 شیر تو بیکس ہو غریب الغر با ہو
 کی تیغ عطا حق نے یہ رتبہ ہو انھیں کا
 یہ ب ہو پتم لوگوں سے عاجز نہیں شیر
 کتا ہوں میں اب بھی کہ مری کچھ نہیں تقصیر
 نے جنگ نہ بیکس تہ شمشیر جھکے گا
 کیوں غیظ میں لاتے ہو غریب الغر با کو
 آزار نہ دو روح رسولؐ دوسرا کو
 کیا فاطمہؑ کی آہ کا کچھ خوف نہیں ہو

ہاتھ آئے گا کیا ایک مسافر کو جو مارا
 بجاں کیا اس کو جو سپر تھا مرا پیارا
 لاشوں کے اٹھانے کی بھی فرصت نہیں دیتے
 یہ گرم ہوا میں کبھی نکلے نہیں باہر
 مٹی میں چھپا جاتا ہو میرا مہر انور
 بابا نے کفن دے کے نگار اہیں ن میں
 کچھ جو شیر زباں کا نہیں یاں کام
 ہم مستعد جنگ ہیں یاں کھینچے مصم
 لاکھوں سے اکیلے اسد اللہ لڑے ہیں
 دُور روزے اک بوند نہیں پانی کی پائی
 ہاتھوں میں قوت تھی وہ رب کے بھائی
 جرات بھی مری دیکھنے والا نہیں کوئی
 وہ شیر خدا سیف خدا دست خدا ہو
 نہ فخر شجاعت ہو نہ دعوائے و غا ہو
 کچھ مجھ میں جو قوت ہو یہ صدقہ ہو انھیں کا
 جو ہر مے کھل جائیں گے کھینچوں کا جو شیر
 حاضر ہوں میں سر کاٹے اسی فرقہ نے پیر
 جب تیغ کھینچی پھر نہ مرا ہاتھ رکے گا
 دیکھو نہ ستا و خلف شیر خدا کو
 کوتاہ کرو دست تعدی و جفا کو
 بندے ہو پر اللہ کا کچھ خوف نہیں ہو

اس ہندو نصیحت نے نہ کچھ کی انھیں تاثیر
 گویا ہوئی اس دم امد اللہ کی شمشیر
 ناری ہیں یہ حضرت سے انھیں بغض و حسد ہے
 پیاروں کا سہا آپ نے غم مجھ کو نہ کھینچا
 اکبر نے بھی لی راہ عدم مجھ کو نہ کھینچا
 میں پاس ہوں اُن آپ پہ مینہ تیروں کا برس
 میں شرم سے آبِ بے یاسید ذی جاہ
 آنے کا نہیں راہ پہ یہ لشکرِ گمراہ
 زندہ نہیں اترا ہو کوئی گھاٹ کے سیر
 اک ضرب میں میں نے ہر حرب کو اتارا
 جنات کا لشکر تہ و بالا کیا سارا
 بجلی کی طرح جب صفتِ دشمن پہ گری تیں
 حضرت نے کہا مجھ پہ کھلے ہیں تے جو ہر
 خوش صبر سے ہوتا ہے بہت خالقِ اکبر
 اس دُکھ میں ہوں صابر یہ عنایتِ ہر خلکی
 اس راہ میں جو کچھ تھا وہ سب میں نے لیا
 پیری میں غمِ اکبر کی جوانی کا اٹھایا
 کس طرح ابھی جنگ پہ تیار ہوشیار
 یہ ذکر تھا جو ڈیڑھ سی آواز یہ آئی
 اٹھارہ برس کی تو لٹی میری کھائی
 جلد آئیے رن سے دم امداد ہو آقا

ہر صفت سے جگر گوشہ زہرا پہ چلے تیر
 اب میان سے کھینچو مجھے یا حضرت شمشیر
 اب تا بہ کجا صبرِ رحیمی کی بھی حد ہے
 بھائی کے ہوئے ہاتھ قلمِ مجھ کو نہ کھینچا
 قاسم پہ چلی تیغِ ستمِ مجھ کو نہ کھینچا
 کس دن کے لیے پھر مجھے باز دعا ہو کر سے
 رکھ تلجئے اب آبرو سے تیغِ ید اللہ
 میں کوہِ گراں کو بھی سمجھتی ہوں پر کاہ
 آگاہ ہیں جبریل امین کا سٹے میرے
 اک دم میں کیا عمر و س نامی کو دوپارا
 آگے مے لاکھوں نے کبھی م نہیں مارا
 دم میں حق و باطل کو جا کر کے پھری ہوں
 امت یہ محمد کی میں کھینچوں تجھ کیونکہ
 اے تیغِ مناسب ہے تو قفت بھی دم بہ
 ایک دم سے پاسِ امانت ہو خدا کی
 عباس سے بازو کو بھی ہاتھوں سے گنوا یا
 جو باقی ہے وقت اس کی طلب کا نہیں آیا
 پہونچا لے اُسے بھی تو سبک بار ہوشیار
 بچہ مرا مر تا ہو محمد کی دوہائی
 اب صغرِ محصور سے ہوتی ہے جدائی
 فریاد ہو فریاد ہو سرِ یاد ہو آقا

میدان سے پھے شاہ صدا بانو کی سُن کر
 فتنہ نے کہا بی بیو لو آتے ہیں سرور
 اشکوں سے سُرخ پا کو دھونے لگے شپیر
 زینب نے کہا صدقے گئی جیمے میں آؤ
 حضرت نے کہا بانو بے بکس کو بلاؤ
 شپیر طلبگار رضا مندی رب ہو
 گھبرا گئی سُن کر یحییٰ بانو سے ناچار
 حاضر ہو کینز آپ کی یاسید ابرار
 دودھ ان کا بڑھاتی یہ دُلی میں س ہو
 آغوش میں لیجے انھیں اسی سید والا
 وہ مر گئے اٹھارہ برس تک جنھیں پالا
 طاقت ہو مری آپ کو میں ٹک سکوں گی
 بانو نے عالم کو رضا مند جو پایا
 دے کر علی صغر کو یہ بانو نے سُنا یا
 برگشتہ یکا یک مری تقدیر ہوئی ہو
 فرمایا شہ دیں نے کہ اے بانو نے نے پر
 جینا مجھے دنیا میں گوارا نہیں دم بھر
 نے غسل و کفن خاک پہ ہو لال ہمارا
 لیکر علی صغر کو چلے حضرت شپیر
 زینب نے کہا ہائے علی صغر بے شیر
 مڑ مڑ کے ہر اک لڑکے کو بھاتے تھے شپیر

ڈیوڑھی کے ادھر جمع تھے ناموس سپہر
 ڈوڑھی علی صغر کو لیے بانو سے مضطر
 پردے کے قریب آن کے رونے لگے شپیر
 کیا حال ہو بھائی مجھے صورت دکھاؤ
 گہوارے سے جلدی مے معصوم کو لاؤ
 سرکار حسدا میں علی صغر کی طلب ہو
 پردے کے قریب آن کے بولنے دل افکار
 لونڈی کے بھی مالک ہو او صغر کے بھی مختار
 خالق نے بلایا ہو تو پھر کیا مر اس ہو
 صدقے گئی حاضر ہو مرا تھیلیوں والا
 روئی پہ زباں سے نہیں کچھ حرف نکالا
 روکا تھا انھیں کبجے انھیں روک سکوں گی
 فرزندِ ید اللہ نے ہاتھوں کو بڑھایا
 آفتا نہ مجھے آخری دیدار دکھایا
 لونڈی سے بھلا کو نشی تقصیر ہوئی ہو
 شرمندہ بہت تم سے ہو فرزندِ سپہر
 کیا سائے میں میں آؤں کہ ہیں چھپیں اکبر
 اب حال جو اکبر کا وہی حال ہمارا
 اور خاک غش کھا کے گئی باغیے دیگر
 تھا شور کہ فریاد ہو اے مالک تقدیر
 روتے ہو قتل کو چلے جاتے تھے شپیر

اعدا کے قریب ہر کو جھکائے ہوئے آئے
 مصوم کو چھاتی سے لگائے ہوئے آئے
 روتے تھے یہ صدمہ تھا شبہ جن ملک کو
 کچھ سوچ کے دامن رخِ اصغر سے اٹھایا
 ہر صاحبِ ولاد کو رو کر یہ سنایا
 حاضر ہوں میں خبر مری گردن سے ملا دو
 تم لوگوں کے نزدیک مجرم ہو تو شیر
 حضرت کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ تقریر
 تھی سب کو عداوت خلفِ شاہِ نجف سے
 پہلے یہ کمانداروں کے تھا شمرِ سیّد و
 نگاہ لگا حلق پہ اک تیر سہ پہلو
 دم بند ہوا باپ کا تلنے لگے اصغر
 وہ چاند سا رخِ زرو ہوا درو کے مارے
 شہ لاش کو ریتی پہ ٹا کر یہ پکارے
 اصغر بھی رہ حق میں فدا ہو گئے بیٹا
 بانو نے سنی سبطِ پیمبر کی جو زاری
 مٹی میں چھپاؤ نہ کمائی کو ہماری
 راحت مری گو میں آرام کریں گے
 حضرت نے قاتل ہے اصغر کلفام
 تم سے انجین مطلب ہو نہ کچھ دودھ کے حکام
 اب بعد مے اپنے جگر بند سے ملنا

آنسوؤں کا انور پہ بہائے ہوئے آئے
 اصغر کو ردا اپنی اڑھائے ہوئے آئے
 بچے کو کبھی دیکھتے تھے گاہ فلک کو
 گویا کہ قمرِ ابر سے باہر نکل آیا
 دو روز سے پانی نہیں اس لال نے پایا
 پر تھوڑا سا پانی مرے بچے کو پلا دو
 بچہ ہو یہ اس کی ہو بھلا کو نسی تقصیر
 شمرِ ستم آرنے پکارا کہ چلیں تیر
 بچے پہ چلے تیر ستم چاروں طرف سے
 جھک جھک بچائے تھے اسے سیدِ خوشبو
 بچے کا گلا چھد گیا اور باپ کا بازو
 منہ کھول کے ہاتھوں پہ سکے لگے اصغر
 بس مٹھیاں باندھے ہوئے دنیا سے سدھار
 اکبر انھیں لو آئے ہیں یہ پاس تمہارے
 ہم اس کی امانت سے ادا ہو گئے بیٹا
 خیمے سے کئی بار نکل کر یہ پکاری
 لاشِ علی اصغر مجھے نے جاؤ میں لاری
 تنہا کبھی سوئے نہیں جنگل میں دیں گے
 اب پہلوئے اکبر میں نہیں کہنے دو آرام
 لو خیمے میں پھر جاؤ یہ ہو صبر کا ہنگام
 مقتل میں جاؤ گی تو فرزند سے ملنا

مطلع

لکھا ہو کہ جب لاش پر رکھتے تھے مہرود
تھا شور کہ ہر علی اصغر علی اصغر

رفت سے یہ احوال تھا تیغ و زبان کا
سینے میں تڑپتا تھا جو حضرت کا دل زار
گویا ہوئی چیدرِ کرار کی تلوار
دیکھو تو مرا کاٹ کہ میں یل فنا ہوں
ناگاہ صدا آئی کہ اے سبطِ پیہر
دنیا میں نہ ہو گا نہ ہوا ہو ترا ہمسر

گو جمع ادھر تیس ہزار اہل ستم ہیں
جو چاہے کہ ہم نے وہ قدر تجھے دی ہو
جو دی تھی علی کو وہی طاقت تجھے دی ہو
تجھ کو تو رسولوں سے سو پیار کیا ہو

تو کہ تو ابھی لپ میں ان سب کو ملا دیں

پیا سا ہو تو پانی تجھے کو تر کا پلا دیں

باقی رہے تو اور فنا فوجِ ستم ہو

مولائے یہ کی عرضِ سرِ جھکا کر

اولاد بھی صدقے ہو تصدق ہو مرا ہر

یہ قوم بنا پیشہ و نا اہل ہو مولا

خوش ہوں جو تری راہ میں سینے لگیں تیر

غیظ آئے نہ جب چھیاں ماریں تجھے پیر

چھاتی پہ تو قاتل ہو تہ تیغ کلا ہو

سیدانیاں سب خیمے سے نکلی تھیں کھنسر
بنیاب تھی تیغِ کمرِ حیدرِ عفر
جس طرح کہ مر جاتا ہو بچہ کسی ماں کا
لاش علی اصغر سے لپٹ جاتے تھے ہزار
ابو کوئی حجت نہیں یا سیدِ ابرار
حضرت نے کہا منتظرِ حکم خدا ہوں
تو صبر کے رتبے میں ہو اب تک بہتر
یاں شکرِ اعدا کو دکھا تیغ کے جوہر

کیا غم ہو تجھے تیرے مددگار تو ہم ہیں

ہمت تجھے بخشی ہو شجاعت تجھے دی ہو

اور اس کے سوا صبر کی دولت تجھے دی ہو

کو نین کا ہم نے تجھے مختار کیا ہو

جو مانگ وہ اصغر کی شہادت کا صلا دیں

عباس کو زندہ کریں اکبر کو جلا دیں

جو اجر شہادت ہو کچھ اس میں سے نہ کم ہو

اس بندہ نوازی کے فدا سبطِ پیہر

مشتاق ترے قرب کا ہو بندہِ حقیر

گر تیری عنایت ہو تو سب سہل ہو مولا

رو کوں نہ سپر ہو چوڑے جسمِ پشمشیر

تسبیح ترے نام کی ہوے دمِ تنکیر

ان سب کے عوض ہمتِ عالی کا بھلا ہو

خونِ علیٰ الصفر کا صلہ ہو یہ عنایت
 دنیا سے اٹھیں جب ملے گلشنِ جنت
 کوثر پہ میں جاؤں تو گز بسا تھ ہوان کا
 نے من نہیں گئی شتر سے سدا یا
 آئی یہ ندا ان کو ملے گا یہی پایا
 خوش ہو تو کہ تے تے شیوں کے بڑھیں گے
 ہمراہ ترے شتر میں ہونگے ترے زوار
 وہ دوست ہمارے ہیں تیرے عزادار
 فردوس انھیں غلٹ رحمت انھیں دیں گے
 یس کے ہوا شاد وید اللہ کا جایا
 کی عرض کہ صدقے تری رحمت کے خدایا
 نازاں ہوں کہ تو خوش ہو حسین ابن علیؑ
 یہ کہ کے بڑھے بہر و غا سرور عالی
 دیکھی جو چمکے حوں سے قالب ہو خالی
 فرمایا کہ ہاں ضربتِ شمشیر کو دیکھو
 باز ہی ہیں صفیں گے دبتاؤ کدھر آؤں
 کس غول میں ہوار کو چمکا کے دراؤں
 پائی ہو ظفر قبضے یہ جب ہاتھ دھرا ہو
 مجھ سا نہیں دنیا میں کوئی آج او العزم
 سر کاٹنے کا اب بھی تمہارے جو کول غم
 یاں مد نظر رحم سے گونے ادبی کی

یا رب مرے شیعوں کی ہوا واد کو رحمت
 ذی قبر میں ایذا ہو نہ تنہائی میں وحشت
 دامن ہو مرا حشر میں اور ہاتھ ہوان کا
 ہو سب کے سروں پر علمِ حمد کا سایا
 ہو دے گا جہاں شاہ وہیں آگے رعایا
 وہ حشر کے دن نور کے ناقل پر چڑھیں گے
 کچھ راہ صراط ان پہ نہیں بجے گی دشوار
 بن جائے گا ہر اشک کا قطرہ درِ شہوار
 رونے کے عوض ہر شہادت انھیں نینگے
 ہرنے پہ کئی بار سرِ عجز جھکا یا
 جو کچھ کہ شہادت کا صلہ تھا سو وہ پایا
 اس وقت کی لذت کوئی پوچھے مے جی سے
 تیخ کمر حیدر کنارِ نکالی
 ڈھالوں کی گھٹا چار طرف جھانپنی کالی
 لونا طمہ کے دو دھ کی تاثیر کو دیکھو
 خالی کروں کس صف کو کسے میں آؤں
 خالق کا غضب آدھر میں بعد ہر آؤں
 رگ زگ میں مری زور ید اللہ بھرا ہو
 تنہا ہوں سفر کر گئے جو تھے مے ہم نرم
 ہو زیر و زبر چشمِ زون میں صیفِ نرم
 پیش آیا ہو یہ امر کہ امت ہو نبی کی

میں وہ ہوں کہ جس کا ہو پدر شیر الہی
 مشہور ہو کفار کے لشکر کی تباہی
 قبضہ ہو وہی اور وہی تیغ دوسر ہو
 برقی غضب خالق کبر ہو یہ شمشیر
 اعدا کے گل جانے کو اڑد ہو یہ شمشیر
 پانی سے اور آتش سے خمیر اس کا بنا ہو
 گھاٹ اس کا ہو بحر غضب حضرت معبود
 ہو نصرت و اقبال و ظفر بات میں موجود
 خون سہرا ادا ہو ہمیشہ خورش اس کی
 مہرب سا جواں گر ہو تو اک ضرب میں مر جا
 دو کر کے تمہیں کا وز میں سے بھی گزر جائے
 رو کوں نہ تو دم لے نہ پر روح امیں پر
 فرما کے یہ گھوڑے کو جو رانوں میں دبایا
 رو با ہوں کے انبوہ پہ اک شیر سا آیا
 غل تھا کبھی یوں آگ سے پایا نہیں اڑتا
 لمونوں کوٹا یوں سے کچلتا ہوا آیا
 انبوہ میں اڑاڑ کے سنبھلتا ہوا آیا
 سب زیر قدم جرات و سرعت کا چلن تھا
 کیجے جو خیال آنکھوں میں بجلی سی چمک جائے
 ساتھ اس کے خیال شہر اڈوڑ کے ٹھکانے
 صیہ جو وہ کرتا تھا تو ہٹ جاتے تھے گھوڑے

خیر سی لڑائی میں مدد جس نے نہ چاہی
 اقلیم شہادت کی ملی ہو ہمیں شاہی
 جب ہاتھ اٹھایا تو سیر دست ظفر ہو
 اوی لشکر یو قاتل عنتر ہو یہ شمشیر
 مقراض اہل بہر تن و سر ہو یہ شمشیر
 بجلی ہو کبھی اور کبھی سیل فنا ہو
 اک دم میں وہ امن و اماں ہوتی ہو مسدود
 پشہ اسی شمشیر کا ہو قاتل نمرود
 پوچھے کوئی جبریل امیں برش اس کی
 عنتر ہو تو سرتا بہ قدم خون میں بھر جائے
 میں کمدوں کہ اوی تیغ بھر جا تو ٹھہر جائے
 پھل جا کے لگے شاخ سر گاؤں میں پر
 شبید زیر نظر کیا کہ ہوانے بھی نہ پایا
 اللہ ری سرعت کہ ہرن ہو گیا سایا
 اس شان سے جنگل میں چکارا نہیں اڑتا
 ہر سودل کفار کو ملتا ہوا آیا
 غصے سے کنوتی کو بدلتا ہوا آیا
 اس غول میں تھا شیر تو اس صف میں ہرن تھا
 یوں فکر منجم بھی بالائے فلک جائے
 چتونہ کہ شیروں کی نگہ جس سے جھپک جائے
 ہر صف میں الف ہو کے الٹ جائے گھوڑے

مشرق سے جو اکب سے ہاں کہ کے اڑائے
”ہے“ الف ہاں بھی یاں وصل نہ پائے

دھوکا پر پرواز کا ہو دامن دیں پر
ہیں صانع قدرت کفل سانچے میں ڈھالے
کہتے ہیں کابوں کو جو ہیں دیکھنے والے

گردن پر عجب حسن سے بال اس کی پڑی ہو
یہ تاحدا مکان صفت عقل رسا جائے
اُسارے دریا کی طرف مثل صدا جائے

سیر اس کی اگر چشم کو مشغول نظر ہو
اڑ جانے میں رنگ رخ عاشق سے سب خیر
پوئی میں غزالوں کی طاروں سے کہیں تیز

جوں سایہ آہونہ قرار اس کو کہیں تھا
جلی سا چمکتا تھا ادھر فوج میں رہوار
سر گرم وفا تھا خلف حیدر گزار

سوزاں شجر قد تھے چناروں کی طرح سے
اس برتن سے نیروں کے نیستاں میں لگی آگ
مابا جسے اس کے تپن بیجاں میں لگی آگ

دور رخ بل نہیں الفت وینار سے کھینچا
جو نیزہ خطی تھا سواروں کا قتل تھا
کفار کی تلواروں کا سر شرم سے خم تھا

جلی سی گرے جس پہ لہو چاٹ کے اٹھے

عقل حکم دنگ ہو مہرعت وہ دکھائے
مغرب سے یہ خوشید فلک جا کے پھر آئے

طاؤس ہوا پر ہو تو کجی ہو نہیں پر
ہی پیائے گردن میں عنان ہاتھوں کو ڈالے
ہیں تو مہر نوزین کے دامن کو سینہا لے

گویا کہ پری کھولے ہے بال کھڑی ہو
بالائے فلک صورت شہید زود عا جائے
دریا پہ جو دوڑاؤ تو مانند ہوا جائے

آنکھوں میں پھرے یوں کہ نہ پانی کو خبر ہو
کا کل وہ کہ زلف ہر سیلی سے دلاویر
آفا کے ارادے کو جھٹتا تھا وہ مہینر

راکب نے جدھر آنکھ سے دیکھا یہ وہیں تھا
شعلہ سی چمکتی تھی ادھر تیغ شرر بار
اک آگ لگا دی تھی جا جاتے تھے کفار

اڑتا تھا ہوتن کا شراروں کی طرح سے
چلا تے تھے ناری کہ بیاباں میں لگی آگ
دامن سے جو بھڑکی تو ریباں میں لگی آگ

یہ آگ ہوئی سرد تو اس نار نے کھینچا
یہ خط شکست ان کے مقدر میں رقم تھا
یاں دم بدم افزوں دم شمشیر دو دم تھا

ہر غول سے دس بیس کے سر کاٹ کے اٹھے

جس وقت چاک کر کسی سفاک پر آئی

واں سے جو پھری تو سن چالاک پر آئی

قبضہ تو رہا دست جناب شہیدیں میں

ہر غول میں ضرب شدہ دی جاہ کا غل تھا

مقتل میں کہیں کہیں اہ کا غل تھا

پانی تھے جگر خوف سے بیداد گروں کے

آئے جو پر باندھ کے اسوار چپ و راس

وہ بکلیاں گر پڑتی تھیں ہر بار چپے راس

مقتل میں سواروں کے سارے بھی قلم تھے

اس حملہ آتش سے ہوا تھی شر افشاں

گلزار خزاں دیدہ ہوا قتل کامیداں

ٹکڑے شجر تیر قلم شاخ کہاں تھی

گھوڑا کسی سرکش نے پے سے جو نکالا

مارا ستم آنے قریب آ کے جو بھالا

اک وار میں ظالم کے ہر اک بند کو کاٹا

آیا کوئی شہ زور اگر زور میں آکر

چاہا کہ ٹپاک دوں اسے گھوڑے سے اٹھا کر

یوں بند کمر شاہ و سرافراز نے پکڑا

مارا جو زمیں پر تو زمیں سے نہ اٹھی گرد

تھے تیغ کی دھشت سے سیہ کا یوں کھنڈ

اعجاز یہ ہنگام روانی نظر آیا

سر سے کمر ظالم ناپاک پر آئی

تو سن کو بھی و کرتی ہوئی خاک پر آئی

اور تاسہر دنیا لہ ورا آئی وہ زمیں میں

ہر سو برش تیغ ید اللہ کا غل تھا

افلاک پہ العظمت لشد کا غسل تھا

دوئے ہوئے تھے خوں میں بادل سپروں کے

چلتی تھی عجب شان سے تلوار چپ رہت

لاشوں کے نظر آتے تھے انبار چپ رہت

بھالے بھی قلم بھپیوں والے بھی قلم تھے

پامال تھے سبزے کی ویش دشمن امیاں

کچھے ہوئے تھے چار طرف غنچہ پچیاں

کیا پھل تھا کہ ڈھالوں کے بھی پھولوں خزاں تھی

چلتی ہوئی تلوار کو حضرت نے سنبھالا

جلی سی گری کو نہ کے تیغ شر والا

جوشن کو چہلہ کو کمر بند کو کاٹا

ضرب اپنی نہ کی شاہ نے ورا اس کا پا کر

اک ہاتھ میں لی تیغ اور اک ہاتھ بڑھا کر

تھا شور کہ کنجشاک کو شہباز نے پکڑا

مقتل سے گیا قہر جہم کو وہ نامرد

گرم اس کی ہوا لگ گئی جس کو وہ ہو سرد

پانی میں تو آگ آگ میں پانی نظر آیا

ٹکڑے تھے کمانوں کے ترکش لٹیا
 سیلاب تھا شہر پر پوش لب دریا
 خشکی و تری میں نہ کہیں امن کی جا تھی
 تھا شور کہ اس سید ابرار اماں دو
 آواز نبی آئی کہ ولہار اماں دو
 مظلومی و غربت میں بڑا نام ہو بیٹا
 سنئے ہی یہ آواز تھے سید ابرار
 چکار کے گھوڑے کو رکھی میان میں تلوار
 ہر کر چوتھے تھے وہ ستمگر نخل آئے
 بادل کی طرح شہ پہ چھکا شام کا لشکر
 دیکھی نہ چمکتی ہوئی جب تیغ دو پیکر
 کیوں تھم گئے کس نے شہ ابرار کو روکا
 یاں ضحے ہرنے پہ جھکے جاتے تھے سرور
 ٹوٹا ہوا تھا تیروں سے سب سینہ انور
 شانے پہ کتے پیچ عمامے کے پٹے تھے
 زخمی تھی جبین تیروں سے تلواروں کے ابرو
 بھالوں سے ستمگاروں کے مجروح تھے پہلو
 زخمی نہ ہوا ایسی نہ کوئی تن پہ جگہ کھتی
 اٹھ پٹے چلے آئے تھے سواروں کے سالے
 سینے سے اگر کھینچ کے وہ تیر نکالے
 رہ جاتی تھی برچی کوئی سینے میں جو اڑ کر

بجاں تھا کوئی اور کوئی غش لب دریا
 برسانی تھی شمشیر نے آتش لب دریا
 ہر صف میں مجھ کی دو ہائی کی صدا تھی
 اب روک تو شمشیر شرر بار اماں دو
 بس پونچے سزا کو یہ ستمگار اماں دو
 جنگ اب کرو عصر کا ہنگام ہو بیٹا
 یاد آگیا اُمت پہ فدا ہونے کا اقرار
 بھر کر نفسِ مرد کھڑا ہو گیا رہوار
 خیمے سے حرمِ قبر سے حیدر نخل آئے
 تلواریں کھنچیں چلنے لگے نیزہ و خنجر
 سر پیٹ کے چلانے لگی زینب مضطرب
 ہی ہر مردے ماں جائے نے تلوار کو روکا
 لگتا تھا بدن پر کہیں نیزہ کہیں خنجر
 تھے ایک ہزار اور کئی خرم بدن پر
 گردن کو جھکائے ہوئے خاموش کھڑے ہیں
 زخاروں پہ تھے خون میں ڈوبے ہوئے لگیہ
 نوکیں تھیں سنالوں کی اور الماس سے باز
 ہاں خنجر نوخوار کی گردن پہ جب گہ تھی
 خودیج میں اڑ چار طرف بچھیوں والے
 اس عرصہ میں اک جسم پہ سول گئے بھلا
 جھک جاتے تھے ہر بار کھلے کو پڑ کر

درباری ترائی کی طرف دیکھ کے ہر بار
اٹھو مے ہمد مے صفدر مے غنچوار

تکوار سے بھائی کو پچاتے نہیں بھائی
پھر کے پکارے علی اکبر تمہیں آؤ
واں نہیں آسکتا ہو یہ بے پتہیں آؤ

ہاں آن کے تھا مویہ پیر تم چندا ہو
یہ کہتے تھے حضرت جو لگا پشت پہ بھالا
جہر مل نے قدموں سے رکابوں کو نکالا
عش ہو گیا طاری جو شہ عرش نشیں پر

مرکب سے جدا ہونے کے جوڑے شہ ابرار
فرمایا کہ منزل پہ تو ہو نچا ترا اسوار
اب تیغ لے ذبح کو جلا د بڑھے گا

نیز کی سواری ہو اب ورفاطہ کالال
ٹاپوں کے تلے لاشی مری ہوئے گی پامال
سجاد کو آگاہ مے حال سے کرے

اب آئیں گے خیمے کے جلائے کو ستمگار
سجاد سے کہنا کہ میں صدقے تے بیمار
فاصلانِ خدا کے لیے ایذا و محن ہو

ٹھوڑے کو شہ دیں نے یہ پیغام دیا جب
خالی اسے دیکھا تو لگی سیٹھ زینب
زخمی تھا سراپا نہ کہاں زخم لگے تھے

چلا تے تھے کیا سوتے ہو عباس علدار
بھالے مے سینے پہ لگاتے ہیں ستمگار
ہم گھوڑے سے گرتے ہیں تم آتے تھیں بھائی

عباس تو آتے تھیں دلبر تمہیں آؤ
سیکس کی درد کو مے صفدر تمہیں آؤ
میا تمہیں بابا کی ضیفی کے عصا ہو

قرتوش پہ تھرا کے گرے سید والا
اور ہاتھوں کو گردن میں ید اللہ نے ڈالا
بس ٹمک دیا گھوڑے نے گھٹنوں کو زمیں پر

گرد شہ دیں اٹھ کے لگا پھرنے رہوار
رخصت ہو کہ سمر تے تو ہم بھی ہوں سکھار
قاتل ترے اسوار کی چھاتی پہ چڑھے گا

الفت ہو تجھے دیکھ سکے گا نہ مر حال
زینب نہ نکل آے کہیں کھوئے ہوئے بال
جا بانوے سیکس کو رنڈاپے کی خبر دے

کہہ دیجو بہن سے کہ سکینہ سے خبردار
گر بٹیریاں پہنائیں تو کچھ کیجو نہ تکرار
بندھو ایو گردن کہ یہ دادا کا چلن ہو

مقتل سے چلا سر کو ٹپکتا ہوا مرکب
یاں قبلہ عالم پہ عدو ٹوٹ پر کسب
تینیں وہیں لگتی تھیں جہاں زخم لگے تھے

خیمے سے جو زینب کے نکلنے کا تھا دھیان
 ڈیوڑھی سے یہ بانو کی صدا آتی تھی ہر آن
 تینوں کے تلے باپ کو کشتی تھی سکی نہ
 شہر ستم آسانے جو خنجر کو نکالا
 حیدر نے تو ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالا
 فرزند کے پہلو سے نہ ہٹتے تھے مجھ
 قرآن پہ رکھنے جو لگا پاؤں ستمگار
 دریا میں تلاطم ہوا کرا گئے کہسار
 سینہ جو دبائیتروں کی سریاں نکل آئیں
 کس منہ سے کہوں ذبح کیا شاہ کو کیونکر
 سریکے عمرو پاس گیا شہر ستمگر
 لاشے پہ ادھر ٹوٹ پڑی فوج شتی کی
 جابر نے تو ظالم کی دستار اٹھالی
 لی اسود بے رحم نے تیغ شہ عالی
 دستانے کٹے ہاتھوں کے غازی کے آگے
 تاج سر شاہ شہدائے گیا کوئی
 پیرا ہن محبوب خدا لے گیا کوئی
 عیاں تھا بدن خاک پہ تھی پشت مبارک
 خاموش اچھس اب کہ ٹپتا ہوا دلخار
 موجود ہر روح حسن و حیدر گزار
 تاثیر ہر اک بند کی خالی نہ سمجھنا

گر پڑتے تھے اٹھ کھڑے میں پرستہ فی شان
 ہوا جو مے سیدری تنہائی کے قربان
 چھاتی سے لپٹنے کو بلکتی تھی سکی نہ
 سجدے میں جھکا فاطمہ کی گود کا پالا
 زہر نے کہا ہائے مری گود کا پالا
 گر گر کے نواسے سے لپٹتے تھے محمد
 خرا لی زمیں کانپ گیا گنبد و وار
 مجروح تھے سرتابہ قدم سید ابرار
 سر کھولے ہوئے قاف کے پریاں نکل آئیں
 کافی ہو بس اتنا کہ چلا علق پہ خنجر
 ریتی پتڑ پتار ہاشم کا تن اطر
 لئے لگی پوشاک حسین ابن علی کی
 لیکر بن اشع بن عبا ووش پہ ڈالی
 مالک نے زرہ جسم مطہرے نکالی
 بے دینوں نے موزے بھی غازی کے آگے
 تیروں سے چھینی تن کی قبائے گیا کوئی
 خاتون قیامت کی ردائے گیا کوئی
 خاتم کے لیے کاٹ لی انگشت مبارک
 فریاد کی کانوں میں صدا آتی ہر بار
 اس مرثیہ کا دیں گے صلا احمد مختار
 مضمون کتابی ہو خیالی نہ سمجھنا

مرثیہ

جب دولتِ سمر و پر زوال آگیاں ہیں
آنکھوں کا جوتھا نور وہ کھو گیا زبان میں

ماں باپ کو سہرا بھی نہ اکبر نے دکھایا
کس دکھ میں فلک نے علی اکبر کو چھوڑا
قری سے عجب سہرو منبر کو چھوڑا

یوں دم بھی کسی تازہ جواں نے نہیں توڑا
یوں باپ کی قسمت کو لٹے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دکھا
نازوں کے دعاؤں کے خزانوں کے پے تھے

بھگیں جو سین ماں نے کیا سجدہ باری
سبزہ ہوا آغاز تو فرمایا کہ واری

شادی تھی کہ اب گھر میں لہن لاکھن میں
گیسو بھی منت کے بڑھائے تھے نہ ماں نے
ایمنہ بنایا جسے رب دو جہاں نے

توڑا نہیں ایسا گل شاداب کسی نے
افسوس نہ کچھ عمر نے اکبر سے وفا کی
کیا دخل ہو بندے کو مشیت میں خدا کی
کچھ بس نہ چلا آگئے یوں موت کے بس میں

بس گل پتہ صدق تھے وہ مرجھا گیاں ہیں
جینے کا جو باعث تھا وہ مار گیا بدن میں

پیری میں عجب ارغ مقدر نے دکھایا
نئے مہر نے کس ماہ سے اختر کو چھڑایا
کس فضل میں بل سے گل تر کو چھڑایا
یوں پھول کو بھی بادِ خزاں نے نہیں توڑا

اس طرح مقدر کو پٹتے نہیں دیکھا
اس غم کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا
وا حسرت و ورور ابھی پھولے نہ پھلے تھے

یعنی مرے گلشن میں حلی بادِ بہاری
صدی شکر کہ سر سبز ہوئی نشتِ ہماری

اس کی نہ خبر تھی کہ خزاں آنے کے کن میں
جو کوچ کیا خلق سے اس تازہ جواں نے
اس سینے کو زخمی کیا دشمن کی سناں نے
کھولا کیے منہ اور نہ دیا آب کسی نے

پورے وہ جواں بھی نہ ہوئے تھے قضا کی
ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبر نے دعا کی
پیدا ہوئے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

ہوتا ہے برابر کا پسر خوش بازو
 ایسا پسر ماہ لقا صمد رو خوش رو
 گر پڑتے ہیں اٹھاٹھ کے یکزور میں شیر
 اٹھتی ہے کھینچ لیں کبھی ہوک جگر میں
 دن میں کبھی جاتے ہیں کبھی آتے ہیں میں
 غل کرتے ہیں اعدا پہ سنائی نہیں دیتا
 یہ درد جگر ہے کہ سمجھنے نہیں دیتا
 غم اور طرف دل کو بہنے نہیں دیتا
 غم کو نساخر سن کے لیے برق نہیں ہے
 اتنی ہے صدا دل سے کہ طاقت نہیں مجھ میں
 ہر چشم ہے گریاں کہ بصارت نہیں مجھ میں
 بے مہری افلاک نے دل توڑ دیا ہے
 پیری میں یہ اندوہ ضیفی میں یہ دکھ درد
 چہرہ جو مکدر ہے تو زلفیں بھی ہیں پرگرد
 جس پھول کے عاشق تھے وہ گلشن میں نہیں ہے
 دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی صدا دو
 سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردوں کو ہلا دو
 غمناک کا جو حکم ہو کچھ جسبر نہیں ہے
 جو اہل محبت ہیں بلا ان کے لیے ہے
 منطوقم جم میں لطف خدا ان کے لیے ہے
 سو دکھ ہوں تھوں مجھ میں الفت میں اسی کے

آرام جگر راحت جان زینت پہلو
 مرجائے تو کیا دل پہ ہے باپ کے قابو
 جیتے ہیں مگر غم سے سب گور میں شیر
 یہ درد کبھی سینے میں اور گاہ کمر میں
 ہون کا اجالا پہ اندھیرا ہے نفس میں
 لاشہ علی اکبر کا دکھائی نہیں دیتا
 یہ زور نقاہت ہے کہ چلنے نہیں دیتا
 عیشہ کٹ افسوس بھی ملنے نہیں دیتا
 پر صبر کی طاقت میں ذرا فرق نہیں ہے
 کتنا ہے جگر ضعف ہے قوت نہیں مجھ میں
 کہتی ہے کمر درد سے حالت نہیں مجھ میں
 شیر کو سب ساتھیوں نے چھوڑ دیا ہے
 صدے سے رنج پاک ہے کیسر کی طح زرد
 تن کا پنپنے لگتا ہے جو بھرتے ہیں مہ سرد
 یہ حال ہے گویا کہ لو تن میں نہیں ہے
 کتنا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
 شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبر کی جھلا دو
 اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے
 صابر جو ہیں یہ درد دوا ان کے لیے ہے
 ہر رنج میں ایک تازہ مزان کے لیے ہے
 روتے ہیں تو روتے ہیں محبت میں اسی کے

اکبر تھا تو وہ کیا تھا اگر تم ہیں تو کیا ہیں
 کچھ غم نہیں گرم سے جدا ہیں تو جدا ہیں
 تم تھا جو ہر اس راہ میں فرزند نہ دیتا
 فدیہ ہوا فرزند جو اس شکر کی جا ہو
 لب پر نہیں فریاد و فقاں شکر کی جا ہو
 جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اسے پہنچی
 اٹھارہ برس تک جو رہا پاس وہ دلدار
 ہر حال میں بندے کو اطاعت ہی سزاوار
 اکبر سا جو اس رشکِ قمر کس نے دیا تھا
 جیتے کا یقین رحلتِ عباس میں کب تھا
 اللہ پر روشن ہو جو کچھ دل پہ نصب تھا
 بہتر تھا ہمارے لیے تنہائی کا مرنا
 داخل ہوئی خیلِ شہدائیں مری اولاد
 سب اس پر فدا ہیں علی اکبر ہوں کہ سجاد
 طاعت تو ہو دشوار طاعت تو نجائے
 رونے سے ملیں گے علی اکبر تو میں روؤں
 آباد جو ہو آجر اہلِ کفر تو میں روؤں
 پر کون سے ہوئے لال کو پاتے نہیں دیکھا
 روئے جو سببت میں تو کیا ہوتا ہو دل
 ہر درد کا الفت میں مزا ہوتا ہو دل
 مطلب ترے پیچھے نہ کر کے نہیں گے

سو ایسے جو بندے ہوں تو خالق پر فدا ہیں
 یکس کی عنایت ہو کہ رشتی برضا ہیں
 کیا کرتے اگر وہ ہمیں دل بند نہ دیتا
 خوشنود ہو رب دو جہاں شکر کی جا ہو
 گردن سے گیا بارگراں شکر کی جا ہو
 فارغ ہوئے ہم اس کی امانت اسے پہنچی
 تھی یہ بھی عنایت کہ وہ ہر رحم و غفار
 مجبور ہیں ہم اور وہ ہر قادر و مختار
 وہ صبر بھی بخشے گا پھر جس نے دیا تھا
 مر جانا برادر کا قیامت تھا غضب تھا
 تڑپے نہیں یکس کی عنایت کا سبب تھا
 سب سہل ہو جب کچھ چکے بھائی کا مرنا
 جو نیک کمائی ہو وہ ہوتی نہیں برباد
 بندہ وہ ہو صاحب کی جو بھولے کبھی یاد
 میاں تو گیا صبر کی دولت تو نجائے
 چھاتی سے لپٹ جاوے دلبر تو میں روؤں
 رونے سے دولت ہو میر تقدیر وہ ل
 دنیا سے گیا جو اسے اتے نہیں دیکھا
 ہوتا ہو قسمت کا لکھا ہوتا ہو دل
 صابر سے رضا مند خدا ہوتا ہو دل
 جیتے ہیں تو فرزند سے اب مر کے ملیں گے

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی
 ناگاہ ہوئی خیمے میں اکے صوم بکا کی
 فرمایا کہ یارب کہیں جلدی اجل آئے
 دیوڑھی کے قریب آکے پیٹیر پکائے
 خضہ نے کہا ایسا اللہ کے پیارے
 سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی چلی تھی
 روتے ہوئے خیمے میں شہ بھر و برائے
 بانو کو جیشیر اکیلے نظر آئے
 لوٹدی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں ان کو
 کہ دے کوئی مرتے ہیں علی اصغر گلفام
 حضرت نے کہا ان کو کسی سے نہیں کچھ کام
 ہم دائرہ میں ہیں وہ گلزار جہاں میں
 سب قافلہ والوں سے وہ منہ موڑ گئے ہیں
 باتوں کو دم نزع بھی وہ جوڑ گئے ہیں
 اپنی بھی کوئی دم میں چل آتی ہو صاحب
 فرما کے یہ گوارہ اصغر پہ جھکے شاہ
 خوشی لب لبام نظر آیا جو وہ ماہ
 چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے منہ پر
 بل کھائے ہوئے ہاتھ جو تکیوں سے اٹھائے
 عرشہ ہوا ہاتھوں کو قدم سرور چپائے
 کائنات جو نظر آگئے ننھی سی زباں میں

بندھتی تھیں صفیں ان میں ادھر اہل جفا کی
 سمجھے شہ مظلوم کہ اصغر نے قصہ کی
 تڑپا یہ دل زار کہ آنسو نکل آئے
 جیتے ہیں کہ اصغر سوئے فردوس سرطائے
 معصوم کا دم ہونٹوں پہ ہو پیاس مارے
 جلد آئے لوٹدی تو بلانے کو چلی تھی
 خوش ہو کے سکیڑنے کہا لو پور آئے
 چلائی کہ میدان سے نہ اکبر ادھر آئے
 صاحب مرے لٹنے کی خبر کیا نہیں ان کو
 لائیں جو کہیں سے نہیں پانی کلمے جام
 جاگے تھے کئی رات کے اب کہتے ہیں ام
 دامندوں کی لیتا ہو خبر کون جہاں میں
 اس عالم غربت میں ہیں چھوڑ گئے ہیں
 تنہائی میں بابا کی کمر توڑ گئے ہیں
 تنہا ہیں جو ان کی بھی گزر جاتی ہو صاحب
 دیکھا جو دم اکھڑا تو ہوا صد منہ جاننا
 راندوں کے جگر بل گئے اس سو سے کی آہ
 شیر نے منہ رکھ دیا فرزند کے منہ پر
 منہ رکھ دیا بوسے لیے آنکھوں سے لگائے
 دودھی جو ملی نبض تو آنسو نکل آئے
 اک در دکان شہ تھا کہ دوبارگ جاں میں

تھنے سے جو تکیہ سے دھلی جاتی تھی گردن
 نیلے تھے لبِ سرخ جو نل گلِ سوسن
 چھاتی میں مڑکتا جودل اس باہ جیس کا
 دیکھی جو مسوڑھوں کی کبودی تو ہئے زرد
 وہ ہچکیاں لے لیکے جو بھرتا تھا دمِ سرد
 پتی جو پھری جاتی تھی اس غنچہ دہن کی
 تھانے میں وہ غنچہ دہن پیاس کے مارے
 چھاتی پہ کبھی ہاتھ دھرے گاہ اُنا سے
 دم مڑکتا تھا سینے میں تو دھل پڑتے تھے آنسو
 چلاتی تھی گھبرائے ہوئے بالوں کو مادر
 فریاد ہو اکر تختِ دل ساتی کوثر
 کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میے
 گودی میں لیا شاہ نے گھبر کے پسر کو
 خیمے سے چلے لیکے جو اس نورِ نظر کو
 سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئینگے رنج
 اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھرا
 رقت کا ہوا جوش کہ منہ کو جگر آیا
 گہوارہ پہ سرد دھڑکے جوش کر گئی بانو
 سب بی بیاں چلے جو گئے لگیں نداری
 یسب طوبی تن سے چلی جان ہماری
 صاحبِ مری آغوش کے پالے کو دکھا دو

دم باپ کا رک جاتا تھا اور کا پتا تھا تن
 روتے تھے لہو زرد تھا شہ کا رخ روشن
 صدمہ سے اچھلتا تھا کیلچہ شہ دیں کا
 یہ روتے کہ تر ہو گیا شہ کا رخ پر گرد
 اٹھتا تھا کیلچے میں شہزاد کے عجب درد
 اندھیر تھا آنکھوں میں شہنشاہِ زمیں کی
 اینٹھی تھی زباں موت کے آثار تھے سارے
 منہ کھولنا تھا پیاس میں پانی کے اشارے
 کھل جاتی تھیں آنکھیں تو نکل پڑتے تھے آنسو
 بدولت مری لڑتی ہو اُجڑتا ہو بھرا گھر
 آنکھیں بھی جھپکتے نہیں اب تو علیٰ صفر
 ہو ہو لیے جاتی ہو اجلِ لال کو میرے
 لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
 غش آنے لگا مادہ تفتیدہ جگر کو
 فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے
 گہوارہ لیے شیر جو حالی نظر آیا
 رنگ اُڑنے لگا تیر کیلچے میں در آیا
 ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانو
 گھبرائے اٹھی اور یہ حضرت کو پکاری
 اک لمحہ ٹھہر جائے میں آپ کے نداری
 اک بار پھر سن ہنسلیوں والے کو دکھا دو

حضرت نے کہا شوق سے نے شیر کو دیکھو
بیاب ہو کیوں صخر و گنبر کو دیکھو

موت آج جوان کی ہو تو چار نہیں جسا
تم ماں ہو بڑے دکھ سے اسے تم نے ہی پالا
پر جان ہماری بھی ہو گیسوؤں والا

خوشنود ہیں وہ عشق ہو اللہ سے جن کو
میں ان کو نہ لیجاؤں اگر ہر تمہیں سو اس
اب تو ہو تمہاری یہی اُمید یہی آس

لوں چلتی ہو میداں میں ہوا سرد نہیں ہو
دھڑکا ہو کہ نے رحم کہیں تیر نہ ماریں
واں تیز ہیں میرے لیے تلواروں کی دھاریں

قاتل ہیں وہ اکبر کے تو سجاد کے دشمن
نیزہ علی اکبر کو مرے سامنے مارا
ہیں دشمن اولاد علی وہ ستم آرا
غم ہو کہ عبت لاکے جگر بند کو کھویا

برگشتہ ہو تقدیر مخالف ہو زمانا
سچ کہتی ہو تم ان کا مناسب نہیں جانا
دکھ درد و انداپے کا بھی سہ لیجیو بانو

لوگوں میں فرزند کو اللہ نگہاں
بانو نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آن
یوں آپ جسے چاہیے دے جائیے ان کو

لو آ کے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
کیا صبر کیا ہو دل شہیر کو دیکھو
کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب

ہو حق بہ طرف گر ہو کلیجہ تہ و بالا
ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
اکبر کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں ان کو

دوری علی اکبر سے ہوئی یہ تو رہیں پاس
اور اس کے سوا پانی کے ٹٹنے سے بھی ہو پاس
وہ لوگ ہیں واں جمع جھنیں در نہیں ہو

شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر پہنھاریں
غل ہو کہ حسین آئیں تو سرتن سے اتاریں
میں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن

پانی کو ترستا ہو دنیا سے سدھارا
اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور بہارا
تم دل میں کہو اپنے فرزند کو کھویا

دشوار ہو اب جاکے مرا خیمہ میں آنا
الفت ہو اگر ہم سے تو آنسو نہ بہانا
جو کہنا ہو اللہ سے کہ لیجیو بانو

ہر حال میں زینب کی اطاعت کا ہے دیوان
لوٹدی سے خفا کچھ ہے میں آپ کے قربان
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لے جائیے ان کو

میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شہیر
 بیتاب تھا دل کی ہو جو بیجا کوئی تقریر
 فرزند کا غم ماں کے کیجے کو چھری ہر
 خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے
 دکھ درد میں یہ جس کی بسر ہو وہی جانے
 شب کشتی ہر کس طرح سے نہ اٹھتا ہر کیونکر
 پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سے
 پلتا ہر پسر ایک جو ماں عمر کو کھوئے
 ماں چپ رہے اور گود سے جانے پس لایا
 میں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں
 خوشنود ہوں لیجائیے ان کو سوسے میداں
 ہاں صبر خدا سے یہ دعا کیجو صاحب
 نہ بولے یہ کیا کہتی ہوا کی بانو سے دلگیر
 دل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر
 واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودی ب ہر
 گود میں لیکر انھیں چھاتی سے لگاؤ
 بھاری کوئی کرتا علی صخر کو پھساؤ
 دولہ سا بناؤ کہ یہ پروان چڑھے گا
 یس کے کہاں نے کہا اڑے پیار
 کپڑے تھے جو بھاری پھٹے یہ اتارے
 جھک جھک کیجو فرزند کا منہ پاس سے لیگا

ہر دکھ میں رضا جوئے خدا تابع تقدیر
 ہیں آپ خطا پوش کل کیجئے تقصیر
 صدقے کئی یہ آتما کی آنچ بری ہر
 اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
 آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے
 پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہر کیونکر
 دھڑکا ہر کہ بچہ کہیں بچپن نہ رہے
 جس نے یہ اٹھائی ہو مصیبت نہ رہے
 صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگایا
 یہ خادمہ خاص تو ہی تابع فرماں
 کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبر ذی شان
 نام ان کا جواب ہوا تو گلابیچہ صاحب
 والدہ بدل تم سے رضا مند ہر شہیر
 صاحب انھیں دریا پہ لے جاتی ہر تقدیر
 اکبر گئے جس جا وہیں ان کی بھی طلب ہر
 بس صبر کرو اشک نہ آنکھوں سے بہاؤ
 اکبر کے جو بچپن کا عمامہ ہو تو لاؤ
 تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا برھے گا
 سر نہ بھی دیا بال بھی سب کے سنو اے
 رو کر کہا لو جاؤ میں قربان تمہارے
 ماں کو علی صغر نے عجب یاس سے دکھایا

اور سے اشارہ تھا کہ دنیا سے چلے ہم
 گودی میں تمہاری چھہ سینے تو پلے ہم
 کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حال نہیں پایا
 اک شور تھا اللہ نگہیاں علی اصغر
 پیاسے علی اصغر مے ذی شاں علی اصغر
 چھٹا تھا جو بھائی تو موٹی جاتی تھیں ہنیں
 بچے کیلے گھر سے جو نکلے شہ والا
 نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا
 روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شیر
 یوں کہنے لگے دیکھ کے آپس میں تنگر
 بولا کوئی ہو زیرِ عبا مصحف داور
 معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شیر
 بولا کوئی بے درد نہیں یہ نہیں اصلا
 سادات پر ان شہت میں ہی تیسرا فاقا
 اشک آنکھوں میں ہیں خاک گریبان کی ہیں
 سن کر یہ کلام ان کا پکاسے شہ عادل
 میت ہو نہ قرآن ہو یہ ای فرقہ جاہل
 دیکھو مری مظلومی داندوہ و قلق کو
 چھوڑنا سید بھی ہو مہمان تمہارا
 یفرش کی زینت ہو تو ہو عرش کا تارا
 کچھ پانی کے بے تہیں لینا ہو تو کہ دو

افسوس کہ اس باغ میں کھپے نہ پھلے ہم
 اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبی کے تلے ہم
 یہ دارجن ہننے کے قابل نہیں اماں
 چلاتی تھیں پھوپھیاں مے ناداں غلی اصغر
 ہاں کہتی تھی جاتے ہو میں قربان علی اصغر
 مٹہ چھائی پہ رکھے ہے چلائی تھیں ہنیں
 مٹی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
 دامان عبا چہرہ فرزند پہ ڈالا
 ہر کام پہ دامن سے ہوا دیتے تھے شیر
 یہ کیا ہو جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہ صفدر
 تامل کر رہیں ہم سے اسے بیچ میں مے کر
 قرآن کو شفاعت کیلے لاتے ہیں شیر
 ہو صابر و شاکر پسر حضرت نہ ہرا
 بیجاں ہوا ہو گا کسی سیدانی کا بچا
 میت کسی مصوم کی شیر لیے ہیں
 تم تو نہ محمد کے نہ قرآن کے ہو قایل
 میصطفیٰ ناطق کے گلے کی ہو حایل
 سے آیا ہوں نہ ہرا کے صفینے کے رقی کو
 کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس نے مارا
 میہرا بھی جگر بند ہو ماں کا بھی ہو پیارا
 دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہ دو

طالب ہوا گر زہ کے تو زریچو مجھ سے
پانی دوائے خلد میں گھر لیچو مجھ سے
مسموم ہونے اب کبھی جی نہ سکے گا
مارا خنکس برچی سے انھیں کا ہر یہ بھائی
یعل ہر میرا چھہنے کی کسائی
بنوں کی یہ ہر جان تیرھو پھیول کا جگر ہر
میں نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لادو
مرا ہر میرے ہونے نیچے کو حسب لادو
جب منہ مرا آگتا ہر یہ حسرت کی نظر سے
بجھتی نہیں جب آگ کیلجے میں لگی ہو
سوچو وہ قضا جس کے جگر بندے کی ہو
غملیں ہو تو سو ز نفس سرو کو نہ سمجھے
اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مے جی سے
یہ دکھ میصیبت کی پوچھے مے جی سے
اک یاد الہی تو فراموش نہیں ہر
میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی
جب سوے عدم خلق سے منہ موٹے جاؤں
یہ کہ کے اٹھایا رخ نے شیر سے دہن
دیکھی جو ہیں چاند سی دھلکی ہوئی گردن
ہر چند کہ سب ظالم و جلا دتھے ان میں

قطرے کے عوض لعل و گہر لیچو مجھ سے
خالی ہوا گر نہر تو بھر لیچو مجھ سے
اک جام تو پیتشنہ دہن پی نہ سکے گا
اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اہل آئی
مر جائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی ہائی
مر جانے میں اس کے کسی جانوں کا ضرر ہو
تم آپ اسے آن کے چلو سے پلا دو
بند کیلجے کی مرے آگ بجھا دو
اگر ظالمو اٹھتا ہو دھواں میسے جگر سے
جانے وہی اولاد خدا نے جسے ہی ہو
انصاف کے نل پھری جس کے چلی ہو
جس دل میں نہ ہو درد وہ کیا نہ سمجھے
بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مے جی سے
اس درد کی لذت کوئی پوچھے مے جی سے
یہ جوش ہر غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہر
یہ کیا ہو کہ پھر تم سے طلب کیا ہوں پانی
مر جاؤں میں پر اس کی بکھتشنہ دہانی
حسرت ہو کہ دنیا میں سے چھوٹے جاؤں
چہرے کی تلی سے جہاں ہو گیا روشن
کیا ذکر بھلا دوست کا رہنے لگے دشمن
تھرا گئے جو صاحب اولاد تھے ان میں

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے
بولا کوئی بچہ ہے تو ہو دھیان کدھر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دیگا
تب شمر پکارا کہ ہمیں حرم نہیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مئے دل کو لیں ہے
بے صبر نہیں گو کہ گرفتار متعلق ہوں
بین کے بڑھا صف بن کا ہل بے پیر
جو رستم ایکا دے چلے میں ادھر تیر
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
کب سنا تھا فریاد کسی کی ستم آہ
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح نہ پڑھل آئے
گجھر کے سرے کو جو گے کھینچنے سرور
تھرانے لگے ننھے سے وہ بانٹے انور
بیابانی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ بہٹ کر
ہاتھوں پہ جو مردہ اسے شہ پیر نے پایا
تھرانے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اٹھایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں تہیں مدد کا

داسن کسی جلا دے آنکوں سے بھگایا
بولا کوئی ایماں بھی گیا دین بھی کھویا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
معصوم ہے مظلوم ہے اور شہ جگر ہے
دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لیگا
یہ غنچہ دہن کیا علی اکبر سے حسین ہے
اس فوج میں کس ایک شقی دشمن دیں ہے
محبت نہ ہے کوئی کہ میں محبت حق ہوں
پیاسے علی اصغر کی ہوئی قتل کی تدبیر
چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شہ پیر
بچے کو جوتا کا تو خطا کرتا ہے ظالم
اک تیر ستم تاک کے معصوم کو مارا
بس چونک پڑا ہم کے ہاں پکا پیارا
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن کے نکل آئے
سب خون سے گرتا بھی شلو کا بھی ہوا تر
ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کٹے پھر گئے تیور
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر
آہ دل مظلوم نے گردوں کو ہلایا
کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدا یا
طالب ہوں فقط منفرت اُمت جد کا

شیعوں کے گناہوں کے مجھے ہر خطر و بیم
آئی یہ ندا ان پر کسی کو نہیں تفتدیم
گھبراہٹ انھیں اجر گراں مایہ ملے گا

تو بندہ صالح ہے تو ہم صادق الاقرار
ناجی ہیں ترے دوست ہیں کیسے ہی گنگا
شیر نہ عم کھاتے ہم شاد کریں گے
سُن کر یہ صدا شاد ہوئے سبطِ سیمبر

چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لٹے ہیں
جنگل ہے درندوں سے برادر کو بچانا
کوثر پہ جو پہونچے تو پیاس ان کی کھانا
مثل گل تر پیاس سے مچھائے ہوئے ہیں

فرزند کے لاشہ سے یہ کہتے تھے بھی شاہ
تو لے ہوئے تینوں کو بڑھال کر گمراہ
حرنے کے لیے ہاتھ جو دو ایک کے اٹھے

لاشوں کو پکائے کہ خدا حافظ و ناصر
طر جلد ہوئی جاتی ہے سینہ نلِ آخر
بلوہ یہ نہ دیکھا یہ صفت آرائی نہ دیکھی

فرما کے یہ مرنے پہ کسا اور کمر کو
جلوہ دیا کرار کی شمشیر دوسر کو
جو ہر تو ادھر برقِ شر بار میں چمکے

ناموں پر انھیں کے ہو تو اب اس کا بھی سیم
بخشا انھیں اسی راہِ روجادہ تسلیم
فردوس میں سب کو تراہم سایہ ملے گا

تو شافع امت ہے تو ہم راحم و غفار
مالک ہے جہنم کا تو فردوس کا مختار
شیعوں سے تمے خلد کو آباد کریں گے
اصغر کو لیے آئے سوئے لاشہ اکبر

چلائے کہ ہاتھ اپنا دھروا دیو انور
ہشیار کہ یہ پہلی پہلِ ہاں سے بچھے ہیں
گر روئیں تو بیٹا انھیں چھپاتی سے لگانا
لیجو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا
گردن نہ دکھے تیر ستم کھائے ہوئے ہیں

چلنے لگے پتھر ستم فوج سے ناگاہ
آزودہ ہوئی خاطرِ سرِ زندِ پیدائش
اک شیر سے شمشیر علی ٹیک کے اٹھے

اب مرنے کو جانا ہے میظلومِ مسافر
دو لاکھ عدد جمع ہیں اک جان کی خاطر
افسوس کہ تم نے مری تنہائی نہ دیکھی

جولاں کیا اس دم فرسِ برقِ سیر کو
ہو نانس لیا حضرت حمزہ کی سپر کو
اک چار ستارے سے شب تار میں چمکے

پھیرا جو فرس کو ہمدانہ کے پسر نے
 پہنچا دیا سر عرشِ شمشیر دوسرے نے
 تھا ہوش نہ پر یوں کو نہ انسان نہ جن کو
 اندری چمک صاعقہ تیغ دوسری
 گھر کے ادھر ٹوڑنے ماہی کو خبر کی
 گردوں پہ تھے مہر کو یہ تاب نہیں تھی
 نور شید جو در در کے چھپا اور نکل آیا
 سُخا برق نے بھی خرمن گردوں میں چھپا
 غل چار طرف تھا کہ گھرے قہر خدا میں
 جب صبح دکھاتی تھی وہ تیغ و دم اپنا
 انہی بھی اگل دیتے تھے در در کے سم اپنا
 یوں بھاگتے تھے شیر کہ دم پھول گئے تھے
 نعروں سے دہتی تھی زمیں کا پناہ تھارن
 وہ تیزی شمشیر وہ چالاکی تو سن
 غمبیر میں یہ بوبدر میں یہ نور کہاں ہو
 شمشیر چمکنے میں یہ کرتی تھی اشارا
 وہ بھر فنا ہوں کہ نہیں جس کا کنار
 منہ پر کبھی افواجِ ستم چڑھ نہیں سکتی
 دنیا میں کوئی صاحب جو ہر نہیں مجھ سا
 افعی نہیں مجھ سا کوئی اژدر نہیں مجھ سا
 بُت توڑ دیتے ہیں جو دے دیر گئی ہوں

مچا کیا اقبال نے تسلیم ظفر نے
 دکھلایا عروجِ شبِ معراج پسر نے
 غل تھا کہ کہاں میں شقیہ آئی ہر دن کو
 جبریل کو گردوں پہ ہوئی فکر پسر کی
 پڑھنے لگے میلا تو زمیں کانپ کے سر کی
 درے تھے کہیں دھوپ کہیں پوں کہیں تھی
 کہ دھوپ تھی سایہ پہ کبھی دھوپ سایا
 شمشیر کے شعلہ کی کوئی تاب نہ لایا
 آگ آب میں پنہان تھی اور خاک ہوا میں
 دانہوں میں پکڑا تھا عطار و سلم اپنا
 اژدر بھی پہاڑوں میں چھپاتے تھے دم اپنا
 دہشت تھی کہ وحشت کو ہرن بھول گئے تھے
 وہ تند نظر قہر کی وہ غمط کی چتون
 وہ غمط فشاں زلف سیہ وہ رخ روشن
 سارا شبِ معراج محمد کا سماں ہے
 اک ضرب میں غمتر کو کیا میں نے دو پارا
 اے قوم مے گھاٹ سے مشکل ہو اتارا
 دھار کے مے کشتی تن بڑھ نہیں سکتی
 سر تیز کوئی دشمنہ و خنجر نہیں مجھ سا
 فولاد کے دریا کا شتا ورنہ نہیں مجھ سا
 خنق کو تو دو ہاتھ میں میں پر گئی ہوں

خیر کی لڑائی کی خبر کس کو نہیں ہے
 اعدا کی دہائی کی خبر کس کو نہیں ہے
 نئے فتح تشفی کبھی میری نہیں ہوتی
 اُس شیر کی شمشیر ہوں جو شیر خدا ہے
 قہضے میں اب اس کے ہوں سلطانِ اہر
 برسوں میں مے زخم کام ہم نہیں بھرتا
 گروں سے جسے حق نے اتارا ہر وہی تہاں
 جس سے جگرِ کفر دو پارا ہر وہی ہوں
 کفار کی لاشوں سے بیاہاں کو بھرا ہے
 پہچانتے تھے خوب پیمبر مرے جو ہر
 کھولے ہیں بید اللہ نے اکثر مرے جو ہر
 ہوں دشمن جاں جن بھی یہ سب جان گئے ہیں
 اہر قوم نکالے ہیں یہ بت میں نے حرم سے
 ایماں کے گلستاں میں ہر رونقِ مرم سے
 تھا فکر کا رشتہ جسے تسبیح کیا ہے
 دیکھو مجھے میں نفیِ عدو کے لیے لا ہوں
 قصرِ تن اعدا کے لیے سیلِ فنا ہوں
 ناگن میں نہ ہوگی کبھی جو لہر ہو مجھ میں
 ناگاہ بڑے شاہِ چلی تیغِ چمک کے
 جنگل کی طرف دوڑ گئی آگ بھڑک کے
 ہر سو کوہِ نار کا عالم نظیر آیا

اس قلعہ کشائی کی خبر کس کو نہیں ہے
 اس منہ کی صفائی کی خبر کس کو نہیں ہے
 سیروں جو لہو پیلوں تو سیری نہیں ہوتی
 "لو اروں سے عالم کی مراکشاں اہر
 تنے کی جگہ نقشِ فنا مجھ پہ کھدا ہے
 پیروں جو لہو میں تو کبھی دم نہیں بھرتا
 جراروں کو جس تیغ نے مارا ہر وہی ہوں
 دریا جزا نے میں دودھارا ہر وہی ہوں
 اسلام کا گلشن مرے پانی سے ہرا ہے
 مخفی نہیں جبریل امیں پر مرے جو ہر
 کرار نے دیکھے ہیں مکر مرے جو ہر
 جبریل بھی لوہے کو مرے مان گئے ہیں
 اقبال سے حیدر کے مہر کے حشم سے
 سب سیکھے ہیں سجدے میں جھکنا مرم سے
 زنار کو دورے نے مرے کاٹے یا ہے
 کھاتی ہے جو دشمن کا کلیجہ وہ بلا ہوں
 کافر کے لیے دروہوں ہوں کی دہا ہوں
 چڑھ کر جو اترتا نہیں وہ زہر ہو مجھ میں
 شعلے نے لیا لشکرِ ناری کو لپک کے
 تھرانے لگے شیر پہاڑوں میں دیک کے
 میدانِ بلا خیز جہنم نظر آیا

تیغ آئی چمک کر قضا آئی سروں پر
 لہرائی ہوئی سیل فنا آئی سروں پر
 دم بھریں نہ صفت تھی نہ سواروں کا پراگھا
 جس صفت پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
 بھاگڑ میں جدھر شذر و مضطر گئے اعدا
 مقتل میں سواروں پہ فرس ٹٹ رہے تھے
 اک برق چمکتی تھی صفت فوج ستم پر
 یوں کاٹے دستانے کو جاتی تھی جھلم پر
 ہر شو کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
 سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوشوں کے تن سے
 ٹوٹی تھیں صفیں تیغ شہ قلعہ شکن سے
 کیا روکتے ڈھالوں پہ وہ تیغ دوزباں کو
 گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
 چھلی سی کبھی پیر گئی موج زرہ میں
 جب کوند کے اٹھی اسے افلاک پہ دیکھا
 مقتل سے جری تیغ و سپر چوڑے بھاگے
 یوں روح کے طائر تن سر چھوڑ کے بھاگے
 غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہو
 ریتی پہ پڑتے ہوئے تن اس نے دکھائے
 سورنگ تہ چرخ کہن اس نے دکھائے
 خود آئے نصرت تھی ظفر کام تھا اس کا
 یا کھولے ہوئے منہ کو بلا آئی سروں پر
 سر اڑتے ہیں جس سے ہوا آئی ستر تک
 اعدا کا لہو تیغ کی باچھوں میں بھرا تھا
 بس خون میں سرتاب قدم بھر گئے اعدا
 کچھ کچھ گئے پس پس گئے مہر گئے اعدا
 دو ایک پہ اور پانچ پہ دس ٹٹ رہے تھے
 بسمل بھی ٹرپ جاتے تھے اس تیغ کے دم پر
 جس طرح چلے تیز چھری زرم قلم پر
 چار آئندہ قراطس تھے مفراس تھی شمشیر
 جوشن تن کفار میں بدتر تھے کفن سے
 آتی تھی جو زن سے تو نخل جاتی تھی سن
 روکا ہو کبھی باغ کے پتوں نے خزاں کو
 ترکش میں کبھی گاہ کہاں میں کبھی زہ میں
 ایک تیغ سے تھا زلزلہ برپا کہ وہ میں
 دیواروں کو چار آئندہ کی خاک پہ دیکھا
 ہلچل تھی کہ بیٹوں کو پدر چھوڑ کے بھاگے
 جیسے کوئی بھونچال میں گھر چھوڑ کے بھاگے
 اے قوم اذاز لزلت الارض یہی ہو
 پھولے ہوئے زخموں کے چمن اس نے دکھائے
 چلنے میں قیامت کے چلن اس نے دکھائے
 مفتاح طلسمات جہاں نام تھا اس کا

تیغ آئی چمک کر قضا آئی سروں پر
 لہرائی ہوئی سیل فنا آئی سروں پر
 دم بھریں نہ صفت تھی نہ سواروں کا پراگھا
 جس صفت پہ چمک کر وہ گئی ڈر گئے اعدا
 بھاگڑ میں جدھر شذر و مضطر گئے اعدا
 مقتل میں سواروں پہ فرس ٹٹ رہے تھے
 اک برق چمکتی تھی صفت فوج ستم پر
 یوں کاٹے دستانے کو جاتی تھی جھلم پر
 ہر شو کے اڑا دینے میں فیاض تھی شمشیر
 سر گرتے تھے ہر بار زرہ پوشوں کے تن سے
 ٹوٹی تھیں صفیں تیغ شہ قلعہ شکن سے
 کیا روکتے ڈھالوں پہ وہ تیغ دوزباں کو
 گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی نیزے کی گرہ میں
 چھلی سی کبھی پیر گئی موج زرہ میں
 جب کوند کے اٹھی اسے افلاک پہ دیکھا
 مقتل سے جری تیغ و سپر چوڑے بھاگے
 یوں روح کے طائر تن سر چھوڑ کے بھاگے
 غل تھا کہ نماز اس کی پڑھو فرض یہی ہو
 ریتی پہ پڑتے ہوئے تن اس نے دکھائے
 سورنگ تہ چرخ کہن اس نے دکھائے
 خود آئے نصرت تھی ظفر کام تھا اس کا

کس فرق پہ بکلی سی وہ خوٹواری نہ چکی
 تلوار تو کیا برق شرر بار نہ چکی
 کہتا تھا جہنم کہ پناہ اس سے خدا کی
 جاں تن پہ گراں جنگ میں تھے دوش پہ ہزار
 ابرہیم خورشید مقرض ہوا ہر بار
 درے یہ وہی ہیں جو چکتے ہیں میں پر
 آہا کا تن آتش جگر آتش تھل آتش
 آتش پہ بتی تھی پڑی متصل آتش
 خود آگ کے مول اس کو جہنم نے خریدا
 لشکر کے اندھیرے کو آجلا کیا اس نے
 خود آگیا جب منہ پہ نوالا کیا اس نے
 کڑیاں نہ ملیں کھا گئی اس طرح زرہ کو
 گر گر کے سپاہی کو سپاہی نے دبایا
 اٹھنے لگیں ڈھالیں تو سپاہی نے دبایا
 کیا چلتیں کہ تلواروں کے دم آپ کے تھے
 پلے پہ بھی جا کرتے در انداز نہ ٹھہرا
 اک جا تدم شمر فسوسا کے آگے
 جادو کہیں چل سکتا ہو اعجاز کے آگے
 شاخوں کی طرح صاف قلم ہو گئے بھالے
 تھے ہر شجر قد کی جگہ خون کے تھالے
 یوں تیغ خزاں کو کبھی چلے نہیں دیکھا

کس غول میں وہ صاعقہ کردار نہ چکی
 اس تیغ کے آگے کوئی تلوار نہ چکی
 آج اس کی جلا دینے میں بکلی تھی قضا کی
 تن سرد ہوئے گرم ہو اموت کا بازار
 جب صورت مقرض اٹھی تیغ شرر بار
 تھرا تا ہر مہراج تلک چرخ بریں پر
 اس تیغ سے تھی چار طرف مشتعل آتش
 تھی گرمی بازار اجل سے نخل آتش
 ارزاں جنھیں شمشیر اجل دم نے خریدا
 ہر صف کو چمک کر تہ و بالا کیا اس نے
 کاسے کو ہر گسر کے پیالا کیا اس نے
 چار آنہ کاٹا ہوئی حیرت کہ دمہ کو
 لشکر کو ادھر سطوت شاہی نے دبایا
 تلواروں کو شمشیر الہی نے دبایا
 نیزوں کے بھی سر خاک پہ دہشت جھکے تھے
 اس تیغ کے منہ پر کوئی جانبا ز نہ ٹھہرا
 دہشت سے کوئی شعبدہ پر داز نہ ٹھہرا
 کج شک کی کیا قدر ہو شہباز کے آگے
 پھل اڑ گئے پتا ہوئے سبے چھپیوں والے
 دیکھے جو گل زخم پڑے جان کے لالے
 یہ رنگ لڑائی کا بدلتے نہیں دیکھا

جس صفت پہ گئی زلزلہ برپا کیا اس نے
 گرا کے جو منہ جانبِ دریا کیا اس نے
 گردن پہ دم تیغ اجل دم نظر آیا
 تھا شور کہ اس تیغ کا پانی نہیں سم ہر
 ناب اس کی نہید جاوہ صحرائے عدم ہر
 جنات کو ڈر ہر اسی تیغ دو زبان کا
 سو سو شجر باغ ستم کاٹ کے اُٹھی
 مغفر پہ جو چکی تو جھلم کاٹ کے اُٹھی
 غل تھا یہ بلا وہ ہر کہ ٹالی نہیں جاتی
 جب آگئی وہ تیغ کمانوں کے برابر
 تھے توڑ میں جو تیر سنانوں کے برابر
 جاسکتے تھے گوشوں میں کہیں امن و اماں کے
 تھی صورتِ شبنم اس لیے وہ صاحبِ توقیر
 حلقہ تھا نہ پیکاں تھا نہ گوشہ تھا نہ رہگیر
 ثابت کسی سرکش کی نہ کش کی سری تھی
 اندری ہلچل کہ جدا ہو گئے یک بار
 نیزے سے انی برچی پھل تیرے سوار
 سینے کی نہ دل کو نہ خبر دل کی جگر کو
 کوئین میں تھا شورِ ثنائے شرہ اکرم
 آتی تھی یہ ہاتھ کی صدا چرخ سے پیہم
 کیونکر نہ ہو تو کس کا گل اندم ہر شیر

ہر قصر بدن کو تہ و بالا کیا اس نے
 پانی کے نگہبانوں کو ٹھنڈا کیا اس نے
 سوتے سے جو چونکے جو جہنم نظر آیا
 دم بھر نہیں تھمتی ہر عجب طرح کا دم ہر
 جو سر ہر وہ اس تیغ کی محراب میں دم ہر
 جو ہر نہ کو دوام ہر یہ طائر جاں کا
 ہر نیزے کو مانند قلم کاٹ کے اُٹھی
 برق کو نہ پایا تو علم کاٹ کے اُٹھی
 گر پڑتی ہر جب برق تو خالی نہیں جاتی
 مقتولوں کے توفے ہوئے شانوں کے برابر
 وہ خاک پہ غلطاں تھے نشانوں کے برابر
 موجود تھی مرکز کی طرح سر پہ کہاں کے
 اسبابِ شجاعت کی سر آمد تھی وہ شمشیر
 کٹ جاتے تھے مثلِ خطِ باطل الف تیر
 نئے چلے کہاں جو تھی وہ زونِ نظری تھی
 گردن سے تو سر سیم سے دم ہاتھ سے تلوار
 ہاتھوں سے کمائیں تو کمانوں سے کماندار
 تلوار تلے چھوڑ گیا باپ پسر کو
 کرتا تھا مباحاتِ خداوندِ دو عالم
 احسن ہوا و اشرف ذریتِ آدم
 اس پیاس میں یہ جنگِ کام ہر شیر

بولے شہ والا کہ یہ سب لطف خدا ہے
 نہ رست کی خواہش نہ تنائے دعا ہے
 کچھ منہ سے نہ شکوہ غم جاں ناکہ میں نکلے
 یہ کہ کے لعینوں کو پکارے شہ ابراہ
 پھر گاہنگام ہو اسے شک کہ تار
 تلواروں میں سجدے کے لیے کود ڈینگے
 زینٹ نے سنی ڈیورھی سے شب کی تقریر
 لاؤ صفت ماتم کہ نہیں بچنے کے شیر
 عابد کو جگادو سفر اب کہتے ہیں بھائی
 اب گھر سے نکلتی ہوں میں اسے پیو آؤ
 سوتے ہیں کہاں باپ کے عاشق کو جگاؤ
 نرغمرے مانجائے پہ ہی اہل جفا کا
 گہرا کے ادھر کھول دیئے بیبیوں نے سر
 پرزے جو ہوا سر سے کمر تک تن اظہر
 پانی کے بھی سیال نہ ہوئے جھپایں کھاکے
 راوی نے یہ لکھا ہے کہ تھا چاڑھری دن
 تھے عرش کو تھامے تھے عرش کماکن
 پہلو سے نہ بیٹے کے جدا ہوتی تھی نہ ہرا
 جس صوت حسن سے شہ دیں کہتے تھے لکیر
 اسے عابد و زاہد ہی تری کو نشی تقصیر
 بھولے مجھے یہ جو عبادت ہوئے بیٹا

میں کیا ہوں بھلا اور شجاعت مری کیا ہے
 اب خیر نے اب کا مشتاق گلا ہے
 حسرت ہے کہ دم سجدہ اللہ میں نکلے
 لو آؤ کہ اب میان میں ہم رکھتے ہیں تلوار
 قاتل سے کہو تیز کرے خیر خونخوار
 اکبر کی جوانی کی قسم اب نہ لڑیں گے
 چلائی کہ لوراند ہوئی بانوے دلگیر
 ہی ہی سپر فاطمہ نے روک لی شمشیر
 خود شمر ستمگر کو طلب کرتے ہیں بھائی
 لوفوج نے گھیرا مرے بھائی کو بچاؤ
 سر کھول کے سب آئیں شیموں کو بلاؤ
 یہ وقت ہے بن باپ کے بچوں کی عاکا
 حضرت پہ ادھر ٹوٹ پڑے لاکھ ستمگر
 گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند پیر
 قبلے کی طرف جھک گئے سجدہ کین خدا کے
 جس وقت جھکا سجدے میں خلق کا حسن
 مقتل میں کھڑے پیٹھے تھے ملک جن
 سر خاک پہ گر پڑتے تھے جب تھی نہ ہرا
 ماں کہتی تھی صدقے تری آواز کے شیر
 ہی ہو ترے سینے میں گڑے جاتے ہیں سبیر
 بتلاؤ تو زینب سے بھی نصرت ہے بیٹا

وال شمر سے بولا پسہ سعد جفا کار
 سید کا نہ یاد رہی کوئی اور نہ مددگار
 بہتر ہی اگر جلد گلا تیغ سے کٹ جائے
 تھڑاتا ہی دل شمر کا آنا کہوں کیونکر
 اس سینے کا زانو سے دبانا کہوں کیونکر
 بیس ہوئے سب شیعہ امام دو جہاں کے
 لیکر سر اقدس کو چلا شمر سید رو
 یاں ٹوٹ پڑے لاشہ بیس پہ جفا جو
 ہتھیاروں کے لینے کوئے مرتے تھے ظالم
 بھاکا کوئی غمامہ پرخوں کو اٹھا کے
 کھینچا کسی نے رحم نے دامن کو عبا کے
 سر کر بھی بڑے ظلم و ستم سہ گئے شہید
 بلو س بدن لے گئے سب لٹنے والے
 پہلوئے مبارک میں گئے رہ گئے بھالے
 شہید کا سر نیزہ خولی کی آنی پر
 اب تاب اٹیس آگے سماعت کی نہیں بس
 یارب مجھے دکھلائے مزار شہد بیس
 پاکیزہ و طاہر محراب پاک سے اٹھوں

سچے میں بڑی دیر سے غش ہے تہا رار
 کیا دیر ہی جا کھینچے اب خنجر غو نثار
 زینب سے کہیں آ کر نہ برا اور سے پست جا
 اور فاطمہ کا خاک اڑانا کہوں کیونکر
 سید کا زباں خشک دکھانا کہوں کیونکر
 کٹا گیا بیٹے کا گلا سامنے ماں کے
 وہ ہاتھ ستمگار کا اور ہائے وہ گیسو
 لگنے لگی پوشاک تن سید خوش و
 مظلوم کے لاشہ پہ گرے پڑتے تھے ظالم
 دستانے کوئی لے گیا شاہ شہد کے
 ہاتھوں سے کوئی کھولتا تھا بند قبا کے
 اس دھوپ میں عریان پڑے رہ گئے شہید
 سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے
 کیوں چنچ یہ حال اس کا جسے فاطمہ پالے
 تفت دہر پہ اور خاک ہی دنیا سے دنی پر
 مقبول امام دو جہاں ہی یہ مسدس
 مر کر مرادفن ہو وہی ارض مقدس
 پہنے کفن اٹھوں تو اسی خاک سے اٹھوں

رباعی

جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
 غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
 ہی بھر جہاں میں عمر مانند حباب

شیر (۱۹)

جب ن میں آمد آمد سلطان دیں ہوئی
 آمادہ نیرو سپاہ لیں ہوئی
 تیغیں کھنچیں نیاموں سے خنجر نکل پڑے
 بڑھ کر نقیب فوج یہ کہتے تھے دم بدم
 ابن معاویہ کے نمک کی تہیں قسم
 شیر خدا کے شیر کے آنے کا وقت ہو
 آپس میں کہتے تھے یہ پیائے بجائے صفت
 اس کا نہ دھیان کیجئے کہ لاکھوں ہیں اہل طر ف
 رکتی نہیں وہ تیغ جو پڑ جائے کوہ پر
 غصہ حسین کا غضب ذوالجلال ہو
 خیر کو جس نے فتح کیا اس کا لال ہو
 بدرواح کا معرکہ عالم کو یاد ہو
 ناگہ سوار نیروں کو دینے لگے کٹھاں
 چلوں سے تیر مل گئے کرکی ہر اک کماں
 کیجئے پاس یہ کہ امام زمانہ ہو
 یہ ذکر تھا کہ اتنے میں آئے شہ اُمم
 سردار فوج شام مہمانے لگے قدم
 اللہ کے رعب فوج ستم تھر تھرا گئی

نور خدا کے نور سے روشن زمین ہوئی
 روح جناب فاطمہ اندوہ گیس ہوئی
 شیر خدا ہزار سے باہر نکل پڑے
 ہاں اسی بہادر و نہ بٹے ایک کا قدم
 تیغوں سے سرو باغ علی کو کرو قلم
 ہاں غازیو یہ جان لڑائے کا وقت ہو
 روکے گا کون ضربت ابن شہ نجف
 چمکی جو ذوالفقار تو جانیں ہوئیں تلف
 نازل خدا کا تھر ہوا اس گروہ پر
 روباہ تل کے شیر کو ماریں محال ہو
 میدان میں اس کے سامنے ستم بھی نال ہو
 خیبر کی ضرب آج تلک ہم کو یاد ہو
 چمکی اپنی ہوئیں صف اعدا میں بر بھیاں
 غل تھا نشان دیں کو کرو آج بے نشان
 ہاں اسی کماں کشو یہ تمہارا نشانہ ہو
 بطل و غاپ چوٹ پڑی گھل گئے اُلم
 رُخ پھر گئے صفوں کے کسی میں ہاتھ دم
 چہرے پر رو سیا ہوں زردی سی چھاگی

گل تھا زہے حسین نہ ہے شانِ حیدری
 تیور سے آشکار ہے رعبِ غضنفری
 قابو میں ایسے شیر کا آنا محال ہے
 کیا حسن ہے کہ ثبت میں چھلایا ہو نور
 غزفوں سے سر نکالے نہ کیونکر ہر ایک
 فیض ہے رخِ خلفِ بوترا ب سے
 لوحِ جبینِ پاک ہے لوحِ کتابِ حسن
 اللہ کس عروج پہ ہے آفتابِ حسن
 سجدے کا ہے نشان کہ تجلی طور ہے
 انزعین بھی ہے اسی شیر حق کا شیر
 غم میں جواں پسر کے وہ ہے زندگی کے سیر
 وہ نئے لڑے شکست کئی بار دے گیا
 فاقہ ہے تین روز کا اور تین دن کی سپاس
 ظاہر میں گرچہ سب بشریت کا ہے لباس
 نزدیک ہے کہ گھوڑوں سے اسوار گر پڑیں
 کیا خوشنما ہیں ابروئے شانہ نشہ حجاز
 تشبیہ سے ہلال کرے آسماں پہ ناز
 مصروف ہو ہو ہیں خضوع و خشوع ہیں
 چشمہ خلیکے نور کا ہے چشمِ حق پرست
 ہر گرد اس لیے صفِ نرگاں کا بندوبست
 بچھڑے ہیں عینِ رنج میں چشم و چراغ سے

دیکھی نہ یہ شکوہ نہ ایسی دلاوری
 کس کی مجال ہے جو کرے ان کے عہد ہی
 لڑنا تو کیا کہ آنکھ ملانا محال ہے
 اک آفتابِ رخ کی تجلی ہے دور دور
 نورِ چمکی کا ہے چاروں طرفِ ظہور
 ذرتے ملا رہے ہیں نظر آفتاب سے
 ابرو تو فصلِ حسن کی ہیں اور یہ بابِ حسن
 تابِ نظر نہیں ہے نہ ہے آفتابِ حسن
 صاف اس نشان میں یہ بیضا کا نور ہے
 کر دے گا ایک حلقے میں نور اور ولّٰں زیر
 دیکھیں تو روکتا ہے اسے کونسا دلیر
 کشتوں کو اپنے شیر سا آگے لے گیا
 غیر از ہجومِ یاس نہیں کوئی اس کے پاس
 یہ رعب ہے جو شیر کی آمد میں ہو ہراس
 حلقے کے تو ہاتھوں سے ہتھیار گر پڑیں
 گویا ہے شاہِ مہمان کے بازوؤں کو باز
 پیشِ خدا جھکائے ہوئے ہیں سر نیاز
 مہراب کی طرح سے جھکے ہیں رقع میں
 ویرانہ سے ہے در عشقِ احدیت
 آئینہ ہائے نور کو پہونچے نہ تاشکرت
 مہروم سیاہ پوش ہیں کبر کے داغ سے

ہر دم ہر جوش پر گلِ خسار کی بہار
 وہ روئے انور اور وہ پیشِ خضاب
 وقتِ نظریہ ہوتا ہی ثابت نگاہ کو
 خوشبوئے زلفِ خالِ پشکِ ختنِ نثار
 غنچے دہانِ تنگ پہ صدقے چمنِ نثار
 موتی بھرے ہیں منہ میں شہ نے نظیر کے
 ہر شکِ شمعِ طورِ تجلی میں وہ گلا
 وہ فاطمہ کے دودھ کی دھاروں کا
 شیرازہِ بیاضِ گلو جب کہ کٹ گیا
 شانوں سے شانِ ترقیوی آشکار ہے
 ساعدہ نہیں ہیں قدرت پروردگار ہے
 حاجت روا ہیں ساری خدائی کے واسطے
 سینہ صفا میں غیرتِ آئینہِ حلب
 قرآن سے کم نہ سمجھیں جسے حق پرست سب
 کیوں فاطمہ کے دل پہ نہ کوہِ الم گرے
 ہر لحظہِ عاصیوں پہ جو رحمت کی ہو نظر
 کہتے ہیں آہ بھر کے شہنشاہِ بحر و بر
 شیعوں کا ہے یہ پاس جو ہم بولتے نہیں
 قامتِ ستونِ دیں ہے توارکانِ دیں قدم
 جس خاک پر رکھے شہِ گردوں نشیں قدم
 کس کوہ میں تھے جو تھے صفاتِ ان کے واسطے

رونق نہ پائے تنگ جو بدلے چمن ہزار
 ظاہر ہیں اس سے سخن و لیل و والنہار
 آغوش میں لیے ہو شبِ قدرِ ماہ کو
 سرخیِ لعل لبِ عقیقِ یمنِ نثار
 دانتوں کی آب و تاب پہ در عدلِ نثار
 قطرے ہیں سب فاطمہ زہرا کے شیر کے
 منہ اپنا جس پہ احمد مختار نے ملا
 سو اس گلے پہ خنجرِ شہرِ لعلیں چلا
 حیرت ہے کیوں نہ دفترِ عالم الٹ کیا
 ان بازوؤں پہ روحِ یدِ اللہ نثار ہے
 پنجمین نورِ دستِ شہِ ذوالفقار ہے
 یہ انگلیاں ہیں عقدہ کشائی کے واسطے
 اس میں بھیجے ہوئے ہیں گہرائے رازِ رب
 والِ پائے چمکہ دار رکھے شہرِ غضب
 جب ایسے آئینہ پہ یہ سنگِ ستم گے
 باندھی ہے کس نے منے پہ ٹوٹی ہوئی کمر
 ہم کو ضعیف کر گئے عباسِ نامور
 نے ان کے خنڈولے کمر کھولتے نہیں
 ہٹ جائیں معرکہ سے یہ ایسے نہیں قدم
 چوئے بصد نیاز و تفاخر زمیں قدم
 ہر ثبات یہ ہیں ثباتِ ان کے واسطے

ہے خود سر کہ قبۂ عرش بریں ہے یہ
 روشن ہے روشنی سے کہ قذیل دیں ہے یہ
 ہے فرق پر رسول کے لگے سحاب کا
 ہے دیوں زرہ میں حسین امام فلک سریر
 حلقوں میں دیکھو جلوہ اندام نے نظیر
 ہے نے مثال موج زرہ اپنے کام میں
 گریخہ جو سر آوا سیاب کا رزار
 چار آنہ ہے بہر بدن آہنی حصا
 پر تو فلک ہے چہرہ شاہ زمین کا نور
 ہے تیغ برق خرمین ہستی اہل شر
 بالائے دوش ہر نبوت سے ہے سپر
 اک جاہ و عواں ہے فاطمہ زہرا کی آہ کا
 یوں ہاتھ میں لیے ہے کہاں فاطمہ کلال
 ترکش کے تیر چلتے ہیں پیک قضا کی چال
 دل و ذرا ہل کفر دم صفدری تھی یہ
 کس سے بہاں ہو سرعت خورشید فلک خام
 بجلی ہے پھر ہوا سے ہلی گرد را بجام
 اس کو سبک روی میں پرندوں پہ اوج ہے
 اس شان سے کھڑے تھے امام ذوالا حترم
 کتنا تھا ابن سعد تعجب کا ہے مقام
 اس پر مقابلہ کو نکلتا نہیں کوئی

کلنی نہ سمجھو شہر روح الامیں ہے یہ
 حاکم ایک آیت فتح ہمیں ہے یہ
 دیکھو قرآن ہوا زحل آفتاب کا
 ابر تنک میں جوں نظر آئے مہینہ
 سونے کے ہے ورق پہ رقم جوشن کبیر
 لائی نہنگ بھر شجاعت کو دام میں
 جوشن ہے زیور تن مردان کا رزار
 گویا ورق پہ نور کے سور لکھے ہیں چار
 ہے چار آنہ سے عیاں بختن کا نور
 دم لے تہ زمیں جوڑے تیغ کوہ پر
 ہے قرص چشم عشوہ گریسیلی ظفر
 ٹکڑا ہے آفتاب پہ ابر سیاہ کا
 گویا کہ آفتاب کے پنجہ میں ہے ہلال
 بچنا ہے مرغ روج عدو گے لیے محال
 حکم خدا کی طرح خطا سے بری تھی یہ
 ہے جس کے آگے وسعت کوین ایک گام
 زیر قدم ہے ہند و حلب مصر و روم و شام
 بجلی ہے گر ہوا پہ تو دریا پہ موج ہے
 سردار نے حواں تھے حیران فوج شام
 تنہا حسین آئے ہیں لشکر ہوا تمام
 حیرے تو سیکڑوں ہیں چلتا نہیں کوئی

ہمراہ اور کیا کوئی عباس سا ہر شیر
 دہشت ہر کس کی وہ تہ ہر خونگی سیر
 دن سے کردہ شہید شہر خوش صفات کو
 ہاں جلد کاٹ لو پسر فاطمہ کا سر
 دھڑکا ہو یہ کہیں نہ سرک جائے مال زر
 گھیریں اسے جو قتل امام زمانہ ہو
 شقے میں لکھ چکا ہو مگر اسیر شام
 میری طرف سے فوج کو دیکھو یہ حکم عام
 کانوں میں تھے بچوں کے گوہر چھوڑیو
 دربار میں بولاؤ گے زینب کو ننگے سر
 کوفہ میں عید ہو جائے فاطمہ کا گھر
 ہر دشمنی علی سے عداوت حسین سے
 لالچ دیا جو فوج کو اس رہ سیاہ نے
 زینب کی قید کا جو سنا ذکر شاہ نے
 نزدیک تھا کہ تیغ کمر سے اگل پڑے
 سینے میں مضطرب دل پر درد ہو گیا
 آلودہ عرن رخ پر گرد ہو گیا
 تنہا ادھر سے بہر و غا شاہ دیں چلے
 کھینچی کمر سے شہ نے جو شمشیر شعلہ بار
 ظار اڑے ہوا سے نکلنے لگے شرار
 مرفق تلک الٹ جو لیا آستین کو

اکبر سا کیا جلو میں کوئی اور ہی دلیر
 اک تشنہ لب کے قتل میں ای غازیو پیر
 کیا بی بیوں کو لوٹنے جاؤ گے رات کو
 پھر تم کو لوٹنا ہی رسول خدا کا گھر
 خیمے میں شاہ کا ابھی جیتا ہی اک پسر
 ایسا نہ ہو کہ لیکے حرم کو روانہ ہو
 جس وقت تن سے کاٹ چکے تو ہمارا
 زیور علی کی بیٹیوں کا لوٹ لو تمام
 رائے دل کے منہ چھپانے کو چادر نہ چھوڑیو
 اوس دن لٹاؤں گا میں خزانہ کا مال زر
 سیدانیاں پھریں مری بستی میں رہ بدر
 یثرب اُجاڑ ہوئے تو سووں میں ہیں سے
 تنہا سے عزم جنگ کیا سب نے
 کھینچی اک آہ دلبر شیر الہ نے
 خیمے کو دیکھا پھر کے اور آنسو گل پڑے
 بر چھپی لگی جگر پہ بدن سرد ہو گیا
 آنکھیں تو سرخ ہو گئیں منہ زرد ہو گیا
 نیزے ہلا ہلا کے ادھر سے لیں چلے
 بجلی چمک کے ہو گئی گو یا فلک کے پار
 تھرائی یہ زمیں کہ اٹھا دشت میں غبار
 کرنے کے ڈر سے چرخ نے تھا مازین کو

پہلے تھے دو چار سواران نیزہ باز
 یوں آئے تیغ تول کے شاہنشہ حجاز
 اللہ کا غضب تھا چمک ذوالفقار کی
 تھے بہت ایک دم میں جوانان سر بلند
 سرتک گئی وہ جس کے ہوا دو مع سمنہ
 مہر تھا اگر تو نیزہ پیدا کر نہ تھا
 مغرور نیزہ بازی پہ تھا اک عدوئے شاہ
 نیزے کی تھی سناں کہ ٹھہرتی نہ تھی نگاہ
 مانند عمر و عمر کہ آرائے رزم تھا
 نیزے کا ہاتھ صورتِ حربِ نکال کر
 آواز دی اجل نے کہ فکرِ مال کر
 او خوں گرفتہ شیر سے ہم لڑنے والے ہیں
 پھرتی سے اس لعین نے کیا اک غضب کا ار
 شہ نے انی کو تھام کے چٹکی میں استوار
 ساعد سے ہاتھ ہاتھ سے نیزہ نکل گیا
 نیزہ اٹھا کے اس پہ چلے شاہِ بحر و بر
 تب اپنا ہاتھ چہرے پاس نے کیا پھر
 بیکار دستِ کفر پرستِ لعین ہوا
 مولا کہاں کشوں پہ چلے پھر بڑی ستیز
 کرنے لگی چمک کے جو شمشیرِ شعلہ ریز
 جو تھم گیا وہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا

تھا جن میں ایک ایک کو اپنے ہنر پہ ناز
 جس طرح سے شکار پہ گرتا ہو شاہِ ہباز
 فرصت ملی نہ ایک کو نیزے کے اڑکی
 ہر ضرب میں تھی تیغِ علی کی بیش و چند
 جوں فی شکر قلم ہوئے نیزوں کے بہند
 نیزہ کسی کے ہاتھ میں گر تھا تو سرنہ تھا
 آیا وہ اس غضب کے کہ اللہ کی پناہ
 گویا زباں نکالے تھا اک افعی سیاہ
 گھوڑے سے شاہ دیں گرا دوں یہ عزم تھا
 آگے بڑھا سمنہ کو کاوے پہ ڈال کر
 للکارے شاہ تیغِ علی کو سنبھال کر
 نیزے یہاں کی فوج کے رجبے بھالے ہیں
 سمجھے یہ سب کہ ہو گیا چھاتی کے دار پار
 دکھلا بازو بدستِ شہنشاہ ذوالفقار
 گھٹنے زمیں پہ ٹیک کے گھوڑا بجل گیا
 فرمایا دیکھ اوستم آرا مہ سحر
 یاں شانے تک انی نے کیا ہاتھ سے گزر
 نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستین ہوا
 دشتِ نبرد ہو گیا صحرائے رستخیز
 گوشوں میں کچھ نہاں ہے کچھ کر گئے گریز
 ترکش تھا نہ کہاں تھی نہ بازو نہ شانہ تھا

جلتے میں موت کے قدر انداز گھر گئے
 جو لیس تھے لڑائی پہ رُخ اُن کے پھر گئے
 سائے خطا شعاروں کو جانوں کی فکر تھی
 بھاگے جو وہ تیغ زنوں سے ہو دو چار
 چلنے لگیں ادھر سے بھی تیغیں کئی ہزار
 منہ پر سپر امام دو عالم نہ لیتے تھے
 وہ تیغ جس کے سر پہ پڑی تنگ تنگ گئی
 دہشت سے چشمِ نیرِ اعظم جھپک گئی
 غل تھا صفوں میں نہایت اب تو تنگ ہیں
 آہنِ میخِ قِ تھے جو دلیرانِ صف شکن
 ز رہیں بھی چاک چاک تھے میں صورتِ کفن
 گر گر کے مہکوں سے عدو ہاتھ ملتے تھے
 غل تھا کہ شیرِ حیدرِ کرار الاماں
 ای نویرِ چشمِ احمدِ مختار الاماں
 کر رحمِ اپنی تشنہ دہانی کا واسطہ
 اکبر کا عینِ جنگ میں شہ نے سنا جو نام
 اعدا سے تھر تھرا کے یہ کرنے لگے کلام
 سینہ میں اُن کے غم سے جگر چاک چاک ہو
 جن کی دوہائی دیتے ہو وہ ہیں اچھیں لال
 ہم کو اچھیں کے داغ سے ہو زندگی محال
 بیجاں کیا اچھیں تمہیں لوگوں نے جان سے

چلے بھی کشمکش میں کمانوں سے گر گئے
 دریا میں گر کے پیر گئے جو وہ تر گئے
 تیروں کا ہوش تھا نہ کمانوں کی فکر تھی
 در آئے در عدو پوشوں میں چپکے راہوار
 تا آسمان بلند ہوا شوگر گیسر و دار
 اک تیغ سے جواب ہزاروں کو دیتے تھے
 جس وقت ہاتھ اٹھا تو چک تافاک گئی
 چمکی کبھی سما پہ کبھی تا سما گئی
 روکیں کسے کہ تیغ میں بجلی کو دھنک ہیں
 خود اُن کے تھے سروں کے جدا اور سروں تن
 چار آئینہ بھی کٹ گئے ٹکڑے ہوئے بدن
 آنسو لہو کے چشمِ زرہ سے نکلتے تھے
 ای سیدہ بتول کے دلدار الاماں
 پونچے سہرا کو ای شہِ ابرار الاماں
 ہمشکلِ مصطفیٰ کی جوانی کا واسطہ
 تھرا کے بس جگر کو لیا دستِ چپ تھام
 اکبر کہاں ہیں تم تو اچھیں کر چکے تمام
 وہ بھی ہیں خاکِ ن کی جوانی بھی خاک ہو
 اُن کو نہ ماں کی فکر نہ ہو باپ کا خیال
 وہ ہوتے تو یہ کا ہے کو ہوتا ہمارا حال
 اٹھا رہو ہیں برس میں سدھائے جہان سے

آواغیس کی لاش کی کھاتا ہوں میں قسم
 چھد جائے جسم تیروں اگر سر سے تا قدم
 تھا غیظ تم پہ مجھ کو سو وہ وقت اُل گیا
 بھولا ہوا تھا جنگ میں کچھ اُس کا تھانہ دھینا
 ہرگز وہ لمبی زلفیں وہ رُخ وہ شکوہ شان
 دکھلا دو پھرنے مجھے مرے دلبر کی لاش کو
 یہ کہ کے باگ چھوڑ دی اور روک لی حمام
 عیبِ دنیا تھیں میں ہرگز ساکنانِ شام
 طاقت پہ حلم سبطِ پیغمبر بھی دیکھ لو
 میرا بتم ہوا اور مجھے دودن سے پیاس
 سرِ حسین سے ہو یہ دور از قیاس
 ہرگز آرزو کہ اُس مرے انور سے جالموں
 یسُن کے شہ پہ ٹوٹ پڑ تیغزن تمام
 زخموں سے چور ہو گیا شہ کا بدنِ تمام
 بھاگے ہوئے سوار بھی ستے سے پھر پٹے
 جب خاک پر پڑنے لگا فاطمہ کا لال
 چہرے سے تھامیں امد اللہ کا جلال
 آلودہ تھے عذارِ مبارک غبار سے
 چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
 اس کے عوض پھر ادو چھری میرے حلق پر
 کٹنا ہر ایک حلق کئی گھر اُچڑتے ہیں

ماروں نہ دم جو لاکھ لگیں نیزہ ستم
 کیا دُل ہی جو تیغ دودم کو کروں علم
 اکبر کا نام سن کے کلیجہ نخل گیا
 یاد آیا اب کہ مر گیا بیٹا مرا جوان
 وہ برگ گل سے ہو ٹوٹا ہو کھٹی ہوئی زبان
 رُحوں گلے لگا کے میں اکبر کی لاش کو
 اعدا کو دی صدا کہ لڑائی ہوئی تمام
 پھر جائے قول سے یہ نہیں شیوہ امام
 دیکھا غضب تو صبر کے جوہر بھی دیکھ لو
 تنہا میں باحواس ہوں تم کو ہر اس
 پر کیا کروں کہ روح کا اکبر کی پاس
 جلدی کرو شہید کہ اکبر سے جالموں
 سینے کو تاکنے لگے ناوک فکن تمام
 جوں گل ہو میں ڈوب گیا بہرین تمام
 یاں تاک اٹھائے زخم کہ گھوڑے گریٹے
 اک بی بی نخلی خیمے سے بھڑائے سرِ بال
 ملتی تھی اس کی چال سے خیر النساء کی چال
 غل تھا کہ فاطمہ نخل آئی مزار سے
 کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النساء کا گھر
 ای ظالمو یہ حیدر صفدر کا ہی پسر
 ہی ہی یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

غش میں امام نے جوہن کی سنی صدا
 سرتن پہ ہوا بھی مے کیوں پھینکی رو
 پشیر ذبح ہوتا ہر میں نے جو اس ہوں
 مقتل میں بے عامہ ہیں محبوب کبریا
 اور سر بر ہنہ گرد علی کے ہیں اولیا
 اٹھ اٹھ کے جب زمین پہ پشیر گرتے ہیں
 ماں کی صدا یہ سن کے کجاری وہ دل نگار
 بھائی سے چھٹی ہوں کچھ کیوں کر ٹپے قلم
 اس سبکی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
 رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
 چلاتی تھی سکینہ کہ ہر ہر مے پر
 پردے سے منہ نکال کے کتکتے تھے
 راوی رقم یہ کرتا ہر اس معرکے کا حال
 منہ بھولا بھولا گوندھے ہو گیسوؤں کے بال
 زخما رو شنی میں فروں آفتاب سے
 چشم سیاہ ز گس شہدا پہ طعنہ زن
 وہ گورے گورے گال وہ پھر پہ بھولا پن
 زلفیں اڑیں سوائے تہ کوہوں مہاک گئی
 وہ چاند سا گلا وہ مہ نوسی ہنسلیاں
 وہ پیار پیارے اٹھ کر صدقے تھی جن پہاں
 تو نہ بازوؤں پہ کڑے اتھ پاؤں میں

گردن اٹھا کے بوسے کہ بھینا یہ کیا کیا
 آئی صدا سے فاطمہ بیٹی یہ ماں فدا
 تو گھر میں جا کہ میں تے بھائی کے پاس ہوں
 آتے ہیں غش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیا
 اک شور ہو کہ ہائے یہ رستے کیا کیا
 پروانہ کی طرح سے حسن گرد پھرتے ہیں
 اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے تیار
 ہر ہر یہ تن حسین کا اور بر چھوٹوں کے وار
 نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں
 اونٹنی تھیں بی بیاں ڈیوڑھی پہ تنگے سر
 تھیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی اشکوں آنکھیں
 مائیں جو بیٹی تھیں تو بچے بلکتے تھے
 نکلا اٹھا کے پردے کو ایک طفل خروال
 ماتھا تو رشک بدر بھویں غیرت ہلال
 کانوں میں بندے لے لے تھے ضراب
 نازک وہ لب کہ جس سے نخل برگ یا من
 گویا کہ درج لعل تھا غنچہ سا وہ دہن
 گوہر ہلا جو کان کا بجلی چمک گئی
 کرتا بدن میں پھولوں پہ نیم ہو جوں عیاں
 ہیکل گلے میں پہنے ہوئے ہر حفظ جاں
 دوڑا چچا کو دیکھ کے تیخوں کی چھاؤں میں

چلائی ہاں یہ پڑے کو سر کا کے ایک بار
 پھر آخدا کے واسطے پھر آرتے تیار
 لومٹ کے دیکھو خیمے سے باہر نکلتی ہوں
 یہ سن کے بھی پھر اج نہ وہ غیر ت مہر
 بولی پڑے دامن سپر اہن ہن ہن
 مہ جاؤں گی رنڈاپے میں مجھ کو نباہ لے
 واری میں تیرے پاؤں پر رکھتی ہوں اپنا
 کیونکر لڑو گے پاس نہ تلوار نہ سپر
 وہ کہتا تھا چچا کے بچانے کو جاتے ہیں
 تیغیں چلیں حسین پہ اور واہ ہم نہ جائیں
 اصغر تو اپنی ننھی سی گردن پہ تیر کھائیں
 کیا ڈر ہیں علی کے پسر کے پسر ہیں ہم
 جانے دو ہم کو مرنے کو اب تم تو گھر میں جاؤ
 راندوں کا بھی خدا ہو غم اولاد کا نہ کھاؤ
 پھر پھیاں فراق سید والائیں وتی میں
 یہ کہ کے ماں کے ہاتھ سے دامن چھوڑ لیا
 ہاتھوں کو ملتی رہ گئی ماں غم کی بستیا
 زخمی چچا کو دیکھ کے دل غم سے پھٹ گیا
 گردن میں ہاتھ ڈال کے وہ طفل ماہرو
 گھر کے دیکھتا کبھی اعدا کو چار سو
 خیمے سے سر پر ہنہ پھوپھی نکلی آتی ہیں

بیٹا کہہ کر کل گئے مادر سے بے قرار
 برسا ہے ہیں تیر ہزاروں ستم شعار
 اچھا نہ آؤ میں بھی کھلے سر نکلتی ہوں
 دوڑی کل کے خیمے سے مادر پر ہنہ سر
 بیوہ ہوں ادا یتیم حسن مجھ پہ رحم کر
 صدقہ حسن کی روح کال گھر کی راہ لے
 غصہ سے کانپتے ہو نہیں جاں کا خطر
 کرتے کی آستین چڑھائے چلے کہہ کر
 دامن کو چھوڑ دو ہمیں بابا بلاتے ہیں
 عمو نے ہم کو پالا ہے کس طرح جی بچائیں
 تیغیں چمکتی دیکھ کے مقتل سے ہم پھریں
 تلوار گر نہیں تو بچا کی سپر ہیں ہم
 دشمن نہ دیکھ لے کوئی چادر سے منہ چھپا
 قاسم کا داغ دیکھا ہمارا بھی داغ اٹھاؤ
 ساتھ ان کا چاکے دو کہ چچی اندھ ہوتی ہیں
 جلد ہی قدم اٹھا کے چچا کی طرف چلا
 جاہو پنا قتل گہ میں وہ مشتاق موت کا
 پھیلا کے ننھے ہاتھ گلے سے لپٹ گیا
 کرتا اٹھا کے منہ سے لگا پوچھنے لہو
 کہتا کبھی چچا سے کہ ادا شاہ نیکو
 گھر میں چلو کہ تم کو سیکھ بلاتی ہیں

زانو پہ ہاتھ مار کے شہ نے کہا کہ مارے
 مارے کوئی تمہیں تو چپا کس طرح بجائے
 بیکس چچا پہ فوج ستم کی چڑھائی ہو
 ناگہ ہجوم فوج ستم شاہ پر ہوا
 اس وقت نے قرار حسن کا پس ہوا
 گہ لڑکھڑکے شاہ کی گودی میں گرتا تھا
 کہتا تھا ظالموں سے کبھی وہ چشم نم
 بندے یہ اپنے کانوں کے دیتے ہیں تم کو ہم
 دوں گا دعا کریم ہوں ابنِ کریم ہوں
 اعدا کو نکلے ہاتھوں سے بڑھ کر شہا تھا
 چمکا کے تیغ جب کوئی نزدیک آتا تھا
 کہتے تھے شاہ تیغ نہ اس پر علم کرو
 آخر کسی کی تیغ ستم شاہ پر چلی
 زہرا کی روح کو ہوئی جنت میں بکلی
 تلوار ہاتھ کاٹ کے در آئی خود میں
 تڑپا زیں پر گر کے جو وہ طفلِ خرد سال
 اس سے لپٹ کے کہنے لگے شاہِ خوش حال
 اب دُبح کرنے شمر کوئی دم میں آئے گا
 آغوش میں چچا کی تڑپتا تھا وہ صغیر
 حضرت کے منہ کو تکتے لگا وہ مدِ منیر
 آنکھیں پھرائیں چاند سامنے زرد ہو گیا

یہ کیا غضب کیا کہ اس آفت میں سے آئے
 قسمت میں تھا حسین تمہارا بھی داغ اٹھا
 ماں سے تمہیں چھڑا کے اجلِ ن میں لائی ہو
 تیغیں اٹھا کے لشکر کیں حملہ ور ہوا
 جب تیغ آئی شہ پہ وہ بچہ سپر ہوا
 پروانہ کی طرح سے کبھی گرد پھرتا تھا
 بیکس پہ یہ ہجوم مسافر پہ یہ ستم
 بہرِ خدا چچا پہ نہ تیغیں کرو علم
 بچپن پہ میرے رحم کرو میں یتیم ہوں
 کرتے سے گاہ زخمِ جگر کو چھپاتا تھا
 شہ اُس کو تھامتے تھے وہ شہ کو بچاتا تھا
 وہ کہتا تھا کہ پہلے مرا سر قلم کرو
 چلایا ہاتھ اٹھا کے وہ بچہ کہ یا علی
 سر سے نہ اُس یتیم کے تیغِ قضا علی
 دستِ صغیر گر پڑے حضرت کی گود میں
 پھینٹوں سے خوب کی ہو گیا کرتا نام ل
 صدقے میں تیرے ہاتھوں کے ارجنہ کے لال
 جاتے ہو تم تو کون چچا کو بچائے گا
 بچے کے پیاسے صلق پہ مارا کسی نے تیر
 سر پیٹے زخمی ہاتھوں سے شاہِ فلک سے تیر
 منہ سے اگل اگل گل کے لہو سرد ہو گیا

آیا پکڑ کے خنجر کین شمر بد گہر
 حشر نے چونک کر کہا پیسا ہوں جم کر
 جلا دوزخ کرنے لگا بھوکے پیسے کو
 خیمے سے نکلیں پیٹتی سیدانیاں تمام
 تازہ ہی روز حشر تلک ماتم امام
 ہم آج ہیں شریک مگر کل نہ ہوئیں گے

اک آہ کر کے عیش ہوئے سلطان بجز
 فریاد ہی کہ پاؤں دھواشہ کے سینے پر
 پانی دیا نہ ہاے نبی کے نواے کو
 تن سے جدا ہوا جو سر سیدِ انام
 خاموش ای ابلتس یہ رونے کا مقام
 جب تک جہاں ہر شہ کو عوادار روئیں گے

رُبَاعِی

انما ز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے
 دریامے اشکوں کی والی سیکھے

بل یہاں آ کے خوش یہانی سیکھے
 رونا مری آنکھوں سے کرے حال بر

رُبَاعِی

مانندِ حباب ہستی انساں ہی
 سینہ کشتی ہی نا خداایاں ہی

دنیا دریا ہی اور مونس طوفاں ہی
 لنگر ہی جو دل تو ہر نفس با و مراد

متر (۲۰)

جب دشت مصیبت میں علی کا پسرایا
گردوں سے فروں اوج زمیں کا نظر آیا
خنداں ہوئے جوں گل سفری اہ خدا کے
گھوڑے کی عنان روکے بولے شرفی جا
سیدھی طرف خلد اسی دشت سے ہیرا
بھایا یہ مکاں دوش محمد کے کیس کو
یہ گوہر مطلوب کے پانے کی جگہ ہو
جنگل میں یہی چھاؤنی چھانے کی جگہ ہو
غربت کے نہ دکھائے دل نالاک اچھس گے
ہر چند کہ بستی نہیں ویراں ہو یہ صحرا
راحت کدہ نوح غریباں ہو یہ صحرا
فرحت ہوئی یوں آکے اس اُچھے پہن میں
مطلوب شہ عرش نشیں ہو تو یہی ہو
اکثر عالم کانگیں ہو تو یہی ہو
راحت بھی اسی جا عوض صبر ملے گی
آبِ بخِ مومن کی طرح پاک ہو یہ خاک
ہر در کا درماں تہ افلاک ہو یہ خاک
سجدہ بھی اسی خاک سے متاثر ہے گا

منزل کی طرف لیکے ستارے قمر آیا
تھا شور کہ دریائے شرف کا گہر آیا
فردوس کی بو آگئی جھوکوں سے ہوا کے
نہ ختم سفر ہو گیا المستی لہ
پایا ہر عجب نور صفائی ہو عجب واہ
جس طرح سے جھاڑے کی بالوں نہیں کو
فردوس سے نہرا کے یہ آنے کی جگہ ہو
واللہ یہ پھولوں سے بسا نے کی جگہ ہو
سُن لیجو کہ مرکز بھی نہ ہم یاں سے اُٹھیں گے
خوشبو میں مگر رشک گلستاں ہو یہ صحرا
غربت میں یہ ازماکِ لیماں ہو یہ صحرا
جس طرح سفر سے کوئی آتا ہ وطن میں
دنیا میں جو فردوس بریں ہو تو یہی ہو
مر جائیے جس پر وہ زمیں ہو تو یہی ہو
جنت ہو گھر اُس کا جسے یاں قبر ملے گی
غربت میں مدائے تن صد چاک ہو یہ خاک
اکسیر جہاں گرد ہو وہ خاک ہو یہ خاک
جو اس پہ جھکے گا وہ سرا فراز ہے گا

اس خاک کے رتبے کو کسی نے نہیں جانا
 چھوڑیں گے نہ اس خاک کی تسبیح کو وانا
 کم ہوں گے گنہ غنچہ اسید کھلے گا
 بیشک ہر مزیل مرض و دافع آزار
 جس مردے کے سینے پہ رکھیں گے اُسے پندار
 شمشیر غضب سامنے گر ہوگی حسد میں
 اُترے فرسِ خاص بے ہنستے ہوئے سرور
 صحرا کی طرف دیکھ کے خوش ہو گئے اکبر
 شہ بولے ہوا نہر کی بھائی تمھیں بھائی
 عباس نے کی عرض کہ مرغوب جگہ ہو
 آپ آئیں تو کتنی یہ خوش سہلوب جگہ ہو
 گرمی میں کہاں سرد ہوا چلتی ہو بھائی
 روئے یہ سخن کہ کے شہنشاہِ حجازی
 تجدیدِ وضو کر کے پھرے نہر سے غازی
 اک نور کا جلوہ تھا سپاہِ شہ دیں پر
 دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام
 ہنم ملک اعدا سے رہا نامہ و پیغام
 پیاسہ کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
 گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا
 پیاسوں کا وہ دریا کی طرف پاس تکنا
 خیمے میں سکیں کہ جو عیش پاتے تھے شہر

ہر عینِ عبادت سے آنکھوں سے لگانا
 دُور اُس کا نہ کم ہوئے گا جتنا
 سوزِ نگ کا اجر اس سے نہاری کو ملے گا
 اس خاک سے دنیا میں شفا پانگے ہمار
 ایسے فشار اُس پہ نہیں ہے گی زہار
 یہ اُس کے لیے سینہ سپر ہوگی حسد میں
 استادہ ہوئے خیمہ ناموس ہیمبر
 دریا پہ ٹھنڈے لگے عباسِ دلاور
 ہاں شیر ہو دریا کی ترائی تمھیں بھائی
 کیونکر نہ محبت ہو کہ محبوب جگہ ہو
 شہ بولے کہ ہاں سچ ہی بہت خوب جگہ ہو
 تم سا ہو بہشتی تو یہ جا ملتی ہو بھائی
 اونٹوں کے کھلے بار بندھ فیج کے تازی
 مصروف ہے طاعتِ خالق میں نمازی
 گویا کہ فلک عرش سے اترتے تھے زمیں پر
 تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہ شام
 اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سر انجام
 حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی
 وہ تالیشِ خورشید وہ دُروں کا چمکنا
 باقر کی وہ فریاد وہ اصغر کا سکنا
 روتے ہوئے گھر کے گل آتے تھے شہر

تاریخ نہم بھر گیا اعدائے وہ جنگل
تلواریں نظر آئی تھیں یا برہمپوں کے پھل
داں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
تھے مستحکم جنگ اہ سی روزِ ستمگر
تسلے ہوئے تلوار یہ ڈالتے تھے اکبر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا نے اپنی ہو
جوشاہ سے کیا ہو کہو عرض کریں ہم
سبقت کو نہ گرنے کریں قبلِ عالم
دیکھنے کا نہیں زور تھمتن سے ہمارا
لشکر ہو جری کون سا لشکر سے ہمارے
شیر آٹکے چرا جاتا ہو تیور سے ہمارے
پسپا نہیں ہوتے ہیں یہ پیشہ ہی ہمارا
موجود کسی کو نہیں والتد سمجھتے
غیظ آئے تو شیروں کو ہیں باہ سمجھتے
جاننا ز ہیں کوئین میں شہراہ ہمارا
خیمے میں گئے حضرت عباس دلاور
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر
خاموش ہیں سب حکم امام دو جہاں
آگے مے بڑھ بڑھ کے نشانِ فوج کے کھو
سینے میں لگی آگ پڑول میں پھپھولے
نامر دشتی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں

ہرمت سے فوجوں کے اُمڈ کئے بال
دریا بھی غریبوں کے ہوا آنکھوں سے اُٹھل
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے ادھر یکساں آئی
رو کے ہوئے تھے فوج کو عباس دلاور
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جاؤ گئے سر
یاں خیمہ ناموس رسولِ عربی ہو
کثرت پہ جو پھولے ہو تو کچھ ہم بھی نہیں کم
کردیں ابھی لشکر کی صفیں درہم درہم
شمشیر زنی کام ہو بچپن سے ہمارا
تھرتا ہوا رستم کا جگر ڈرے ہمارے
نکلا ہو شجاعت کا چلن گھر سے ہمارے
تھے شیر خدا جس میں وہ پیشہ ہو ہمارا
ہیں عالمِ فانی کو گزر کاہ سمجھتے
ہم وقت و غاکوہ کو ہیں کاہ سمجھتے
شمشیرِ یزد اللہ پہ قبضہ ہوا ہمارا
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہوا برادر
قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں اس سے
مُنہ پر کسی بار آگئے تلواریں کو تو لے
آقا کے مگر خوف سے کچھ ہم نہیں لہے
رو باہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

اک کھیل ہوا تو انھیں پیاسوں کا ستانا
 آساں نہیں کچھ منہ پہ جو اندروں کے آنا
 بچ بھی ہر اک شیر ہر سادات کے گھر کا
 دیکھیں کوئی لڑکوں پہ بھلا ہاتھ تو ڈالے
 ہر صفا بھی اُٹے جو چلیں چھوٹے سے بھالے
 رکتے نہیں آجاتے ہیں جب غیظ و غضب میں
 اعدا سے اور اکبر سے جو اس دم ہوئی تھرا
 یاد آگیا مجھ کو غضبِ حیدرِ کرار
 کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
 سمجھانا تھا میں اور یہی کہتے تھے پیارے
 یہ اہل ستم قابلِ تعزیر ہیں سارے
 آقا یہ ہمارے ہیں کہ آقا کے پسر ہیں
 شہ نے کہا سرینے کا وعدہ جو نہ کرتا
 اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھرتا
 تنگ آن کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
 موت ہوا بھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
 اللہ تو ہی میری طرف فوج ہو گو کم
 اُس سے کبھی جنگ میں سبقت نہ کریں گے
 لڑکوں کو جو روکا میں بہت خوش ہوا بھائی
 بچوں نے کبھی کاہے کو دیکھی ہو لڑائی
 بڑھتے تو کبھی صورتِ شمشیر نہ رکتے

کیا جانیے کیا ہو ہیں ان لوگوں نے جانا
 تلواریں جو پینچیں تو اُلٹ جائے زانا
 اعدا کی نہ سب فوج نہ اک طفل ادھر کا
 دم بند کریں فوج کے پیہیلیوں والے
 خندق کی طرح بنے لگیں خون کے نالے
 بچے ہیں مگر غیظِ یدِ اللہ ہو سب میں
 بڑے تھے غضبِ آپ کی شمشیر کے دلدار
 اکبر سے بھی کچھ آگے بڑھ جاتے تھے ہمارے
 میں نے اوبھیں روکا نہیں لشکر پہ چلتے تھے
 کیوں نام لیا شمر نے ماسوں کا ہمارے
 کر دیتے ہیں پسپا انھیں تلواروں کے مارے
 کیونکر نہ بڑھیں ہم علی اکبر کی سپرہیں
 طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضہ نہ پھرتا
 ہاتھ اون کے نہ بڑھتے نہ قدم ان کا ٹھرتا
 اون لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑگا
 آنے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں اظلم
 نے زخم لگے ہاتھ اٹھانے کے نہیں تم
 واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے
 کیا قہر تھا لٹ جاتی جو زینب کی کمائی
 اعدا کی درستی کی اوبھیں تاب نہ آئی
 غصہ میں کسی اور سے وہ شیر نہ رکتے

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
فرزندوں کو زینب کے لئے اورادر

کنا کہ چلو اسٹکوں سے منہ دھوئے ہیں شہید

فوج ستم آرا کو یہ دیجو مرا پیغام

غربت میں ٹھہری بھرتو مجھے لینے دو آرام

ہمہات جہیت ہوئی کیا قوم عرب کی

اب ظہر کا ہنگام ہوا اور دن بھی ہوا آخر

ہر نے سرو ساماں ابھی یثرب کا مسافر

حسرت نہ ہے طاعتِ بے وسرا کی

کھلواتا ہوں صندوق کھلواتا ہوں ہتھیار

تابوت سکینہ میں ہوا کہ قوم ستمگار

یثرب تو لڑائی کے سر انجام کی شب ہر

اک شب بھی گوارا نہیں تم کو مرا جینا

کل چار پہر ہیں نہ برس ہو نہ مہینا

کل قبر سے زہرا کے گل آنے کا دن ہر

یسن کے گیاشیر قریب صفِ کفار

واجب ادبِ جنگ میں بہتر نہیں اصل

ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمہیں کیا ہو

شکر سے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار

چھنچھلا کے یہ بولے کئی اس فوج کے سردار

کچھ شرم نہیں تجھ کو یہ کیا نے ابلی ہر

اعدا کو بھی الکر کو بھی سمجھاؤ برادر

وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر

تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شہید

لڑکوں سے ہر کرا کر مجھ سے ہر نہیں کام

اچھا نہیں بیس کا ستانا سحر و شام

مہاں ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

میں صبح کو خود ہونگا کمر باندھ کے چلے

جائے گا کہیں یاں سے نہ یہ صبار و شاکر

تم سو عبادت میں کروں اپنے خدا کی

آراستہ ہوتا ہوا نشانِ شہِ ابرار

نانا کی زرہ حیدر کراڑ کی تلوار

تم جاگیو کل سے مرے آرام کی شب ہر

مظلوم سے یہ نبض مسافر سے یہ کینا

کل خوں میں ڈبو دیجو محسوس کا سفینہ

کل خانہ سادات کے لٹ جانے کا دن ہر

فرمایا کہ اے قوم جفا کار و ستمگار

شہید ہیں اک اہل کی مہلت طلبگار

بس خیر وہ کل ہو گا جو منتظرِ خدا ہو

کہ وہ کہ نہیں ملنے کی مہلت تمہیں نہ ہر

دیتے ہیں جو کا فر بھی ہو مہلت کا طلبگار

شہید تو فرزندِ رسولِ عربی ہو

اک شب کی ماں دینے نہیں تر کیا ہو
 مظلوم پہ آفت ہو مسافر پہ جفا ہو
 فاقوں پہ نہ غربت پہ نظر کرتا ہو ظالم
 عابد پہ یہ نرغہ یہ نمازی پہ چڑھائی
 پانی نہ دیا خیر کہ بگڑی تھی لڑائی
 سید کو عبادت کی اجازت نہیں دیتا
 تو ہنسنا ہو اور روتے ہیں اس پاکس محرم
 پانی سے تو کافر کو بھی رکھتے نہیں محرم
 خورشید ہدایت ہو امام دو جہاں ہو
 دیکھا جوتقی نے کہ میں گمراہ ہے سردار
 دی رات کی مہلت ہیں مہلت کے طلکار
 پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
 عباس دلاور نے کہا ہو کے غضبناک
 آگے مے یہ بے ادبی منہ میں تر خاک
 کیوں کھدو اس سبب پہ انگشت سناں کو
 بھاگا وہ بڑھے ہونٹ چپاتے ہوئے عباس
 کی عرض یہ جا کر پسر فاطمہ کے پاس
 مہلت بھی ملی رُخ بھی پھلا اہل جفا کا
 گزرا جو وہ دن شام مصیبت نظر آئی
 ماتم کی غریبوں کے علامت نظر آئی
 راحت دل عالم سے فراموش ہوئی تھی

اوس پر یہ تعدی جو گرفتار ہوا ہو
 یہ جبر و مجھ کی شریعت میں روا ہو
 تو خیر کے بھی کام میں شہر کرتا ہو ظالم
 مہانوں نے دو دن سے غذا بھی نہیں پائی
 روکے ہیں ترے حکم سے دریا کی ترائی
 ظلم کہ اک رات کی مہلت نہیں دیتا
 یاں جشن ہو اور ہائے حسینا کی اُدھر دھوم
 ای شمر محمد کا نواسا ہو یہ مظلوم
 قرآن سے روشن ہو حدیثوں سے عیاں ہو
 عباس دلاور سے لگا کہنے جفا کار
 خیر آج کریں اور عبادت شہ ابرار
 کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے گمراہ
 تو کاٹے گامیروں کے گلے اور گناہ پاک
 بیکس ہوا ایسا پسر سید لولاک
 دکھلا دوں مزا چھید کے خیر سے زباں کو
 نیچے میں گئے ساتھ لیے سب کعبہ بند اس
 طم ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
 رو کر شہر والا نے کہا شکر خدا کا
 پردے میں چھپا مہر تو ظلمت نظر آئی
 کھولے ہوئے گیسو شب آفت نظر آئی
 دنیا غم سرور میں سیہ پوش ہوئی تھی

جنگل میں اُداسی تو وہ اور شام کا ہونا
 پانی کی تنہا میں وہ مُنہ اشکوں سے دھونا
 لوں چلتی تھی جب تک میں اٹ جاتے تھے بچے
 آتی تھی رندوں کی صدا گونجتے تھے شیر
 گل پہنے میں شیموں کے نہ لگتی تھی فدا دیر
 جب اٹھتی تھیں چہ بیت جھکا جاتا تھا خیمہ
 اُپر سے ہوتے جنگل کی ڈرائی وہ صدائیں
 دھڑکا تھا کہ جائیں نہ کہیں گچوں کی جائیں
 یاں آن کے پانی سے پھٹے کھانے سے پھوٹے
 خیمے کو خدا اگر دشا کروں سے بجائے
 حافظ المہدبت ہاموں سے بجائے
 منزل پہ یہ آفت یہ تباہی نہیں دیکھی
 آتی تھی صدا خیمے کے پیچھے سے یہ ہر آن
 جنگل میں یہ کیا بن گئی ہو تجھ میری جاں
 بابا بھی نہیں عالم تنہائی ہو بیٹا
 مادر نے جو چھائی پہ سلا کر تھیں پالا
 مرتے ہی مرے تجھ پہ یہ دیکھ چرخ نے دلا
 خاک اُڑتی ہو لوں چلتی ہو میدانِ بلا میں
 اُنہ کے لیے اپنا وطن چھوڑ کے آئے
 نانا سے چھٹے قبر حسن چھوڑ کے آئے
 پائی نہ کہیں اور جگہ امن و اماں کی

بچوں کا وہ کھانے کے لیے بھوک میں اُداس
 فاقوں میں کہاں نیند کہاں چین سے سونا
 ماؤں سے اندھیرے میں لپٹا جاتا تھے بچے
 سب فرشتہ پہ آندھی خست خاک کا ٹھہر
 کرتی تھی اندھیرے میں ہوا اور بھی اندھیر
 بھرنی تھی ہوا جب تو اڑا جاتا تھا خیمہ
 تھراتا تھا کوئی کوئی پڑھتا تھا دعا میں
 کس طرح اس آفت میں جگہ امن کی پائیں
 ہو صبح تو جانیں کہ سپہ خانے سے پھوٹے
 خالق ستم لشکر ملعون سے بجائے
 اللہ ہمیں آفتِ شبخوں سے بجائے
 ہر ہو کسی شب میں یہ سیاہی نہیں دیکھی
 ہر ہو مرا بچہ ہر اسی رات کا مہان
 دو روز کے پیارے تری غربت میں قربان
 گھر سے تھیں جنگل میں اہل لائی ہو بیٹا
 سایہ سے کبھی دھوپ میں باہر نہ نکالا
 آفت میں نہیں آج کوئی پوچھنے والا
 نیند آئے گی کیونکر تھیں اس گرم ہوا میں
 صبرا کو اگر فنا رُخ چھوڑ کے آئے
 اس وشت کے کاشٹوں میں چھوڑ کے آئے
 جنگل وہی بھایا تھیں تھی خاک جہاں کی

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زینب ناشاد
 کیونکہ انھیں چین آئے کہ گھر ہوتا ہی برابر
 کل کچھ نہ کچھ آفت ہو جو گھبرائی میں اماں
 جس روز حسن بھائی سے ہوتی تھی جلالی
 لاؤ صنف ماتم کہ ہوئی گھر کی صفائی
 پیٹو کہ شب قتل شہ جن و بشرے
 غش میں جو ابھی آنکھ مری نگ گئی ناگاہ
 فرمائی تھیں روو کے بصد نالہ جا نگاہ
 بسمل ہوں پھری میرے کلچے پہ چلی ہو
 میں نے کہا کیوں بالوں پہ خاک اپنے ڈالی
 حیدر کی بہو ہوئے گی نئے وارث دالی
 کیونکہ کہوں تجھ سے کہ جگر چاک ہو زینب
 رونے سے اسی حال میں گزری جو پیرت
 عباس دلاور کو بلا کر یہ کہی بات
 کچھ دور نہیں بے ادبی فوج شقی سے
 سب کھینچ کے خیمے کی طنائیں کرو یکجا
 گرمی کی اگر جووے تو ہو پیاسوں کو ایذا
 ہر دُکھ میں مدد ایزد غفار کرے گا
 سرگرم اطاعت تھے جو عباس علمدار
 بٹھلائے جلال دیورھی پر دیرینہ ہشیار
 تے سے جو واقف تھے ہر اک نشانی کے

پہچانتی ہوں خوب یہ اماں کی ہر فریاد
 مرنے پہ بھی رحمت نہیں دیتا غم اولاد
 لوصا جو تربت سے نکل آئی ہیں اماں
 اُس نسب کو بھی اماں کی صلہ تھی ہیں آئی
 بس خاتمہ ہوا بت بچے کا مرا بھائی
 اماں کا یہ رونا نہیں ماتم کی خبر ہو
 عریاں سر زہر اُٹھ آیا مجھے واللہ
 آرام کی یشب نہیں ایز زینب فی جاہ
 بیٹھی یہ شب قتل حسین ابن علی ہو
 فرمایا کہ گھر صبح کو ہو جائے گا خالی
 کل شام سے اوڑھو نگی ردافرق پہ کالی
 تشہیر کے سقتل کی یہ سب خاک ہو زینب
 سجادہ طاعت سے اُٹھے قبلہ حاجات
 ہم بیچ میں ہیں گرد ہر سب لشکر بد ذات
 ہشیار ہو خیمہ ناموس نبی سے
 تا ایک ہی جانب سے ہے آنے کا تر
 خندق میں رہے چار طرف آگ مہیا
 پیاسوں پہ خدا نار کو گلزار کرے گا
 بھڑکا دیا خندق میں وہیں گ کو کیا ہر
 بھیجے عقب خیمہ حفاظت کو کچھ اسوار
 خود پھرنے لگے گرد خیمام شہ دیں کے

نعرہ کوئی کرتا تھا کہ یا حبیبِ درِ کرار
 خاموش کھڑا تھا کوئی کھینچے ہے تلوار
 گستاخا غلامدار کوئی اور نہیں ہو
 کرتے ہو مصیبت میں جو تم سب درشاہ
 راضی ہو خدا تم سے خوشی ہیں شہ فی جاہ
 جو خواب میں دیکھا نہ ہو وہ باغ کھلے گا
 جب تین پہر رات عبادت میں گزاری
 پچھلے سے دعائیں تھیں بس اور طاعتِ باہمی
 ہر حال میں حضرت کی نظر سوئے خدا تھی
 ناگاہ بیاضِ سحر غمِ نظر آئی
 صبحِ شبِ عاشورِ حرمِ نظر آئی
 جھوکا جو درختوں کو لگا سرد ہوا کا
 وہ نور کا ترکا وہ دمِ صبح کی سردی
 بھولی ہوئی تھی وحشیوں کو شہتِ فردی
 سامان تھا واں قتلِ امامِ دو جہاں کا
 استادہ ہوئے بہر نمازِ سحری شاہ
 حقا کہ عجب اختر تاباں تھے عجب شاہ
 مقبول تھی وہ پڑھ کے دو گانا جو دعا کی
 فارغ ہوئے جب شکر کے سجدے شاہ ابرار
 ناموس کے نیچے میں گئے شاہِ خوش الطوار
 فرمایا کہ خوش ہو کہ سوتی ہو سکیں

مطلب دوم

لکھتا تھا کوئی کہ ہاں بھائیو ہشیار
 کون آتا ہو کوئی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
 گھبراؤ نہ عباس غلامِ شہ ہیں ہو
 بس حقِ رفاقت ہو یہی اجرِ کمِ اللہ
 ہاتھ آئی ہو کیا دولتِ بیدار تھیں واہ
 قبروں میں بھی اس جاگئے کا لطف لے گا
 یاں جاگ تھی سوتا تھا ادھر شکر ناری
 شہِ مودِ ظائف تھے حرم کرتے تھے ناری
 سجدے تھے کبھی اور کبھی است کی دعا تھی
 مستاب چلا رات بہت کم نظر آئی
 انجم کی جو صحبت تھی وہ برہم نظر آئی
 مرغانِ چین کرنے لگے ذکرِ خدا کا
 جنگل میں گلوں کی کہیں سرخی کہیں دی
 بکھیریں تھیں یاں کبھی تھی واں صبح کی فردی
 یاں شور تھا گلستاں نہرا میں انساں کا
 صفِ باندہ لی سب نے عقبِ سیدی جاہ
 ہر حال میں تھے قبلہ کوین کے ہمراہ
 خان نے او نہیں دولت کوین عطا کی
 تسبیحیں پڑھیں رہے سجے جاگ کے ہتھیار
 حیرتِ نظر کی طرفِ خواہرِ غنچوار
 زینب نے کہا شام سے روتی ہو سکیں

بے آپ گئے اس کو کبھی نیند آئی نہ بھائی
 اُس چاند سی چھاتی کی جو اُس نے نہ پائی
 فرقت ہو تو حال اُس کا خدا جانے کیا ہو
 بیٹی کا سنا حال تو رونے لگے حضرت
 افسوس یہ سن اور یہ یتیمی کی مصیبت
 مشکل ہو پھر آنا ہمیں تیغوں کے تلے سے
 روئے سخن یاس یہ سن کر حرم پاک
 دستار پر اللہ قبائے شبہ لولاک
 اُن زلفوں میں دیکھا جو رخ اُس خاصہ رب کا
 حاصل جو زرہ کو ہوا دل تن شیر
 دستاؤں کو ہاتھ آئی عجب صحبت دیر
 باندھا جو کمر میں تو یہ پر تو لطف کیا
 پایا تھا جو قرب کمر سبطِ ہیمبر
 چار آنہ دکھلانے لگا او ج سکندر
 کہتی تھی سپر دولت دیں آج ملی ہو
 جب سچ چلے ہتھیاروں کو تن پر تبار
 خود بینی سے نیکیوں کو سدا رہتا ہوا نگار
 پر تو ہو جہاں تو رکا وہ سینہ ہر میرا
 فضلے سے یہ فرماتا تھا وہ صاحبِ توقیر
 خود ہاتھوں کو پھیلا کے یہ بولے شبہ دیر
 بابا تری اس چاند سی صورت پہ فدا ہو

بچوں کو دکھائے نہ خدا داغِ جدائی
 ماں پاس نہ لیٹی نہ مری گود میں آئی
 تھمتا ہو کوئی باپ سے بچہ جو ہلا ہو
 فرمایا کہ لکھی تھی اسی عمر میں فرقت
 اللہ نگہبان ہم اب ہوتے ہیں نصرت
 لے آؤ کہ رو لیں اُسے لپٹا کے گلے
 پہنی شبہ والے تن پاک میں پوشاک
 گردوں پہ ہوئے غم سے ٹالکے جاچاک
 آنکھوں میں سمان پھر گیا مہر کی شب کا
 داؤد پکارے کہ زبے عزت و توقیر
 بوسہ جو لیا چرخ پہ پہونچا سر شمشیر
 خورشید کے پہلو میں مہ نور نظر آیا
 جامے میں سماتی تھی نہ شمشیر دو پہیک
 گردوں پہ کلہ پھینکتا تھا فخر سے معطر
 دیکھو مجھے اس دوش پہ سراج ملی ہو
 دکھلانے لگی آنہ فضلہ جگر انگار
 حضرت نے کہا آنہ ہو حال تن زار
 میں ہوں وہ سکندر کہ دل آنہ ہو میرا
 جو آئی سکینہ کو لیے شاہ کی ہمشیر
 آامری پیاری ترا مشتاق تھا شیر
 کیوں آکے لپٹی نہیں کیا ہم سے خفا ہو

نو جانے دو غصہ کو مری گود میں آؤ
 مہاں میں تمہارے ہمیں بی بی نہ رلاؤ
 ہم پونے کہیں تم کہیں جاؤ گی سکینہ
 ہر صبح فراق پذیر کیس و ناکام
 لکھا تھا بہت کم تری تقدیر میں آرام
 ہر زیست کی لذت یہی جو دم تھیں دیکھیں
 فرصت جو عبادت کے سبب ہم نے نہ پائی
 کچھ دور نہ تھے ہم پہ تھیں نیند نہ آئی
 غم باپ کا اور قید کا دکھ جان حزن پر
 چھوڑا نہ کبھی چار برس تک مرا پہلو
 وال ہو گا کہاں سر کے تلے باپ کا بازو
 کیوں دم مرا صدمہ سے نہ گھبرا سکینہ
 حضرت نے جو بیٹی سے کیے سخن یاس
 گودی میں گئی باپ کی گھبرا کے وہ یاس
 دشوار تھا ہجر پذیر اس رشک چین پر
 منہ پر کبھی منہ ملتی تھی دے دے کہیں
 کہتی تھی کبھی گھر سے نہ حضرت کہیں جائیں
 آنے دو اگر پیاس سے غش آئے گا بابا
 کیوں گرٹھتے ہو بابا مجھے ایسی تو نہیں پیاس
 اس وقت کی باتوں سے بہت ہر مجھے پوس
 پھر کل کی طرح نمند مری کھو گے بابا

ہم آنکھیں ملیں چہرے سے منہ آگے تولاؤ
 عاشق جو ہماری ہو تو آنسو نہ بہاؤ
 ڈھونڈھو گی تو پھر ہم کو نہ پاؤ گی سکینہ
 دن ہجر کے آپہونچے گئے وصل کے ایام
 دکھلائے گی یہ صبح پتیلی کی تھیں شام
 تم دیکھ لو جی بھر کے ہمیں ہم تھیں دیکھیں
 یہ آخری شب عمر کی تھی ادمری جانی
 کیا ہووے گا جب مگی مہینوں کی جالی
 کیونکر تھیں نیند آئے گی زنداں کی میں پر
 منہ چھاتی پر رکھ کر تھیں سوچا کی تھی غو
 اٹ جائیں گے اب گریختی سے یہ گیسو
 یہ تیرا گلا اور رسن ہائے سکینہ
 دل ٹکڑے ہوا رونے لگے حضرت عباس
 رخ زرد تھا نیلے تھے لب لعل یہ تھی سپاہیں
 باہیں تو گلے میں تھیں دہن شہ کے دہن پر
 لیتی تھی کبھی تنھے سے ہاتھوں سے بلا میں
 روتی نہیں میں آپ نہ اب اشک بہا میں
 تم جیتے رہو پانی بھی مل جائے گا بابا
 کمتی نہیں پانی کی سلامت میں عباس
 کیا آج کی شب کو بھی نہ رہے گا مے پاس
 میں بھی وہیں سوؤں گی جہاں سوو گے بابا

نئے کیلچے پر مے چلتی ہو تلواری

کیا قصد ہو جانا ہو کہاں یا شہ ابرار

صدقے گئی ناقول پر حرم ساتھ نہ ہونگے

شہ بے کے درمیش ہو مجھ کو وہ سفر آہ

بھائی ہو کہ بیٹا ہو گدا ہو کہ شہنشاہ

وہ راہ ہو دھڑکا سحر و شام ہو جس کا

کرتا نہیں غربت میں کوئی اگے مدد تک

پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہنچا کے بھرتک

نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحب تخت و علم و تاج

شاہان جہاں فخر سے دیتے تھے جھینج

سکہ ہو نہ وہ اور نہ وہ تاج و نیکیں ہیں

اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ

نہ مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ

آجاتی ہو واں موت جہاں گھر نہیں ہوتا

آرام کے خوگر کو ہر سختی کی کہاں تاب

تربت میں کہاں رحمت آرام کا ہباب

گھبراے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا

پہلو کے نہ تکیے نہ وہ رحمت کا بچھونا

بستر ہی مٹی کا وہی قبر کا کونا

رہتا ہو لباس ایک بہر حال گئے ہیں

کھلتا نہیں کچھ آپس کیوں باندھے ہیں ہتھیار

تشویش کچھ ایسی ہو کہ بھولا ہو مرا پیار

کیا یہ سفر ایسا ہو کہ ہم ساتھ نہ ہوں گے

ایک ایک قدم جس میں ہیں سو صد منہ جاننا

جز نیک عمل جا نہیں سکتا کوئی ہمراہ

پہلی ہو وہ منزل کہ کد نام ہو جس کا

گر ساتھ گیا ہو تو کوئی قبر کی حد تک

وہ خانہ تاریک وہ تنہائی ابد تک

تنہا یو ہیں شاہان اولوالعزم گئے ہیں

نوبت یہ ہوئی ہو کہ نشان اُن کے نہیں آج

وہ قبر میں ہیں سورہ الحمد کے محتاج

دولت تو خزانہ میں ہو خود زیر زمین ہیں

یاور نہ مصاحب نہ حجاب نہ وطن ساتھ

دنیا کے کل اسباب کا ہوتا ہو کفن ساتھ

بہتوں کو کفن تک بھی عیسر نہیں ہوتا

شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے خوب

جز داغ جگر روشنی شمع ہو نایاب

کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

دشوار ہو داں سر کے تلے ہاتھ کا ہونا

وہ یاس سے رخسار و دھڑے خاک کا ہونا

بر میں کفن اور نامہ اعمال گلے میں

صحبت تھی شب و روز کی جس وہ کہا پس
 وہ قبر کا ڈر پریش اعمال کا وسواس
 دکھلا میں تزک چار دن افلاک کے نیچے
 کیا ان کو خبر جو کہ مکاؤں میں مکین ہیں
 تاریکی مرقبے وہ آگاہ نہیں ہیں
 مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
 بتلاؤ مسافر کو نہ تویش ہو کیونکر
 غربت میں نئی راہ نئے لوگ نکال گھر
 تربت بھی نہ جلدی مری دل سوز ملے گی
 یہ کہہ کے بہت روئے شہنشاہ مدینہ
 ہو آج تلامذہ میں محسوس کا سینہ
 جائے گا سوئے شام یہ سرتیغ سے کٹے
 وہ کہتی تھی بشہ نہ گودی سے اُتارو
 ننھے سے کلیجے پہ نہ اب برچھیاں مارو
 ہوتا ہے خفایوں کوئی نازوں کے پلے سے
 سینے پہ مرے ہاتھ تو رکھیں شہ والا
 چٹکوں کی سر اپنا جو قدم گھر سے نکالا
 مرجائیں گے گراپکے دشمن توجیوں کی
 بچنے کی نہیں جان اب اس تشنہ دہن کی
 منظور ہو گر سیر شہادت کے چمن کی
 اماں کے بھی رونے کا نہ غم کھاؤں گی بابا

ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم ہیں
 اوس ملک دنیا میں پھرنے کی نہیں آس
 سب شاہ و گدا ایک ہیں خاک کے نیچے
 خویش و پسر و ہمدم و احباب ہیں
 پوچھے کوئی ان گول سجور میں ہیں
 شب ہوتی ہو کس طرح سحر ہوتی ہو کیونکر
 نہ راحلہ نہ زادِ سفر پاس نہ رہبر
 وہ خانہ پیر ہول، یہ آرام کا خگر
 منزل وہ ہمیں بعد چل روز ملے گی
 فرمایا کہ لو جاؤ پھوپھی پاس سکیٹ
 مشتاق ہو اب ظلم کے تیروں کا سینہ
 بس چار برس سوچیں چھاپتی سے پٹ
 آئی ہو بلا سر پہ تو پہلے مجھے وارو
 مرجاؤں گی بابا نہ سدھارو نہ سدھارو
 ہو ہر مے ہاتھوں کو چھڑاؤ نہ گلے سے
 ہر ننھے سے سینے میں کلیجہ نہ وبالا
 کیا داغ دکھانے کے لیے تھا مجھے پالا
 رستی سے بندھے گی مری گردن توجیوں کی
 تدبیر کیے جائیے ننھے سے کفن کی
 اچھا مجھے کیا راہ نہیں ملنے کی ہن کی
 میں چھوڑ کے ان سب کو چلی آؤ گی بابا

بیٹی سے جدا ہو کے کہاں جاتے ہیں حضرت
 وہ کون ہے جس کی جو یہ الفت یہ محبت
 جو خاص ہیں ان میں وہ ہمارے ہیں سکینہ
 ہو جائیں جب اٹھارہ بنی فاطمہ بصر
 اسباب لیے قید ہو سجاد جے گھر
 راضی ہوں ہیں واللہ ستم مجھ پر یہ پستان
 یوں کہنے لگی سینے پہ منہ رکھ کے وہ ناداں
 حضرت نے کہا سخت مصیبت ہو رہی جاں
 تن آتش غم سے صفت شمع گھلے گا
 اب تک تو ہو یہ ظلم کہ ملتا نہیں پانی
 تم لاکھ کہو گی کہ میں بابا کی نشانی
 جلا دہری روح کو غمناک کریں گے
 یہ کہ کے جو شر نے اُسے گودی سے اُتارا
 ہمیشہ سے حضرت نے کیا رو کے اشار
 حضرت پر بھی دشوار تھی ماں علی کی خدمت
 پھٹتا تھا جگر شاہ کا زینب کے بیاں سے
 کہتی تھی بہن کو بچ ہو بابا کا جہاں سے
 کیا کیا مرے کام آئی ہیں اس رنج و غم میں
 بچپن کے کسی دکھ میں برادر کو نہ چھوڑا
 تنہا کبھی فرزندِ پیر کو نہ چھوڑا
 رقت نہ ہوا ک دم یہ دعا شام و سحر تھی

کس کے لیے ہم سب کی گوارا ہوئی فرقت
 حضرت نے کہا وہ مرے نانا کی ہر امت
 وہ تم سے زیادہ ہیں پیارے ہیں سکینہ
 اور داغِ تیزی ہو تجھیں ادھر ہی دلبر
 تب آتشِ دوزخ سے بچیں شیعہ حیدر
 پر حشر میں شیعوں کو نہ کچھ رنج و تعب ہوں
 کہتے ہیں یتیمی کسے میں آپ کے قرباں
 یہ داغ ہو بچوں کے لیے موت کا سماں
 یہ حال تجھیں عصر کے بعد آج کھلے گا
 پھر باز دھینگے رستی سے گلا ظلم کے بانی
 لوٹیں گے یہ بندے بھی ترے دشمن جانی
 موتی کے لیے کان ترے چاک کریں گے
 غش ہو گئی بانو نہ رہا ضبط کا یارا
 آؤ کہ لگا لیں تجھیں جھاتی سے دوبارا
 کم تھی نہ قیامت سے بہن بھالی کی خدمت
 کیا درد کے الفاظ نکلتے تھے زباں سے
 شہ کہتے تھے میں آج جدا ہوتا ہوں ماں سے
 سب طور تھا اماں کی صحبت کا بہن میں
 فاقے کیے اکثر مگر اس گھر کو بچھوڑا
 چھوڑا وطن اور نائب حیدر کو نہ چھوڑا
 غربت میں بچھڑ جانے کی لیکن نہ خبر تھی

یہ کہ کے چلے شاہ کچھی یاں صف ماتم
مہر کھولے ہوئے پیٹتی کھتی بانوئے پرغم
در تک بھی نہ پہنچے تھے کہ غش کر گئی زینب

نکلے دو دولت سے شہنشاہ فلک جاہ
اٹھارہ بنی فاطمہ تھے آپ کے ہمراہ
تھا فرش سے تاعش سماں جلوہ گری کا

سکھان سادات یہ کہتے تھے اشارے
آتی تھی صدا گروہیں یاں نو تھارے
پسب وہ ہنر ہیں جو بنے نور خاں سے

تے ہیں زیادہ ملک و چور سے ان کے
کرتا ہر قمر کسب ضیا نور سے ان کے
آخر تو نخل آئیں گے سائے جو چھپیں گے

دیکھا نہ نقاب نے جو رخ قبلہ عالم
حضرت نے عجب پیار سے دیکھا انھیں ہم
نازاں ہیں عنایات شہ تشہ نگلو پر

گردان کے دامن جو بڑھے سپہ ابرار
فرمانے لگے بڑھ کے یہ عباس خورش اطوار
جبریل پکارے نہیں حاجت ہر کسی کی

اسوار ہوا جب وہ وہ عالم کا خزانہ
گھوڑا جو بڑھا کا بکشاں بن گیا چادہ
ہمراہ علم دھوپ میں تھا ظل خدا بھی

گویا کہ ہوئی بزم عزاد رہم و رہم
برپا تھا یہی شور کہ ہر ہر شہ عالم
سر پیٹ کے فضلہ نے کہا مر گئی زینب

پرے سے ہوئی جلوہ نفا قدرت اللہ
جھرمٹ تھا ستاروں کا زمیں پر عقبہ
ڈپوڑھی کھتی دیر چہ فلک نیلو فری کا

دیکھو کہ زمیں پر بھی نکلتے ہیں ستارے
تائے یہ وہ تائے ہیں جو ہیں سارے
ہر عرش بھی روشن تھیں تاروں کی ضیائے

جلوے ہیں فزوں روشنی طور سے ان کے
عابد ہیں یہ نطائے کر و دور سے ان کے
پھر ان کو نہ دیکھو گے یہ تائے جو چھپیں گے

جرے کے پستل علی کہ کے ہوئے خم
ہرک کی زباں سے یہی نکلا کہ خدا ہم
سو سر ہوں تو قربان کریں ہر سر ہو پر

لینے کو رکاب آئے فہقان فاوار
اس خدمت عالی کا ہر بندہ ہی سزاوار
بچپن سے بھی خادم کو تنہا تھی اسی کی

شکر کا ہوا چاہ و چشم اور نہ پاوہ
جبریل چلے ساتھ سواری کے ہماوہ
جبریل بھی تھے ساہن گلن سر پہ ہما بھی

تھوڑا سا تو لشکر پہ خوشا عجب ہے شان
 وہ حسن کہ حورانِ جاناں جن پہ ہیں قربان
 خورشید بھی شرمندہ ہو رخ جلوہ گرایے
 وہ چاند سے ماتھے وہ قبائیں وہ عبا میں
 تن پھول سے غنچوں کی طرح تنگ قبائیں
 نورِ مہ کا مل کبھی سینے کو نہ پہنچے
 کس شان سے شملوں کے سر دوش پہ چھوڑا
 یقین بھی جو برسیں تو کوئی منہ کو نہ موڑے
 برباد کریں کوہ کو ہاموں کو الٹ دیں
 جاتے تھے سواری میں حلال و شہم آگے
 جلدی تھی ہر اک کو کہ غل جائیں ہم آگے
 جنت کے پھر پرے ہوا آتی تھی رن میں
 کیا اوج تھا نخلِ علم فوجِ خدا کا
 غل تھا کہ یہ ہر سرو رواں باغ و وفا کا
 ٹوکے وہ اونچیں بڑھ کے لڑا ہو جو علی سے
 ان چاند سے چہروں نے دکھائی رتِ عجب
 شیر کے عاشق اسد اللہ کے پیرو
 کیا حسن عقیدت تھا عجب دل کے جواں تھے
 بندھتی تھیں صفیں یاں کہ علم گل گئے واں کے
 تلواریں لیے غول بڑھے فوجِ گراں کے
 آرام میں نہ ہوا علی کے خلل آیا

دینداروں کی جان اور مسلمانوں کا ایمان
 ہجرت میں ملک دیکھے صورت کو تو انسان
 چلاتی تھی پیریاں نہیں دیکھے بشر الیہ
 تسبیحیں تو ہاتھوں میں بانوں پہ دعا میں
 بس جائے وہ سب راہِ حیرت سے جائیں
 ہوا ایسی کہ عطران کے پسینے کو نہ پہنچے
 وہ رعبہ اقبال ہتھیار وہ گھوڑے
 ایک ایک جی شہر کے پہنچے کو مروڑے
 خیر کی طرح قلعہ گردوں کو الٹ دیں
 غل تھا کہ بڑھے جاؤ قدم با قدم آگے
 پیچھے تو عہد کا نشان تھا عالم آگے
 طوبی نے جگہ پائی تھی نہ ہر اکے چین میں
 فردوس بھی شایق تھا پھر پرے کی ہوا کا
 پہنچے پہ ہو عالم یدِ بیضا کی ضیا کا
 شیر گرسنہ نہیں رکنے کے کسی سے
 میدان میں تھا چار طرف نور کا پر تو
 اعدا تو کئی لاکھ یہ پوسے بھی نہ تھے سو
 آقا پہ فدا ہونے کو سب ایک باں تھے
 ڈنکا جو ہوا اہل گئے دل پیر و جواں گئے
 منظرِ موتوں پہ در بند ہو امن و امان کے
 آمد ہوئی تیسروں کی پیامِ اہل آیا

دو لاکھ عینوں کے چلے تیر جو پیر ہمس
 عباس علی دار نے کی عرض ہے اس دم
 نے حکم تو قبضوں پہ نہ یہ ہاتھ دھریں گے
 اک اُن میں سے بڑھ جاگا چمکا کے جوتلوار
 حضرت نے کہا فتح سے کیا کچھ کو سر و کار
 تیغ و تبر و تیر و سناں کھانے دو بھائی
 عباس نے رو کر کہا اے سید اکرم
 آقا کو بھلا دیکھ سکے گا کوئی بھیم
 چلنا صفت جنگا ہ میں تلواروں کا دیکھیں
 مولائے کہا ہو یہی مرضی تو کرو جنگ
 شیروں نے عجیبان سے گھوروں کے تنگ
 دیکھا نظر غیظ سے افواج ہمیں کو
 تنہا گئے یوں فرج پہ وہ صاحب شمشیر
 اتار تھے لاشوں کے ادھو ڈھیر ڈھیر
 پاس آئے سکے دور سے بے پیروں نے مارا
 جب سوئے جہاں شہ کے وہ دگاہ سدھا ہے
 دنیا سے جو امان خوش اطوار سدھا ہے
 لشکر نہ رہا شاہِ فلک جاہ کے ہمراہ
 پھنے گئے جس دم وہ ستار بھی نظر سے
 دو بھائی بچے بگڑے ہوئے شمشیر و تبر سے
 پامال ہوا یوں بدن اس رشک چین کا

بچاں ہوئے اک دم میں پچاس ایک ہمس
 بائیس جواں رہ گئے اتر قبلا عالم
 حسرت نہ رہے گی جو دغا کر کے مریں گے
 ہو جائے گی موقوف ابھی تیروں کی بوجھا
 ہوں میں تو فقط بخشش امت کا طلبگار
 سب لوگوں سے پہلے مجھے مر جانے دو بھائی
 کیجے گا یہی خالق سے اٹھ جائیگے جب ہم
 یہ سب ہیں غلام آپ کے اتر قبلا عالم
 آج آپ مزا اپنے ملک خوار کا دیکھیں
 یہ سنتے ہی سادات کے چہرے گل رنگ
 تیرے جو بندھائے تو علی دار تھے تنگ
 لرزہ ہوا نعروں سے دلیروں کے زین
 جوں گلہ آہو پہ جھپٹتا ہو کوئی شیر
 ہاتھ اڑ گئے پوچھوں سے زبردست ہو زیر
 تلواریں نہ کھائیں پُرا نہیں تیروں نے مارا
 جانبا زباں دکھلا کے وہ جڑا سدھا ہے
 غم رہ گیا شیر کے غم خوار سدھا ہے
 اٹھارہ سائے تھے فقط ماہ کے ہمراہ
 کھنچی قمر فاطمہ نے آہ جگر سے
 یاں تک کہ جدائی ہوئی بھائی کے لیے
 لاشہ نہ اٹھایا گیا سر زہر حسن کا

جب مل ہوا حضرت عباسؓ سا بھائی
 روتے تھے کہ بیٹے نے سناں سینے پہ کھائی
 پہنچے صفت نکست گل بلغ ارم میں
 ارے گئے زینب کے پسر آنکھوں کے آگے
 دیناے گئے نورِ نظر آنکھوں کے آگے
 سہرا بھی جواں بیٹے کا بابا نے نہ دیکھا
 کیا روئے تھے یعقوب جو سمجھتا تھا پسر ایک
 مرجاتی ہو بلبل جو خزاں ہو گلِ تر ایک
 صدے سے لہو تن میں نہیں زرو ہیں شیر
 حضرت عجم ہیں بیتابِ تزلزل میں ہو گیتی
 وہ دھوپ وہ لوں اور وہ چلتی ہوئی ریتی
 نیلے ہیں لبِ لعل مگر صنف سے خم ہو
 اسوار اُدھر بڑھتے ہیں نیزوں کو سنبھالے
 وال فوجِ سپہ روئے علم کھوئے ہیں کالے
 میدان سے نہ بڑھتے ہیں نہ ہٹ سکتے ہیں شیر
 تنہائی کا احوال بھی مردم پہ عیاں ہو
 پیرانہ سمری میں غمِ فرزندِ جواں ہو
 ٹوٹا ہر فلکِ عالم غربت میں لٹے ہیں
 اُس فوج میں ڈھالوں کا ہر کلب برما چھایا
 وال گھوڑے بھی میرا ہیں نا بھی ہو کھایا
 خیمے ہیں اُدھر دھوپ بھی لنگر پر نہیں ہو

تھا شور کہ اب سبطِ نبی کی جہل آئی
 پس تین پہر میں ہوئی سب گھم کی صفائی
 پیدا ہوئے برسوں میں فنا ہو گئے دم میں
 عباس ہوئے خون میں تر آنکھوں کے آگے
 دیکھا کیے اور لٹ گیا گھر آنکھوں کے آگے
 وہ کونسا تھا داغ کہ مولائے نہ دیکھا
 ہر نخل ہو خواہاں کہ جدا ہونہ مگر ایک
 یاں داغِ عزیزوں کے بہتر ہیں جگر ایک
 اک زخمِ جگر کیا ہمہ تن درد میں شیر
 کائی ہوئی سب خاک پہ زہرا کی ہو گیتی
 ان سب کے سوا پیاس سنبھالنے نہیں دیتی
 لتواریں اُدھر کھنچتی ہیں یاں ہونٹوں پہ دم ہو
 یاں تیر و عاؤں کے ہیں اور آہوں کے بھالے
 ہیں لبِ لعل کو زہرا کے اُدھر جان کے لالے
 عباس کے لاشے کی طرف تکتے ہیں شیر
 جو نورِ نظر تھا وہی آنکھوں سے نہاں ہو
 بھائی نہیں اب بازوؤں میں نہ اور کہاں ہو
 ابنِ اسد اللہ سے دو شیر چھٹے ہیں
 اور چاند پہ زہرا کے ہو خورشید کا سایا
 یاں تیسرا ہو روز کہ پانی نہیں پانی
 چادر تک دھڑلا شہ اکبر پہ نہیں ہو

پہ پہ کمانداروں کے ہر شمشیر رو
 جب تھامتے ہیں تیغ کا قبضہ شرخو
 ایذا سے ہلاحت ہر کمر اٹھ نہیں سکتی
 ہر دم متقاضی ہیں یہ اس فوج کے سردار
 مولائے یہ کہتی تھی ید اللہ کی تلوار
 ڈرے نہ قدم ٹھہرینگے بیدادگروں کے
 بے رحم ہر یہ قوم بس اب رحم نہ کیجے
 سب قتل ہوئے خویش سپر بھائی بھتیجے
 میں وہ ہوں کہ جس دم صف اعدا پہ جھکوں گی
 شہر کہتے تھے اے تیغ و خاکس کو دکھاؤں
 زور آدری شیر خدا کس کو دکھاؤں
 صبران کی جھاؤں کا کیا خیر بشر نے
 بالفرض کہ سب قتل ہوئی فوج ستم گر
 بتلائے مجھے جی اٹھیں گے عباس دلاور
 اک دم کے لیے لکشن بستی کو اجاڑوں
 یہ کہتے تھے حضرت کہ لگا تیر جہیں پر
 غصہ سے نظر آپ نے کی لشکر کیس پر
 وال زینب ناشاد کھلے سر نکل آئی
 ہاتھ کی صدا آئی کہ اے تابع تقدیر
 گھوڑے پہ سنبھل بیٹھے یہ سن کر شہر دیگر
 ناطاقتی جسم نہ مطلق نظر آئی

چلوں سے ملے تھے ہیں تیر جفا جو
 تھراتا ہر وہ تیر سے ٹوٹا ہوا بانو
 اس ہاتھ سے تیغ اُس سے پہلے نہیں سکتی
 طاقت نہیں لڑنے کی تو رکھ دیجیے ہتھیار
 جو ہر دم دکھلائے یاسیر ابرار
 اک دم میں اُردو لگی سران خیرہ مرد کے
 اے قبلہ کو یمن نے مجھے میان کیلجے
 صفا بستہ ہیں کفار شکست اب انھیں ڈیجے
 جہر لی بھی روکیں گے تو ہرگز نہ روکیں گی
 جرات جو دکھاؤں تو بھلا کس کو دکھاؤں
 ضرب اسد قلہ کشا کس کو دکھاؤں
 بیٹوں کی تباہی کبھی چاہی ہو پڑنے
 پھر مجھ سے ملیں گے مے بکھرے ہو یادور
 چھاتی سے لپٹ جائیں گے آکر علی اکبر
 نانا کی بسائی ہوئی بستی کو اجاڑوں
 ملتے سے ہو پہ کے گوادامن زیں پر
 تھرانے لگے روح امیں عرش بریں پر
 یاں تیغ علی میان سے باہر نکل آئی
 ہاں اب ہر اجازت کہ دکھا جو ہر شیر
 نعرہ جو کیا کانپ گیا لشکر نے پیر
 تصویر جلال اسد حق نظر آئی

وہ عیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
 اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
 گرمی سے ہوا میں شرارتے نظر کے
 اک اگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
 یاں موج تو واکیل جو باں ابر تو واکیل
 سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اسی کو
 اٹھ کر کبھی ٹھہری کبھی چمکی کبھی چسکی
 سیدھی صدف دشمن کو ملی راہ عدم کی
 دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیدارگوں کی
 تیزی تھی کہ منکر بھی ہر اک تھا مقرر اس کا
 خم ہو گئی تھی قلب یہ تھا منکر اس کا
 تھی سم کی حرارت جو بدن اس کا ہر ا تھا
 پایا تھا عجب نے و رعب تیغ عجب ہا تھا
 کچھ دست میں اعدا کے نہ تھاتے تھے سب تھے
 شمشیر اجل فوج کے بھالوں سے ر کی ہو
 کس کے سر و گردن میں جدائی نہ دکھائی
 کس کو اسد حق کی لڑائی نہ دکھائی
 ریلا جو ہوا ناریوں کو رول کے نخلی
 اک ضرب میں باتھ اس کے اڑے تو مر اس کا
 دل اس کا دو پارہ کیا کا نا جگر اس کا
 جس جا پہ بھجے خون کی ندی وہیں جاے

گویا تھا جسم غضب حضرت قہار
 ڈھالیں نہ اٹھی تھیں کہ گرمی برق شرابار
 جھونکا تھا غضب کا کہ سہراتے نظر کے
 وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
 منہ زہر پرش قہر بدن اگ باں برق
 لوہے پہ بھی گرتی تھی لوکھاتی تھی اسی کو
 سر گر گئے گردن جدھر اس تیغ نے خم کی
 سیفی تھی کہ گویا دم شمشیر پہ دم کی
 بھی مینہ کی طرح خاک پہ بوچھا رموں کی
 تھا کاٹ میان دو جہاں مشترک کا
 نے فتح عرو پر بھی نہ کھلتا تھا ہراس کا
 اسی کی طرح پیٹ میں کیا زہر بھرا تھا
 بجلی سی چمک جانی تھی اٹھ جاتا تھا جب ٹاٹھ
 پھرتی تھی عجب جسم میں چلتا تھا غضب ہا تھا
 گرتی ہوئی بجلی کبھی ڈھالوں سے ر کی ہو
 صف کو نسی تھی جس کو صفائی نہ دکھائی
 مقتل میں کسے عقدہ کشائی نہ دکھائی
 شیرازہ اجزائے بدن کھول کے نکلے
 شاخیں کٹیں اس نخل ستم کی ثمر اس کا
 دم ہو گیا آخر ادھر اس کا ادھر اس کا
 کیا دخل تھا اس کا کہ کسی باگ بہرہ جات

سرداروں کو تیغ و زباں ہونڈ رہی تھی
اعداء کے پچھنے کا مکان ہونڈ رہی تھی
جو ہاتھ لگاؤں میں اُسے بھردیا اُس نے

تھا صورت اُس نے تمام اس کا بدن صاف
چلتی تھی جو سن بن پہنکنا تھا سخن صاف
نا اہل ہیں نامزد ہیں ناپاک ہیں اعدا
تھا دور تلک سخن سے اُس نے نُسرخ
چہرے تو سیہ کاروں کے تھے زرد بدن نُسرخ
بے وجہ نہ منہ لال تھا اس عہدہ جو کا

مختر سے بھلا کٹ گئی گردن میں در آئی
جوشن سے گزرتا تھا کہ بس تن میں در آئی
بچا کوئی کیا تیغ قضا رنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرہ پر قہر قضا کا
بارہ ایسی کہ رُخ پھر گیا دریا کی گھٹا کا
منے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا

چم خم سے ہلال فلک نیلوسری تھی
شوخی بھی نئی اور نئی جلوہ گری تھی
اک آگ لگی وار جہر چل گیا اُس کا

سیدھی جو چلے وہ توصیف فوج اُٹ جائے
تھرے فلک کا وُز میں ڈنکے سمٹ جائے

اُس برق کا ہمسر کوئی دنیا میں کہاں ہی

کفار کے علموں کا نشان ہونڈ رہی تھی
سب فوج ستم جائے اماں ہونڈ رہی تھی
پایا جسے یکتا اُسے دو کر دیا اُس نے

خوں پیتی تھی پر دیکھو تو منہ صاف ہن صفا
ہوں میں تو وہ جارو کے دیتی ہوں ن صفا
میں برق غضب ہن خوں خاشاک میں اعدا

پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سرخ
تھی تیغ دو پیکر کی زباں سرخ دہن سرخ
بیڑہ وہ اٹھائے ہئے تھی خون عدو کا

گردن سے سر کنا تھا کہ جوشن میں در آئی
تن سے ابھی اُتری تھی کہ توسن میں در آئی
اک برق غضب کو ند گئی تنگ کے نیچے

نابیں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
پیشہ وہ کہ پی جاے لہوا اہل جفا کا
جوہر میں اناسیفت یہ اسد لکھا تھا

مارا تھا ہزاروں کو مگر خوں سبزی تھی
تھی تیغ کہ قبضہ میں سلیمان کے پری تھی
جو آگیا سایہ میں بدن جل گیا اس کا

دشمن پر پڑے جبٹ لہو جسم کا گھٹ جائے
دیکھے جو خم اُس کا مرنو شرم سے کٹ جائے
یہ صفتیں جس میں ہوں وہ سیف نہاں ہو

جب تلہ سرکش کی طرح فوج پہ پسلی
 تھرائے جگر آنکھ ستم گاروں کی جھبیلی
 سب ناریوں کو خاک کا پیوند کیا تھا
 دم بھر کہیں شمشیر سر انداز نہ ٹھہری
 روکا کیے وہ تفرقہ پرواز نہ ٹھہری
 جب ہاتھ اٹھا چرخ پہ سر چڑھ گیا اُس کا
 پیرِ ی کبھی گہ خوں میں نہا کر نخل آئی
 کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نخل آئی
 کیا ڈر سے طوفاں کا جو چالاک ہوا ایسا
 غصہ میں گئی اور غضبناک پھر آئی
 نے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی
 خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
 دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طبع کا دم تھا
 ناگن میں نہ یہ نہ ہرنہ افی میں یہ سم تھا
 بداصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
 سرکش تھے جو اُس فوج ستلگر میں ستلگار
 جل جل کے وہ اگلے کی طرح ہوتے تھے فی الزما
 دو چار ہوا سامنے جو خیرہ سر آیا
 غل فوج میں تھا سیل فنا آئی ہو بھاگو
 جانیں نہیں بچتیں کہ وہا آئی ہو بھاگو
 اُن ڈھالوں سے روکو گے کتے شہنشاہیں

تصویرِ نظر آگئی حبلی کی تڑپ کی
 سر اڑ گئے اور خون کی اک لہر نہ پھکی
 آبِ دم شمشیر نے دم بند کیا تھا
 بجلی کی چمک رعد کی آواز نہ ٹھہری
 نے صید کی صورت شہباز نہ ٹھہری
 پی پی کے لہو اور بھی دم بڑھ گیا اُس کا
 ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نخل آئی
 منجہ حار سے دو ہاتھ لگا کر نخل آئی
 جب بار بڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہوا ایسا
 افلاک پہ چمکی تو سو سے خاک پھر آئی
 غل ہوتا تھا بھاگو کہ وہ سفاک پھر آئی
 یہ مرگ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو
 نیزے پہ جسے ناز تھا سراسر کا قلم تھا
 یہ فتح کی جو یا تھی قداس واسطے خم تھا
 جو صاحب جو ہر ہیں جھکے بہتے ہیں اکثر
 اک وار میں کرتی تھی دوخت اُن کو وہ تلوار
 ترکیب عناصر میں خلل پڑتا تھا ہر بار
 ہر مصرعہ فتدا اس کا رباعی نظر آیا
 منہ کھولے ہوئے سر پہ بلا آئی ہو بھاگو
 سر اڑتے ہیں جس سے ہوا آئی ہو بھاگو
 جھوکا کوئی آیا تو یہ سب نخل خزاں ہیں

پلٹی تھیں شہر نشانی تھی غضب کی
لوہے سے نہ کرتی تھی روانی تھی غضب کی

بلی سی چلتی تھی تو ہٹ جاتے تھے جبریل
جب کو نڈکے اٹھتی تھی وہ شمشیر فنادم
نوجیس تھیں نبی جان کی سب درہم و برہم
جب برق چمکتی تھی سرکھاتے تھے جبریل

لشکر میں یہ تھا شور کہ یا شاہ اماں دو

بس رحم کرو سید ذوی جاہ اماں دو

بخشوا میں اس تشنہ دہانی کا تصدق

دل تھام کے ہاتھوں سے پکارے شہ والا

پھر ہو گیا سینے میں کلجہ تہ و بالا

اچھا نہیں اب لڑنے کے رخصتی برضا ہیں

پھر روکے یہ فرزند کے لاشے کو پکارے

اک شیر جواں باپ کی پیری کے سہارے

رحم ان پہ کیا گونجے غم دیتے ہیں اعدا

تم مر گئے بیجا ہی یہ کوشش یہ لڑائی

اس جنگ نے مرنے میں بڑی دیر لگائی

بس لڑ چکے اب تیغ و سناں کھائینگے بیٹا

فرما کے شمشیر شرر ریزہ کو روکا

نئے کل تھا مگر اس سبک خیز کو روکا

فرمایا کہ اُمت کا بھلا ہوتا ہے گھوڑے

کھٹے تھے عدو سیف زبانی تھی غضب کی

آیت تھی قیامت کی نشانی تھی غضب کی

شہر کو اٹھائے تھے تھرتے تھے جبریل

غل ہوتا تھا یریوں میں کہ یا حافظ عالم

مضطرب تھے ملک کا پتا تھا عرش معلّم

یا شیر خدا کہ کے جھجک جاتے تھے جبریل

اب پاؤں تھرتے نہیں اللہ اماں دو

بہر سر پر خونِ ید اللہ اماں دو

پیارے علی اکبر کی جوانی کا تصدق

کیا نام لیا یہ کہ لگا قلب پہ بھالا

پہلو تو مرے قتل کا یہ خوب نکالا

سو سر ہوں تو اکبر کی جوانی پہ فدا ہیں

ہم روکتے ہیں تیغ کو کیا کہتے ہو پیارے

یہ دشمن دیں بچ گئے صدقے میں تھارے

اب تیری جوانی کی قسم دیتے ہیں اعدا

وہ کیا ہے جس پاس نہ بیٹا ہونہ بھائی

ہو جائے کہیں جلد سروتن میں جدائی

بے جان دیے ہم نہ تھیں پائینگے بیٹا

روکا اُسے کیا شعلہ سر تیز کو روکا

کس پیار سے چمکار کے شہید کو روکا

راکب تر اب تجھ سے جدا ہوتا ہے گھوڑے

شہید اللہ دادھرمیان میں آئی
 پھر فوجِ عدو قتل کے میدان میں آئی
 رونے کا اٹھا شور مدینہ کی طرف سے
 داں یخے سے نکلے حرم احمدِ مختار
 فریاد ہر اک تشنہ و ہن لاکھ شہکار
 گھر لٹا تھا زہرا کا قیامت کی گھڑی تھی
 کڑے ہوا تینوں سے محمد کا جگر بند
 پرزے گئی تابخون میں دو باتھا کم بند
 طاقت جو نہ تھی ضعف سے تھرتے تھے شہر
 جب لگتی تھی برجی تو یہ فرمانے تھے سرور
 تلوار سے کٹ جاتا تھا جب بازو انور
 کچھ تیر کے صدمے کو نہ کہہ سکتے تھے شہر
 تھا عصر کا ہنگام کہ آفت ہوئی برپا
 جن و ملک و انس میں قتل ہوئی برپا
 دبے دبے کے جو پیکار تین شقائق نکلے
 تڑپے جو زمیں پر کئی بار سی شہ والا
 اٹھتے تھے کہ مارا کسی بے رحم نے بھلا
 طاقت یہ کہاں تھی کہ جو اٹھتے وہ سنبھل کر
 خنجر و ادھر شہر سے تمسکار سنے دیکھا
 فرزند کا منہ حیدر گزارنے دیکھا
 غم تھا نہ کہیں نہ شہر خوش خوش نکل آئے

اور جان لہجیوں کی ادھر جان میں آئی
 فریاد کی زہرا کی صدا کان میں آئی
 صاف آئی صدا ہائے حسینا کی نجف سے
 یاں قبلہ عالم پہ ہوئی تیروں کی بوجھا
 تلواریں تو سب فوج کی اور ایک تنہا
 بوجھا رہے تھے تیروں کی سادوں کی جھری تھی
 کٹ کٹ کے جدا ہونے لگے بند سے ہر بند
 ہرزخم کے کوچے تو کھلے ہن کے در بند
 جب پڑتی تھی تلوار تو جھک جاتے تھے شہر
 زخمی تری چھاتی کے میں صدقے علی اکبر
 چلا کے یہ کہتے تھے کہ ہیماں برادر
 لاش علی اصغر کی طرف تکتے تھے شہر
 گھوڑے سے گئے شاہ قیامت ہوئی برپا
 دنیا میں اسی دن سے مصیبت ہوئی برپا
 سر کھول کے پریوں کے پرے طاقت نکلے
 تھا شور کہ لو ہو گئی دنیا تہ و بالا
 خم ہو گیا وہ فاطمہ کی گود کا پالا
 غش ہو گئے ریتی پہ او منہ سے اگل کر
 ڈیوڑھی سے ادھر زینب تا چارنے دیکھا
 خیمے کی طرف سید ابراہارنے دیکھا
 خنجر جو ملا حلق سے آنسو نکل آئے

جب خشک گلے پر چوٹی خنجر کی روانی
 پیاستے ہی سدھارے نہ کچھ تشنہ دہانی
 بھائی نے تڑپنا بھی نہ ماں جانی سنا دیکھا
 ہاں حیدر یو مرتبہ اب ہوتا ہے آخر
 ہر جہشہ آوارہ وطن ہائے مسافر
 زلیخا وہ تری خاک میں سب اٹ گئیں آقا
 مولائے عالمہ گنگو کے تصدق
 ان زخمیوں کے قربان دل خنجر کے تصدق
 خنجر کے تلے سجدہ رب کرنے کے صدقے
 زخمی ہوئے تلواروں سے ہوئے ترے پہلو
 ہوئے ترے سینے پہ رکھا شمرنے زانو
 کاندھے پہ عبا بر میں قبار ہنے نہ پائی
 وہ دھوپ ہے اوس آٹھ پہرے حسینا
 نیزے کی انی اور ترا سرباے حسینا
 کچھ فرق نہ اُس نار میں اور نور میں رکھا
 خاموش اُمیس اب کہ جگر چاک ہو غم سے
 کر عرض بصد عجز شہنشاہِ اہم سے
 کب تک غم دنیا میں گرفتار رہوں میں

دوبارہ اشار کیا حضرت نے کہ پانی
 سر کاٹ کے سینے سے اٹھا ظلم کا بانی
 نکلی جو بہن نیزے پہ سر بھائی کا دیکھا
 پُرسادو کہ ہو فاطمہ اس بزم میں حاضر
 مذبح قحاشنہ دہن صابر و شاکر
 ہوئے تری خنجر سے گئیں کٹ گئیں آقا
 آقا ترے پیرا بہن پر خوں کے تصدق
 ریت پی تڑپتے قدموں کے تصدق
 سید ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے
 ہوئے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
 ہوئے تری پوشاک بھی سب لگے بدعو
 ہوئے ترے شانے پہ ردائے نہ پائی
 لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
 کیوں پھٹ نہیں جاتا جگر ہائے حسینا
 ظالم نے سہرا پاک کو تنور میں رکھا
 بہتا ہے ہوا شکر کی جادیدہ غم سے
 مولائے مجھے محروم نہ رکھا اپنے کرم سے
 آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں ہیں

مرثیہ (۲۱)

جب قطع ہوئے نخل گلستانِ علی کے
 بیدم ہوئے دلدادِ دل و جانِ علی کے
 خاک اُڑنے لگی پنجتنِ پاک کے گھر میں
 باقی تھا نہ ہمدرد نہ یادِ شہِ دیں کا
 خالی ہوا تا ظہر بھرا گھر شہِ دیں کا
 عباس نہیں ہیں علم و فوج نہیں ہے
 سردار سے جا جا کے یہ کہتے تھے سنگار
 آنکھیں ہیں تو بے نور ہیں بازو ہیں تو بیکار
 اس غم میں کہاں جنگ کا یار شہِ دیں کو
 جس سے ہو جہا یوسف ثانی وہ لڑے کیا
 ہوئے جسے یہ تشنہ دہانی وہ لڑے کیا
 چندے جو پسر آنکھوں سے روپوش رہا تھا
 ہیں سر سے قدم تک الم و درد کی تصویر
 یہ ہاتھ میں رعشہ ہے کہ تھمتی نہیں شمشیر
 خم ہو گئے کھو کر علی اکبر سے پسر کو
 بازو تو شکستہ ہے کہ ضعف سے خم ہے
 پیری میں جواں بیٹے کے مر جانے کا غم ہے
 مٹی سا منے لاش اکبرِ مجروح جگر کی

سرکٹ گئے تیغوں سے جوانانِ علی کے
 عاشق نہ رہے یوسف کنعانِ علی کے
 لوٹا گیا نہ ہرا کا چمن تین پہر میں
 بیٹا نہ بھتیجا نہ برادرِ شہِ دیں کا
 تھا شور کہ ہاں کاٹ لو اب شہِ دیں کا
 اب فاطمہ کے لال کا وہ اوج نہیں ہے
 اب قتل حسین ابنِ علی کچھ نہیں دشوار
 رکھ دینگے گلا آپ تہِ خنجرِ خونخوار
 اکبر کے جواں مرنے نے مارا شہِ دیں کو
 فے جس کو پسر داغِ جوانی وہ لڑے کیا
 دودن نہ ملا جو جسے پانی وہ لڑے کیا
 یعقوب کو اس داغ میں کب ہوش رہا تھا
 واللہ کہ بچا نے نہیں جاتے ہیں شیر
 یعقوب کو یوسف کی جدائی نے کیا پیر
 مٹی ریش میں اتنی تو سپیدی نہ سحر کو
 صدمہ ہے بھتیجے کا برادر کا الم ہے
 بولا کوئی آنکھوں میں بصارت بھی تو کم ہے
 حضرت سے نہ پہچانی گئی لاشِ پسر کی

جب باپ کو خود بیٹے نے آواز سنائی
 اور جیسے بہن خیمے سے باہر نکل آئی
 نے پردہ ہونے سے پہلے ہی بن شرم کی جاہر
 تھاق بہ طرف لاکھ دکھوں سے جسے پالا
 کیا سنبھلا وہ جس کا ہو کیجیہ تہ و بالا
 ورنہ کبھی باہر ترم ان کا نہیں نکلا
 ہم سمجھتے تھے مر جائیں گے فرزند کے ہمراہ
 گودی میں سپرد کیا اور منہ سے نہ کی آہ
 لیکن غم فرزند کچھ آسان نہیں ہو
 آنکھوں سے چھپا چاند جہاں ہو گیا اندھیر
 طالب ہیں کہ گردن پہ پھراؤ کوئی شمشیر
 بچتے ہوئے دیکھیں گے چراغ اور کسی کا
 اب تو کوئی ایسا نہیں جو برھیاں کھائے
 اصغر بھی ہوئے قتل حسین اب کسے لائے
 فرزند برابر کا نہ دشمن سے جدا ہو
 سوکھی ہوئی ہو منہ میں باق تپاں کے مائے
 اب کس کا بھروسہ علی اکبر تو سدھائے
 روتے ہوئے ناموس پہر میں گئے ہیں
 جوقل ہوا شیر سے بچھٹے ہوئے آئے
 تلواریں بھی بیکس چلیں تیر بھی کھائے
 زحمت یہ اٹھے تا بہ کجا تشنہ دہن سے

تب لاش سپر قبلہ کوین نے پائی
 رُخساروں پہ زروی ہو اسی وقت چھائی
 فرزند کے مر جانے سے یہ دل غم سوا ہو
 اس لال کے سینے پہ لگا ظلم کا بھالا
 پالے کی محبت نے اسے گھر سے نکالا
 دن کو کسی بی بی کا جنازہ نہیں نکلا
 ہیں صبر میں ایوبؑ افزوں شہ ذی جاہ
 بولے تو یہ بولے کہ تو کلت علی اللہ
 خاموش تو ہیں تن میں مگر جان نہیں ہو
 فاقہ ہو کسی دن کا مگر زیست سے ہیں سیر
 فرماتے ہیں کہ موت اب آنے میں ہو گیا ہے
 کیا ہو ابھی تقدیر میں داغ اور کسی کا
 اکبر تھے فقط پاس سو وہ خول میں نہائے
 اب تو یہی موقع ہو کہ جلد ہی اجل آئے
 اب زیست اسی میں ہو کہ ستر سے جدا ہو
 چہرے سے عیاں موت کے آثار ہیں سارے
 ظاہر میں تو زندہ ہیں یہ ہیں گھر کنارے
 گر کر کئی جا خیمہ اطر میں گئے ہیں
 ہر ایک کا اتنوں میں نہ ہم کاٹنے پائے
 لاشے مگر اس شیر نے جنگل سے اٹھائے
 اب تاب و توان نے بھی کنار کیا تن سے

سُن کر یہ سُن بنے لگا تھر تھر
 ڈر کس کا ہو اب زندہ ہو کیا نہ کا غلہ
 زینب کی رد اچھین پوشیہ کے آگے
 دُور یہ ہو کہ دولت نہ کہیں شاہ کی ٹل جائے
 پھر شام کا ہو قریب دن اور بھی ڈھل جائے
 تازلیست کوئی قید سے آزاد نہ ہوئے
 بولا پس سر سعد لیں سُن کے یہ تقریر
 کیا سمجھے ہو تم شیر کا فرزند ہو شیر
 غیظ آگیا گر ابن شہنشاہ عرب کو
 سچ ہو کہ بہت خوب لڑا شاہ کا بھائی
 دُو حملوں میں لی شیر نے دریا کی ترائی
 ہر سب سے فزوں حضرت شیر کی طاقت
 زور آوری و صفوری حیدر کرار
 رگ رگ سے اثر دودھ کا زہر کے نمودار
 گیتی جو الٹ جائے تو کچھ دور نہیں ہو
 جیسا ہو ابھی احمد خستار کا پیارا
 تلوار کا کیا ذکر جو کر دے وہ اشار
 جلدی نہ کرو فتح میں کچھ پیچ نہ پڑ جائے
 شیر کے سر کٹنے کی سر ہوگی مہم جب
 حاکم کی ظفر ہو کہیں عمدہ ہو یہ مطلب
 بیمار ہو سجاد کا کیا زور چلے گا

خیمے پہ چلو دیر مناسب ہیں زہار
 ہو جائے پس سلسلے بابا کے گرفتار
 کا ٹو سر شیر کو ہمشیر کے آگے
 تاج و نہ سیدانیوں کو لیکے کھل جائے
 بہتر ہو کہ خیمہ شہ منظور کا جل جائے
 لٹ جائے یہ گھریوں کہ پھر آباد نہ ہوئے
 بیکار یہ باتیں ہیں کرو جنگ کی تدبیر
 کھل جائے گا جب آئینگے وہ باندھ کے شیر
 خیمہ کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو
 دس بیس صفوں کی ہوئی اک دم میں صفائی
 وہ اور لڑائی تھی یہ ہو اور لڑائی
 اس شیر میں ہو قاطعہ کے شیر کی طاقت
 تاثیر لعاب دہن احمد مختار
 بھیجا جسے اللہ نے قبضے میں وہ تلوار
 اور زور امامت کا تو مذکور نہیں ہو
 ناموس کا لٹنا اُسے ہو گا نہ گوارا
 دم میں متفرق ہو یہ لشکر ترا سارا
 ایسا نہ ہو غلبت میں بنا کام بگر جائے
 پھر کون ہو لے لینے روئے ہر زینب
 کیا جلدی ہو لوٹ گئے تھیں یور و زرب
 ناموس بھی لٹ جائیگے خیمہ بھی جلے گا

خود آئینے وہ تم نہ ابھی سمجھے پہ جاؤ
بیکس پہ چڑھائی کا یہی وقت ہو آؤ
دم بھر میں درِ فتح و ظفر کھول کے سونا

جس وقت سنے یہ سخن حیلہ و تزویر
جوڑے ہوئے چلے سے جھاکیش کوئی تیر
لشکر میں یہی قول تھا ایک ایک شقی کا
دولاکھ جواں قتل پہ مظلوم کے اک دل
بد عہد و بد ایمان و بجا پیشہ و جاہل
قرآن سے واقف نہ خیر ان کو خبر سے

قلب ایسے کہ فولا دی سختی سے جہاں نرم
خالق سے جیا کچھ نہ محمد سے انھیں نرم
برہم ہوں جو درہم نہ ہو دستار کا اندر

کپڑے بھی سیدل بھی سیہ نگ بھی کالے
خجھر تو کم بہت میں تھے ہاتھوں میں بھالے
مانا نہ علی کو نہ رسولِ عربی کو

تھے چار صفیں باندھے ہوئے نہر پہ پیہر
دوست پر قتل شبہ بیکس و دلگیر
یہ فکر تھی اک بیکس و بے یار کی خاطر

توڑے تھے جنھوں نے دُور دندان سپہر
کہتے تھے یہ آپس میں پراپنا جاکر
جو ضرب تن سید والا پگے لگے گی

ٹوٹے ہوئے لشکر کی صفیں پہلے جاؤ
سید کا گلا کاٹ کے فرست کہیں پاؤ
اب رات کو راحت کمر کھول کے سونا

بڑھ بڑھ کے پے رن میں جاگے نے پیہر
توڑے کوئی نیزہ کوئی برچھی کوئی شمشیر
دیکھینگے ہو آج حسین ابن علی کا

خونریزوں کے نیزوں سے نیستان ہر سال
دشمن کے طرفدار بنی زادوں کے قاتل
الفت بھی تو دنیا سے محبت بھی توڑے

نہ درد نہ الطاف نہ اکرم نہ آزر م
سادات کے خیمے کے جلائیے پر گر م
دینار جو دیکھیں تو گریں نار کے اندر

تحت چنکیں باندھے ہوئے آنکھیں نکالے
سادات کے سب قافلے کے لوٹنے والے
دنیا کے لیے ذبح کیا آلِ نبی کو

اک صف میں تو تھیں کچھیاں اک صف میں تیر
گوپال و سنان و تبر و خنجر و شمشیر
حر نے تھے یہ سب ایک تن زار کی خاطر

وہ سنگدل اک سمت تھے باندھے ہو لنگر
مارینگے ہمیں فاطمہ کے لال کو پتھر
چوٹ اس کی دل احمد و زہرا پہ لگے گی

آمادہ قتل شدہ دیں تھی سپہ شام
 سیدانیوں کے رونے کا تھا صحن میں کہرام
 معصوم کی خاک پہ بیہوش پڑے تھے
 تھامے تھی کوئی دامن فرزندِ ہمسر
 جھک کر قدم پاک پہ رکھتی تھی کوئی سر
 بیابان تھے شہ بیبیوں کی نوحہ گری پر
 کہتی تھی کوئی ہاتھ مکر بند میں ڈالے
 حضرت تو چلے ہم کو کیا کس کے والے
 ہر کون غریبوں کا اس اُجرے پہ بنے ہیں
 جب طبل مخالف کی صدا آئی تھی بنے
 بچے نہ جدا ہوتے تھے سلطانِ زمین سے
 چلاتی تھی ہر ہر مرے ماں جاے برادر
 بھیاں مجھے غربت میں نہ تم چھوڑ کے جاؤ
 نکلے مراد من سے تو پھر برچھیاں کھاؤ
 کیا کم تھا مرے واسطے ماں باپ کا مٹا
 ماں خلق سے جب اٹھ گئیں تھیں جیتے تھے حیدر
 بجھاتی تھی میں دل کو پس از حلتِ شہر
 حضرت ہیں تو زندہ مے ماں باپ ہیں بھائی
 حضرت کے سہاے پہ تو ماں باپ کے چھوڑا
 اکبر کے جواں مرنے کا ماتم نہیں تھوڑا
 آفت ہر یہ سایہ جو مے سر سے اٹھے گا

خیمے میں کمر باندھتے تھے شاہِ خوش انجام
 بکھرے تھے بالوں کو ہر اک بیکسِ ناکام
 شاہِ شہدارانڈوں کے حلقے میں کھڑے تھے
 بچے لیے گودی میں کھڑی تھی کوئی شہر
 رو دیتی تھی چہرے کی بلایں کوئی لیکر
 پروانے گرے پڑتے تھے شمعِ سحری پر
 صدقے ترے اور فاطمہ کے نازوں کے پالے
 چھوڑینگے نہ یہ کہنہ روا لوٹنے والے
 باندھینگے گلے اُل مچھ کے رسن میں
 دل بی بیوں کے سینوں میں جاتے سن سے
 لپٹی تھی بہن بھائی سے اور بھائی بہن سے
 بن بھائی کی ہوتی ہو بہن ہاے برادر
 سیدانی کو آفت سے اسیری کی بچاؤ
 بن لے جو مری قبر تو جنگل کو بساؤ
 اللہ نہ دکھلائے مجھے آپ کا مرنا
 تھے باپ کے مرنے سے حسنِ بہم دیو
 شہید سے بھائی کا ہر سایہ مرے سر پر
 زینب کے تو جو کچھ ہیں سوا باپ ہیں بھائی
 پھر کون ہو زینب کا جو منہ اپنے موڑا
 مرجاؤ نگئی بھائی نہ طلب کیجئے گھوڑا
 داغ آپ کے مرنے کا نہ خواہر سے اٹھے گا

عادل ہو عدالت سے کہو یا شہرہ صدف
 دنیا میں کوئی اور ہو زینب کا برادر
 مسند کو محمد کی اُٹھتے ہوئے دیکھوں
 صدقے میں تے اے اسد اللہ کے پیارے
 آقائے بدلے مجھے نیزے کوئی ماے
 پردیس میں سی سے بندھیں ہاتھ بہن کے
 منہ سینے پر رکھے جو لکبتی تھی وہ دلگیر
 سر چھپاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شیر
 پیٹی ہو پہر بھر علی اکبر کے الم میں
 گرم گئی ہو جائے گا گھر اور بھی خالی
 ہو میرے بیٹوں کی تمھیں پالنے والی
 ایسا تو کسی کو غم تنہائی نہ ہوگا
 وہ حمد کے لایق ہو سزاوارِ ثنا ہو
 راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہو
 ہو کوئی بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
 دنیا میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں
 ہم سب سے جو تھے فضل و اعلیٰ وہ کہاں ہیں
 جو زندہ ہو وہ موت کی تکلیف ہے گا
 تھے مجھ سے بھی بہتر مے جد و پدر و ام
 رہتا ہو سدا بحر جہاں میں یہ تلاطم
 دشمن ہو کبھی دوست کبھی دوست عدویں

کیا کہ کے دل زار کو سمجھائے یہ خواہر
 قربان گئی صبر مجھے اے گا کیونکر
 ہو ہو یہ گلا تیغ سے کٹتے ہوئے دیکھوں
 اماں کے وہ دکھ درد مجھے یاد ہیں سارے
 سید ترے قدموں پہ مرا سر کوئی دالے
 ماں جائے کو رہنے دیں مگر ساتھ بہن کے
 ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
 بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمیشہ
 کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں
 صدے سے جیسے گی نہ سکی نہ مری بالی
 صابر جو ہیں ملتا ہو انھیں رتبہ عالی
 اللہ تو سر پر ہو اگر بھائی نہ ہوگا
 ہو اُس کو بقا اور ہر اک شر کو فنا ہو
 آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہو
 دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو
 جو نور خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
 پیدا ہوئی جن کے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
 جب احمد مرسل نہ رہے کون رہے گا
 کیا ہو گئے اب اُن کو کہیں دیکھتی ہو غم
 اک چشم زدن میں کوئی پیدا تو کوئی گم
 ہم لوگ زمانے میں جابِ ب جابِ ب

یہ دہر نہیں خانہ آسائش و آرام
 ہر جن کی زباں کو خطر تلخیِ اخبام
 ایسا نہیں کوئی جسے دلریش نہ دیکھا
 کس کس کو ہم اس عمر دوروزہ میں نہرو
 نایاب تھے جلال وہ ان ہاتھوں سے کھوئے
 تکلیف زیادہ ہی تو رہتے بھی سوا ہیں
 ہر کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر
 وہ مجمعِ احباب وہ دربارِ پیمبر
 نئے دن چلا آوے یہ مقدور تھا کس میں
 جبریل میں غصے جھولے میں جھلائے
 نعمت کا طبعِ خالد سے جس کے لئے آئے
 گردش نہ رہی ہی نہ سدا دور رہا ہی
 اک دن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اب
 وہ وقت وہ آرام وہ ہمدرد وہ احباب
 آج اوروں کے ہم مرنے پر فدا کریں گے
 کیا آگے بن کے نہیں مرتا کوئی بھائی
 لٹ جاتی ہو اک آن میں بسوں کی کمالی
 ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہی زینب
 برسوں سے ماتم میں ہمیں صبر کو نہ پایا
 تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا
 جب سینے میں مضطرب دل بے صبر کو دیکھا

دانا جو ہیں دنیا کو سمجھتے ہیں سدا دم
 شیرینیِ عالم سے سدا رہتے ہیں ناکام
 دنیا کے کسی نوش کو بے نش نہ دیکھا
 کیا کیا دُرِ مکتا صدفِ قبر میں سوئے
 گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے ہیں ڈبے
 رہتے ہیں تباہی میں جو خاصانِ خدائیں
 جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تو نگر
 وہ فاطمہ کا جاہ و شہم شوکتِ حیدر
 یا آج وہ ہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں
 کیا گردشِ گردوں ہے وہ یوں ٹھوکریں کھائے
 وہ پیاس میں اک بوند بھی پانی کی نہ پائے
 دنیا کا ہمیشہ سے یہی طور رہا ہی
 یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
 معلوم یہ ہوتا تھا کہ دیکھا تھا کبھی خواب
 کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے
 برسوں جو رہے وصل تو اک دن ہی جدائی
 جاتی نہیں نے جان لیے جب اجل آئی
 رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہی زینب
 جس دن سے جدائی ہوئی حیا کو نہ پایا
 یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
 گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

غریب میں کبھی تم سے پچھڑا نہ برادر
 پردیس میں برباد ہوں بچے کے لئے گھر
 بہتر ہو وہی جس میں ضماندی ب ہو
 زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ مرتا
 پیمانہ کبھی عمر کا آخر مری بھرتا
 پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہو
 ہمیشہ کا غم ہو کسی بھائی کو گوارا
 تیغ غمِ فرقت سے کلچہ ہو دو پارا
 اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہو پیٹر
 مر کر بھی نہ بھولو گناہیں احسان تمہارے
 پیارا نہ کیا ان کو جو تھے جان سے پیارے
 فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی خداداد
 لو جاتے ہیں ہمیشہ خدا حافظ و ناصر
 اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر
 کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکیں
 اے عابدِ بیار حزیں گھر سے خبردار
 ماں بانڈ ہو اب رائڈ کی چادر سے خبردار
 مشکل ہو جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا
 کہہ کر یہ سخن گھر سے چلا فاطمہ کا لال
 چلاتی تھی بانو کہ لٹا اب مرا اقبال
 مایں جو بلکتی تھیں تو غم کھاتے تھے بچے

کیا کیجئے تقدیر جدا کرتی ہو خواہر
 بندہ ہوں اطاعت سے نہ ہو گنا کبھی باہر
 کیا عذر ہو سرکار میں جس وقت طلب ہو
 آتی نہ اہل سر جو تہ تیغ نہ دھرتا
 گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
 خوشنودیِ معبود ہو اُمت کا بھلا ہو
 مجبور ہو لیکن اسد اللہ کا پیارا
 کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہو تمہارا
 تم چھٹی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہو پیٹر
 بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پرولے
 بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
 بس اب یہی الفت ہو کہ جانے کی خداداد
 اب جسم ہو اور تیر خدا حافظ و ناصر
 ہر نصرتِ شیر خدا حافظ و ناصر
 پھر اپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکیں
 اے جان پدر آلِ پیٹر سے خبردار
 مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
 تحریر پہ بابا کی غسل کیجیو بیٹا
 پیچھے ہوئیں سید انیاں کھائے ہوئے بال
 غل تھا کہ محبت کا چمن ہوتا ہو پامال
 لپٹے ہوئے حضرت چلے جاتے تھے بچے

رائٹوں کی وہ فریاد مٹیوں کی وہ زاری
 حضرت سے لپٹتی تھی ہر اک رو کی ماری
 پیٹیر برآمد ہوئے یوں خیمے کے در سے
 دیکھا شبہ دینے جو قریب فرس آکر
 زینب نے پکارا کہ تھو آتی ہو خواہر
 کیا رتبہ عالی تھا رکابِ شبہ دین کا
 پہونچا جو در خانہ زین تک قدم پاک
 گھوڑے پہ چڑھا تختِ دل سیدِ لواک
 کس منہ سے کہوں حسنِ شبہ دین کی
 تھازینِ فرسِ رحل تو قرآنِ شبہ والا
 وہ دوشِ صبا بوئے گلستاںِ شبہ والا
 بوگل کی نسیمِ حسری لیکے چلی ہو
 ضنیغ کی جو تھی جنت تو آہو کے طرارے
 ہر نعل سے خم تھا مہ نو شرم کے مارے
 ہو رشاک نہ کیونکر فلکِ ماہِ جبیں کو
 مرکب پہ ہیں مولا کہ تجلی ہو ہر طور
 ہر سنگ پہ تاباں ہو کہ شرمندہ ہو بلور
 حیران ہیں خبرِ نورِ خدا کی نہیں جن کو
 وہ ریشِ مخضب وہ رُخِ ستید والا
 وہ گیسوئے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہالا
 رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی تھی

غش کھا کے گری خاک پہ زینب کئی ای
 ہو ہو کا یہ غل تھا کہ زمیں لپٹی تھی ساری
 جس طرح نکلتا ہو جنازہ کسی گھر سے
 کوئی نہ پسر تھا نہ بھتیجا نہ برادر
 زہرا کی صدا آئی کہ موجود ہو مادر
 اک فاطمہ کا ہاتھ تھا اک روح ہیں کا
 تھر کے جھکا خود بادبِ توسنِ چلاک
 جبریل امیں ساتھ ہوئے تھام کے شرک
 معلوم ہوا جرد یا خاتم پہ نگیں کو
 وہ تخت ہوا تھا تو سلیمناںِ شبہ والا
 وہ برجِ شرفِ نیرِ تاباںِ شبہ والا
 غل تھا کہ سلیمناں کو پری لیکے چلی ہو
 آنکھوں کو چراتے تھے خجالت کے چکائے
 اُٹھتے تھے قدم جب تو چلتے تھے ستارے
 نقشِ سمِ توسن سے لگے چاند زمیں کو
 چہرے کی ضیا سے ہو زمیں آئندہ نور
 ڈھلتا نہیں نہ ہو پٹائی جانی ہو کا نور
 ہو شور کہ لو کھیت کیا چاند نے دن کو
 ہو چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
 تھا صبح پہ دامنِ شبِ معراج نے ڈالا
 خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی تھی

معراج میں پہنچے تھے جسے سید لولاک
 لکھا تھا گلابی تھا عمامہ پسر پاک
 جیسا تن پر نور تھا ویسی ہی عبا تھی
 تعریف قبائے تن پر نور کروں کیا
 بند ایسے کہ سو عقدہ مشکل کو کریں وا
 کلیاں وہ جھنیں غنیہ دل دیکھ کے کھل جائے
 ہر جیب کا گھر نقد شفاعت سے بھرا ہو
 جو تار گرہاں ہو سو رحمت سے بھرا ہو
 ہر برنگیں اسم نگیں اسم کی خاطر
 دستانے کو کیا ہاتھ میں پہنے وہ شہنشاہ
 چار آنہ کی نور خدا کو نہیں کچھ چاہ
 کچھ ڈھال کی حاجت بھی دم جنگ نہیں ہو
 باندھے ہیں فقط تیغ علی سرور عادل
 ہیں سامنے تینیں لیے فرزندوں کے قاتل
 ہو دست قوی تیغ شہنشاہ عرب پر
 اس طرح رجز پڑھتے ہیں تو بے ہوش شیر
 ڈھالوں کی سیاہی سے ہو شب میں اندھیر
 کچھ غیظ جو آیا ہو شہ عرش نشیں کو
 بہت ہو کہ شیروں کے جگر کانپے ہیں
 یوں دشت کو جنبش ہو کہ در کانپ رہیں
 ہو خوف کہ کرسی نہ گئے فرش کے اوپر

اس روز تھی زیب تن اطہر وہی پوشاک
 فرزند کے ماتم میں گریبان تھا مگر چاک
 پیرا ہن یوسف چمکند کی قبا تھی
 زیب جسد پاک جگر گوشت زہرا
 پردہ وہ رہا جس سے گنگاروں کا پردہ
 وہ خلد میں ہو سایہ دامن جسے مل جائے
 سینے کا جو پردہ ہو لطافت بھرا ہو
 دامن وہ ہو جو دین کی دولت بھرا ہو
 بس قطع وہ جامہ تھا اسی جسم کی خاطر
 جس شیر کے پنجے میں ہو خود زور ید اللہ
 ہو حفظ الہی زرہ سید ذی جاہ
 خود پشت پناہ دو جہاں ہر شہدیں ہو
 تا جنگ میں کھل جائے ہر اک پر حق و باطل
 غصہ مگر آتا نہیں کیا صبر ہو کیا دل
 مولا کے مگر رحم کو سبقت ہو غضب پر
 جس طرح سے گونجے کسی جنگل میں کوئی شیر
 غل ہو کہ خدا کا غضب آنے میں نہیں دیر
 مرنے ہیں تزلزل میں یہ لرزہ ہر زمیں کو
 کیا ذکر شجر کا کہ حجر کانپ رہے ہیں
 جبریل بہت زور ہیں پر کانپ رہے ہیں
 پڑھتے ہیں ملک نا و علی عرش کے اوپر

نبروں ہی اچھلتا ہے جو اس نہر کا پانی
 شمشیر جو تولے ہو یہ اللہ کا جانی
 جنگل کے ہرن خوف سے منہ مٹے ہوئے ہیں
 غیظِ شہ عالم نے عجب تہسکہ ڈالا
 ہاتھ اپنا جو قبضے پہ دھرے ہیں شہ والا
 نکستی ہو زمیں اس کو وہ تکتا ہو زمیں کو
 نعرہ ہو کہ محبوب الہی ہو مرا جد
 میں خلق میں ہوں وہ گہرِ قلزمِ سرمد
 بیت الشرف سیدِ لولاک میں میں ہوں
 بابا ہو مرا حامی ویں فاتحِ خیبر
 حرزد و جہاں جو شن بازوئے پیہر
 پُر نور کیا نور سے ایماں کی زمیں کو
 ہو تانا اگر مصقلہ تیغِ قضا رنگ
 تھا ضیغم یزدان کی لڑائی کا نیا ڈھنگ
 دینداروں کی بستی ہوئی ویرانہ جہاں تھا
 دیں جس سے ہو ظاہر وہ علی کا ہمدینا
 ظلمت تھی جہاں کفر کی روشن ہو وہ سینا
 آتش کی بھی وہ گرمی بازار نہیں ہو
 حق کو نہ سمجھتا تھا کوئی خلق میں مطلق
 جاری یہ ہوا خلق میں فیضِ اسدِ حق
 مرد و جدا ہو گئے مقبول جدا ہیں

ہر موج کو بھولی ہوئی ہو اپنی روانی
 ڈرے سپر انداختہ ہیں ظلم کے بانی
 دریا کی ترانی کو اسد چھوڑے ہوئے ہیں
 العظمۃ لہ تفتدس و تعالیٰ
 افلاک ہندو لے کی طرح ہیں تہ و بالا
 دوران ہو گردوں کو تو سکتا ہو زمیں کو
 دنیا میں نہیں میرے سوا سبطِ محمد
 زہرا نے فد جس پہ کیا لعل و زبرجد
 باقی فقط اب بچتن پاک میں میں ہیں
 دامادِ نبی شہرِ خدا قاتلِ عنتر
 سلطانِ قضا میرزا حیدر و صفدر
 تیغِ ان کی جلادی گئی آئینہ دیں کو
 آئینہ اسلام سے جانا نہ کبھی رنگ
 ڈو کر دیا دم میں حق و باطل کو دمِ جنگ
 واں خانہ حق بن گیا بت خانہ جہاں تھا
 ہو امن میں طوفاں سے ہمارا ہی سفینا
 حق حق کی صدا ہو عوضِ قتلِ مینا
 اب دور ہو تسبیح کا زنا نہیں ہو
 ہر بُت کو خدا جانتے تھے جاہلِ حق
 آگے بھی کبھی تھی چمن دیں کی یہ رونق
 دیکھو تھیں کانٹے ہیں جدا پھول جدا ہیں

توقیر ملی سب کو اسی شاہ کے گھر سے
 ہو عزت دیں بھی شہِ ذی جاہ گھر سے
 ایک شور تھا تجھ کے نعروں کا حرم میں
 مشہور ہو خیبر کی لڑائی کا فسانا
 منسلک ہوا ظالم کو سپر چہرے پہ لانا
 تھماتے تھے جن ازور فرشتوں کے گھٹے تھے
 جو حق سے پھر امن کہیں اس نے پایا
 حیدر کا قدم جب سربِ بیہِ لالم آیا
 آبِ ان کی لڑائی کی بنی جان لاتے
 اس روز سے سب تاجِ فرماں میں الی ان
 جانیں مرے قدموں پہ کریں فخر سے قرآن
 جن کیا ہیں ملائک کا بھی احسان لو لگا
 مقدور پہ کیا صبر ہو دیکھو دلِ شیر
 مجھ سا نہ کوئی ہو وے گایوں تابعِ تقدیر
 گو ضعف ہو اور شدتِ تشنہ دہنی ہو
 میں ناظمِ دین حصنِ حصین جہلِ متیں ہوں
 میں کعبہِ اسلام ہوں میں قبلہ دین ہوں
 بچپن میں کسی کے لیے یہ اوج کہاں تھا
 اللہ نے دی ہو ہمیں کونین کی شاہی
 ہم حجتِ اللہ ہیں ہم سیفِ الہی
 اللہ ہو ساتھ اُس کے جوئے ساتھ ہمارا

ہاتھ آیا جسے جو سو، یدِ اللہ کے گھر سے
 بُت توڑ کے باہر کیے اللہ کے گھر سے
 کیا سخت ہم تھی جسے سر کر دیا دم میں
 مرحب کی شجاعت کا معرِف ہو زمانا
 کس قوم نے اس تیغ کا لوہا نہیں مانا
 مرحب کی زہ کیا پر جبریل کٹے تھے
 انساں تھے مگر دیو کے لشکر کو بھگایا
 کوسوں نہ دکھائی دیا جہات کا سایا
 بچتی نہ کبھی جان جو ایمان نہ لاتے
 میں چاہوں تو حاضر ہو بھی فوجِ نبی جان
 پُرخس عالم کبھی لیتا نہیں احسان
 میں وہ ہوں کہ خود آئینے اور اذنِ دو لگا
 جو ہر تو یہ اور قبضہ قدرت میں شمشیر
 لاکھوں سے بھی عاجز نہیں میں بکس و دلگیر
 ہاتھوں میں مگر قوتِ خیبر شکنی ہو
 میں نور ہوں میں خلقت میں قرآنِ مبین ہوں
 میں نقش ہوں میں مہرِ نبوت کا نگین ہوں
 میں ہوں وہ مکینِ دُش نبی جس کا مکال تھا
 جس قوم پہ چاہیں ابھی آجائے تباہی
 ہو زیرِ نگیں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
 کونین میں ہو دستِ خدا ہاتھ ہمارا

غنہ مجھے آجائے تو لشکر کو بھگا دوں
 پر امت احمد ہو میں کیا تم کو مرادوں
 فی مکر کی باتیں نہ دغا جانتا ہوں ہیں
 مشکل جو پڑے عقدہ کشائی مری دیکھو
 ہو جنگ کی طاقت تو لڑائی مری دیکھو
 بہتر ہے تیغ جو یہ خشاک کلا ہو
 میں صاف ہوں اب بھی مہر کہنے کو جو مانو
 پچھتاؤ گے تم قتل مرا دل میں نہ ٹھانو
 پیارا ہوں جگر گوشہ فخر دو جہاں کا
 حال تمہیں کیا اگر مرے بچے ہوئے براد
 کیا نشہ دولت ہو کہ بھولی ہو مری یاد
 اللہ کرو پاس رسول عربی کا
 بالفرض نہ سمجھو مجھے دل بند پیہر
 حاجی مرے ہونے میں تال ہو تمہیں گر
 امت کا محمد کی ہوا خواہ تو ہوں میں
 تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا
 کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا
 مشتاق مدینہ کی حکومت کا نہیں میں
 جس شہر میں کدوئی سی شہر میں جاؤں
 لکھو الو شکایت کا سخن لب پہ جولاؤں
 سختی بھی اٹھاؤں گا مصیبت بھی ہونگا

ساری چھینیں تیغ سے اک دم میں آؤں
 تم دکھ مجھے دوں نہیں جب تو وعادوں
 تم سب کو عزیزوں سے سوا جانتا ہوں میں
 دشمن سے بھی ہوں صفا صفائی مری دیکھو
 سر کاٹ لو گر کوئی برائی مری دیکھو
 راضی ہوں میں جس بات میں تم سب کا بھلا
 ہکے ہو کہ ہر دین کا رہبر مجھے جانو
 بیکیں کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو
 دلبند ہوں میں سیّد قوسین سکاں کا
 اُجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
 فریادیں غلق کی سنتے نہیں فریاد
 زہر مری مار ہو تو اسسا ہوں نبی کا
 کعبے کا مسافر تو ہوں میں سبکیں بے پر
 شیعہ مسلمان تو ہو اسی قوم شہرگر
 یہ بھی نہیں اک بندہ اللہ تو ہوں میں
 جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
 دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا
 رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں
 بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
 مجرم جو قلمرو میں تمہارے کبھی آؤں
 رازق ہو خدا جا کے پہاڑوں میں ہو ننگا

تاریست جو چھڑوں کبھی کہسا کاواں
 اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ماں
 ممکن نہیں جینے کا مزا رنج و الم میں
 دنیا میں نشان کفر و ضلالت کا نہ گاڑو
 خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو
 گو آج زبردست ہو یا صاحب زر ہو
 یہ سُن کے لعینوں نے کہا شاہ اہم سے
 اک دم میں گلا کاٹیں گے تم شیر و دم سے
 حاکم سے نخل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
 حضرت نے کہا خوب جواب اس کا دیا وہ
 حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بد خواہ
 وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
 گرز عم میں تم سب کے گنہگار ہے شیر
 ان بی بیوں کی شان میں ہو آیت تطہیر
 لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
 چلا کے یہ تب کہنے لگا شمر ستمگار
 وہ کرتے ہیں ہم جس میں ملیں دہم و دینار
 بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
 اس بات کے سنتے ہی نہ حضرت کی تباہ
 فرمایا کہ کیا کہتا ہے او کافر کذاب
 تو دشمن اولاد رسول دوسرا ہے

پھر ہاتھ ہی تم لوگوں کا او میرا ریاں
 اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں ہاں
 سُن لیجو کہ مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں
 بندستوں کعبہ دیں کا نہ اٹھاؤ
 عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو
 مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو
 جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہو گا نہ ہم سے
 زینب کو ملے گی نہ اماں قید ستم سے
 سر کاٹ کے لیجائیں تو ہو نام ہمارا
 وہ کام کرو جس میں رضا نہ ہو اللہ
 بھکانے سے بدین کی جہنم کی نہ لہا
 دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو
 ناموس محمد کی ہو پھر کو نشی نصیر
 مریم سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر
 ای ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم
 ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں ہے سروکار
 گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجے ہتھیار
 بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے
 غر لگے گویا کہ لگا زخم پہ تیرا ب
 میں بحر امامت کا ہوں اک گوہر نایاب
 فاسق کی وہ بیعت کرے جو دست خدا کے

یہ سنتے ہی شمشیر کو سرور نے نکالا
یوں میان سے اس تیغ کو صفدر نے نکالا

لمتی ہوئیں دونوں جزبائیں نظر آئیں
بجلی کی چمک لشکر دشمن کو دکھائی
تیزی دم شمشیر نے جوشن کو دکھائی
کس طرح بھلا اہل ستم دنگ نہ ہو جائیں
سراگے گردن سے تو خود اڑ گئے سرے
پھل بر پھریں سے کٹے گئے پھول پھرے
اعدا کی صفیں خوف کے منہ موڑ کے بھاگیں

ایک ضرب میں دو کر دیا کتاب سے پایا
چھوڑا اُسے بسمل سا پھر کتاب سے پایا
مطلب تھا چکنے سے یہ تیغ دوزباں کا

رخِ شل کہاں پھر گئے ناوک فگنوں کے
ضربت تھی کہ دل ٹوٹ گئے صف شکنوں کے
کیا منہ تھا جو آتا کوئی اس شیر کے منہ پر

لکڑے کہیں لشکر کے کماندار پڑے تھے
تھے ہاتھ کسی جا کہیں ہتھیار پڑے تھے

پامال تھے سرتالیں خورشید میں تن تھے
چار آئنے والے برش تیغ سے تھے دنگ

پڑتی تھی جو سر پر تو ٹھہرتی تھی تہ تنگ
غل تھا کہ دامن کھولے ہوئے صورت لاہری

فرمان قضا نائب حیدر نے نکالا
غل تھا کہ وہ منہ غار سے اُڑوے نکالا

ہو نہوں پہ شمشیروں کی جانیں نظر آئیں
شعلے کی لپک ناریوں کے تن کو دکھائی
کٹ کٹ گیا ایسی برش آہن کو دکھائی
چار آئنے ششدر تھے کہ چورنگ تہ بھائی

شانوں سے تو ڈھالیں رہیں گئیں سرے
دستانے تو ہاتھوں سے کمر بند کمرے
روحیں قفسِ جسم سے جی چھوڑ کے بھاگیں

منہ پھیر لیا اُس سے سسکتا جسے پایا
دکھلا دی رہِ راست بھٹکتا جسے پایا

وہ راہ ہی دوزخ کی یہ جاہد ہی جاں کا
تلوار سے دم بند ہوئے تیغ زبوں کے

پرزے ہوئے ڈھالوں کے توڑے بدنوں کے
لاٹی تھی قضا کھینچ کے شمشیر کے منہ پر

تیروں کے کہیں خاک پہ سونار پڑے تھے
جاگ تھی جاں ایک کی اس چار پڑے تھے

پر موت میں روحیں تھیں جہنم میں بن تھے
جو ہر تھے عجب عجب اب عجب رنگ

اسوار تو اسوار فرس ہو گئے چورنگ
لوکھا گئی گھوڑے کو بھی منہ ہی کہ بلا ہی

چلے پہ چو رکھا تھا کوئی فتنہ گراں گشت
 زہ گیر پہ چلہ تھا نہ چلے پہ زرا گشت
 جس وقت ہوا لگ گئی اس بن دوم کی
 نیزہ لیے آیا جو کوئی صفت سے نکل کر
 آواز دی یہ تیغ یہ اللہ نے چل کر
 وہ نیزہ خونریز جو لڑنے پہ تلے تھے
 جب خود پہ بھیٹی تو جھلم کاٹ کے اٹھی
 جوشن پہ جو آئی تو شکم کاٹ کے اٹھی
 بالاتھی وہ شمشیر ستہ گار سر و تھا
 یکتائی خالق میں کوئی شرک جو لایا
 اک ضرب میں دو کر دیا شرک جسے پایا
 کفار سے میدان و غاصات کیا تھا
 بجلی تھی یہ جنگل کے لیے بن گئی جادرب
 نقابے ملک آتے ہوئے کانپتی تھی چوب
 شمشیر کے شعلے کی حرارت جو بڑی تھی
 بجلی سی ہوا پر بھی چمکی کبھی ٹھہری
 پایاب تھی خوں کی کہیں مذی کہیں گہری
 جو خاک و آبی تھا وہ تھا نوہ گری میں
 جب بیس ہزار اہل ستم جان سے مارے
 جو ہر ہیں بزرگوں کے تریفات میں مارے
 اب خلق ہو اور مرحلہ تیغ جفا ہو

شمشیر بتانے کو اٹھاتی تھی ہر انگشت
 اک ہاتھ میں گرتی تھی قلم بے ہر انگشت
 سب ارگین شاخیں شجر ظلم و ستم کی
 حضرت پکارا کہ قدم رکھیو سنبھل کر
 یا عقدہ کشا عقدہ مقصود کو حل کر
 نوک اس کی نہ پہونچی تھی کہ سنبھل گئے
 دستانے کو مانند قلم کاٹ کے اٹھی
 سر پر جو پڑی تا بہ قدم کاٹ کے اٹھی
 دیکھا تو فرس بھی اسی اک ضرب میں دو تھا
 شمشیر نے انگشت شہادت کو اٹھایا
 باطل تو ادھر ہو گیا اور حق ادھر آیا
 کیا تیغ یہ اللہ نے انصاف کیا تھا
 کچلے گئے سران کے جو تھے فوج کے سرکوب
 ہیبت لرزتا تھا وہ صحرائے پر آشوب
 خورشید کو گردوں پہ تپ لرزہ چڑھی تھی
 تھی عکس سے دریا کی ہر اک لہر نہری
 راحت میں نہ بھری تھی نہ بڑی تھی نہ شہری
 خشکی تھی تباہی تھی تلامطم تھارتی میں
 آواز یہ آئی کہ بس اس شمشیر ہائے
 تو وہ ہو کہ لاکھوں سے لڑائی میں ہائے
 ہاں صابر و شاکر دم تسلیم و رضا ہو

پہلو سے صدا حضرت زہرا کی یہ آئی
 پانی کی کوئی بند بھی پانی کہ نہ پائی
 پیشانی پہ پوسہ تو ذرا دینے دو بیٹا
 آئی جو یہ آواز شبہ کون و کہاں کو
 اعدا سے کہا روک گھوڑے کی عنان کو
 کر دو خبر اس کو بھی کہ ہر شہر لعین ہر
 یمن کے پھرے لاکھ جواں دست شمشیر
 تلوار برابر سے لگانے لگے بے پیر
 تیغوں سے جو سب عضو تن پاک کٹے تھے
 تلواروں پر زے تھا عمامہ تو قبا چاک
 سپارہ تھے جزو تن سبط شہ لولاک
 کٹ کٹ کے کمر بندرید اللہ کھلاتا
 غش کھا کے جو ہرنے پہ جھکے سید بار
 سر تھام کے ہاتھوں کو سیدھے ہوئے اکبار
 مہمان تھے دنیا میں فقط چند نفس کے
 دل سینے میں پھنکتا تھا یہ تھی تہ نہ دہانی
 جھکنا تھا جدھر زین سے ید اللہ کا جانی
 قابو میں نہ دست پسر عقدہ کشا تھے
 ڈیوڑھی پہ یہ سپینیاں دیتی تھیں دہائی
 نکلی ہوئی ڈیوڑھی سے ید اللہ کی جانی
 فریاد بہن شہ سے جدا ہوتی ہی لوگو

دو روز کے فاقہ میں یہ جرات یہ لڑائی
 ماں صدے گئی دکھ گئی ہووے گی کلانی
 ہاتھوں کی بلا میں تو مجھے لینے دو بیٹا
 تھرا کے رکھا میان میں تیغ دو زباں کو
 جاتے ہو کہاں قتل کر و تہ نہ دہاں کو
 اب آؤ کہ لڑنے کا مجھے حکم نہیں ہو
 یا کوئی نہ آسکتا تھا یا گھر گئے شمشیر
 بس ٹوٹ گئیں پسلیاں ساری یہ چلے تیر
 زخموں کے بھی ماتم میں گیہاں پھٹے تھے
 تھی گل کی طرح خون میں ڈوبی ہوئی پوشاک
 دو ٹکڑے تھی تلواروں سے جلد بدن پاک
 شیرازہ قرآن تن شاہ کھلا تھا
 خولی نے لگائی سر پر نور پہ تلوار
 بر جھی بن اشعث کی کلیجہ کے ہوئی پار
 غش ہو گئے نیزے سے سال بن انس کے
 ہوش آتا تھا جب غش سے تو فرماتے تھے پانی
 پہلو پہ تہرمارتے تھے ظلم کے بانی
 تھراتے ہوئے پاؤں کا بول سے جدا تھے
 کیوں لوٹتے ہو فاطمہ زہرا کی کمسائی
 چلاتی تھی ہی ہی مرے بھائی مرے بھائی
 دوڑو کوئی سید پہ جھا ہوتی ہی لوگو

غل راندوں میں تھا و احسنائے حسینا
 آتی تھی یہ زہرا کی صدا ہائے حسینا
 کس یاس سے پھر پھر کے نظر کرتے ہو بھائی
 بھیا تری مظلوم بہن کس کو پکارے
 سرور ترے بدلے کوئی سر میرا تاکے
 پردیس میں ولت مراں باپ کی سچ جا
 بابا بھی نہیں کون مدد کرنے کو آئے
 اوتشنہ بہن پیاس تری کون بھالے
 ویرانے میں فریاد سنے کون کسی کی
 اس دشت میں یارب کی سی شیعہ کا گزر ہو
 ہر ہر یہ ہم جنگ کی کس طرح سے سر ہو
 لٹتی ہوئی اماں کی کمائی کو بچالے
 سر پیٹ کے چلاتی رہی بنت ید اللہ
 کھینچے ہوئے خنجر کو بڑھے فوج سے گمراہ
 کوٹین کے دفتر کو لٹے ہوئے دیکھا
 سب جانتے ہیں صدمہ فوج شہ خوش خو
 وہ خلق وہ شمشیر وہ خاک و روہ پہلو
 آجاتی اسی وقت قیامت تو بیا تھا
 خاموش انیس اب کہ ہر سینہ میں چلچاک
 حاسد سے نہ کچھ خوف شمن سے ہر کچاک
 سب نظم کریں نیم کا یہ نظم و نسق ہو

صدے تری مظلومی کے دکھ پائے حسینا
 چلاتی تھی زینب مے ماں کے حسینا
 ہر ہر یہ بہن جیتی ہر دم مرتے ہو بھائی
 قسمت میں لکھا تھا کہ بندھیں ہاتھ ہلکے
 آقا مری چھاتی پہ کوئی بر چھیاں ہائے
 سر کاٹ لیں ہم سب کے پہ جان آپ کی سچ جا
 کس شہر سے اماں کو بہن ہونڈ کے لاکے
 یثرب کے مسافر تجھے اللہ بچائے
 بستی بھی نہیں کوئی عجمان علی کی
 افسوس میں والوں کو کس طرح خبر ہو
 یارب کوئی آکر بچنی سینہ سپر ہو
 کوئی ترا بندہ مرے بھائی کو بچالے
 غش کھا کے ادھر خاک و دلدل سے گئے شا
 و وڑی گئی مقتل کی طرف زینب بی جا
 پہونچی تو گلا بھائی کا کٹتے ہوئے دیکھا
 کیوں کر کہوں سینے پہ رکھا شمر نے زانو
 وہ ہاتھ شمر کا اور شاہ کے کیسو
 اٹھی جو نہ دنیا تو خدا جانے کیا تھا
 حق ہو ترا مداحی سبط شہ لولاک
 نا فہم ہو وہ چاند پہ ٹپکے جو کوئی خاک
 باطل ہو سو باطل ہو جو حق ہو سو وہ حق ہو

مترجمہ

(۲۲)

شمشاد بوستان رسالت حسینؑ ہے
 ابر عطا و آیہ رحمت حسینؑ ہے
 ہر جا ظہور حق ہے انھیں کے ظہور سے
 عنوان نہ صحیفہ اخضر حسینؑ ہے
 جسم نبی کی روح مطہر حسینؑ ہے
 قربان رتبہ شہ عرش احتشام کے
 مشکل کشائے حاضر و غائب حسینؑ ہے
 فرماں روا کے مشرق و مغرب حسینؑ ہے
 چھوٹے سے سن عرش سے رتبہ سوا ملا
 آدم سے مرتبے میں مقدم حسینؑ ہے
 حاکم تاج عرش معظم حسینؑ ہے
 مالک ہے کارخانہ رب جلیل کا
 خورشید آسمان تجل حسینؑ ہے
 عالم تمام جزو ہے اور کل حسینؑ ہے
 جانیں فدا ہیں نام پہ اور دل نثار ہیں
 لیکن کہیں کعبہ ایسا حسینؑ ہے
 پیدا ہے تو حسینؑ ہے پنہاں حسینؑ ہے
 حق اُس سے ہے قریب حق سے جدا نہیں

مفتاح باب گشت جنت حسینؑ ہے
 نقش نگین مہر نبوت حسینؑ ہے
 سب خاک سے بنے ہیں خالق کے نوسے
 فیاض آبِ شہدہ کو تر حسینؑ ہے
 کشتی عرش و فرش کا لنگر حسینؑ ہے
 بیٹے امام دین کے پیر نوا امام کے
 خورشید و ماہ مکہ و یترب حسینؑ ہے
 دوش رسول پاک کا راکب حسینؑ ہے
 لیکن نگیں بھی مہر نبوت کو کیا ملا
 اسرار کردگار کا محرم حسینؑ ہے
 شیرازہ کتاب دو عالم حسینؑ ہے
 مختار ہے بہشت کا اور سل سبیل کا
 طاؤس بوستان توکل حسینؑ ہے
 سب خلق عندلیب ہے اور گل حسینؑ ہے
 یوسف ہے ایک چاہنے والے ہزار ہیں
 کرسی اگر ہو رحل تو قرآن حسینؑ ہے
 عالم تمام جسم ہے اور ہاں حسینؑ ہے
 جو کچھ کہو وہ سچ ہے مگر اک خدا نہیں

اوتی کو دم میں چاہے تو اعلیٰ کرے حسینؑ
بالا کو پست پست کو بالا کرے حسینؑ

عزت جو دین میں کو تو گردوں شکوہ ہو
دے کو آفات روشن کرے حسینؑ
دورخ کو دم میں غیر تگش کرے حسینؑ
چشم غصہ کے دیکھیں جسے جل کے خاک ہو

کروں سپید رو تو سیاہی ہو تریک دور
حافظ ہوں گرو سنگ ہو شیشے سے چور

حافظ اگر ہو لطف و کرم اس کریم کا
ہوے جو حکم نافذ شاہنشاہ حبیب کا
اک جا ہو آشیانہ عصفور و شاہباز

گر وہ قوی ضعیف سے کار جدال لے
ہاں اویزاں خوش ادب ہو یہ مقام

ایک لک اسر جھکا دے قدم پر پی سلام
پیچھے زباں سے وصف شہ نیک کریں

یہ وہ حسینؑ ہے کہ جو ہو نور مشرقین
خیر النساء کی جان محمدؐ کے دل کا چین

اس کی نہ کوئی آس نہ کوئی مراد تھی
مولا کی ذات خلقت میں ہو سایہ الہ

روز جزا معالج ہمساری گناہ
گر حشر میں وہ حاجی امت سپر نہ ہو

قطرے کو بحر لطف سے دریا کے حسینؑ
اک آن میں شری کو تریا کرے حسینؑ
طاقت جو بخش دے تو پر کاہ کوہ ہو

قدرت سے ناتواں کو تہمت کرے حسینؑ
آہن کو میم موم کو آہن کرے حسینؑ
جس پر کرم کریں وہ گناہوں پاک ہو

شرائے آفتاب جو ظلمت کو دیں نور
چاہیں تو خس کو آگ دریا سے ہو عبور
فانوس بہر شمع ہو دامن نسیم کا

آہو کے آگے شیر جھکائے بہر نیاز
بہر شکار باز کرے چشم کو نہ نیاز
روباہ جا کے شیر کی آنکھیں نکال لے

کوثر سے منہ کو دھو لے تو لے شاہ کل نام
او طبع پاک شمس و رفقہ ہو سب کلام
اشکوں سے پہلے مردم دیدہ وضو کریں

جس کے پیر نے فتح کیا خیر جنین
شیعوں کو اس کی پیاس رو ناہو فرین
خنجر گلے پہ تھا تو تمھاری ہی یاد تھی

اُدت کا کار ساز و عالم کا خیر خواہ
مجرم کو اس کے سایہ دہن میں ہو پنا
تین مذاب حق سے کسی کو مفر نہ ہو

دارائے شرع مصطفوی مقتدا خلق
فیض و عطا و شفقت و رحمت بر خلق
بھیجیں درود کیوں نہ ملک و جہ پاک پر
باب السلام حلم نبی آسمان شرع
دریائے لطف معدن بخشش جہان شرع
اُس کے کرم سے گلشن وین تازہ ہو گیا
عاجز نہ اس کے وصف میں کس طرح خرد
اُس کی کتاب وصف کی کتنی کی ہر یہ حد
اس میں بھی سب صفات تہ مجرور نہیں
حدیث نہیں ہر تری مدح یا امام
قدسی درود بھیجتے ہیں تجھ پہ صبح و شام
ذرت سے وصف نیر تاباں ہو کس طرح
راحت نہیں مے دل مضطر کو اک نفس
دن رات قافلے چلے جاتے ہیں پیش و پس
اس سال ہو دعا کہ نہ دوری نصیب ہو
عرش خدا ہو تیرے شرف سے بزرگوار
ہو پختہ فلک پہ گر تری تعلیم کا غبار
ہو راہ پر وہی کہ جسے تجھ سے راہ ہو
روحی ذاک اے قبر برج اہل اتا
ابر عطا محیط کرم منبع سخا
اے نوح خلق تو ہو سفینہ نجات کا

خضر صراط دین میں پیشوائے خلق
دست خدا کی طرح سے شکل کشائے خلق
سجدے کا حکم دیوے خدا اس کی خاک کے
نور سراج دین شرف خاندان شرع
ہنہای علم قطب زماں قہرمان شرع
شیعوں پہ وا بہشت کا دروازہ ہو گیا
افضل کے جہاں سے جسے افضل احد
آغاز جس کا ہو ازل انجام ہو ابد
فقرے ہیں مبتدا کے خبر کی خبر نہیں
بندے سے کس طرح ہو زبان کا کام
میں خاک و عرش سے اعلیٰ تر مقام
اک مور سے نئے سلیمان ہو کس طرح
مالاں ہوں تیری راہ میں میں جنت جس
اور شوق میں غلام تڑپتا ہو ہر برس
مولا طلب کرو تو حضوری نصیب ہو
کر سی ترے قدم کی بدولت ہو پاؤں مار
سمجھو وہ خلعت شرف و تاج افتخار
نقش قدم برائے فلک سجدہ گاہ ہو
قلبی لہیک اے گہر تاج لافت
شمع سریم حق گل گزار قل کفا
طوفاں میں آسرا ہو خط تیری است کا

قیصر تری جناب کا اک بندہ کمین
 ہو غیرت بہشت ترے نور سے نہیں
 کرسی کی زیب دوش پیمبر کی زیب ہو
 اللہ کے اوج واہ رحمت ہے تھے فار
 اشرتبے تھے عید کو محبوب کر دگار
 مرکب حسین کے شہ گروں مقام تھے
 لکھا ہو یہ کہ سجدے میں ایک دن رسول
 خیر الورا نے سجدہ حق کو دیا یہ طول
 سر پیٹنے کی جا ہو یہ جس کا وقار ہو
 باران کی بوند یوں سے جسے فاطمہ بچائے
 کوثر ہو جس کے قبضہ قدرت میں آبائے
 یہ واقعہ وہ ہو کہ خوشی نا پذیر ہو
 حلے بہشت کے جسے بھیجے خدا کے پاک
 ہیکل کی خط سے فاطمہ کا دل ہو دردناک
 دوش رسول پاک پہ جو سیر چڑھے
 ہوس کی ماں کے مہر میں سب آبائے رنگ
 گہوارے میں جھلایں جسے آن کر ملک
 چھوڑ آئے کنکروں پہ تن پاش پاش کو
 دنیوں کو روز عید تو کرتے ہیں ذبح سب
 حیواں کو پانی دیتے ہیں جو ہیں خدا طلب
 وارث خلیل کا وہ شہ مشرقین ہو

خاقان ہیں ہو اک تھے خزن کا خوشہ حبیب
 جاروب فرش عرش شرف زلف و عین
 تیرے قدم سے عرش منور کی زیب ہو
 اک آن نے حسین نبی کو نہ تھا قرار
 مثل نگیں یہ مہر نبوت پہ تھے سوار
 جلیں جو تھیں رکاب تو گیسو لگام تھے
 پشت نبی پہ آکے چڑھا دلبر بتول
 سمجھا ہر اک کہ وحی خدا کا ہوا نزول
 سینے پہ اس حسین کے قاتل سوار ہو
 واحد سر اوہ سینہ اقدس پہ تیر کھائے
 پانی کی بوند اسے نہ کوئی مرے دم پائے
 ہر سینہ کر بلا ہو ہر اک دل شہید ہو
 ہو بعد مرگ اس کا کفن کر بلا کی خاک
 تینوں سے اہل ظلم کریں اس کے تن کو چاک
 خنجر سے کٹ کے تیرے پاس شہ کا سر چھپے
 تر سے وہ ایک پانی کے قطرے کو کیوں فلک
 مر کر کفن نہ پائے وہ چالیس ورتک
 مٹی نہ دی نبی کے نواسے کی لاش کو
 کاٹا گلا نبی کے نواسے کا ہو غضب
 فریاد حسین تھے دو دن سے تشناب
 ذبح عظیم اشارہ قتل حسین ہو

گلزار میں پہنچ خزاں میں جب چلی
 وقت نمازِ ظہر ہوا دو پہر و صلی
 بھائی کے غم سے خم شدہ دیکھ کر ہو گئے
 بل ظفر بجاتے تھے واں بانی ستم
 فتنہ پھارتی تھی یہ ڈیڑھ سی سے دم ہم
 چادر کوئی اڑھاؤ تن پاش پاش پر
 ہوئی تھی فوجِ ظلم میں تدبیرِ قتلِ شاہ
 کتا تھا یہ جا کے صفیں شمر و سیاہ
 حلقے میں لیلو آتے ہی یوں اس لیر کو
 رکھتا نہیں کوئی یہ غریب الدیار یار
 تیروں کی تن پہ دور سے ہونے شہا یار
 آگے سے تیغ و خنجر و تیر و سناں چلے
 ہاں غازیو قریب ہو اب تیسرا پہر
 بجھا ہو کوئی آن میں نفتارہ ظفر
 راحت لول کو ہوئے گی قتلِ حسین سے
 یہ ذکر تھا کہ نور خدا کا ہوا ظہور
 بوئے بہشت پھیل گئی زن میں درود
 پر تو سے رشک طور ہر اک سینہ ہو گیا
 غل تھا خوشا حسین کی شوکت ز جلال
 اک آسمان حسن کے ابرو ہیں دو ہلال
 کیا دخل راستے نظر بد کے بند ہیں

یعنی قلم ہوا چمن مرتضیٰ علی
 تنہا رہا وہ حضرت مسعود کا ولی
 بیٹا جواں جو قتل ہوا پس ہو گئے
 خیمے سے نکل آتے سر پہ تے حرم
 کس جا رکھی ہو لاش پسریا شہِ اُمم
 رونے کو زینب آتی ہو اکبر کی لاش پر
 چھائی ہوئی تھی چار طرف شام کی سیاہ
 آتا ہو جنگ کو پسِ ضعیف غمِ الہ
 جنگل میں گھیر لیتے ہیں جس طرح شیر کو
 شمشیر شعلہ بار پڑے سر پہ بار بار
 نیرے اٹھا اٹھا کے کریں سب سوار دار
 پیچھے سے فرق پاک پہ گزراں چلے
 جانیں لڑا کے جلد کروں ہم کو سر
 عابد کے ہاتھ باندھ کے اب کھو لیو کمر
 سیدانیوں کو لوٹ کے سوئیں گے چین سے
 ذرے زمیں کے بن گئے رشکِ جلالِ غفور
 پوچھا فلک تلک قمر فاطمہ کا نور
 تختہ زمیں کا غیرتِ اُنیہ ہو گیا
 روشن جبین ہو آئینہ مہر کی مثال
 اور فاطمہ کی آنکھ کا تارا ہر ایک خال
 مجھ ہی آفتاب تو اختر پسند ہیں

لوح کتاب حسن ہر پیشانی جناب
 مصحح ہیں دونوں مطلع ابرو کے انتخاب
 شمس الضحیٰ اسی رخ نیکو کا وصف ہر
 وہ زلف مشکیزہ رخسار جاں فروز
 شمع اور دھوئیں میں بھی نہیں ہوتا پیرازدہوز
 ظلمت میں نور نور کو ظلمت میں آہ ہر
 گیسوے مشک بوئے امام فلک سریر
 چہرہ قمر تو ابرو و مژگاں کمان و تیر
 سجدے کی جا ہر نہرہ جبینوں کے واسطے
 دونوں بھویں کمانوں کی صورت کشیدہ ہیں
 رخسار ناز کی میں گل نور سیدہ ہیں
 جلوہ خدا کے نور کا ہر اس نگاہ میں
 ولیل و الضحیٰ رخ روشن خط سیاہ
 ابرو و زلف و دوشب قدر و ہلال ماہ
 قربان فاطمہ کا دل غم رسیدہ ہر
 آنکھوں کے آگے دیدہ آہو ہیں ناپسند
 رخسار مہر و ماہ سے روشن ہزار چند
 ابرو ہیں اس طرح رخ پُر آب تاب پر
 صدقے و ہن کے اور لب جاں بخش کے تبار
 یہ لعل لب ہیں ان گہروں کے خرمینہ دار
 ہیرے کے بھی نیکیں نخل ان کے حضور ہیں

جس سے نخل ضیائے جہان تاب آفتاب
 قرآن کی طرح ہر خط رخسار لا جواب
 ولیل اذ اسجی اسی گیسو کا وصف ہر
 پیدا ہوئی ہر روز سے شب شب کے روز
 دیکھا نہیں ہم سحر و شام کو ہنوز
 ہر سنبہ میں مہر کہ ہالے ہیں ماہ ہر
 شرمندہ جس سے عود نخل عنبر و عنبر
 جن پر ہزار جان سے قرباں جواں پیر
 گوشہ ہر خوب چلہ نشینوں کے واسطے
 بالائے سرور است ہلال خمیدہ ہیں
 آنکھیں جناب فاطمہ کی نور دیدہ ہیں
 پتلی نہیں ہر چشم میں یوسف ہر چاہ میں
 لعل و غزال و گل لب و رخسار چشم شاہ
 تیر و سناں نہ مرہ و سرمد و نگاہ
 چشم کشودہ صاف کماں کشیدہ ہر
 پتلی ہر یہ کہ شیشے کے اندر پری ہو بند
 بیسنی سے اور حسن کا رتبہ ہوا بلند
 ہو جس طرح سے مد الف آفتاب پر
 جن سے نتائج لب عیسیٰ میں آشکار
 بے قدر ہیں صدقے جہاں دُر شاہ وار
 دندان نہیں یہ گوہر دریائے نور ہیں

نازک کہیں ہیں گل تر سے لعل لب
 کوکب میں آسماں پہ بھلا یہ چمک ہو کب
 پانی انھیں پہ فاطمہ پیتی تھیں وار کے
 وہ دوش ہیں شفاعت اُمت کا جن بار
 اس ساعد اور اس کفِ سیمیں کے ہم تیار
 ہیہات کچھ نہ دستِ خدا کا ادب کیا
 وہ ہاتھ جن کے سامنے زربال کچھ نہ سیم
 شیعوں کے دستگیر بروزِ امید و بیم
 ہر دم ہیں مثلِ ابر کرم پر تلے ہوئے
 سینہ ہو اک خزینۂ انصافِ عدل دار
 نور اس میں یں ہو قلب میں جسے خدا کی داد
 عاجز دم و غاشہ عالم نہ ہوتے تھے
 کرتا ہوں وصفِ پائے شہِ نامدار سر
 کہتا ہوں یہ جھک کے قلم بار بار سر
 رتبے دلاوری کے سر ہو گھٹے نہیں
 اس فوج پر جو قبلہ عالم نے کی نگاہ
 کالی گھنٹا سی چھائی ہو سب شام کی سپا
 کہتے ہیں سب کہ قلغلہ وار و گیر ہو
 دریا کی طرح لشکر کہیں مارتا ہو جوش
 ہل میں مبارز کا ہر اک صف میں ہو خروش
 غل ہو کہ شاہِ یثرب و بطحا کو گھیر لو
 اور آب و تاب گوہر و ندان میں ہو غضب
 ہیں ن کو آفتاب تو بجلی میانِ شب
 بتیس در ہیں دودھ کے بتیس دھار کے
 اور بازوؤں سے شانِ ید اللہ آشکار
 اُٹھتے تھے عاصیوں کی دعا کو جو بار بار
 پہونچوں کو سارباں نے کاٹا غضب کیا
 کیا سیم وزرہ کو شرو تسنیم کی تسیم
 انگلی ہر اک کلیدِ درِ جنتِ انیم
 میں ناخنوں پہ عقدہ مشکل کھلے ہوئے
 قرآن اسے سمجھتے ہیں ہیں خوش اعتقاد
 تیروں کے سامنے وہ سپر تھا دمِ جہاد
 ٹوٹی ہوئی کمر تھی مگر خم نہ ہوتے تھے
 کر دے گا اس مہم کو بھی پروردگار
 صدقے امامِ دین کے قدم پر ہزار سر
 سرکٹ گیا پہ کھیت سے پاؤں ہٹے نہیں
 دیکھا کھلے ہوئے ہیں کئی سو علم سیاہ
 تینوں کی یہ چمک ہو کہ اللہ کی پناہ
 نزدیک ہو کہ باشِ بارانِ تیسر ہو
 نیرے ہمارے ہیں جوانانِ دمع پوش
 چلے کھنچے ہوئے ہیں کمانوں کے تابوش
 مظلوم کو غریب کو تنہا کو گھیر لو

نازک کہیں ہیں گل تر سے لعل لب
 کوکب میں آسماں پہ بھلا یہ چمک ہو کب
 پانی انھیں پہ فاطمہ پیتی تھیں وار کے
 وہ دوش ہیں شفاعت اُمت کا جن بار
 اس ساعد اور اس کفِ سیمیں کے ہم تیار
 ہیہات کچھ نہ دستِ خدا کا ادب کیا
 وہ ہاتھ جن کے سامنے زربال کچھ نہ سیم
 شیعوں کے دستگیر بروزِ امید و بیم
 ہر دم ہیں مثلِ ابر کرم پر تلے ہوئے
 سینہ ہو اک خزینۂ انصافِ عدل دار
 نور اس میں یں ہو قلب میں جسے خدا کی داد
 عاجز دم و غاشہ عالم نہ ہوتے تھے
 کرتا ہوں وصفِ پائے شہِ نامدار سر
 کہتا ہوں یہ جھک کے قلم بار بار سر
 رتبے دلاوری کے سر ہو گھٹے نہیں
 اس فوج پر جو قبلہ عالم نے کی نگاہ
 کالی گھنٹا سی چھائی ہو سب شام کی سپا
 کہتے ہیں سب کہ قلغلہ وار و گیر ہو
 دریا کی طرح لشکر کہیں مارتا ہو جوش
 ہل میں مبارز کا ہر اک صف میں ہو خروش
 غل ہو کہ شاہِ یثرب و بطحا کو گھیر لو

ہمیں کر کے اسپ کو آگے بڑھے امام
 ای سرکشان کو خہ و روم و عراق و شام
 کوئی بھی کاٹنا ہی گھلانے گناہ کا
 کس کے پدر کا نام جناب امیر ہو
 وہ کون ہو جو صاحب تلج و سریر ہو
 بنیاد کفر کس نے جہاں سے مثالی ہو
 پیایا ہوا چو کعبے کے اندر وہ کون ہو
 اتری جسے یہ تیغ دو پیکر وہ کون ہو
 سب کا فروں کو کس نے مطیع خدا کیا
 زور آور ان خلق کو کس نے کیا ہو زیر
 کہتی ہو کس کو خلق دو عالم خدا کا شیر
 کس کی سخا کاغل ہو عراق و حجاز میں
 حق نے کیا عطا پہ عطا ہل اتنا کسے
 کو نین میں ملا شرف اتنا کسے
 دنیا میں کون منتظم کائنات ہو
 غیر از علی ملا شرف صادقین کسے
 یسین میں کہا ہو امام مہیں کسے
 کس کو کہا ہو مژدرو ہادی جہان میں
 محبوب حق نے سابق الایماں کسے کہا
 دانندہ و قائل قرآن کسے کہا
 کہتے ہیں سب ولی خدا کس جناب

اعدائے اس طرح نہ فصاحت کئے کلام
 کرتا ہوں تم پہ آخری حجت کو میں تمام
 میں کون ہوں جناب رسالت پناہ کا
 کس کا پدر رسول خدا کا وزیر ہو
 کون و مکان میں کون بشیر و نذیر ہو
 کس نے نبی کے دوش پہ حراج پائی ہو
 چیرا ہو جس نے مہدیں اُردوہ کون ہو
 توڑا ہو جس نے قلعہ خیر وہ کون ہو
 بطل کو کس کی تیغ نے حق سے جدا کیا
 دونوں جہاں میں کون علی سا ہوا دلیر
 بھوکے کو کس ولی نے کیا تین وزیر
 سائل کو کس نے دی ہو انگوٹھی نماز میں
 حاصل ہوا ہو مرتبہ لافنا کسے
 کہتی ہو خلق بادشہ قل کفا کسے
 کس کو کہا خدا نے کہ یہ میرا ہات ہو
 ہاتھ آیا زور دست جہاں آفریں کسے
 حق نے کیا ہو راز کا اپنے میں کسے
 نصیب ہا ہل ہو کہو کس کی شان میں
 فرمایا اپنا جسم کسے جان کسے کہا
 نور و دلیل و حجت و برہاں کسے کہا
 رحمت ہوئی ہو کس کے لیے آفتاب کو

کس نے جہاں میں کفر و غم حک و نک کیا
 کس کو خدا نے پاک نے فخر ملک کیا
 قائل ملک میں ضرب امام جلیل کے
 مشہور ہو جہاں میں بیر الالم کا حال
 دُور سے جنوں کے جان بچانا ہوا محال
 دیوان کے سامنے ٹھہرے نہ جن لڑے
 سب کافروں کو بدر سے دم میں بدر کیا
 جنگ حنین و خیبر و خندق کو سر کیا
 مارا جو ایک ضرب میں رحمت جان سے
 جس نے بنائے دین میں کی وہ کون ہو
 قوت ہو جس میں دست احد کی وہ کون ہو
 کیونکر نجات چاہ سے یوسف نے پائی ہو
 آدم سے پہلے عرش پہ کس کا ظہور تھا
 ہر آن کس پہ رحمت حق کا و فور تھا
 چلا رہے تھے بہر دم سب کو دیر سے
 کشف مشکلات و عالم ہو کس کی ذات
 عیسیٰ کو کس نے بخشا ہو کمر مایہ حیات
 گل کر دیا ہو نار کو کس نے خلیل پر
 خورشید سات بار ہو کس سے ہم کلام
 ناطق ہو کس کی شان ہیں اللہ کا کلام
 حامی ہو کون سب کا حیات و ممات میں

کس شیر نے دو نیم سر شریک و ہمک کیا
 کس نے علی کی طرح جہاد آج تک کیا
 کاٹے ہیں کس کی تیغ نے چہر بیل کے
 آتش میں جا کے کود پڑے شیر ذوالجلال
 سایہ کی طرح ہو گئی سب فوج پامال
 شیر خدا زبیں کے تلے تین دن لڑے
 پیش رسول عمرو کو زہر و زہر کیا
 عنتر کو سر سے تاپہ قدم خوں میں تر کیا
 آتی تھی مرجا کی صدا آسمان سے
 جس کی کسی نے ضرب روئی وہ کون ہو
 جس نے پیہروں کی مدد کی وہ کون ہو
 طوفان سے کس نے نوح کی کشتی بچائی ہو
 حق سے قریب کون تھا اور کون دور تھا
 جس کی ضیا کھتی طور پر وہ کس کا نور تھا
 کس شیر نے چھڑا دیا سماں کو شیر سے
 کون و مکاں میں کون ہوا فخر کائنات
 یونس کو کس نے بطن سے اُہی دی نجات
 لکھا ہو کس کا نام چہر بیل پر
 کس سے زمین کہتی تھی شب کو خبر تمام
 انجیل اور زبور میں لکھے ہیں کس کے ہم
 کس کی ثنا ہو سورہ و العادیات میں

ہیں کس کے نام صفر و کزار و مرتضا
 شیر و شجاع و صابر و معصوم و مقتدا
 باذل و ہی منظر و منصور و ہی
 سبط الخلیل حجت وین ملک الرقاب
 بوطالب و ابوالحسنین و ابوتراب
 قرآن میں کون نور سموات و ارض ہی
 شمشیر شرع فارس دیں شختہ نجف
 دریائے معرفت دریکٹائے زہد
 ہر ذی حیات ان سے طلبگار عون ہی
 میں پارہ جگر ہوں بشیر و نذیر کا
 ہی مجھ میں علم و فضل جناب امیر کا
 اس میں بھی مصلحت ہی جو ظہور آج ہوں
 والد بہترین عرب ہی مرا پیر
 عالی حسب بلند نسب ہی مرا پیر
 ہی حکم مثل کعبہ مرے احترام کا
 بلند مکہ و عرفات و مناہوں میں
 حق ہیں مرے کلام زبان خدا ہوں میں
 میزان مغفرت ہیں گناہوں کو تولدوں
 وہ کس کی والدہ ہی جو فضیلتہ الرسول
 مریم کی عرض ہوتی تھی جس طرح قبول
 عزت یہ فاطمہ کی کینزی میں پائی ہی

ذی علم ذی سعادت ذی النصر ذی العطا
 منصور و از قیا و لبلا و ایلیا
 غالب و ہی ہی طور و ہی نور ہی ہی
 باب علوم زوج بتول فلک جناب
 زہد و دلی و طاہر و جواد و طیب طلب
 طاعت وہ کس کی ہی جو زمانے فرض ہی
 مفتاح فتح عارف اسرار من عرف
 ذی جاہ و ذی کرامت ذی فیض ذی شرف
 جس کے یہ مرتبے ہیں حسین اس کا کون ہی
 میں نور ہوں جہاں میں سراج منیر کا
 واللہ پیشوا ہوں صغیر و کبیر کا
 شاہوں کا شاہ ہوں مہر عالم کا لاج پو
 روز ازل سے عاشق رب ہی مرا پیر
 ایجاد آسمان کا سبب ہی مرا پیر
 فرزند ہوں میں مشرور کن و مقام کا
 میرا ادب کرو خلف مرتضا ہوں میں
 مشکل کشا کالال ہوں مشکل کشا ہوں میں
 عقدے جو لاکھ ہوں توا شک میں کھول دوں
 مرضیہ و رضیہ و صدیقہ و بتول
 فضہ کے واسطے ہی وہی مرتبہ حصول
 اس کے لیے بھی نعمت دوس آئی ہی

اعدائے تب کہا کہ یسب ہم پہ ہر عیاں
 حیدر تمہارے باپ میں رفاطمہ میں ماں
 مانیں گے فاطمہ کو نہ شیرالہ کو
 کیا ہو گا گر ہر آپ کے قبضے میں ذو الفقار
 دست علی سے چلتی تھی یہ تیغِ آبدار
 حملہ نہ ہو سکے گا ہزار آپ کہ کریں
 پہلے تو مسکرائے یہ سن کر لام دیں
 ساتوں فلک لرز گئے اُلٹی جو استیں
 چمکی جو ذو الفقار نکل کر غلاف سے
 نعرہ کیا کہ ادھر سعد نا بکار
 آیا علی کا شیر خردار ہو شیار
 مجھ سے کسے جہاں میں مجالِ ستیز ہو
 آفاق میں نہیں مری شمشیر کی پناہ
 قوت وہ ہو کہ کوہ کو کاؤں مثال کاہ
 دریا سموم مہر سے میرے سراب ہو
 نقارہ و غا پہ لگی چوب یک بیک
 شہر کی صدائے ہر اسال ہے ملک
 شورِ دہل سے حشر تھا افلاک کے تلے
 جسے فروں تھی کثرتِ افواج نا بکار
 ہرست تھی مسناں پہ سنناں تھیں لاکھ
 پیکان بہم تھے جیسے ہوں گل بکھلے ہوئے

بیشک ہو تم میرے پیغمبرِ زمان
 بیعتِ بنیر پر نہ ملے گی تجھیں اماں
 کاٹیں گے بوسہ گاہ رسالت پناہ کو
 آپ ایک یاں چھ لاکھ جواں و رکنی ہزار
 قاعدہ میں تین دن کے کہاں نور کارزار
 عباس اب نہیں ہیں جو آکر مدد کریں
 اعدا پہ کی نظر صفتِ شیرِ خشکیں
 دیکھا جو سوئے چرخ تو ہلنے لگی میں
 پریاں بچا کے جان اڑیں کوہِ قاف سے
 لے دیکھ تین روز کے پیاسے کی کارزار
 دیکھوں تو روکتے ہیں مجھے کس طرح سوار
 برہان قاطع ایک مری تیغِ تیز ہو
 جو ہر کھلیں تو بند ہو امن و اماں کی راہ
 تل جائے آسمان جو کروں غیظ سے گناہ
 نعرہ کروں تو زہرہ مرتخِ آب ہو
 اٹھا عنبر یو کوس کہ ہٹنے لگے فلک
 قرنا چھنکی کہ گونج گیا دشتِ ورتک
 مردے بھی ڈر کے چونک پڑے خاک کے تلے
 نیزہ پہ نیزہ تیغ پہ تھی تیغِ آبدار
 ہر صف میں تھی سپر سپر مثلِ لالہ زار
 گوشوں سے تھے کمانوں کے گوشے ملے ہوئے

اُمّی ہوئی تھی فوج پہ فوج اور دل پہ دل
 خنجر وہ جن کی آبیں ہو تلخی اجل
 دود و تبر تھے پاس ہر اک خود پسند کے
 حملہ کیا خدیو فلک بارگاہ نے
 راہ اماں کو بند کیا تیغ شاہ نے
 لٹوار تھی کہ فوج پہ قہر خدا چلا
 گیتی کو زلزلہ ہوا اندر سے جلال
 ہلنے لگے درخت لرزے لگے جبال
 مریخ نے منہ اپنا چھپایا تھا خوف سے
 ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب
 پانی سے مچھلیوں کو ابھرنے کی تھی نہ تاب
 اک شور تھا بجائے خدا اس کے کاٹ
 کعبہ ادھر تھا جلوہ نما اور ادھر کشت
 گیتی ادھر کرم کی ادھر تھی تتم کی کشت
 شیطان تھا اس طرف تو ادھر کردگار تھا
 بجلی گری کہ فوج پہ تیغ دو سر گری
 چمکی کبھی فلک پہ کبھی سرق پہ گری
 زہر ہیں تنوں میں مثل کفن چاک ہو گئیں
 پڑتی تھی جس کے فرق پہ وہ تیغ سر شکاف
 تاسینہ کوئی اور کوئی ناکر شکاف
 سر تھا اگر تو ہاتھ کا تن پر اثر نہ تھا

تھے بر چھپیوں صورت مقرر چل پہ چل
 وہ گرز جن کے ڈر سے گرے دیونکے چل
 حلقوں پہ تھے بچھے ہوئے حلقہ کند کے
 رو کا سپر کو رخ پہ ہر اک وسیاہ نے
 قبضے میں پانی امن کی جاگہ پناہ نے
 گویا زباں نکالے ہوئے از دہا چلا
 نعرہ کیا کہ گونج گیا عرصہ قتال
 سبزہ نہ تھا کھڑے تھے بدن بر زمین بال
 سینے کو آسمان نے چرایا تھا خوف سے
 اور آب میں سروں کو چھپانے لگے حباب
 دہشت سے سب نہنگ تھے چلے کر آب
 طوفان اٹھا ہر تیغ حسینی کے گھاٹ سے
 دوزخ کی آگ ادھر تھی ادھر گلشن بہشت
 یاں کار نامہ ہو تھے داں فعل ہا زہشت
 میدان میں مقابلہ نور و نار تھا
 کٹ کر کسی کی تیغ کسی کی سپر گری
 سر کاٹ کے ادھر سے جو اُچی ادھر گری
 اک آن میں صفین کی صفیں خاک ہو گئیں
 ہوتا تھا سر سے مثل قلم تا جگر شکاف
 چار آسن کسی کسی کی سپر شکاف
 نہایت کسی کے ہاتھ اگر تھے تو سر نہ تھا

قبضہ میں تھی حسین کے دستِ خدا کی تیغ
 نیزوں کے بند کاٹتی تھی مرقا کی تیغ
 ثابت کسی سوار کے تن پر زردہ نہ تھی
 دم بھرا ماں نہ دیتی تھی وہ برقِ جاں گیل
 رو باہ بن گئے تھے جو امانِ شیر دل
 کشتوں کی حد تو زخمیوں کی انتہا نہ تھی
 سرکش تھے بادِ کبر سے جو خانماں خراب
 کرپوں سے یوں زردہ گزر جاتی تھی شتاب
 ضربت میں شہ کی ضربِ علی کا قرینہ تھا
 پھولے تھے ہاتھ پاؤں سمجھوں کے دم تیز
 ضرر کی طرح چلتی تھی ہر سو وہ تیغ تیز
 ان باغیوں پہ تیغ کے جوہر عیاں ہوئے
 ہاتھوں میں زورِ قلب میں صبر و سکون تھا
 وہ کونسا نشان تھا جو سرنگوں نہ تھا
 تھے سخت کشمکش میں شمشیر اس طرف
 تھی شکلِ لاجو تیغِ شبہ آدم و ملک
 عالم سے کفر کاٹ کو اس نے کیا تھا نک
 ڈرے اسی کے کفر کی بنیادِ پست تھی
 تھی دستِ شاہِ دہس میں دو چند ابروئے تیغ
 آتش سے سمر کے میں مشابہ تھی غمے تیغ
 سرکٹ کے دو جسم سے اک دم میں جا رہا

غل تھا کبھی کی ہو کسی سے قضا کی تیغ
 عقروں کو کھول دیتی تھی مشکلا کی تیغ
 کھولانہ ہو جسے کوئی ایسی گرہ نہ تھی
 اور ناریاں پہ آگ بستی تھی متصل
 مقتل کی خاکوں سے سب ہو گئی تھی گل
 اعدا کے تن سے دم کے نکلنے کی جا بھتی
 خود ان کے گرے کے ٹوٹ گئے صورتِ جبار
 جس طرح دم سے نکل آتی ہو موجِ آب
 سر تھانہ چارہ آئینہ تھا اور نہ سینہ تھا
 فی تابِ کارزار تھی فی طاقتِ گریز
 سر گر رہے تھے جسم سے تھی فصلِ گریز
 جب پھل لگا تو پھول سپر کے خزاں ہوئے
 تیغ زرد تھے تنوں میں عینوں کے خون تھا
 جڑ موت گم رہوں کا کوئی رہنموی نہ تھا
 تیغ اس طرف کو کھینچتی تھی نار اس طرف
 کرتی تھی نفی کفر صد ادہ بہ فلک
 دو انگلیاں بنی تھیں چشمِ شرمِ شک
 اسلام کو ظفر تو بتوں کو شکست تھی
 تھا ہاتھ بھر سروں سے فزونِ بکسے تیغ
 دوزخ کو کھینچ گیا کوئی آیا جو سوئے تیغ
 تن مثلِ میمِ قعرِ جہنم میں جا رہا

کرتا تھا تھر لاکھ لڑائی کا بندوبست
 نیزے تو تھے بلند مگر ہمیں تھیں پست
 سر تیغ سے مثال قلم کٹتے جاتے تھے
 اک برق سی چمکتی تھی بالائے سطح خاک
 جوشن تو پارہ پارہ تھے اور ہم چاک چاک
 اپنے پروں کی فکر تھی روح الامین کو
 جب صفت پہ وار کرتے تھے سلطانِ گجرات
 چھپتی تھیں بھاگی جاتی تھیں گتے تھے خاک پر
 پے تھے قدم گرز کے کوچے بھی بند تھے
 پھپھکتے تھے یوں وہ دیکھ کے اس تیغ کی چمک
 اوج سما سے زلزلہ برپا تھا تاسماک
 ہر شے تھی خوفِ جاں سے خشوع و خضوع میں
 جانوں کو چھوڑتی تھی نہ وہ تیغ برق دم
 ہر جوہر اوس کا دیدہ ہینا سے تھا نہ کم
 تھی موجِ بحرِ قمر خدا دار و گیر میں
 بجلی سی کوند کر جدھر آئی جلا گئی
 لشکر میں فرد فرد کو جو ہر دکھا گئی
 جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں کے کوچے
 چلاتی تھیں کمانیں کس جاہوں کو شہ گیر
 چلنے میں نیزے کا پتے تھے مثلِ پاپیر
 دم بندہ شجروں کے بھی تھے ہن مصاف میں

لکھی ہوئی تھی پر خطِ تقدیر میں نکست
 آگے نہ پاؤں سے اٹھاتے تھے نیز دست
 پیچھے ہی ظالموں کے قدم مٹتے جاتے تھے
 گاہے سوئے سماک تو کبھی جانبِ سماک
 دم لیتی تھی نہ تیغ نہ رکتا تھا دستِ پاک
 ریشہ تھا چرخِ سپر کو سکتہ زمین کو
 اڑتی تھی کٹ کے صورت کا غم لک سپر
 قبضوں سے تیغیں جسم سے روئیں گے سر
 شعلہ وہ تیغ تھی مہر اعدا سپند تھے
 بھاگے شناع مہر سے جس طرح شہرک
 چمکی وہ جب تو کانپ گئے چرخِ پرلک
 بجدے میں تھی زمیں تو فلک رکوع میں
 تھی اس کی ناب جادہ ہر منزلِ عدم
 اعدا کو ڈھونڈھتی تھی وہ قاسمِ یسے تھا نہ کم
 سیلِ فنا کا آب تھا اس کے خمیر میں
 دم میں چراغِ راہِ ضلالت بھاگی
 خوں سے بھرا نہ پیٹ تو لوہے کو کھا گئی
 پیر اک جس طرح نخل آتا ہر موج سے
 ہم تو خطا شعاروں کے قبضہ میں ہیں سپر
 سہمے ہوئے نکلتے نہ تھے ترکشوں سے نیز
 تیغیں چھپیں تھیں خوف کے مارے غلات میں

دریا ہو کا بہتا تھا قتل کی خاک پر
 تھے مثل موج دست بیدہ و مہر و مہر
 نہیں لہو کی دشت میں پیش نگاہ تھیں
 بڑھ بڑھ کے یوں پھرتے تھے وہ عاشق صہر
 جاتے تھے نیزہ و ارونق جب سے رت بہہ
 ہو جاتی تھی دو چند برش و انفجار میں
 جس فرق پر چپکے وہ برق اجل گئی
 جس صف کو آنچ لگ گئی اس کی جل گئی
 ضربت پہ عقل دیکھنے والوں کی دنگ تھی
 اک شور تھا کہ تیغ ہو یا یہ خدا کا قہر
 ناگن ہو یہ کہ کاٹے کی جس کے نہیں ہر لہر
 زخموں سے جسم دوسے کیلجے ٹکا رہیں
 سر پر پڑی فرس کے تو سوئے کفل چلی
 بجلی سی جس لعین پہ چلی بر محل چلی
 دو آفتوں نے دشمن دیں کو دالیا
 جب حملہ ورامام سیجا نفس تھے
 کشتوں کے ڈھیر اس چپ پیش و پس ہوئے
 کشتوں کی شکل خون سے جو روپوش ہو گئی
 سر پر چڑھی تو چنبر گردن کو دو کیا
 جوشن کے ساتھ زین کے دامن کو دو کیا
 غل تھا حسین باد شہ مشرق و غرب ہو

غل دو

کا سے سروں کے مثل جاب آتے تھے نظر
 ناہیں بھنور تھیں اور کف دریا تھے مفر مہر
 کشتوں کی کشتیاں شطخوں میں تباہ تھیں
 ہوتا ہر جس طرح سے سمندر میں جزر و مد
 آتی تھی فاطمہ کی صدا یا علی مدد
 ہوتے تھے سب کے ہاتھ قلم ایک دہریں
 بوسہ زمین پاک کو دے کر نکل گئی
 کاٹا کسی کو گر تو کسی کو نگل گئی
 افحی کسی جگہ تو کسی جا نہنگ تھی
 بہتی ہو جس کی آگ سے کوسوں کی نہر
 اُتری گلے سے چڑھ گیا سائے بدن میں نہر
 جو ہر نہیں ہیں تیغ میں دندان مایہیں
 وہ منہ کے بھل زمین پہ چلا یہ نکل چلی
 پونجی رادھر سے تیغ ادھر سے اجل چلی
 سر تیغ نے لیا تو اجل نے گلا لیا
 نیچے ہوئے سوار تو اوپر فرس تھے
 پانچ آگئے جو تیغ کے نیچے وہ دس ہوئے
 گشتی اجل کو ان کی فراموش ہو گئی
 گردن سے بڑھ کے سینہ و جوشن کو دو کیا
 دامن کی کیا بساط ہو تو سن کو دو کیا
 سکے ہو اس کے نام کا جس کی یہ ضرب ہو

لڑتا تھا وہ نہنگ محیط دلاوری
 ہوتے تھے قتل کو فی و شامی و خیمری
 غل طاروں میں تھا کہ غیب را ہوا رہی
 ضرر سے تیز تر تھا وہ اسپ نجستہ فر
 پانی پہ تھا جو موج تو آتش میں تھا شر
 ناپوں سے سرکشوں کے صفیں پامال تھیں
 طو کی جو راہ بھر تو برے نکل گیا
 آیا ادھر سے گر تو ادھر سے نکل گیا
 سرعت میں تھا ہرن تو و غا میں ہنر بر تھا
 مثل بنگاہ فوج کی صف سے نکل گیا
 وہ گر پڑا یہ جس کی طرف سے نکل گیا
 فر فر رواں ادھر سے دم جست و خیز تھا
 نکلا ادھر سے بہر وفا ایک رو سیاہ
 کا ندھے پہ گرز بر میں زرہ خشکیں بنگاہ
 آمدنی کی تھی کہ رواں رو دنیل تھا
 تھا جسم نابکار سے عرصہ زرہ پہ تنگ
 خونخوار فتنہ ساز دل آزاد خانہ جنگ
 تیوری پڑھائی دیکھ کے حضرت کو دور سے
 چنگا کے ذوالفقار اٹھائی جوشہ نے باگ
 تھی فصیح دودمان علی سے جو کلمہ لاگ
 سمجھا نہ یہ کہ ابن علی ہی جلال پر

کرتی تھی تیغ قلم خوں میں شناوری
 اڑتا تھا خش یوں کہ اڑے جس طرح پری
 تخت ہوا پہ آج سلیمان سوار ہو
 یکساں تھا اس کو صورت خیمہ و شیمتہ در
 گیتی نور و برق تک و آسمان سفر
 زیر آفتاب تھا تو رکاب میں ہلال تھیں
 مانند خیر شکر شر سے نکل گیا
 پتلی کے گرد پھر کے نظر سے نکل گیا
 پستی میں سیل تھا تو بلندی میں ابر تھا
 غلطاں گہر تھا اک کہ صدف سے نکل گیا
 اک تیر تھا کہ صاف ہدف سے نکل گیا
 انکا پھر ادھر سے تو زرف سے تیز تھا
 زور آور و تھکن و مغرور و کینہ خواہ
 سر پر مثال قبضہ تیغ آہنی کلاہ
 ہیبت میں تھا جو دیو تو ہیکل میں پل تھا
 جوشن میں یوں تھا دم میں جس طرح نہنگ
 آنکھیں تو فرط غیظ سے سرخ اور سیاہ رنگ
 آیا قریب سبط نبی کس غور سے
 لشکر میں اس طرف سے ہو غل کہ بھاگ گیا
 سن کر یہ شور لگ گئی ناری کے تن میں آگ
 حملہ کیا شقی نے محمد کے لال پر

رو کر کے اس کے وار بڑھے شاہ بحر و بر
 و زوکر دیا عمود کو مثل خیال و تر
 گرتے ہوئے لیا کمر نابکار کو
 زیں سے اٹھا کے روک لیا صورت پیر
 سر سے ہوا بلند تو پھینکا زمین پر
 پہچانا بھی شکل کا اشکال ہو گیا
 لوہے کا خود کاسہ سر میں نہاں ہوا
 برے اکھر کے قلب و جگر میں نہاں ہوا
 ساتوں طبین زیں کے تہ چرخ ہل گئے
 پڑھنے لگے درود فلک پر ملک بہم
 آئی صدا علی کی نثار اس دعا کے ہم
 یہ جنگ تجھ پر ختم ہو اندوہ و یاس میں
 ادا فخر فاتح بدر و حنین واہ
 رحمت خدا کی واہ مرے نورعین واہ
 جو زور آج تک تھا خفی وہ جلی ہوا
 تنہا لڑا ہوں میں بھی ہزاروں سمیرے لال
 میری مدد کو ہوتے تھے محبوب و الجلال
 ان حادثوں میں جنگ عجب کا مقام ہو
 رو کر کہا حسینؑ نے ادا شاہ بحر و بر
 عباسؑ مر کے توڑ گئے ہیں مری کمر
 کیا جنگ ہو جسے غم ہو جب آنکھوں کے نور کا

نیزے کے بند کاٹے مثل فی شکر
 بھچکا چمک سے تیغ دوسری وہ خیرہ سر
 غل پڑ گیا وہ شیر نے پکڑا شکار کو
 ہتھیار کھل کے گر پڑے اس کے اوہر اُدھر
 طفلی سے زائچے میں کھچا تھا اجل کا گھر
 ایک ایک عضو قرعہ رمال ہو گیا
 سر پر لگی یہ ضرب کہ بر میں نہاں ہوا
 سینہ شکست ہو کے کمر میں نہاں ہوا
 ابرو شقی کے پاؤں کے ناخن سے مل گئے
 نصرت نے ہاتھ چوم لیے فتح نے قدم
 تو شیر عین کا خضر ہو ادا صاحب کرم
 میں بھی کبھی لڑا نہیں اس بھوک پیاس میں
 کرتے ہیں مرد یو ہیں ادا سے دین واہ
 کس حسن سے جہاد کیا ادا حسینؑ واہ
 تو فخر خاندان نبیؐ و علیؑ ہوا
 پر تشنہ و گرسنہ کبھی کی نہیں جدال
 تنہا ہو تو قلم ہوئے سب تیرے ذوال
 ادا فاطمہؑ کے لال یہ تیرا ہی کام ہو
 میں کیا کرونگا جنگ کہ سودا غاک جگر
 دل ہو ضعیف جب سے مواہد جواں پیر
 ہاں کچھ لڑا تو سب ہو یہ صدقہ حضور کا

اکبر بغیر دل نہیں جینے کو چاہتا

اب کیجیے زبانِ مبارک سے یہ دعا

مردے کے حق کی راہ میں فارغِ حین ہو

زینبؓ پکاری ڈیوڑھی سے اس کچشمِ تر

آئی سمٹ کے فوج تھیں کچھ نہیں خبر

پھر ذوالفقارِ حیدر صفدر سے کام لو

دیکھو وہ تیر چلوں سے اعدا ملاتے ہیں

چھپ چھپ کے حیلہ ساز کنڈین بچاتے ہیں

رحم ان پہ آپ کا نہ جنھوں نے ادب کیا

پھر کھینچو ذوالفقار کو یا شاہ دیں پناہ

شفقت کرے گا آن کے اندون کوں

روٹی ٹھکے گر تو سنبھالی نہ جائے گی

یہ عمر اوتھنی کے رنج و غم و محن

کبرا پہ جائے رحم ہو اسی سرورِ زمین

حضرتِ نبیر کو نسی صورتِ حیات کی

حضرت پکارے سب خدا ہو نہ کھاؤ غم

فرماتے ہیں علیؑ ولی شفقت و کرم

بھائی پسیر کی جنگِ شبہ خاص و عام کو

زینبؓ پکاری آئے علیؑ شکر کرو گار

پردے کو پھر اٹھا کے پکاری وہ سو گوار

یاں چھوڑیو نہ فاطمہؓ کے نورِ عین کو

نانا کے کلمہ گو ہیں یہ ان سے لڑیں کیا

کٹ جائے تیغِ ظلم سے جلدی مرا گلا

میرے حرمِ لپٹیں مگر اُمت کو چین ہو

یکس سے باتیں کرتے ہو یا شاہِ بحر و بر

دم گھٹ گیا نکلتی ہوں خیمے سے ننگے سر

کس نے کہا کہ ہاتھ لڑائی سے تھام لو

نیزوں کو تو لٹے ہوئے ظالم پھرتے ہیں

ہو ہر قسمِ شمار پرے پھر جاتے ہیں

تیغِ علیؑ کو روک لیا کیا غضب کیا

ہم کو بچاؤ قید سے ہم ہو میں گے تباہ

صدقے لگئی سکینہ کے سن پر کرو نگاہ

بے آپ کے کسی سے یہ پالی نہ جائے گی

بچتی سے اٹھ سکے گا بھلا صدہ سن

اکبر سا بھائی سر پہ نہ تختِ دلِ حسن

رائڈ آج ہو گئی ہو دہن ایک سات کی

اب اشتیاقِ ذبح زیادہ ہو دمِ بدم

تھے شیرِ بریا سے بہن ہم کلام ہم

بابا نے سرِ سر از کیا ہو غلام کو

اب تو تھیں نہ برچھیاں مایں گے نابکار

بابا تمھاری بندہ نوازی کے میں نثار

لیجاؤ اپنے ساتھ نجف میں حسینؑ کو

دشمن تو لاکھ اور مرے بھائی کا ایک دم
 بچوں کو ساتھ لیکے وہیں جا پڑیں گے ہم
 دن کو تو کر بلا کے شہیدوں کو رو میں گے
 شہ بولے حکم حق میں نہیں طاقتِ کلام
 حیدر بھی ہیں سکوت میں اور انبیا تمام
 خنجرِ قریب زانوئے قاتلِ قریب ہی
 چاہوں تو ایک دم میں فنا ہوں یہ نابکار
 مظلوم ہو کے مرنے ہر زہر کا یادگار
 جو لطفِ رحم میں ہی ہمیشہ عتاب میں
 کبرا اسیر ہو کہ سکینہ طمانچے کھائے
 شیعہ رہا ہوں نار سے عابد گلستاں ہائے
 دوزخ ہو دور کوثر و جنت قریب ہو
 یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑی شہ پہ فوجِ شام
 حربے کسی ہزار اور اک شاہِ تشنہ کام
 تیغیں علی کے لال کے شانوں پہ لگیں
 مینہ کی طرح برسنے لگے شاہ دیں پتیر
 دامن پتیرِ حبیب پتیرِ آستین پتیر
 داغوں سے خون کے خستہ لالہ ابھرا
 تر تھی لہو میں زلفِ شکن و شکن جدا
 درپڑے تھے نیزہ باز جدا تیغزن جدا
 سیپارہ تھا نہ صدر فقط اس جناب کا

واں تو کوئی کرے گانہ سادات پرستم
 جھاڑے گی قبر بالوں سے زینب اسیر غم
 راتوں کو گردِ آپ کی تربت سے سوئیں گے
 ہر ہر بشر کی عقدہ کشائی ہمارا کام
 زینبؑ ہی زمیں ہی مرے قتل کا مقام
 آج امتحانِ صبرِ حسینِ غریب ہی
 لیکن کیا ہی میں نے غریبی کو اختیار
 تا ہو نجاتِ اُمتِ محبوبِ کردگار
 ہی عاجزی پسندِ خدا کی جناب میں
 دوزخ سے دوستوں کو بھائے خدا بچا
 خیمہ مرا جلے نہ اُمت پہ آج آئے
 میں فوج ہوں تو ہوں اخصیحتِ نصیب
 گردن جھکا کے برچھیاں کھانے لگے امام
 خون میں قبا رِ سول کی تر ہو گئی تمام
 چھاتی کے پارینروں کی نوکیں نکل گئیں
 تھرا رہے تھے لگے کے تن نازیں پتیر
 پہلو پہ تیغ سینے پہ نیزہ جبین پتیر
 شگلِ ضریحِ سینہ اقدس فکار تھا
 مجروحِ لعل لب تھے جدا اور دہن جدا
 کٹ کٹ کے ہو گیا تھا ہر عضو تن جدا
 پرزے ورق ورق تھا خدا کی کتاب کا

کرتا تھا وار پر چھپوں والوں کا سب پرا
 نیزوں میں خون نبی کے نواسے کا تھا جھرا
 تھیں تختیاں ستم کی شبہ خوش خصال پر
 پھیری نہ تھی جو پشت مبارک دم مصاف
 سید سے بے وطن سے زمانہ تھا برخلاف
 سنبھلا نہ جائے گا خلف بو تراب سے
 رہوار سے ابھی نہ گرا تھا وہ تشنہ لب
 دل زخمی ہو گیا تو ہوار و وح پر تعب
 پہنچی فلک پہ آہستہ مشرقین کی
 بڑھ کر سناں کا ابن انس نے کیا جو وار
 دوڑے سنبھالنے کے لیے شاہ ذوالفقار
 بچیں تجھ پہ گر کے نہ یہ درد مند ہو
 اس کے لیے جہاں کو سنوارا ہوا زمین
 یہ عرش کبریا کا ستارہ ہوا زمین
 دولت نبی وفاطمہ و مرتضا کی ہو
 ناکہ بلند دامن زین تک ہوئی زمین
 تھا ماعلیٰ نے بازوئے فرزندِ محب
 زخموں میں ورد ہو نہ کہیں میرے لال کے
 ترپاؤ تر کے خاک پہ فرزند بو تراب
 اس وقت شمرے یہ عمرو نے کیا خطاب
 بیکس پہ کھینچ کھینچ کے خنجرِ عدو جھکے

تیغوں سے دم کے لینے کی فرصت تھی فرا
 شمشیر و نیزہ و خنجر کے ماورا
 چلتے تھے سنگ فاطمہ زہرا کے لال پر
 تھے دو ہزار زخم فقط سر سے تانبات
 غل تھا کہ آج ہوتا ہو گھر فاطمہ کا صاف
 لو وہ قدیم حسین کے نکلے رکاب سے
 نیزہ کسی کا چل گیا پہلو پہ ہو غضب
 غش کھا کے صدر زین سے گرے عمر و عجب
 آئی صد ازمین سے ہی ہو حسین کی
 دامن زین کپڑے جھکے شاہ نامدار
 اس وقت یہ زمین کو ہوا حکم کردگار
 اسی ارض کر بلائے مسلٰی بلند ہو
 میرے حبیب خاص کا پیارا ہوا زمین
 ہم اس کے ہیں حسین ہمارا ہوا زمین
 دامن میں لے اسے یہ امانت خدا کی ہو
 رہوار سے جھکے طرف خاکِ شہا دیں
 زہرا پکار ہی غش میں ہو احمد کا جاشیں
 لوگو اتارو گھوڑے سے بازو سنبھال کے
 تینیں چمکتی دیکھ کے کہتے تھے اب آب
 کیا دیر ہو حسین کا سر کاٹ لے شاب
 ہاتھوں کو ٹیک کر شہ دیں قبلہ رو جھکے

بارہ تو خنجر ایک گلا و امصیبتا
 غم سے کسی کا دل نہ جلا و امصیبتا
 آیا نہ رحم سینہ شاہ شہید پر
 رکھنے لگا جو خلق پہ خنجر وہ بد خصال
 بیاب ہوں بتا دے مجھے ہر ذوالجمال
 بولا وہ مثل بید ز میں خنجر تھراتی ہو
 لڑکی بھی ایک ساتھ ہو پئے ہوئے گھر
 اس دم تڑپ کے کہنے لگے شاہ بحر و بر
 خنجر کو ایک دم کے لیے آہ روک لے
 گریہ نہ ہو تو خلق پہ خنجر کو حبلہ پھیر
 زینب وہ ہو کہ باپ ہو جس کا خدا کا شیر
 غصے سے آستیں کو چڑھانے لگا لیں
 کرتا ہو راویوں میں حمید اس طرح بیاں
 آتی تھی شش شہرت سے صدا پر کہ الاماں
 کرتا ہو شمر ذبح دو عالم کے شاہ کو
 اک بی بی دوڑی آتی تھی رن میں اضطراب
 گرد اس کے تھا روا کے سوانور کا حجاب
 تھی آگے آگے چادر عصمت رکی ہوئی
 خانی نظر پڑا جو اسے ذوالجناح شاہ
 ہو ہو گرا ز میں پشہ عرش بارگاہ
 دیکھی جو اس نے تیغ گلے پر امام کے

سید پہ یہ بلا پہ بلا و امصیبتا
 ان سب کے پناہ شہر چلا و امصیبتا
 زانور کھا شقی نے کلام مجید پر
 اس وقت غش سے چونکے بولا علی کمال
 بی بی تو کوئی نکلی نہیں کھولے سر کے بال
 کوئی تو پیشتی ہوئی خیمے سے آتی ہو
 کہتی ہو زلفیں نوچ کے ہو ہو مرے پر
 ای شمر اس کے سامنے مجھ کو نہ ذبح کر
 یہ خوں بھری عبا مری نذر روک لے
 پلٹے گی وہ حسین سے آکر ہوئی حویر
 اُس دم لیا قنات قلبی نے اس کو گھیر
 خنجر گلوئے شہ پہ پھرانے لگا لیں
 ہنگام ذبح تیرہ و تار یک تھا جہاں
 غل تھا کہ ابے میں پہ گرتا ہو آسماں
 حضرت پکارتے ہیں سالت پناہ کو
 موزے تو پاؤں میں رُخ پر نور پر نقاب
 پیدا یہ تھا کہ ابر میں پنہاں ہو آفتاب
 بکھرے تھے سر کے بال کمر تھی جھکی ہوئی
 چلائی سر کو پیٹ کے میں ہو گئی تباہ
 اڑ کر بلا کدھر ہو محمد کا شک ماہ
 رہتی پہ گر پڑی وہ کلیجے کو تھام کے

چلائی اٹھ کے خاک سے نانا مدد کو اور
 اماں خدا کے واسطے تشریف جلا لاؤ
 ہر ہر کوئی نہیں جو نبھالے حسین کو
 ار ذوالجناح سبط نبی میں ترے نثار
 قاتل ترے سوار کی چھاتی پہ ہر سوار
 میں بنت فاطمہ ہوں جو بھائی کو پاؤنگی
 فریاد کر کے رہ گئی وہ سخت جگر
 چلاتی تھی بتوں کہ ہر ہر مرا پسر
 کب دیکھے کہ لاش غریب الوطن اٹھے
 ہر دم رہے ایتیس زباں پر خدا خدا
 ولداری و محبت و دجائی و وفا
 گستاخ ہو کے عرض کیا ہر معاف ہو

بھائی مرا ہر تیغ تلے یا علی بچاؤ
 یا مجتبیٰ حسین کو آغوش میں اٹھاؤ
 ار ذوالجناح تو ہی بچائے حسین کو
 بچپن سے میرے بھائی نے تجھ کو کیا پرپا
 تیرے سوا نہیں کوئی اس وقت غمگسار
 تیرے سموں کو آنکھوں سے اپنے لگاؤنگی
 یاں تن سے کٹ گیا پسر فاطمہ کا سر
 کہتے تھے مصطفیٰ کہ لٹا مر تضا کا گھر
 پتھر کیا جہاں سے اٹھے پختن اٹھے
 بحر جہاں میں کون کسی کا ہو آشنا
 معدوم ہو بصورت رعنا و کیمیا
 ہم نے تو ایک دل کو نہ دیکھا کہ صاف ہو

رباعی

بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہو
 جس پھول کو سو گھتا ہوں تیری ہو

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہو
 ہر رنگ میں جلوہ ہر تری قدرت کا

مرثیہ

(۲۳)

کیا بحر ہو وہ بحر کنارا نہیں جس کا
 کیا دکھ ہو قلقِ دل کو گوارا نہیں جس کا
 صابر بھی ٹپتے ہیں یہ کیا رنج و الم ہو
 دشمن سے بھی دنیا میں برادر نہ جدا ہو
 جاں تن سے کل جائے پہ دلبر نہ جدا ہو
 دولت ہو بڑی بیٹے کا اور بھائی کا جینا
 بیکار ہو وہ ہاتھ کہ بازو نہیں جس کا
 کون اس کا ہو پھر زینت پہلو نہیں جس کا
 جب صرف خزاں گلشنِ اولاد کو دیکھے
 ہر غم سے زمانہ میں فزون تر ہیں یہ دو غم
 کتنا ہو جگر جس سے وہ خنجر ہیں یہ دو غم
 سب کچھ ہوں پہ خالق یہ جدائی نہ دکھائے
 ہوتا ہو بہت نیک پسر باپ کو پیارا
 کر دیتا ہو یہ داغِ کیلجہ کو دو پارا
 مرجائے پسر تو ہو پھر امید پسر کی
 جس شخص پہ یہ رنج و الم ہو وہی جانے
 تیغوں سے چمن جس کا قلم ہو وہی جانے
 مظلوم سے باعثِ نفسِ سرور کا پوچھو

کیا رنج ہو وہ رنج کہ یارا نہیں جس کا
 کس تیغ کا ہو زخم کہ چارا نہیں جس کا
 اک داغ ہو اولاد کا اک بھائی کا غم ہو
 لشکر کی جو زینت ہو وہ صفدر نہ جدا ہو
 وابستہ ہو دو دم جس سے وہ دم بھرنے جدا ہو
 انساں کے لیے موت ہو تنہائی کا جینا
 کیا صبر کے قلب پہ قابو نہیں جس کا
 ہستی کا چمن خار ہو گلرو نہیں جس کا
 بر چھی اسے لگتی ہو جو شمشاد کو دیکھو
 سوداغ کے سو غم کے برابر ہیں دو غم
 موت اس کی ہو جس شخص کے دل پر ہیں دو غم
 داغ اپنا کسی بھائی کو بھائی نہ دکھائے
 پیری کا عصا گھر کا چراغ آنکھوں کا تارا
 بھائی ہو مگر زیست کا بھائی کی سہارا
 بھائی نہ جدا ہو کہ نشانی ہو پدر کی
 دل جس کا تہ تیغ دو دم ہو وہی جانے
 جس دردِ سیدہ کو یہ غم ہو وہی جانے
 گر پوچھو تو تسلیم سے مراد دکا پوچھو

حضرت نے یہ دوداغ سے دل پر برابر
 بھائی بھائی بھائی کہ جو تھا ثانی حیدر
 آنکھوں سے نہاں چاہنے والے ہوئے دلوں
 بھائی کو وہ اب تہرہ رو میں کہ پسر کو
 توڑا ہی علمدار کے ماتم نے کمر کو
 فوج غم و اندوہ میں شیر گھرے ہیں
 دوا فیتن بالائے سراپی ہیں غضب ہر
 دو ہر چھپاں لک دل میں در آئی ہیں غضب ہر
 جینا غم جانناہ میں مشکل ہو بشر کا
 ہیں خاک نشین زیر علم حضرت شیر
 وارث کو سنبھالے ہوئے ہر بانوے دلگیر
 فراتے ہیں صد ہیں بٹے بھائی کے غم کے
 تقدیر نے بھائی کو مرے ہاتھ سے کھویا
 وہ شیر ترائی میں مجھے چھوڑ کے سویا
 ہر دواغ بڑا بھائی کے مرجانے کا مجھ کو
 عاشق مرنے بچن کا سدھارا میں نہ روؤں
 آنکھوں سے نہاں ہو گیا تار میں نہ روؤں
 پھٹ جائے جگر جس کا وہ نے پر نہیں روتا
 مرتا میں تو کیا مجھ کو نہ روتا مرا بھائی
 ماتم میں مرے جان کو کھوتا مرا بھائی
 خوں اس کا بہا چشم کو پر غم نہ کروں میں

اک فرقت عباس اور اک رحلت کبر
 فرزند وہ فرزند کہ تصویر سمیٹ
 محبوب جواں گود کے پائے دونوں
 ٹوٹے ہوئے بازو کو سنبھالیں کہ جگر کو
 چھوڑا ہی جواں بیٹے نے پیری میں پدر کو
 اک جان پہ دو کوہ الم ساتھ گرے ہیں
 دو تین جگر تک اتر آئی ہیں غضب ہر
 دو پیاروں کی لاشیں نظر آئی ہیں غضب ہر
 پتھر کا کلیجہ تو نہیں دل ہو بشر کا
 اور سامنے ہر خوں میں بھری بیٹے کی تصویر
 جب بیٹے ہیں ہاتھ پڑ لیتی ہو ہمشیر
 لشکر تڑپنے دو ہمیں گرد علم کے
 رونے دو کہ جی بھر کے بھی میں نہیں رویا
 سر پر سے مرے آج علی اٹھ گئے گویا
 کیوں روکتی ہو چین نہیں آنے کا مجھ کو
 اعدائے مرے شیر کو مارا میں نہ روؤں
 لوٹا گیا لشکر مارا میں نہ روؤں
 کیا بھائی کے ماتم میں برادر نہیں روتا
 جینا جو مرے مرنے میں ہوتا مرا بھائی
 پہلو میں مری لاش کے سوتا مرا بھائی
 ہر ہر یہ غم ایسا ہو کہ ماتم نہ کروں میں

منہ روئے کو ڈھانپو صف ماتم کو بچھاؤ
 بھابی سے کہو زیر علم روئے کو آؤ
 اب منہ سے نکلتا ہی کلیجہ مرا پھٹ کر
 غش ہو گئے لکڑی بن حضرت شیخ
 قربان گئی دیکھ کے حال آپ کا تغیر
 تصویر سی پاس آپ کے حیرت میں کھڑی ہو
 دل ماں کا ہو کس طرح کیلئے کو سنبھالے
 پراسیدہ تو اسے آپ کے جینے کے ہیں لالے
 جو تجھی ہو بجا نہیں واللہ بجا ہو
 عباس کو روئے میں جو آپ ای شہ اپار
 فرزند کے لاشے کو بھی کیا نہیں زہار
 کہتی ہو غش آتے ہیں شہ جن و بشر کو
 بان کی طرف دیکھ کے کہنے لگے سرور
 کلثوم کے ہمراہ اٹھیں زینب مضطر
 حضرت نے کہا اب مے دل بند کو روؤ
 آغوش میں لو لاش جو اب بیٹے کی بانو
 ہو جائے گی اب شکل نہاں بیٹے کی بانو
 کس پیاس میں تنہا یہ ہزاروں سے لٹے ہیں
 دل کھول کے رو لو کہ یہ اولاد کا غم ہو
 مظلوم کا ماتم ہو یہ بیکس کا الم ہو
 کیونکر انھیں تیشہ دہاں باپ نہ روئے

پرسانجھے دو بین کرو خاک آراؤ
 مجھ تک کوئی عباس کے فرزند کو لاؤ
 روئے کا حسین اپنے بھتیجے سے لپٹ کر
 ہوش آیا تو چپکے سے یہ کہنے لگی ہم شیر
 فرزند کو رو سکتی تھیں بانو سے دلگیر
 تنہا علی اکبر کی مرے لاش پڑی ہو
 مرجائے وہ اٹھارہ بین تکش پالے
 کہتی ہو خدا کو کچھ کو زہرا کی بچالے
 وارث کا غم اولاد کے ماتم سے سوا ہو
 بیتاب ہو سہل کی طرح وہ جگر افکار
 دل پہ پی ہی پائے غمدار غمدار
 تھا مواجھیں لوگو میں نہ روؤ نگہ پسر کو
 سے آئے کوئی زیر علم لاشہ اکبر
 نزدیک علم لاکے رکھی لاش زمیں پر
 عباس کو لبس رو چکیں منہ زند کو روؤ
 پھر پاؤ گی تصویر کہاں بیٹے کی بانو
 بس آخری نصرت ہو یہ ماں بیٹے کی بانو
 کس شان سے چھاتی پستان کھا پڑے ہیں
 بانو تمھیں روح علی اکبر کی قسم ہو
 ہم بھی انھیں رو لیو بیک وقفہ کوئی دم ہو
 دادی سے کہیں گے ہم ماں باپ روئے

محبوب ہوا ان سے پدر پیکس و نئے پر
 لیجا میں کہاں لاشہ، مشکلیں سمیٹر
 تابوت بھی اٹھوا نہیں سکتا پدر ان کا
 یہ کہتے ہی حضرت پہ جو رفت ہوئی طاری
 فرزند کا منہ کھول کے باؤ یہ پکاری
 رونے بھی نہ دیتے تھے سو جی کھوتے شہید
 بس سوچے اٹھو علی اکبر علی اکبر
 کیا ہو گیا تم کو علی اکبر علی اکبر
 غفلت تمہیں ایسی ہو کہ کروٹ نہیں لیتے
 بیٹا علی اکبر مجھے ماں کہہ کے پکارو
 واری میں پریشان ہوں کیسے تو سنوارو
 دن ڈھل گیا اب کون سے سونے کاں ہو
 صدقے گئی سنتے نہیں شاید مرار و نا
 اٹھو تو بچھا دیوے یہ ماں نرم بچھونا
 ہو فرش کی جا خاک تن زار کے نیچے
 ایسی تو نہ غافل تھی کبھی نیت تمہاری
 اب سوتے ہو اور گرد ہو یہ گریہ و رازی
 پردیس میں برباد مجھے کر گئے بیٹا
 اب گھر میں کس کی دہن آئے گی اکبر
 تصویر یہ اب آنکھوں سے چھپ جاگی اکبر
 معلوم نہ تھا یہ کہ جواں ہو کے مرو گے

دور روز کے پیاسے مے کھڑے گئے اکبر
 سامان کفن کا ہی نہ ہتھوڑا سمیٹر
 کس عالم غربت میں ہوا ہو سفر ان کا
 منہ رکھ دیا چھاتی پہ پسر کی کنی باری
 اٹھتے نہیں تم باپ کے سمجھانے کو واری
 صدقے گئی تم سوتے ہو اور روتے ہیں شہید
 آواز نہ مجھے دو علی اکبر علی اکبر
 ہو ہر مرے کم گو علی اکبر علی اکبر
 نیندا ج کیسی ہو کہ کروٹ نہیں لیتے
 ہتھوڑا سچو باپ کے ہمراہ سدھارو
 مر جائے گی ماں ہاتھ تو سینے سے اُٹارو
 یہ نیند جوانی کی ہو یا خوابِ اہل ہو
 بازو میں ہلاتی ہوں خفا مجھ سے نہ ہونا
 اب چونکو میں صدقے گئی پھر چین سے سونا
 تکیہ تو دھرو چاند سے رخسار کے نیچے
 گر بولتا تھا کوئی تو چونک اٹھتے تھے اری
 کیونکر تمہیں چونکائے یہ ماں درد کی لاری
 معلوم یہ ہوتا ہو کہ تم مر گئے بیٹا
 ماں بیاہ کا جوڑا کسے پہنکے گی اکبر
 زہرا کی ہو تم کو کہاں پائے گی اکبر
 چھوڑا ہمیں اب قبر کو آباد کرو گے

کیا گل یہ اگر غنچہ ہاں ہاں کو دکھائی
 تم نے نہ دہن اگر مری جاں مال کو دکھائی
 دادی کی ملاقات کے شایق ہوکے بیٹا
 اب سو گئے مٹی کے تلے اگر علی اکبر
 دنیا میں نہ پھولے نہ پھلے اگر علی اکبر
 برچھی لگی یہ نخل تنہا میں پھل آیا
 ہر دم سے ارمان بھر پیاس کے مارے
 اس دار فنا سے مری جان تم تو رہا ہے
 ساتھ اپنے مزار بیت کا لیتے گئے واری
 یاں خشر بپا تھا کہ پکارے کئی خوشخوار
 بس روچے اب جنگ کو آئیں شہر بار
 گر روکتی ہیں بی بیماں زہرا کے پسر کو
 اٹھے یہ صدائیں کے شہ صابر و شاکر
 بانو کو سنا یا کہ خدا حافظ و ناصر
 اب دیر کا موقع نہیں حاکم کی طلب ہو
 کفار ہیں وہ نے ادبی ان سے نہیں دور
 یاں آنے کا لے نام کسی کا تھا یہ مقدمہ دور
 سننا یہ سخن صاحب شمشیر ہمارا
 ہر بی بی کا رنگ اٹ گیا سننے ہی یہ تقریر
 سر پیٹ کے ہاتھوں سے گری خاک ہمشیر
 گودی سے رکھا خاک پہ دل بند کا لاشہ

نکلی ہوئی ہونٹوں پہ زباں ماں کو دکھائی
 ایام بہاری میں خزاں ماں کو دکھائی
 سوت آگئی جب بیاہ کے لائق ہوئے بیٹا
 اماں کی مرادوں کے پلے اگر علی اکبر
 سبزے کے نکلنے ہی چلے اگر علی اکبر
 خط بھی نہ بھرا تھا کہ پیام اجل آیا
 ہر دم مری پیری کے عصا انگھوں کے تارے
 اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارے
 ہر دم مجھے مٹی بھی نہ دیتے گئے واری
 ہیں یرے مقتل میں صفیں فوج کی تیار
 ہو جائے نہ بے پروگی عسرت اطہار
 ہم آکے وہیں کاٹیں گے شیر کمر کو
 نہ رنٹ سے کہا لاؤ ہن خلعت آخر
 بیٹی سے کہا ہوتا ہو نصرت یہ مسافر
 نامحرم اگر خیمے میں آئے تو غضب ہو
 ہو آل محمد کی تباہی انھیں منظور
 عباس کے مرجانے سے ہم ہو گئے مجبور
 جو چاہیں کہیں قتل ہوا شیر ہمارا
 ثابت ہوا سب پر کہ چلے مرنے کو شیر
 اکبر کا بھی غم بھول گئی بانو نے دلگیر
 سرنگے اٹھی چھوڑ کے فرزند کا لاشہ

کر کر قدم نہ پہ کہا ادا شدہ عالی
 کی موت نے لونڈی کی بھری گویا تو حالی
 وارث نہ والا کے سوا کوئی نہیں ہو
 اکبار جو تکلیف اسیری کی اٹھائی
 زہرا کی ہو جانتی ہو ساری خدائی
 ان قدموں سے چھوٹی تو کدھر جائے گی بانو
 بچوں کا ہو ساتھ ادا مے سید مے سرور
 فرقت میں سیکھ کر قرار آئے گا کیونکر
 نادان ہر چلی تو سنبھلنے کی نہیں یہ
 حضرت نے کہا سب کا مددگار خدا ہو
 ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار خدا ہو
 اولاد علیؑ عتدہ کشائی کے لیے ہو
 میں کون ہوں جس کے لیے یہ گریہ و زاری
 فیض اسی کا تھا مے ہاتھ سے جاری
 عورت کا رتد پا بھی گز جاتا ہو صاحب
 دنیا میں اسیری کی بلا سخت ہو ہر چند
 مرجاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زنؑ فرزند
 کر دیتا ہو آسان ہر لک بچ و محن کو
 کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اٹھ گئے بجائی
 قائم کو کوئی روک سکا جب اجل آئی
 شادی نہیں رہتی ہو سدا غم نہیں رہتا

سر پر مے کیسی یہ بلا چرخ نے ڈالی
 چھوڑو نہ مجھے ادا مے آقامے والی
 میں غیر ہوں اس گھر میں مرا کوئی نہیں ہو
 تقدیر مری گھر میں علیؑ کے مجھے لائی
 جس دن سے ہو اول نہ دیکھی تھی جلالی
 اب کی جو ہوئی قید تو مر جائے گی بانو
 اک لال ہو بیمار تو اک رائد ہو دختر
 اس چاند سی چھاتی پہ وہ سونے کی ہو خگر
 صد قے گئی لونڈی سے تو پلنے کی نہیں ہو
 خدا اور پرستش کا سزا وار خدا ہو
 چھن جائے رداسرے تو ستار خدا ہو
 یہ قید تو امت کی رہائی کے لیے ہو
 مظلوم غریب الغر با بندہ باری
 وارث وہی مالک ہی عزت کا تھاری
 شوہر کے لیے کیا کوئی مرجاتا ہو صاحب
 لازم ہو رہو سلسلہ صبر کی پابند
 پلے نہیں کیا خلق میں ان لوگوں کے دل بند
 کچھ دور نہیں دیکھ لو اولاد حسن کو
 پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
 وہ آج لٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی
 دنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

سجاد ہو کبرا ہو سکیں نہ ہو کہ صخرہ
 ہو گا وہی جو جس کے تقدّر میں ہو لکھا
 جلدی میں وصیت کے سخن ہو نہیں سکتے
 جیتا ہو ہمیشہ کوئی اس دارِ سخن میں
 ہو آج بہار اور خزاں کل ہو چین میں
 ہر شام کو دس بیس چراغِ سحری ہیں
 جاری ہو سدا حکمِ تغیر و بکالی
 گھر ہوتا ہو آباد کوئی اور کوئی خالی
 آباد کوئی ہوتا ہو لٹ جاتا ہو کوئی
 اس باغ میں بے زر ہو کوئی اور کوئی زردار
 آزاد ہو گر سرو تو قمری ہو گرفتار
 اشکوں سے رُبِ گل کو سدا دھوئی ہو شبنم
 شادی ہو کسی شخص کو غم کھاتا ہو کوئی
 آتا ہو جہاں میں کوئی اور جاتا ہو کوئی
 گر غور سے دیکھا تو بھروسہ نہیں م کا
 گہ تختہ کیا بوت ہو کہ مسندِ شاہی
 بس خیر ہو جب تک ہے فضلِ الہی
 سلطان بھی کنن کے لیے محتاج ہوئے ہیں
 آرام کی جاگہ نہیں یہ غم کدہ دہر
 ویراں وہ نظر آتے ہیں آباد تھے جو شہر
 زندہ ہو اگر آج بھروسہ نہیں کل کا

بندے ہیں سب اس کے وہی غمناک
 ہمشکل نبی مر گئے تب ہم نے کیا کیا
 فرزندِ جواں مر گیا ہم رو نہیں سکتے
 یہ روح ہو یہاں کوئی دنِ خاتم میں
 ہم سے بہت ایسے ہیں کہ سوتے ہیں کنن میں
 ہر صبح کو دس آتے ہیں اور دس سگری ہیں
 موہوم ہو جاہ و چشمِ ملکی و مالی
 ہو جاتی ہو عورت کوئی بے وارثی
 پھنسا ہو کوئی قید میں چھٹ جاتا ہو کوئی
 صحت سے کوئی صورتِ زر گسائی بہار
 گل ہیں جو چمن میں کسی جاگہ تو کہیں خار
 غنچے تو ہنسے دیتے ہیں اور روتی ہو شبنم
 خلعت کوئی پاتا ہو کنن پاتا ہو کوئی
 کھلتا ہو کوئی پھول تو مر جاتا ہو کوئی
 دنیا بھی مرقع ہو غیبِ شادی و غم کا
 اک آتا ہو دنیا میں تو اک ہوتا ہو اسی
 کچھ بن نہیں پڑتا ہو جو آتی ہو تب اسی
 لاکھوں گھر اسی طرح سے تاراج ہوئے ہیں
 گھر سیکڑوں ڈوبے ہیں یہ دریا ہو وہ پر قہر
 شیرینی دنیا ہو مسافر کے لیے زہر
 چکھے گا ہر اک ذائقہ تلخیِ اجل کا

تھرائے نہ کس طرح مسافر کا تن زار
وہ جرم کی پریش وہ نکیرین کی گفتار

غفلت ہو اسے موت کا دھڑکا نہیں جس کو

کام آئیں گے تربت میں نہ ازواج نہ اطفال

وہ کیا ہیں کہ جو ساتھ نہ چھوڑیں گے بہر حال

بہار و بجز بیکسی و یاس نہ ہو گا

سب جیتے ہی جی تک ہیں درہوں کہ فرزند

کیا رشتہ پھر اس سے جو ہوا خاک کا پیوند

کیا قبر میں ہوئے گا خبر آہ نہیں ہو

فرما کے شہید کو رقت بہت آئی

اک غل جو ہوا لٹتی ہو زہرا کی کمائی

سمجھا کے ہر اک انڈ کو آقا غل آئے

دو گام چلے تھے کہ ہوئی تیروں کی بوچھاڑ

فرزند کے لاشے سے یہ بولے شہ ابرار

مادی ہیں لڑکپن سے ہم اس پنج و جن کے

یہ کہتے ہوئے لاش کو قتل میں جولاے

چلائے کہ ہو گرم زمیں ادمے جائے

فرمایا کہ لایا ہوں چھڑا کر اسے ماں سے

برباد نہ کیجیو یہ بضاعت ہو ہماری

اگر ارض مقدس یہ امانت ہو ہماری

تربت کی جگہ چاہیے پیمان کی خاطر

نہ راہلہ نہ زاد نہ رہبر نہ مددگار

وہ قبر کی وحشت وہ غریبی وہ شب بیدار

در پیش ہو وہ راہ کہ دیکھا نہیں جس کو

نہ ملک نہ جاگیر نہ منصب نہ زرو مال

اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں اعمال ہیں

سوئیں گے لحد میں تو کوئی پاس نہ ہو گا

ہر شخص پہ کھل جائے گا جب آنکھ ہوئی بند

پر ہم سے تو پہلے ہی جدا ہو گئے دل بند

زندہ ہیں ابھی اور کوئی ہمراہ نہیں ہو

گردان کے دامانِ قبلاش اٹھائی

غش ہو گئی مخدومہ کو نین کی جالی

لاشہ لیے باہر شبہ والا نکل آئے

میت پہ بھی پیمان ستم لگ گئے دوچار

ورنہ تمھیں عمو کا ملا ادمے دلدار

ماں تھے یونہی تیر جنازے چمن کے

میت کو رکھا خاک پہ اور اشک بہائے

بتلاؤ پدر کو ن سی جا تم کو سلائے

اگر خاک خبردار مرے راحت چاہے

راحت اسے دیکھو کہ یہ رحمت ہو ہماری

اٹھارہ برس کی یہی دولت ہو ہماری

خاطر سے مری کیجیو مہمان کی خاطر

سب گھر ترا ہو جائے گا ان کا ندے روشن
 لوحی ہو اس دھوپ میں یلخ ہے تن
 شیریں سخن و گلبدن و غنچہ دہن ہو
 ہاتھ آئے گا ایسا نہ تجھے پھر گہرا پاک
 رتبے کو ترے دیکھ کے جھک جائیں فلاک
 اعجازِ سبحا کے نظر آئیں گے تجھ سے
 شیر کے سینے کا مکین تجھ کو ملا ہو
 اسی خاکِ عجب و درخیں تجھ کو ملا ہو
 جیسا اسے قسمت نے نہ پھیرے گھر میں
 سن سن کے یہ پرورد کلامِ شہِ ابرار
 پیدا ہوئی آواز کہ اسی خلق کے سردار
 یوں رکھو نگہ آرام سے اس نورِ نظر کو
 ہو خرقہ کی جا آپ کا لال اور مرا گھر
 ہو صدقِ قبر کہاں اور یہ گوہر
 لیتی عوض اس قتل کا بیدار گروں سے
 گر جانتی دنیا میں کبھی آئے گا یہ دن
 حیدر ہوئے اگر مے ہمارے کے ضامن
 زہرا کا پسر پانی سے محروم ہے گا
 سب جانتے ہیں فتح کی اُمت کی تباہی
 سب آیتے ہیں حضرت کی غریب پہ گواہی
 برباد یہ ناری ہوں تو کچھ دور نہیں ہو

بن جائے گا صحرائے بلا وادی امین
 اسی دشت پر آشوب اٹھائے اسے وہن
 لازم ہو ترجمہ کہ یہ محتاجِ کفن ہو
 رشتہ میں یہ اس کے ہو جو ہو سیدِ لولا
 اب آنکھوں پہ رکھیں گے ملائکہ اسی خاک
 بیار زمانے کے شفا پائیں گے تجھ سے
 فرزندِ شہِ عرش نشیں تجھ کو ملا ہو
 خانم کا سیلماں کے نگین تجھ کو ملا ہو
 رونق ترے گھر میں ہو اندھیرا مے گھر میں
 کہتے ہیں کہ مقتل کی زمیں ہل گئی الکبار
 لال آپ کا یاں سوئے ہے طالعِ بیدار
 ال چھاتی پہ جس طرح سلاتی ہو پسر کو
 مولا کبھی بچپن نہ ہوئے علی اکبر
 اب تک تو اٹھ جاتی ہیں بسطِ پیہر
 جبریل ایں نے مجھے روکا ہو پروں سے
 زہرا نہ پانی پہ کبھی ہوتی میں ساکن
 ہو نہ اس آفت کی خبر تھی مجھے لیکن
 خون مجھ پہ محمد کے نواسے کا ہے گا
 طوفان ہوا امداد جو اللہ سے چاہی
 مجبور ہوں میں اسی پسر شیر الہی
 ثابت ہو حضرت ہی کو منظور نہیں ہو

کروٹ میں اگروں تو ابھی زلزلہ آجائے
 ایک ایک کو ہر غار دہن کھول کے کھا جائے
 طوق آتش سوزاں ہوں اور ان کے گلے میں
 حضرت کہا بندہ یہ ہو فضل الہی
 میری نہ فقیر می نہ کسی اور کی شاہی
 صلت ابھی دے تو انھیں گو بے ادبی کی
 یہ کہے فرس تک گئے غمگین و الم ناک
 حضرت سے کہا اے پسر سید لولاک
 تن روح سے غالی ہوں میں خاک سے بھر جائیں
 بھر کہ نفس سر دیہ بولے شہ ذی جاہ
 ان ناریوں نے خاک کیا گھر کو مرے آہ
 مشکل نہیں کچھ سہل ہو سب راہ خدا میں
 یہ کہ کے ہوئے جلوہ نما خانہ زیں پر
 پر تو سے بچی چادر مہتاب زمیں پر
 جبریل و سرافیل سپرداری کو آئے
 ہمت یہ پکاری کہ زہے عزم ہے شان
 چلائے علیؑ واہ یہ جرات ہو مری جان
 گھوڑے پہ شاد دے ہو تم تو تگ و دیں
 پیشانی پر نور سے تھارن میں اجالا
 ابرو ہیں کہ ستریز سر وہی کا ہو مالا
 دیکھے سے نہ کیوں ہوش اڑیں اہل حد کے

شق ہوں تو ابھی مجھ میں یہ ب فوج سما جائے
 اعدا کا پیرا قعر جہنم میں چلا جائے
 قاروں کا خزانہ تو ہو اوپر یہ تلے ہوں
 سب حکم میں ہیں ماہ سے تا مسکن باہی
 ہاں ہاں مجھے منظر نہیں ان کی تباہی
 وہ نوح کی اُمت تھی یہ اُمت ہو نبیؑ کی
 کچھ عرض کو تباہی ہو اڑنے لگی خاک
 ہو حکم تو اس فوج کا قصد ہی کروناک
 آندھی ابھی یوں آئے کہ لڑکے یہ مر جائیں
 پانی یہ نہیں میں تو ہوں ان سب کا خواہ
 برباد ہو اُمت یہ گوارا نہیں واللہ
 کھائیں گے ہمیں برھمیاں اس گرم ہوا میں
 خاتم یہ نکلیں جیسے ہوا نقش نکلیں پر
 بوسہ دیا نصرت رکاب شہ دیں پر
 اقبال و شمش غاشیہ برداری کو آئے
 ہاں ابن ابی القدر ترے ہاتھ ہو میدان
 زہرا نے صدا دی تری تنہائی کے قربان
 محبوب خدا ساتھ میں سرنگے جلو میں
 رخ اور خط رخسار یہ مہتاب تُو ہا
 پلکیں نہیں جھپکیں پہ ہو لشکر تہ و بالا
 آنکھیں تو ہیں آہو کی پہ تیور ہیں اسد کے

جلتے رہیں کیونکہ نہ وہ و خور سحر و شام
 خال اور خط شیر و وہ دانہ ہی تو یہ دم
 بینی کو تو دیکھو کہ عجیب گت و شاں ہی
 یک جا جو مناسب نہ تھے دو مردم بیمار
 اک شاخ سے یاد و گل بادام ہیں اظہار
 خوشبو کے گلستانِ ارم اس میں بھری ہو
 اتنی ہی ثنائے دردِ ندان جو زباں پر
 ہیرے کے نگین ان سے ہوں کس طرح برابر
 ہنسنے میں جو پڑ جاتا ہی عکس ان کا فلک پر
 دل کن سا گردن کی صفا پر نہیں قرباں
 گویا کہ ہلالِ شبِ اول ہو گریباں
 حیراں ہو نظر و شِ مبارک پہ کہاں ہو
 ہیں بازوئے شیر کہ شاخِ شجرِ حسن
 گھرِ حسن کا سینہ ہی تو شانے ہیں درِ حسن
 ان ہاتھوں سے ہم دستِ کفِ حور نہیں ہو
 شمشاد سے بالا قد بالائے مبارک
 تعویذِ شفا بخش کفِ پائے مبارک
 وال آتے ہیں سجدے کو ملکِ شِ بریں کے
 جب ظہرِ تلک لٹ گئی سر کا رِ حسینی
 خالی رفق سے ہوا دربارِ حسینی
 نہ مونس و یاور نہ مددگار تھا کوئی

ہو حسن کی آتش سے مجھ کو کاغذِ گلِ قلم
 ہو سب دلِ عالم کی اسیری کا سرِ انجام
 شیر کے حیرن کے لشکر کا نشان ہی
 صالح نے اٹھائی ہو عجیب نور کی دیوار
 یا ایہ الف ماہ دو ہفتہ ہی نمودار
 گویا ورقِ زر پہ کلی گُل کی دھری ہو
 تقریر کے رشتہ میں پروا ہوں میں گوہر
 یہ بحرِ شرافت کے ہیں موتی تو وہ پتھر
 بجلی بھی ٹپ جاتی ہو دانتوں کی چمک پر
 مہتاب کو ہر جس کے گلے ملنے کا ارباں
 شانوں سے نشانِ اسد حق ہو نمایاں
 یا قوس میں خورشیدِ جہان تاب نہاں ہو
 پڑتی ہو سدا نور پہ جن کے نظرِ حسن
 طالع ہو کفِ دست سے مہرِ سحرِ حسن
 خورشید کے سنجے میں بھی یہ نور نہیں ہو
 دیش ہو اب صدفِ قدم ہائے مبارک
 جس جاگز ان کا ہو وہ ہو جائے مبارک
 احساں یہ آئین باؤں کے ہیں سہر پہ زمیں کے
 راہی سوئے جنت ہوئے انصارِ حسینی
 مارا گیا دریا پہ علمدارِ حسینی
 ہمراہ نہ پیدل تھا نہ اسوار تھا کوئی

اس وقت بھی مولا عجیب کشتاں تھی
مختار و تھانے تھانے کشتاں تھی

نسبت ہو مہ نو سے قدر است کے خم کو

پلٹے تھے جولاٹے سے پسر کے کئی باری

تھا گھوڑے پر اس رنگ وہ عاشق باری

معلوم یہ ہوتا تھا کہ بچھڑے ہیں لہن سے

افروختہ تھا چہرہ نورانی شپیر

زلفوں سے نمایاں تھی پریشانی شپیر

نعرہ تھا کہ میں نام و نشان اب و جہل

دو نور کے دریا جو ملائی ہوئے اک بار

وہ شمس و قمر عرش خدا کے ہیں جو سیار

روشن ہو شرف خلق چہن و نون کے گھڑکا

وہ نخل کہ جس نخل کی ہو اصل نبوت

وہ نخل کہ جس نخل کی شاخیں ہیں امانت

میسوہ بھی اسی کا ہوں اسی کا گل ترہوں

میں عطر گل سر سید باغ جہاں ہوں

کاذب نہیں میں خبر صادق کی زبان ہوں

سب کے لیے رحمت ہیں عنایتیں خدا کی

زہرا مری مادر ہو مرا باپ علی ہو

فرزند یہ اللہ شجاع ازلی ہو

کیا منہ ہو جو وار اس کا ر کے فوج ستم سے

تصویر غم و درد سراپا سے عیاں تھی
تھرائے ہوئے ہاتھوں میں ٹکے کی عیاں تھی
آنکھوں سے رکابوں نے بسنھالا ہر قدم کو

خون علی اکبر سے قبا منہ تھی ساری

جس طرح سے جائے کسی دولہا کی سواری

آجاتی ہو چھو لوں کی ہک صاف بدست

روشن تھی رخ مہر سے پیشانی شپیر

تھراتے تھے سبب سن کے رجز خوانی شپیر

رواہ ہیں سب میں اس حد حق کا اسم ہوں

پیدا کیا اللہ نے مجھ سا در شہوار

میں جن کی ضیاء سے مد و خور مطلع انوار

میں اختر تابندہ ہوں ان شمس و قمر کا

وہ نخل کہ جس نخل کی ہو فرع ولایت

وہ نخل کہ جس نخل کے سایہ میں ہو جنت

شیعہ مرے برگ س کے ہیں میل کا ٹمروں

پانی ہو دل سنگ اعجاز بیاں ہوں

کوثر کا ٹوختار ہوں پر تشنہ دہاں ہوں

کھوؤ نہ مجھے تم میں امانت ہوں خدا کی

احد کا بھی وہ دوست خدا کا بھی ولی ہو

یہ تیغ وہ ہو چہ سرِ حرب پہ چلی ہو

جبریل کے پر چلتے ہیں اس بقیہ دوم سے

دعوئے ہو جسے تیغِ شرر بار کورو کے
 ہاں بڑھ کے کوئی ڈھال پہ تلوار کو روکے
 گردن پہ نہ ٹھہرے گی زمیں سے نہ رُکے گی
 لو تیغِ شرر بار نکلتی ہے خبردار
 نوز ہر پہ ناگن اب اگلتی ہے خبردار
 بخشنا نہ اثر میری کسی بات نے تم کو
 یہ سنتے ہی لشکر تو ہوا سب تہ و بالا
 کاٹھی سے کھنچی تیغ کہ لہرا گیا کالا
 کاٹا جسے پھر کب سے یار اے سخن ہو
 یہ کاٹ کے ہر صف کو نکل جائے گی سن
 زہر اس کا چڑھے گا تو نہ اترے گا بدن
 زور اس سے کسی کا تر گردوں نہ چلے گا
 صحرائیں تلاطم ہوا دریا میں پڑا شور
 در سے جو اڑے کبک تو جنگل سے اڑے مور
 آمد میں بہادر کی شجاعت کے چلن تھے
 ناگاہ بیاباں میں لگی برق چمکنے
 دہشت سے دیروں کی لگی آنکھ جھپکنے
 پڑنے لگی اعدا پہ جو ضربت شہ دیں کی
 بجلی کی ٹپ اسپگتا در نے دکھائی
 اور آنکھ ہر اک فرد کو جو ہرنے دکھائی
 تیر ایک طرف تیر فلن ایک طرف تھے

ضربِ خلفِ حیدر کرار کو روکے
 بجلی کو وہ روکے جو مرے وار کو روکے
 تم کیا ہو پر روح ایس سے نہ رُکے گی
 لو ضربِ مری فوج پہ چلتی ہے خبردار
 لو تیغِ علی رنگ بدلتی ہے خبردار
 سنبھلو کہ لیا مرگِ منفا جات نے تم کو
 اور آپ نے قبضہ پہ ادھر ہاتھ کو ڈالا
 غل تھا کہ وہ منہ ناگ نے بانی سے نکالا
 دیکھو کہ زبانیں تو ہیں تو ایک دہن ہو
 لشکر پر خزاں لائے گی جو ہر کے چمن سے
 اژدر ہو نکلتے ہیں شرر اس کے دہن سے
 جس دم یہ چلے گی کوئی افسوس چلے گا
 جس شور سے بہرام کی تھڑنے لگی گور
 صفدر کے قدم بڑھتے ہی اعدا کا گھٹا زور
 نہ شیر ترائی میں نہ جنگل میں ہرن تھے
 رو کا سپر مہر کو چہرے پہ فلک نے
 دیکھا زورِ جسم کو تھرا کے سب نے
 خم ہو گئی سنگر سے کمر گاؤں زمیں کی
 تصویرِ اجل تیغ دو پیکر نے دکھائی
 قوت اسد اللہ کی سرور نے دکھائی
 سر ایک طرف جمع تھے تن ایک طرف تھے

چمکی صفت برق جو شیر سر انداز
 گوشے میں چھپا سہم کے ہر خانہ بر انداز
 گھبرائے چلے کدھر اور تیر کہاں کے
 تھے موت کے حلقے میں کیا نذر نظر بند
 نیزے کا کوئی بانڈھا تھا پڑھ کے اگر بند
 سب بند کھلے ناخن شمشیر قضاے
 جانوں کا ابھی نرخ نہ رہنا رکھلا تھا
 ہرزخم کا منہ صورت سو فار کھلا تھا
 زخم ان کو زبیں تیغ شرم کے لگے تھے
 سب فوج کو نظروں میں زبیں تول لیا تھا
 تلوار نے بھاگے ہوؤں کو رول لیا تھا
 خون تن ادا سے زمیں لال ہوئی تھی
 کیا تاب جو کشتے کی کوئی لاش اٹھائے
 کیا منہ تھا جو کوئی سر پر خاش اٹھائے
 آنکھوں میں چکا چوند تھی اس برق دوسرے
 پہناں تھے زرہ میں جو سیہ کاروں کا نام
 یوں کاٹ کے کڑیوں کو گل آئی تھی صمصام
 وہ تیغ زرہ پوشوں کی کیا فوج پٹھرے
 جس وقت چمکتی تھی وہ پر کالہ آتش
 ہر غول میں گردن کو جھکا لیتے تھے سرکش
 ہتھیار صدا دیتے تھے جاگو اجل آئی

انداز وفا بھول گئے سب قدر انداز
 رخ پھر گئے بھاگے صفت تیر در انداز
 خود اہل خطا پھنس گئے حلقوں میں کہاں کے
 تیروں کا یہ عالم تھا کہ تھے طاہر پر بند
 واکرنا تھا ہر بند کو جیدر کا جگر بند
 باقی کوئی رہتی ہی گرہ عقدہ کشائے
 سر بک رہے تھے موت کا بانڈا رکھلا تھا
 دروازہ اجل کا پڑی کفار کھلا تھا
 ناری سبھی رستے چہنم کے لگے تھے
 گویا پڑی چورنگ انھیں مول لیا تھا
 صفدر نے در فتح و ظفر کھول لیا تھا
 تلوار کلید در اقبال ہوئی تھی
 پُرزے ہو وہ خود جو تن صد پاش اٹھائے
 کس طرح نظر مہر پہ خاش اٹھائے
 منہ ڈھانپا تھا ہر ایک سیہ رونے پر سے
 صاف اس سے عیاں ہوتے تھے معنی دوام
 جس طرح سے ماہی کو نہ ہر دم میں آرام
 دریا پہ گرے برق تو کیا موج پہ پٹھرے
 ہو جاتے تھے چار آنہ ولے بھی مشوش
 اک ہوش میں ہوتا تھا تو ہو جاتے غیش
 ہر صفت میں یہ تھا شور کہ بھاگو اجل آئی

چار آنہ کو اٹھ جو کر دیتی تھی تلوار
 تھا شور کہ صابون میں رکتا ہر کہیں تار
 آفاق میں ثانی نہیں اس برقِ دوسر کا
 کہ غریب کی جانب تو سوئے فرق کبھی تھی
 کہ زیرِ فرس اور بسرِ فرق کبھی تھی
 بے دست تمکاروں کے دستِ نظر آئے
 تھا چار طرفِ شام کے لشکر میں تلاطم
 برپا تھا غیبِ فوجِ سنگر میں تلاطم
 تھا شور کہ لشکر کی بھی کشتیوں کی کمی ہو
 رخ پھر گئے سب کے تہ و بالا ہوا لشکر
 انبار ہیں کشتیوں کے صفیں ہو گئیں بسر
 پروہ نہ کبھی وناش کیا اُمتِ بد کا
 سوارِ عینوں نے کیا قتل کا آہنگ
 شکوہ نہ کیا جب ویر ونداں پہ لگا سنگ
 حضرت میں بھی خوبے شہنشاہِ عرب ہو
 حضرت نے یہ ارشاد کیا روک کے تلوار
 تنہا میں کسی لاکھ ترے ساتھ ستمگار
 ہاں ظلمِ رسولوں پر بھی ہر چند ہوا ہو
 بیدست ہو اس کا مرا بھائی سا بھائی
 غربت میں لٹی کون سے مرل کی کمائی
 یوں باغِ کٹا خنجر و شمشیر سے کس کا

مشنڈر تھا کوئی اور کوئی حیران کی ناچار
 سر خاک پہ برساتی ہو یہ برقِ شراب
 شمشیر تو یہ ہاتھ یرالت کے بسر کا
 اور خاک میں ہالہ تلک غرق کبھی تھی
 پانی تھی کبھی ابر کبھی برق کبھی تھی
 ہر ضرب میں سرتن سے برستے نظر آئے
 آدمی سے اٹھے جیسے ہندو میں تلاطم
 واں بحر میں حل تھی ادھر بریں تلاطم
 ٹوٹی ہوئی کشتی کہیں پانی میں تھمی ہو
 گہرا کے پکارا پسرِ سیدِ سنگر
 اب رحم کا ہنگام ہو یا سبطِ یمبر
 مشہور ہو عالم میں کرم آپ کے جد کا
 اُس رحمت حق نے کبھی اس طرح کی جنگ
 گردن میں داؤدال کے کھینچا نہ ہوئے تنگ
 کھلتا نہیں اس غیظ کا کیا آج سبب ہو
 انصاف کے انصاف کراؤ ظالمِ عدار
 اُمت نے ویسے ہیں مرل کو یہ آزار
 پانی تو کسی پر نہیں یوں بند ہوا ہو
 چھاتی پہ سناں کس کے جواں بیٹے کھائی
 اک دن میں ہوئی کس کے بھرے گھر کی صفا
 شش ماہہ پسرِ تسل ہو اتیرے کس کا

اس ظلم پہ کچھ حرف نہیں منہ سے نکالا
 لڑتا میں تو تھا کون مراد و کئے والا
 ہوتا ابھی نازل غضب اس لشکر کیس پر
 کہتے ہیں جسے غیظ وہ اب تک نہیں آیا
 ان ہاتھوں نے کب پرید اللہ دکھایا
 چرچا ہے اس کا بھی کہ مظلوم نے جان دی
 رو کوں نہ ابھی ہاتھ کو تھا دل میں یہ میسے
 لے فوج سے کہ دے کہ پھر اگر مجھے گھیرے
 جرات کو تو دیکھا پسیر شیر خدا کی
 کیا ظلم ہو کیا صبر نہ شاربہ دلگیر
 خوش ہو کے چپے دوسے بھاگے موئے پیر
 کپڑے ہوئے سب سرخ شہ تشنہ گلو کے
 تیروں کے جہاں زخم تھے وال پڑتی تھی تلوار
 تھے برچھپوں کے زخم سے پیکان ستم پار
 دھاریں تھیں لہو کی رخ پاک شہ دیں پر
 جن انگلیوں سے خلق کی تھی عقدہ کشائی
 غوں سے نظر آتی تھی کف دست حنائی
 تھے بازوؤں پر زخم جو شمشیر عدو کے
 پہلو پہ لگاتا تھا جو نیزہ کوئی بے پیر
 غل ہوتا تھا لوگرتے ہیں اب خاک پیٹ پیر
 گھبرا کے ہر اک گام پہ گرتی تھی سکینہ

میرا ہی تھا یہ کام کہ غصے کو سنبھالا
 اک حملے میں تھا دفتر عالم تو بالا
 ہوتی یہ زمیں چرخ پہ اور چرخ زمیں پر
 جو حکم خدا تھا سو بجا اس کو میں لایا
 ڈرتا ہو عیث جنگ سے لے ہاتھ اٹھایا
 طالب جواں کا ہو تو لے تجھ کو ماں دی
 دشمن ہو مگر رحم کیا حال پہ تیرے
 قاتل کو بلا جلد چھری حلق پہ پھیرے
 مظلومی بھی اب دیکھ غریب الغریب کی
 خوں پونچھ کے مولانے رکھی میان میں شمشیر
 پہلو چلیں برچھپیاں چھاتی پگے تیر
 ہرزخم سے چھٹنے لگے قوارے لہو کے
 تلوار کے زخموں پہ لگے برچھپوں کے وار
 باہم تھے بدن پر لب زخم اور لب سو فار
 پیوست ہوئے تھے کئی تیر ایک جہیں پر
 کٹ کٹ کے انھیں ہو گئی ہاتھوں جلائی
 گلدستہ فردوس تھی حیدر وح کلائی
 ڈوبی ہوئی تھیں مچھلیاں دریا میں لہو کے
 دل تھام کے بھکتے تھے فوس پر شہ دلگیر
 سر پیٹ کے پردے سے نکل آتی تھی ہمشیر
 بسمل کی طرح لوٹی پھرتی تھی سکینہ

کہتی تھی یہ ماں کرتے کے دامن کو پکڑ کر
 ننھے اٹھا ہاتھ کہتی تھی وہ دختر
 کیوں روکتی ہو تیغ و تبر کھانے دو مجھ کو
 اس نول میں بھری چاندی صورت کے نیلاری
 سر پیٹ کے کرتی ہوں جو میں گریہ وزاری
 زرعہ ہو لنینوں کا ادھر آنہیں سکتے
 بابا تو ہمیں پیار سے چھاتی پہ سلائییں
 اب دل کو یہ اُمید نہیں ہو کہ وہ آئیں
 رہوار سے گر کر شہ والا نہ ملیں گے
 ماں کہتی تھی وال تیر ستم چلتے ہیں ماری
 کہتی تھی ٹھکری وہ پیاس کی ماری
 اس وقت اگر رو کوگی مجھ سے جگر کو
 دیکھو مجھے رو کو گے تو پچھتاؤ گے لوگو
 گروغ ہوئے وہ تو کدھر جاؤ گے لوگو
 فریاد مری سن کے تڑپ جائیں گے بابا
 پر سے کسی بار تڑپ کر نخل آئی
 شیر کو چلائی وہ دے دے کے دہائی
 یہ قافلہ میدان میں جانے نہیں دیتا
 روئے یہ صدا بیٹی کی سن کر شہ زیجاہ
 اک تیر شعبہ جو لگایا سینے پہ ناگاہ
 تھا دھیان کہ تل لیویں اگر آئے سکینہ

لہ نہ جا رن میں نہ جا اے مرے دلبر
 تم دیکھو تو ہر ہر یہ ستم ہوتا ہو کس پر
 رہوار سے گرتے ہیں پدر جانے دو مجھ کو
 بھولی نہیں اس دم بھی انہیں یاد ہماری
 مڑ مڑ کے ادھر دیکھ چکے ہیں کئی باری
 ججہ تک مہرے منظوم پدر آنہیں سکتے
 ہم ایسے بُرے وقت میں پس کن نہ جائیں
 اماں مجھے لے آنے دو بابا کی بلائیں
 جیتے ہیں ابھی پھر مرے بابا نہ ملیں گے
 سادات کے بچوں کے بھی دشمن ہیں ماری
 جانے دو مجھے جان نہیں باپے پیاری
 اچھا میں تمہیں لوگوں سے پھر لونگی پدر کو
 پھر لال کو نہ ہر اکے کہاں پاؤ گے لوگو
 کیا داغ قیمتی مجھے دکھلاؤ گے لوگو
 زخمی بھی جو ہوں گے تو چلے آئیں گے بابا
 چھوڑی نہ مگر ہاتھ سے مادر نے کلائی
 کچھ بس نہیں مجبور ہو یہ آپ کی جانی
 بابا کوئی تم تک ہمیں آنے نہیں دیتا
 نزدیک تھا خیمہ پہ نہ جانے کی ملی راہ
 گھوڑے سے گرا خاک پہ فرزند پیدائند
 بھر کر نفیس سر د کہا ہاے سکینہ

<p>چلائی کہ اماں نے بابا نے پکارا اک دم مری فرقت نہیں بابا کو گوارا کس در سے بابا نے مرا نام لیا ہے دیکھی وہ قیامت نہ دیکھے کوئی دختر امت کی دعا مانگتے تھے سید پیغمبر ہر ہر سے بابا کا گل گھٹا ہے اماں والا کٹ گیا شمشیر ستم سے سیر سرد ناحشر نہ کم ہو گا غم سید پیغمبر ہر گھر میں یو ہیں ماتم شمشیر رہے گا</p>	<p>اس دم نہ سکینہ کو رہا ضبط کا یا را دیکھو تو کہ اس وقت بھی ہو دھیان ہمارا گرتے ہوئے ہاتھوں سے جگر تھام لیا ہے یہ کہکے لگی دیکھنے پردے کو اٹھا کر تھائینہ اقدس پہ لیں حلق پہ خنجر چلائی سکینہ کہ جگر بھنٹا ہے اماں یاں رہ گئی سریشٹی وہ بکیں و مضطر خاموش آیتیں اب کہ چھری چلتی ہے دل پر جب تک کہ زمیں پر فلک پیر رہے گا</p>
--	---

رُبَاعِی

دل ماتم شمشیر میں صد پارہ ہے ۛ نہ ضبط نغاں نہ صبر کا یا را ہے
ہر مرتبہ جوش زن ہے دریا غم کا ۛ ہر ہوئے مرثہ چشم کا قوارا ہے

رُبَاعِی

وہ موجِ حوادث کا تھپڑا نہ رہا ۛ کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھے زندگانی کمزور ۛ جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیرا نہ رہا

مرثیہ (۲۲)

طب اللسان ہوں مدحِ شیعہ خاص عام میں
 لب ہیں خموش پر ہر زباں اپنے کام میں
 دعوے نہیں غرورِ زباں آوری نہیں
 ہر جا ہو ملکِ نظم میں نظم و نسق مرا
 ہو سہلِ متنغ یہ کلامِ ادق مرا
 پائی نہیں کبھی یہ حلاوتِ نبات میں
 فوجِ سخن میں شفق کشا ہو سخن مرا
 بونگاہِ جہاں میں نہ کیوں دم بدم مرا
 نقشِ جو کھینچا ہو صفتِ کارزار کا
 ہو گوہرِ محیطِ فصاحتِ سخن مرا
 ہو مدحِ خوانی گلِ زہرا چلن مرا
 بلبل نے ایسے نغمہ رنگیں سنے نہیں
 مقبول ہو کلامِ فصاحتِ نشان مرا
 شہرہ ز میں سے کیوں نہ ہوتا آسمان مرا
 مداحیِ حسین سے حسنِ قبول ہو
 ہاں اے کیستِ خامہ مشکیں طراز بس
 اے شہِ سوارِ طبعِ فصاحتِ نواز بس
 جانا ہو کیوں فلک پہ طرارے کیے ہوئے

ہو سربسہرِ حدیثِ حسن اس کلام میں
 گویا کہ ذو الفقارِ علی ہو نیام میں
 جو ہر تو لاکھ ہیں پہ کوئی جوہری نہیں
 کہتے ہیں انتظام جسے ہو وہ حق مرا
 برسوں پڑھیں تو یاد نہ ہووے سبق مرا
 مضمون تو ٹپکا ہے میں بات بات میں
 پڑتا ہو سب سے مدح میں ہر قدم مرا
 ہو معرکے میں رستمِ دستاں قلم مرا
 خامہ دکھارہا ہو چلنِ ذو الفقار کا
 گویا ہو موتیوں کا خزانہ دہن مرا
 محفوظ ہو جہاں میں خزاں سے چین مرا
 دامن میں ہیں وہ گل جو کسی نے چپے نہیں
 ہو بادشاہِ کون و مکاں قدرِ وال مرا
 بلبل وہ ہوں کہ عرش پہ ہو آشیاں مرا
 یہ ترسہ غلامیِ آلِ رسول ہو
 یہ شوخیاں یہ چابکی و ترکِ تاز بس
 اے یکہ تازِ فصاحتِ عجز و نیاز بس
 آداب کا مقام ہو باگیں لیے ہوئے

نور خدا کی مدح بشر کی ہو کیا محال
 اوصاف آل میں فصحا کی زباں ہو لال
 برسوں لکھیں تو وصف آئمہ بیاں نہ ہو
 کیونکر بیاں ہو شوکت شانِ پیمبری
 طاقت یکس میں ہو چکے زورِ حیدری
 قرآن میں جن کا وصف مکر خدا کرے
 قصر ثنائے آلِ محمد بہت ہی دور
 بس اسی زبان یہ ضربِ زبانی ہو کیا ضرور
 نئے نئے بدل میں اترنے نظیر ہیں
 کیا وصف کے کوئی ایسا کہاں بیاں
 ذرہ کہاں وہ مہرِ خلی نشان کہاں
 حقا کہ پنجتن کے شرف بے قیاس ہیں
 مینا ہوئی جو چشم تو نورِ خدا کہا
 مطلب ہوا حصول تو حاجتِ واکہا
 ہم خوش ہوئے کہ مدح کے دریا بہا دیئے
 یوسف کے حسن سے انھیں گم دیجئے مثال
 سرِ بنرِ طرح ہو رسولِ خدا کی آل
 یوسف سامہ لقا کوئی زیرِ فلک نہ تھا
 باقی رہے بس آپ کے تشبیہِ مہر و ماہ
 لغزش بیاں خطا ہو تسلی بیاں گناہ
 کیا کیا کہا نہ جائے گا کیا کیا نہ کہ گئے

پہونچا کبھی نہ خیلِ ملک کا جہاں خیال
 ناقص کو ہاں اگر وہی چاہے تو کمال
 ہر سوئے تن زباں ہو تو شمع بیاں نہ ہو
 عاجز ہیں یہاں فرِ زوق و حسان و حمیری
 دوڑے کبیت خامہ تو کھائے سکندری
 کس کی زباں سے پھر بشران کی ثنا کہے
 کرتا ہو دم میں ذہن سا سو جگہ قصور
 ہر نئے نیازِ ذہن و عصارے شمعِ طور
 کافی ہو یہ کہ نورِ خدا کے جلیل ہیں
 طاہر ہولِ سبیل سے ایسی زباں کہاں
 نسبت ہو کیا زمین کہاں آسماں کہاں
 پانچوں حواس آپ یہاں بے حواس ہیں
 عقدہ کھلا تو عقل نے مشکل کشا کہا
 پایا درِ مراد تو بحرِ سخن اکہا
 کیا بڑھ گیا جو بحر میں قطرے ملا دیئے
 وہ ماہِ تاب اور یہ نورِ شیدائے کمال
 ہو شہرہ ملاحظتِ محبوب فی الجلال
 پر کیا مزہ جو حسن میں اُن کے ٹک نہ تھا
 رُخ ایک کا ہو زرد توئی ایک کا سیاہ
 ہشیار ای قدم کہ دم تیغ پر ہو راہ
 سالک نہرا ہا اسی منزل میں رہ گئے

غافل نہ ہو مود سے یاں از زبانِ پاک
 قرباں ہو جانِ احمدِ مرسل پہ جانِ پاک
 کائیں زباں کو لوح پہ گرنے نعل چلے
 پیئر سا جہاں میں نہیں دیرِ شاہوار
 بابا سر جہاں کے لیے تاجِ افتخار
 نکلا یہ نورِ نور رسالتِ تاب سے
 آنے جلالِ محبوبِ ذوالجلال
 خلقِ حسن تو عطست ہر خوش خصال
 دنیا ہوا بہشت ہو فیض ان کا عام ہو
 ممکن نہیں ہو مثلِ تراوی سپرِ جود
 کیا امرِ صدق میں ہو بھلا حاجتِ شہود
 دشوار ہو مثالِ دُرِ بے مثال کی
 کہف الوریٰ امامِ امم معدنِ التقی
 فیاض آبِ کوثر و ساقیِ اولیا
 الفت میں بلبلوں کے جگر داغ داغ ہیں
 قربان تیرے نام کے از فارتِ خلیل
 حاجتِ رولے قطرِ مولائے جبریل
 بولا قسم ہو آپ کو خیر الامام کی
 اندیشہ فتنار سے ضغطے میں ہو یہ جاں
 سختی سے آشنا نہیں اب تک یہ استخوان
 ہو گی اگر زباں کو طاقتِ کلام کی

دکھلائے فیضِ حنیفہ کو ثردِ ہانِ پاک
 جھکتا ہو عرشِ دیکھ کے وہ آستانِ پاک
 جدے کی جا ہو کیوں نہ قلم سر کے بھل چلے
 نانا مستِ مدِ عربی فخرِ روزگار
 مادرِ جنابِ فاطمہ زہرا اسی ذی وقار
 جس طرح کوئی عطر نکالے گلاب سے
 تصویرِ شوکتِ اسدِ حق دمِ جدال
 کیا گل تھا جس سے باغِ دو عالم ہوا نہال
 طوبیٰ اسی نہال کے سایہ کا نام ہو
 ہو شکلِ مستغنیِ قسم واجب الوجود
 ایسے بشر کی مدح کسے کیا بجز درود
 ساحلِ ملک نہ پہنچے گی کشتیِ خیال کی
 مصباحِ دین سراجِ بینِ دی ہدیٰ
 نورِ خدا بینِ خدا حجتِ خدا
 آٹھوں بہشت تیری محبت کے باغ ہیں
 صدقے ترے جلال کے از سیدِ جلیل
 ہو ملتجیِ حضور سے یہ بندہ ذلیل
 لیجے گا قبر میں خبرِ اکرامِ سلام کی
 نکلے دماغِ پاؤں کے ناخن سے الامام
 آقا بچکے گا مرا یہ جسمِ ناتواں
 چلاؤں گا میں خود کہ دو ہائی امام کی

عطر گلِ حدیقہ ایسا حسینؑ ہے
 زانوئی کارِ حل تو قرآن حسینؑ ہے
 تھا جس گلے کا نورِ فزوں ماہتاب سے
 سیدی کی کوئی نہی تھی خطا کیا گناہ آہ
 شمشیر و بوسہ گاہِ رسالت پناہ آہ
 صحرائے کربلا میں ہوا کیا بڑی چلی
 عاشور کو جو لٹنے لگا فاطمہؑ کا باغ
 جانِ علیؑ کو سوزِ الم سے نہ تھا سراغ
 ہوتا تھا جو تشارتِ دم پر امام کے
 یعقوب سے چھا تھا جو پیری میں کمال
 یوں دو پہر میں ہو گیا سب باغِ پائمال
 شکوہ نہ بخت کا نہ فلک کا گلا کیا
 سولہ پہر حسینؑ کو گزرے جو پیاس میں
 شکرِ خدا تھا لب پہ اُس اندوہ و یاس میں
 سب گھر لٹا دیا فقط اتنی سی بات پر
 ایوبؑ نے سنا بھی نہ ہو گا کبھی یہ صبر
 رُپے نہ مثلِ برق نہ روئے مثالِ ابر
 دیکھا جو منہ سے دو دوہا اگلے صغیر کو
 اُمت نے کی نبیؑ کے نواسے کی کچھ قدر
 آشوبِ اچشم نے دیکھا کبھی نہ غدر
 بارانِ تیرؑ کیس تھا ہوا کھٹی پھری ہوئی

تازہ ہے جس سے روح وہ ریحاں حسینؑ ہے
 پانی ملا نہ جس کو وہ مہال حسینؑ ہے
 وہ خشک حلق تر ہوا خنجر کے آب سے
 دو لاکھ اہلِ ظلم اور اک سائے سپاہ آہ
 زانوئے شمر سینہ شمشیر آہ آہ
 فاقہ تھا تیسرا کہ گلے پر چھری چلی
 تاریک ہو گئے کسی گھر گلے سے چراغ
 دلِ بخت نہ تھی تھا تو کلیہ تھا داغ داغ
 رہ جاتے تھے حسینؑ کیلچے کو تھام کے
 مشہور ہے فراق میں جو کچھ ہوا تھا حال
 تینوں سے کٹ گیا علیؑ اکبر سا نونہال
 لاشہ پسر کا دیکھ کے شکرِ خدا کیا
 طاقت نہ تھی کلام کی اُس حق شناس میں
 اندر سے صبرِ فرق نہ تھا کچھ حواس میں
 مولانا تیرؑ کے قدم کے ثبات پر
 اک جان لاکھ درد تھے اُن لہزہ حیر
 غربت میں اپنے ہاتھوں گھوڑی سپر کی قبر
 اپنے جگر سے کھینچ لیا آپ تیرؑ کو
 بارانِ تیرؑ کہاں کہاں اور کہاں صدر
 بدلی میں فوجِ شام کی تھا فاطمہؑ کا بدر
 کھٹی چار سمتِ دشت میں بدلی گھری ہوئی

وہ فوج وہ سیاہی صحرائے لوت و دق
 ترخوں میں تھام قہ زہرا کا ہر ورق
 تھام پہ اوج دوش نبی کے سوار کو
 معلوم کچھ نہ ہوتی تھی سولہ پہر کی پیاس
 شیروں کو وقت مرگ بھی ہوتا نہیں ہراس
 برو کے خم کو دیکھ کے تنہیں بھی کٹ گئیں
 تھانہ غلط سے جو چہرہ اقدس کا رنگ لال
 اندر سے جوش جرات سرور ہے جلال
 بجلی جو کوند جاتی ہی چہرے کے نور سے
 وہ لوہہ پیاس اور وہ گرمی کی دو پہر
 دہشت مرہ سے پھٹی تھیں پتلیاں بھی سر
 قطرے عرق کے دیکھ کے روئے جانا
 مرگاں کی صف در اندھا اور باروؤں کے خم
 مرم سے تھا اشارہ چشم شام
 روشن تھا رخ سوادِ خط مشکبار میں
 جنات عدن ہی رخ شاہنشاہ ز من
 وہ لعل لب کہ بات میں دیں حاصلِ مین
 کیا ذکر رخ کا اور خطِ عنبر سرشت کا
 ریش سیاہ روئے دل آرام ایک جا
 ہیں موسیٰ و یسوع خوش انجام ایک جا
 لاریب قیہ صف ناطق کے جائے ہیں

گرمی وہ روز جنگ کی وہ پیاس کا قلع
 کوئی نہ تھا حسین کے سر پر سوائے حق
 تلے ہوئے تھے مثل علی ذوالفقار کو
 شوکت وہی تھی اور وہی تیور ہی حواس
 کیا رعب سے بھری ہوئی تھی چشمِ حق شناس
 پتلی ادھر پٹی کہ صفیں والے الٹ گئیں
 غل تھا کہ سرخ روزِ ازل سے ہی رنگِ آل
 بل کھا رہے ہیں دوش پہ زلفِ ساکے بال
 حوریں نثار ہوتی ہیں منہ منہ کے دور سے
 تیزی تھی دھوپ میں کھلی جاتی تھی نظر
 تھے تر پرسیں میں سلطانِ بحر و بر
 غل تھا پڑی ہی اوس گل آفتاب پر
 پلکیں بھی ہاتھ تیغ پہ کھتی تھیں دم بدم
 محبوب کروگار کے ہیں نورِ عین ہم
 تھا فرق بال بھر کا حلب اور تار میں
 ہی سلسیل چشم تو کوثر ہی یہ دہن
 وندال وہ جن کے سامنے ادنیٰ در عدن
 پہلو ملا ہوا ہی نجف سے بہشت کا
 قدرت خدا کی ہی ہر دو نام ایک جا
 رکن و مقام کعبہ و اسلام ایک جا
 رخسار پاک لختوں پہ قرآن اٹھائے ہیں

گوہر تیار اختر دندان کے نور پر
صدقے ہزار جاں لب پاک حضور پر
راقم نے جن لبوں کو جو اہر رقم کیا
جو تازگی میں ہوں گل تر سے زیادہ تر
اپنی زباں چھائی جسے سید البشر
دریا پتھرنے کا مٹھ نیک خور ہے
الماں میں کہاں رونماں کی برق شوق
خود آب شرم میں گہرے بہا ہیں غرق
جب مسکرا کے گوہر کیتا دکھاتے ہیں
تا آسمان، جو چہرہ شاہ اُمم کا نور
سرتاج آسمان وز میں ہو قدم کا نور
عکس رخ جناب سب فیض یاب ہیں
کعبہ ہو روئے اقدس فرزند بو تراب
کس آنسو میں ہو یہ صفائی یہ آب تاب
پہلے ثنائے چاہِ ذوق کو رقم کریں
معراج مصطفیٰ کی ہر شب لطفِ عنبریں
سجدہ کے بھی نشان پستانے کا ہر یقیں
ابرو بھی ہیں جھلکے ہوئے راز و نیاز میں
رکتا ہو دم گلے کی خاک کیا کروں میں آہ
سرورِ خلق شمعِ شبستانِ عز و جاہ
خبر سے وہ گوئے مبارک جو کٹ گیا

ہنستی ہو صاف جن کی چمک قیاس پر
گو یا دھرے ہیں لعلِ یمن دستِ حور پر
اُس لعل لب پر سنگ لگائے ستم کیا
واحترا وہ پانی کو تر ہیں کئی پہر
وہ لعل لب کریں ہفت تیر بد گھر
پانی کی پھر جہان میں خاک آبرو ہے
تاروں میں اور ان میں زمیں آسمان کا فرق
ضد ہو کہ باستان ہیں یا کج ندی ہو برق
سمرن درجعت کی سیجا دکھاتے ہیں
کوئین میں محیط ہو ابر کرم کا نور
دیکھا ہو یہ کسی نے کسی ایک دم کا نور
زیرے چمکے کہتے ہیں ہم آفتاب ہیں
میں ہفت شہنشاہِ بختی کو یہاں ثواب
طاقِ حرم ہو ابر و شاہِ فلک جناب
زمزم سے غسل کر کے طوافِ حرم کریں
ہو صبحِ عید پر تو آیتِ نبی جبین
صادق ہیں ہیں صبح کے ہونے میں شک
بیشک دو کہنیں ہیں سحر کی نماز میں
نورِ بیاض حسنِ محمد کی بوسہ گاہ
تھا جس کی روشنی سے نخل نورِ مہرماہ
حیرت ہو کیوں برق نہ زمیں کا لٹ گیا

بازوئے یابین ہیں یہ بازوئے استوار
 فانوس آستین سے تجلی ہو آشکار
 ساپخ میں نور کے ہیں شمعیں جلی جونی
 خندق میں جوئے خون انھیں ہاتھوں سے جلی ہی
 خیر سا اور در کوئی ہوئے تو پھر سہی

یاخن ہوں یا نہ ہوں یہ گرہ کھول لیتے ہیں
 صندوقِ علم صبر کا گھر علم کا مقام
 لازم ہو سب کو مصحفِ ایمان کا احترام
 یسین جس طرح ہو کلام مجید میں

وہ صدرِ پاک ظلم کے تیروں سے ہو نکار
 سینہ خدا کے نور کا اور پائے حکم دار
 وہ پسلیاں شکستہ ہوں گھوڑوں کی ٹاپ سے

تا پھول سے بدن کو نہ پہنچے کیخیاں
 تارِ بچین پڑی رہی جگل میں اُس کی لاش
 ظاہر یہ تھا کہ ذبح ہے ہیں نماز میں

اور لاشہ حسین درندوں میں چھوڑ جائیں
 آفت تھی ہر خط جو شیرِ خدا نہ آئیں
 سید کی لاش کا بھی کوئی پاسباں نہ تھا

خیمہ یہ صورتِ مہ نو قامت بلند
 صدمہ جگر پہ تن پہ تعب روح پر گزند
 صدمے یہ ہیں پہ کھینک باہر قدم نہیں

وہ دوش ہیں شفاعتِ امت کا بن پہ بار
 گوری کلائیوں کی صفائی پہ ہیں نثار
 پہنچا خیال، بات خفی تھی جلی ہوئی
 باتوں کو یاد آیا ہو زورِ یدِ الہی
 ہر چند بازوؤں میں وہ طاقت نہیں ہی
 فتح و ظفر کو بیچ کے سرمول لیتے ہیں

قرآن ہو سینہٴ خلفِ سیدِ انام
 قرآن حق ہو اُس کی بزرگی میں کیا کلام
 دل اس طرح ہو سینہٴ شاہِ شہید میں

انصاف کا مقام ہو اُس چرخِ بے مار
 محبوبِ کبریا کا دل اور برچھیوں کے وار
 گرمی میں ہاں بچائے جسے تن کی بھاپ سے

زہرِ قیص نرم پنھائے بصدِ تلاش
 تیغوں کے پھل سے اُس کا بدن ہو پاش پاش
 گردن جو قبلہ رو تھی روئے نیاز میں

نئے وارثوں کے مرنے تو قبرین جاں میں آئیں
 وہ وسمت ہو لٹاک چکر تا تھا سائیں سائیں
 سایہ کسی طرح کا بجز آسمان نہ تھا

ٹوٹا ہوا ہو بارِ الم سے کمر کا بند
 پیشِ نظر ہو لاشہٴ فرزندِ نزار جند
 کیا غم نہیں ہو کو نسا رنج و الم نہیں

جب ان میں فوجِ شام کے کالے علم بڑھے
 فرما کے یہ ادھر سے امام اُمم بڑھے
 قوت تھیں دکھاتا ہوں اس صہم زار کی
 ہر خوشی پر سرِ الہی مرا غضب
 ہاں نیزہ باز و جنگ میں خیر کیوں ہو اب
 نوکوں سے برچھپوں کی بجھے روکتے نہیں
 میں شیرِ مشہ اسدِ کردگار ہوں
 جس کے فرسِ سول تھے وہ شہسوار ہوں
 اک بندہ حقیر ہوں رب غفور کا
 ہر چند جزو کل پہ مرا اختیار ہو
 دنیا پر بے وفا تو فلک بے مدار ہو
 عرصہ فقط ہو چند نفس کا اخیر ہوں
 عباس نامدار کے مرنے کے تھے یہ دن
 روئیں گے نامرادی قائم پائس و جن
 آباد گھر جہاں میں کوئی یوں لٹا نہ تھا
 اُنسٹھ برس میں رنگ نظر آگئے ہزار
 جس فصل میں کہ جیتے تھے محبوبِ کردگار
 کھیتی سب ان کے مرنے سے نئے غور ہوئی
 اک دن وہ تھا کہ سینہ زہر اٹھا خواجہ گاہ
 وہ پیار والدین کا وہ بھائیوں کی چاہ
 ماتم کا یوں تو گھر میں سدا شور و سن تھا

تینوں کو تول تول کے اہلِ ستم بڑھے
 اسی سرکشانِ شام خبردار ہم بڑھے
 لو کو نمدتی ہی برقِ غضب ذوالنفا کی
 تم لاکھ اہلِ ظلم ہو میں ایک تشنہ لب
 ہاں اسی کہاں کشو بجھے، کو تو رب کے سب
 شیر خدا کے شیر کو اب ٹوکتے نہیں
 زیرِ نگیں زمانہ ہو وہ نامدار ہوں
 بیاباںِ بو تراب کا ہوں خاکسار ہوں
 منہ سے کبھی نہ نکلے گا کلمہ غور کا
 پیاسا جو ہوں یہ مصلحتِ کردگار ہو
 مثلِ جنابِ نیست کا کیا اعتبار ہو
 اکبر سا نوجواں نہ رہا میں تو پیر ہوں
 اُنقیسواں برس تو کچھ ایسا نہیں ہو سن
 کیساں ہوا گے موت کے بچے ہو یا سن
 اصغر کو دیکھو دو وہ بھی جس کا چھٹا نہ تھا
 دیہی کبھی چین پہ خزاں اور کبھی بہار
 اُجھا کوئی نہ دامنِ خاطر سے کوئی خار
 رنگ اُڑ گیا گلوں کا ہوا اور ہو گئی
 تکیہ تھا سر کا بازوئے سنجیدہ ہر حال
 اک دن یہ ہو کہ کوئی نہیں بہت آہ
 ایسا کبھی نہ بکس و تنہا حسین تھا

بڑھک چکا راشر کہ یاور کدھر گئے
 عباس کیا ہوئے علی اکبر کدھر گئے
 جو پاسر کا صورتِ یعقوب کون ہو
 تھار دم و تمام بن کی زبردستیوں سے زیر
 ان مشت کیوں ہیں دوڑتے تھے جو مثالِ شیر
 سب کے پاش پاش ہیں تن جیر جیر ہیں
 دیکھو تو کس کے سینے میں برچی کا ہر پھل
 دوز کے تباہ کرنے کا کیا تھا یہی مل
 غنائت بعد مرگ جو گورو کفن کے ہیں
 شہ نے کہا یہ سب مر گلشن کے پھول ہیں
 کرسی ہو پست ان کو وہ رتبے حصول ہیں
 قہمی درود بھیجتے ہیں ان کی شان پر
 سالک جو میرؔ راہ رضا بھولے تہیں
 محسن کو اپنے اہل وفا بھولے تہیں
 تن خاک ہو تو اس میں بھی الفت کی بور ہے
 کیونکر نہ یہ کلام کرے تو ہوا پہ ہو
 مسند پہ ناز ہو نہ شرف مستکا پہ ہو
 مٹی ہو یا کہ خز ہو تن پاک کے تلے
 برچی کا سینہ علی اکبر میں پھل ہو گر
 ہر بار یہ دعا تھی کہ پھولے پھلے شجر
 کیا کیا گل مراد مرے ہاتھ آئے ہیں

بیدل ہیں آپ کیوں وہ دلاور کدھر گئے
 ای فاطمہؓ کے لال وہ گوہر کدھر گئے
 غلبہ ہو کس کی فوج کا مغلوب کون ہو
 اب آپ کی مدد کو نہیں آتے وہ دلیر
 شاید انھیں کے لاشوں کے ہینک پر تھیر
 تلواریں کیا یزید کے لشکر کی تیز ہیں
 اٹھا رھویں برس میں کسے کھا گئی اہل
 دیا پہ کس کی لاش پڑی ہو وہ منہ کے بل
 کس نخل کے ثمر ہیں یہ گل کس چمن کے ہیں
 کیونکر نہ سر خرو ہوں کہ آلِ سول ہیں
 تن پر جو سر نہیں تو یہ نذریں قبول ہیں
 تن ان کے ہیں زمین پر سر آسمان پر
 جو دوست ہیں ولی کے لاجھولے تہیں
 ہم لوگ مر کے یادِ خدا بھولے تہیں
 نیزے کی پیرھاؤ تو منہ قبلہ رو رہے
 جو ہو سو حسینؑ تو راضی خدا پہ ہو
 ہر حال میں فقیر کو تکیہ خدا پہ ہو
 اللہ آبرو کو رکھے خاک کے تلے
 ظالم ہی تو باغِ شہادت کا ہی ثمر
 بابائناں ہو کہ برومند ہو پسر
 باغِ جہاں میں آئے یہ پھل کس نے پائے ہیں

قائم اگر نہیں تو نہیں مجھ کو کیا ہراس
 رونے کی وجہ کیا جو ہوئی بھانجوں سے پاس
 کچھ دن جو میرے پاس ہے مستعار تھے
 لاکھوں سے یہ ہنر جو تنہا لڑے لڑے
 ہوتے ہیں غازیوں کے ارادے بڑے بڑے
 بالائے دوڑ ٹھال بھی قبضے پہ ہاتھ تھا
 شہروں میں جنگ بدر کا شہرہ ہر جگہ تک
 بالائے عرشِ ناد علی پڑھتے تھے ملک
 زورِ خدا تھا دستِ وحی رسول میں
 کیوں غرور و عنین میں بھاگے تھے تم کہ ہم
 تم کوہ میں چھپے تھے بروزِ دہم کہ ہم
 بجلی سی تیغ کوندنی تھی کس جوان کی
 تھا لیلۃ الحمریر میں یک جا تمام شہر
 چمکی جو ذوالفقار تو آیا خدا کا قہر
 کیوں وہ فراریوں کی دوہائی بھی یاد ہو
 بیرالام کی آگ کا روشن ہو سب چال
 اُس چاہ پر تھے نہ یہ رستم کی تھی مجال
 لشکر جنوں کا خوف سے بیاب ہو گیا
 تاباں جنوں پہ تیغِ امام غنی رہی
 اندھیر ہو گیا ویشیاں روشنی رہی
 نہرے ہوئے جو آبِ توامیاں کی چاکی

بس سن چکا کہ مر گئے عباسِ حق شناس
 میں کون جس کے عہد تھے پہنچے ہی کے پاس
 یہ لال سب امانت پروردگار سے تھے
 تینوں کے پھل جو پھول سے تن پڑے پڑے
 چاہیں تو روم و شام کو لیں لیں کھڑے
 خیبر میں کون شیر الہی کے ساتھ تھا
 مثلِ ہلالِ تیغ کی تھی جا بجا چمک
 خندق میں کس نے کی اسد اللہ کی لگ
 دو کر دیا تھا عمرو کے قامتِ طول میں
 سرکش ادھر کے پس گئے تھے زیرِ تم کہ ہم
 دہشت سے اُس طرف کے دلاوے تھے کہ ہم
 آئی تھی کس طرف سے صدا الامان کی
 بڑھتی تھیں یوں صفیں کہ سمندر میں جیسے لہر
 کیا جنگِ نہرواں میں سائی تھی خوں کی نہر
 صفین میں صفوں کی صفائی بھی یاد ہو
 دو شخصِ جل کے رہ گئے تھے صورتِ نیکال
 جاتے ہی اُس میں کو دپڑے شیر ذوالجلال
 دہشت سے آگ کا بھی جگر آب ہو گیا
 زیرِ ز میں بھی شیر کی چھاتی تھی رہی
 دُرسے جنوں کے جان پہ کیا کیا بنی رہی
 آنے لگی کوئیں سے صدا اللہ کی

ایمان جنوں نے جبٹ لیا جاں کیا قبول
 گزے تھے تین روز بنی تھے بہت طول
 باہر کنوئیں کے اے عجب عز و جاہ سے
 تھی دشتِ نجاتِ سلیمانِ دیں کی دھوم
 خالی ہوئی جنوں کے جو شر سے دہ زبوم
 شعلے رہے نہ سانپ نہ اڑو ہے رہے
 تیغ بنی امیہ کی ہیں خاکِ ابدار
 پھل اس کا آگ ہو تو زبانیں ہیں شعلہ بار
 دم بھر پناہ گھاٹ سے اس کینہ پاؤ گے
 میں نور چشم فاتحِ ذاتِ الرفاع ہوں
 گزار ہوں سخی ہوں ولی ہوں شجاع ہوں
 دوری میں بھی ہم اپنے خدا کے حضور ہیں
 نہرِ خفی حق انھیں بندوں پہ ہر جلی
 فاطر سے فاطمہ ہو اور علی سے ہی علی
 ایک ایک ان میں تاجِ سرِ مشرقین ہو
 زیور جو عرش کا ہو ہمارے ہنسی میں
 حوریں جو لونڈیاں ہیں تو غلامِ غلام ہیں
 نہ نیست ہیں آسمان کی رونق زمین کی
 ناگاہ ابن سعد پکارا کہ صفِ ندو
 خوں میں بنی کی آل کو سرتا قدم بھرو
 کھلونوں پہ زیور جنگی سنوار کے

طالب تھے آپ جن کے وہ باتیں جو حصول
 سُن کر صدا علی کی خوشی ہو گئے رسول
 غل تھا کہ نکلے یوسف صدیق چاہ سے
 لشکر میں مصطفیٰ کے خوشی تھی علی العموم
 بالائے چاہ جانوروں نے کیا ہجوم
 دو تین روز چاہ پہ کیا چھچھے رہے
 جل جاوے گی گرے گی اگر برقِ ذوالفقار
 دھارا ہو قلزمِ غضبِ حق کا اس کی حار
 طوفانِ خوں اٹھے گا کہ سب جلاؤ گے
 پایا مزارِ رفیع ہو عرشِ ارتفاع ہوں
 حیدر ہیں آفتاب تو ہیں بھی شعاع ہوں
 سمجھو نہ بخت کو جدا ایک نور ہیں
 محبوب ہو خدا کا کوئی اور کوئی ولی
 محسن سے ہو حسن یہ شرافت ہو مغلی
 احسان سے جہان میں نامِ حسین ہو
 ساتی حوضِ قاسم دارِ السلام ہیں
 احمد کے جانشین ہیں امم کے امام ہیں
 دنیا کی آبرو ہیں تو عزت ہیں دین کی
 ہاں نور چشم شیرِ خدا سے دعا کرو
 کم رہ گیا ہو دن بہت اب اورو لاورو
 پڑھو نمازِ عصر کی سید کو مار کے

تن سے جو کرو پسر فاطمہ کا سر
 ڈھالوں میں بھر کے لایو لعل و زرو گھر
 قیدی ہیں ہل بیت شہ مشرقین کے
 ہو آرزو حکومت رنج کی مجھے کمال
 ہو تب حلال ذبح ہو جب فاطمہ کا لال
 اس طرح گھر تباہ رسول خدا کا ہو
 پونچے گی شہر شام میں جب تل طاہر
 منکر نے کیس پہ مری باتیں جو ظاہر
 گیتی ہجوم فوج سے جنبش میں آگئی
 چلوں سے کج نہاد ملائے لگے خدنگ
 خنجر رکھے مکر میں دو حارب چاکے سنگ
 سر ہنگ شام گزر گراں تو نے لگے
 کالے علم نشان سپہ کا ری سپاہ
 تھا نالہ و نفیر کہ بجیس کو دو پناہ
 سن کر وہل کا شور کیلجے دہلتے تھے
 وہ غول مصریوں کے وہ دل فوج شوم کے
 تنہا حسین بیچ میں تھے اس ہجوم کے
 اٹھا سخی کا ہاتھ ید اللہ کی شان سے
 ابھر ہوئی پیام سے شمشیر شعلہ بار
 یا پھلجی کو بھاڑ کے نکلا سپاہ مار
 نکلی عروس فتح محافہ بردا ہوا

پھر تم کو لوٹنا ہو رسول خدا کا گھر
 ایسا نہ ہو کہ رات کو سر کا دیں مال و زر
 دولت کی گھروں کی ہو گھر میں حسین کے
 حصہ وہ فوج کا ہو ملے جو متاع و مال
 دیکھوں کہ ہیں کھلے ہوئے زینب کے سر کمال
 سیدانیوں کے منہ پہ نہ بردار دوا کا ہو
 ہو جائے گا سپاہ کا دونا مشاہرہ
 وریا سے مثل موج بڑھی فوج قاہرہ
 کالی گھٹا سپاہ کی جنگل میں چھا گئی
 منہ ترکشوں نے کھول دیے صورت نہنگ
 بر چھی ہلا کے فوج نے جواں کیے سرنگ
 بڑھ بڑھ کے بیروں کو عدو کھولنے لگے
 گویا زمین کے سینے سے اٹھا تھا دود آہ
 شہنا کی یہ صدا تھی کہ سید ہو بے گناہ
 تھرا کے جھانجھ بھی کف افسوس تھے تھے
 اندھی سپاہ اٹھی کہ گھٹا آئی جھوم کے
 توارے پیام سے قبضے کو چوم کے
 نکلا ہمارے اوج شرف آشیان سے
 یا ابر سے نکل کے ہوئی برق بے قرار
 یا استین سے ید بیضا تھا آشکار
 یا نالہ ظفر سے لفا فہ بردا ہوا

کاٹھی تھی ذوالفقار کی یا تھا اجل کا گھر
 گونگٹ اٹھا کے برق سی پکی ادھر ادھر
 دکھائی سب کو منہ کی صفائی لڑائی میں
 قبضہ وہ جس کی ضرب کے اندر کی پناہ
 بارٹھ ایسی جس کے گھاٹ کشتی تن تباہ
 جو ہر یہ ہیں کہ تیغ شہ لافتی کی ہو
 ہر عمر کہ میں یا ویر مشکل کشا رہی
 جو اس کی ابتدا تھی وہی انتہا رہی
 یکتا تھی ذوالفقار یہ قطعی دلیل ہو
 نکلی وہ جانگد از عجب برق و شوق سے
 چٹنک یہ دمبدم تھی ہر ایک اہل سق سے
 دریائے تہر حضرت پرور و گار ہوں
 سیفِ خدا ہوں نام ہو دستِ اجل مرا
 گلزارِ فتح میں جو ازل سے عمل مرا
 دونوں عزے ہیں مجھ میں جنت ہیں ہوں
 بُت میں نے ایک ضرب میں توڑے ہیں میرے
 مولا کے ہاتھ میں ہوں کہ قبضے میں غیر کے
 جاتی ہوں جس پہلِ اجل چھوڑتی نہیں
 دنیا میں مجھ سے تیغِ علی سا جواں نہیں
 بھاگو گئے ثمت کیس سے کہ ہر کہاں نہیں
 فریادِ النہاش کو کب بمانتی ہوں میں

جلا تھا یا نقاب رخِ لبیلی نظر
 گویا دو لہن حجابِ نکلی جھکا کے سر
 جانیں ہزار وجہ سے لیں رونمائی میں
 نایں وہ دمبدم جو دکھائیں ندھم کی راہ
 وہ تیر منہ کہ کوہ کو کھائے مثالِ کاہ
 تمنہ یہ اس کا ہو کہ عنایتِ خدا کی ہو
 سید سے کر بلا میں نہ دم بھر جدا رہی
 عاشق رہی پدیر پہ پیر پر فدا رہی
 جو تیغ دونوں باکیں کسے وہ ایل ہو
 صاف آئی الحفیظ کی آواز برق سے
 آتی ہوں میں سروں پہ ذرا فرق فرق
 طوفان اُٹھے گایاں سے میں ذوالفقار ہو
 نشتر ہوں مرگ کا رگ جاں ہو محل مرا
 جس کو نہ اعتبار ہو چکے وہ پھل مرا
 امرت ہوں دست کے لیے کمن کو نہ ہوں
 شہرے ہیں شہر شہرے امر خیر کے
 دشمن کے سر سے تھی ہوں دھاتھ پیر کے
 جوشن ہو یا کہ خود ہو منہ موڑتی نہیں
 کیوں ہوں خوش کیا مرے منہ میں بل نہیں
 دشمن کوئی حسین کا مجھ سے نہاں نہیں
 سید کے قاتلو تھیں پہچانتی ہوں میں

لے گئے آستین بوشہ شاہ سرفراز
 اعدا کی فوج پر تھی زباں تیغ کی دراز
 کیونکر جواب دے کوئی دم بند سب کے
 کوندی جو برق طاقت گفتار گھٹ گئی
 ثابت ہوا ہر اک پہ کہ دنیا الٹ گئی
 پھر شر تھا جو رحم نہ آئے حضور کو
 تلوار کیا چلی غضب آیا کریم کا
 سب زور تھا زبانیہ نارجیم کا
 شمشیر بادشاہ سلیمان بساط تھی
 چلتی تھی ذو الفقار جو سن ادھر ادھر
 کٹ کٹ کے گرہے تھے سرون ادھر ادھر
 ڈر ڈر کے جو سوار گرے وہ مرے گئے
 روئیں تھیں کے جسم کے ٹکڑے اڑا دیئے
 گردن بچی کسی کی تو شانے اڑا دیئے
 اوچھا بھی وار گر کسی دشمن کو لگ گیا
 دل کا پتے تھے دیکھ کے اُس کج ادا کا منہ
 اُتر کے منہ سے کم نہ تھا اس جاں گزاکا منہ
 پہونچی یہ وال اجل کا بھی حس جاگز نہ ہو
 جب ہاتھ اٹھا تو چنچ نہ تیغ دو سر چڑھی
 یہ گردنوں پہ سر کے لیے بکے سر چڑھی
 دریائے خون فرات کے ساحل پہ بہ گئے

جنباں تھی کر بلا کی زمیں صورت بہار
 کہتے تھے کانپکانپ کے آپس میں قند ساز
 غل تھا کہ ذوالفقار کے فقرے غضب کے ہیں
 جو صف پہ مصافحہ تھی وہ ہٹ گئی
 آہو بچی تھی پہ ڈر کے قیامت پٹ گئی
 منہ سے بلا چکے تھے سراپیل صور کو
 تھی جنگ یا کہ روز تھا امید و بیم کا
 جل جل کے منہ سیاہ ہوا ہر لیم کا
 کیا تھمتے ناریوں کے قدم وہ صراط تھی
 دہشت سے چھپتے پھرتے تھے شہنشاہِ مہر
 ٹکڑے پڑے تھے خاکِ جوشن ادھر ادھر
 صف پر گری جو صف تو پروں پر پڑ گئے
 ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کے پڑے اڑا دیئے
 پہونچا جو سر پہ ہاتھ تو پہونچے اڑا دیئے
 تن جا رہا تڑپ کے لگ سر الگ گیا
 نابین فنا کی راہ تو قبضہ قضا کا منہ
 آفت کی چال قہر کی گرمی بلا کا منہ
 لو بے کو کاٹے یوں کہ زباں کو توجہ نہ ہو
 اُتری ادھر کہ خون کی ندی اُدھر چڑھی
 پس صاف کر دیا اُسے جو صف نظر چڑھی
 وہ پار اتر گئے یہ اسی گھاٹ رہ گئے

دیکھی وہ تیغ جب تو شکر نہ اٹھ سکا
 ڈہا کیا جہاز پہ لنگر نہ اٹھ سکا
 یوں فرق پر چڑھی ہی اہل خلاف کے
 سر سے جدا تھا خود تو سر تھے جبین سے دور
 جاں مجھ سے تو جسم تھے جان حزیں سے دور
 اور تیغ جاں سناں سے فقط سر قلم نہ تھے
 ہر سو پڑے تھے خاک پہ اعضا جدا جدا
 ایذا جدا تھی روح پہ قہر خدا جدا
 پیدا ہوئے تھے نار میں جانے کے واسطے
 حلقہ جو پیدلوں پہ کیا شہ سوار نے
 چھوڑا نہ صید صیغہ آہو شکار نے
 کہتی تھی گر چہ پیٹ کا بھرنا محال ہی
 جب وہ بلند ہوتی تھی مانند ماہ نو
 اس کی نہ ایک ضرب نہ اندا کے وار ستوا
 سرکش ب ایک دم میں نگوں مار ہو گئے
 نئے جاں لیے نہ تیغ شہ لافنی پھری
 دل پر جدا عدو کے گلے پر جدا پھری
 اس ناز سے حکمتی ہوئی اس چپکائی
 دست کشادہ دیکھ کے سب تگم ل چھپے
 ڈھالوں کی اوٹ میں وہ سید تگم ل چھپے
 یوں سمجھو فوج کیس میں حسین دیر کو

لاکھوں سے باز تیغ وہ پیکر نہ اٹھ سکا
 ہشت سے کافروں کا کبھی سر نہ اٹھ سکا
 مرکز کے جس طرح سے قدم سر پہ کانٹے
 قبضوں سے تیغیں دور تھیں ہاتھ آستین سے دور
 کارہ کیس کجاں سے کجاں تھے کیس سے دور
 اندر سے تفرقہ کہ عناصر بہم نہ تھے
 سر گردنوں سے جسم سے تھے ہمش پابجا
 پانی جدا تھا خاک جدا تھی ہوا جدا
 اک آگ رہ گئی تھی جلانے کے واسطے
 ڈر ڈر کے سب قدم پہ لگے سر امانے
 نندوں کو چن کے ذبح کیا ذوالفقار نے
 ہاں پی لوں خوب سا کہ ہو یہ حلال ہی
 جاتی تھی دور دور بیا باں میں اس کی
 کشت جیات اہل ستم ہو گئے دور
 کٹ کر سروں کے کھیت میں انبار ہو گئے
 وہ جس طرف پھری اسی جانب قضا پھری
 دم لیکے جس طرف پھری مثل بلا پھری
 کیا رعد کی بساط ہو بجلی تڑپ گئی
 کیونکر بڑھے قدم جو دم جنگ دل چھپے
 چمکی جو تیغ مثل شرر سنگ دل چھپے
 دیکھا ہو گر کبھی صفت آہو میں شیر کو

دشمن کا پاؤں رن میں ٹھہرتا نہیں کبھی
 چڑھتا ہو نہ ہریں کہ اترتا نہیں کبھی
 صد قرعہ غضب کا ہوتا ہو دوزخ میں جان پر
 کیا لشکرِ یزید پہ رنج و محن پڑا
 لاشے پہ لاشہ سر پہ سر اوتارن پہ تن پڑا
 اوپر تلے جو کشتیوں کے انبار پاتی تھی
 کشتے ترپ رہے تھے برابر زمین پر
 آئی جو سن سے تیغ دو پیکر زمین پر
 سلطان دیں کے پاؤں پہ سر کٹ گئے گر پڑا
 کٹ کٹ گئے جو خود تو مہر گئے اُحدود
 ظالم جوئے نمود ہوں وہ کیا کریں نمود
 بھگتا بھی یاں جدا ہوا وہ آن بھی گئی
 حرنے بھی قتل گاہ سے متھ موڑنے لگے
 ڈر ڈر کے مورچوں کو جری چھوڑنے لگے
 چلاتی تھیں کمانیں کہ اب رخ کدھر کریں
 دو ٹانگ کی کماں کو کبادا بنا دیا
 رن کی زمیں کو خون سے دریا بنا دیا
 دیتے تھے نیرکٹ کے صدا الامان کی
 ڈھالوں پہ آئی نیزوں کو جب کدھ بھال کے
 تھرائے تیر ڈر سے شہ خوش خصال کے
 وہ منہ کے بل پڑے تھے جو بھالے اٹھائے تھے

دم اس کا وہ غضب ہو کہ بھرتا نہیں کبھی
 یہ جس کو کاٹی ہو وہ مارتا نہیں کبھی
 تکی اہل کی رہتی ہو برسوں زبان پر
 طالع جو خنس تھے تو انھیں پر گمن پڑا
 کہتی تھی موت بھی کہ قیامت کا رن پڑا
 گنتی کو بار بار اہل بھول جاتی تھی
 زندے تھے خوفِ قتل سے مضطرب زمین پر
 گردن نے دھڑ سے پھینک دیا سر زمین پر
 تن مارے ڈر کے چند قدم ہٹ کر پڑا
 لاکھوں ہوں یا کروڑ ہوں کیا ان ہٹ ہو
 سر تن سے مفت کھٹے نقصان ہوا کہ سود
 عزت بھی آبرو بھی گئی جان بھی گئی
 ہٹ ہٹ کے پیچھے ہاتھ تبر جوڑنے لگے
 تیغیں ٹٹک کے خاک پہ دم توڑنے لگے
 ڈھالیں تھیں مضطرب کہ کس ہم سپر کریں
 تیروں کو کاٹ کاٹ کے تودہ بنا دیا
 ہر جزو تن کو لایہ تجزی بنا دیا
 پتوں کی طرح اڑتی تھیں شاخیں کمان کی
 پھل بھی لگانہ تھا کہ گرے پھولنے والے
 تیغیں اماں طلب ہوئیں نڈال نکال کے
 دست اماں کو برچھپوں والے اٹھائے تھے

تھی شعلہ درجہ آتش شمشیر آبگوں
 زہرے تھے آب آب جگر ہو گئے تھیں
 نوبت پہنچی تھی کہ علم کا نشان نہ تھا
 ہر چند ساری فوج پڑھالوں کی اڑ تھی
 غلبہ تھا دیں کافر کی بستی اُجاڑ تھی
 ڈرڈ کے منہ سے زہر سچوں نے اگل دیے
 سن سن چلی جو تیغ تو جی سنسا گئے
 دعوے تھامد می کا پہ انکھیں چرا گئے
 مٹی نے بھی عزیز نہ اُن کا لہو کیا
 افی تھا منہ کھلا رہا جب تک ہاں چلی
 غل تھا کدھر گئی کدھر آئی کہاں چلی
 ہاں ہاں کا شور تھا کسی لبے نہیں نہ تھی
 بچھی سے پھل کمان کیانی سے زہ گری
 حرم سے جدا ہوا تن سے زہ گری
 ابرو کے کل اشارہ میں مطلب ادا کیا
 دریائے قہر حق انہیں کہنا سند ہوا
 جس نے خدنگ قوس میں جوڑا وہ رد ہوا
 خون عدو سے کھیت کبھی پوں سچا نہ تھا
 ڈھالیں تھیں ٹھال غلب چال حال تھی
 کا تھا باغ کفر تو کیسی نہال تھی
 پکڑا گا تو سانس نہ دشمن سے لی گئی

جل جل گئے تھے اہل دغا کے دروں بڑوں
 تھی بیڑیں زید کے لشکر کی سرنگوں
 حیدر کے ذوالفقار کا ڈونکا کہاں نہ تھا
 بھاری تھی ضرب یہ کہ لڑائی پہاڑ تھی
 میدانِ معرکہ میں عجب مار دھاڑ تھی
 گھوڑے کے سم نے موزیوں کے گرل دیے
 دریا کے چوکیدار لہو میں نہا گئے
 بیج کے آب تیغ کے چھینٹوں میں آ گئے
 دم بھر میں ذوالفقار نے بے ابرو کیا
 نوکیں جسے لگیں وہ پکارا سناں چلی
 اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
 جلوہ تھا ہر مقام پر اور پھر کہیں نہ تھی
 نیزوں کی ڈانڈکٹ کے گرہ پر گرہ گری
 بند کمر کھلا تو ہوا غل کہ یہ گری
 مشکل کشا کی تیغ نے عقدوں کو داکیا
 مولا گھٹے بڑھے تو عجب جزوہ ہوا
 مروے بنے جو تیر تو ترکش حسد ہوا
 یعنی الٹ پڑی ابھی چلہ کھنچا نہ تھا
 برپا تھا حشر دن میں قیامت کی چال تھی
 پیاسے جو تھے حسین تو غصے سے ال تھی
 دریا پہ جس کو پایا لہو اس کا پی گئی

آفت تھی قہر تھی غضب ذوالجلال تھی
 خنجر تھی نیچہ تھی کٹاری تھی بھال تھی
 جیسا تو سامنے سے کوئی کم نکل گیا
 یکتا تھی بے نظیر تھی اور نہ مثال تھی
 بجلی زمیں پہ تھی تو فلک پر ہال تھی
 آگے رہی سپر سے بھی کچھ رزم گاہ میں
 تیغ خدا تھی ضرب اس کی کہاں پناہ
 کیونکہ نہ خلق اس کو کہے آسمان پناہ
 نصرت بھی اکائب دم تیغ دوسر کا تھا
 رو حیں گئیں سقر میں بن رن میں ہ گئے
 جانیں کہاں کی زخم فقط تن میں رہ گئے
 دوزخ میں سر اٹھانے کی کب ان کو بار ہو
 غل تھا کہ اس کی ضرب سنبھالی نہ جائے گی
 جب آئے گی سروں پہ تو خالی نہ جاگی
 جو ہر نہیں ہی تیغ شہ خوش خصال پر
 بجلی سی جہنم سے وہ چل پھر کے رہ گئی
 ہر صف میں بہر جنگ بدل پھر کے رہ گئی
 بیدم ہوا کوئی کوئی سرکش کچل گیا
 مشوق سبزہ رنگ تھی وہ تیغ حق رخی
 دکھی علی کے وقت سے فوجوں کی برہی
 برسوں رہی بغل میں شہ مشرقین کی

بجلی تھی صاعقہ تھی فنا تھی زوال تھی
 اعدا کے ذبح کرنے کو سحر جلال تھی
 منہ اس کا جس نے دیکھ لیا دم نکل گیا
 کیا آزمودہ کار تھی کیا ذمی کمال تھی
 اعدا پہ تیغ قبلہ عالم پہ ڈھال تھی
 حمزہ کی ڈھال بھی تھی اسی کی پناہ میں
 پستی ہو یا کہ ادج نہ یاں اور نہ واں پناہ
 جس تیغ کی پناہ میں خود ہو جہاں پناہ
 برسوں سے اس کی پشت پہ تکیہ ظفر کا تھا
 جو شیرین کے آئے تھے وہ بن میں رہ گئے
 ہاں طوق لعن طعن کے گردن میں رہ گئے
 اب گردنوں پہ تیغ تبرا سوار ہو
 نئے جان لیے یہ تیغ ہلائی نہ جائے گی
 یہ وہ بلائے بد ہو کہ ٹالی نہ جائے گی
 سیفی لکھی ہوئی ہو دعائے ہلال پر
 خادم کی طرح ساتھ اجل پھر کے رہ گئی
 پھر کر کھتا جو اسپ تو کل پھر کے رہ گئی
 آنکھوں کے سامنے سے پھلاوا نکل گیا
 لب پر ہو سے پان کی لالی سی تھی جی
 آتش مزاج معرکہ آرا کسی دمی
 جھیلے ہوئے لڑائیاں بدر جنین کی

تلواریں پیچ و تاب بل کھا کے رہ گئیں
 سہمے جودل کمانیں بھی چٹا کے رہ گئیں
 دھالوں کے رنگ فک کا فور ہو گئے
 سر اڑ گئے تنوں سے، جدھر سر سری چلی
 خالی ہوئے پرے تو غضب میں بھری چلی
 خنجر انھیں کے اُن کا لو چاٹنے لگے
 چلنے میں گر کبھی کمر اُس کی چاک گئی
 اُڑنے لگیں جو خون کی چھینٹیں سرک گئی
 بر سے نہ اس ترنگ کا دل سارا رکے
 چھوٹیں کمانیں قبضوں سے اوچکیوں سے تیر
 عاری تھے تیغ زن قدر انداز گوشہ گیر
 لشکر سیہ رُخوں کا جو پامال ہو گیا
 بڑھتی تھی زور شور سے ہر دم لسان و دود
 نیزے کٹے ہوئے تھے تو کوئے ہوئے عود
 تھمتی نہ تھی جو تیغ شبہ مشرقین کی
 اسی بحر طبع بس یہ روانی کہاں تلک
 اذ ذوالفقار شعلہ فشانہ کہاں تلک
 خنجر ہی اور گلوئے شبہ مشرقین ہی
 بھولیں گے مومن کو نہ یہ یادگار بند
 برسوں نہ ہو زبان فصاحت شعار بند
 دی ہی جو مصطفیٰ کی قسم فوج شام نے

پھل یوں اڑے کہ برچھیاں پھرا کر گئیں
 چشم زہرہ کی پتلیاں پتھر کے رہ گئیں
 چار آنہوں کے شیشہ دل چور ہو گئے
 خشکی سے خوں میں دیکھے ہوئے تری چلی
 غل تھا کہ لود کھا کے لگا وٹ پری چلی
 دیوانے آپ اپنے گلے کاٹنے لگے
 دھالوں کے ابر تیرہ میں بجلی چاک گئی
 کہ آئی نہر پر کبھی سوئے فلک گئی
 قربان ذوالفقار تری گھاٹ بارہ کے
 کیسی لڑائی سہمے ہوئے تھے جوان و پیر
 اپنے لو میں لوٹے پھرتے تھے پھر تیر
 مارے خوشی کے تیغ کا منہ لال ہو گیا
 گر گر کے بہ رہے تھے مثال حباب خود
 خالی تھا رن بھری تھی منزل اہل کی گود
 جنگل میں شور تھا کہ دہائی حسین کی
 ہاں اسی زبان یہ چرب بانی کہاں تلک
 قصہ تمام کر یہ کہانی کہاں تلک
 خاموش ہو یہ وقت نماز حسین ہی
 فرصت ملے تو لکھے سناؤں ہزار بند
 سُن لو کہ گریہ خیز ہیں یہ پانچ چار بند
 تلواریں روکی لی ہی تمھارے امام نے

پہنچا ہر عنقریب لبِ بامِ آفتاب
 دریا پہ ہیں مگر نہیں ملتا وضو کو آب
 منظور ہے نہ جنگ نہ ہاتھوں میں زور ہے
 لگتا ہے جب تک تو چھٹی ہو خوں کی حار
 کہتے تھے رو کے شاہ کہ اب کیوں ہو بقرار
 کب تک غامضین کا دل دردمند ہے
 آقا شہید ہوتا ہے گھوڑے کو یہ غم
 فرماتے ہیں حسین کہ ای ذوالجناح تھم
 وعدہ ہے خوں میں بھرنے کا ربِ قدیر سے
 بیٹے پہ اب چڑھے کامرے شمر و سیاہ
 دووں سے میرے ساتھ ہے بے ڈانڈ و گیاہ
 عادل کا سامنا ہے شہِ مشرقین کو
 کہتا ہے رو کے شاہ سے اپے فاشخار
 رخصت کے وقت مجھ پہ جو حضرت ہو کوار
 پھر ایک بار ڈیوڑھی پہ لانا حسین کو
 دووں سے خود حضور ہیں بے آبِ طعام
 بچپن سے میرے حال شفقت رہی دم
 برسوں چڑھے پہ دل سے اتارا کبھی نہیں
 یہ ذکر تھا ابھی کہ بڑھی فوجِ اشقیبا
 زہراؑ نے خاکِ اٹل کے جو عریان سر کیا
 نیرے لگے جو تن پہ حسین دلیر کے

شوق نماز عصر میں ہیں مضطرب جناب
 سید کو تیرا رستے ہیں خانماں خراب
 بجلی جو تھم گئی ہے تو کیا منہ کا زور ہے
 کاٹھی میں فرط غم سے تڑپتی ہے ذوالفقار
 بس بس کہ قتل ہو چکے دشمن کئی ہزار
 ای ذوالفقار صبرِ حندا کو پسند ہے
 حربوں سے شاہ دیں کو بچاتا ہے ذمہ دم
 پھر میں اتر پڑوں گا ہٹایاں سے گر قدم
 لنداب بچا نہ سمجھے تیغ و تیر سے
 تجھ سے نہ دیکھا جائے تو جاسوئے خیمہ گاہ
 شرمندہ تجھ سے ہوں بہت اکو میر خیر خواہ
 مارا ہو گر کبھی تو بحل کر حسین کو
 جب تک ہر دم قدم کو نہ چھوئے گا جانثار
 بنش علیؑ نے مجھ سے کہا تھا یہ حالِ زار
 ای ذوالجناح چھوڑ نہ انا حسین کو
 میں کیا ہوں ای حسینؑ سیکینہ ہر تشنہ کام
 میں کس نہاں سے شکر کروں ای شہِ انام
 تقصیر یہ بھی آپ نے مارا کبھی نہیں
 دولاکھ نے امام کو حلقے میں لے لیا
 تھرا گیا مزار شہنشاہِ انبیا
 بستی نجف کی ہل گئی نعروں سے شیر کے

مارا ابوالخوف لیس نے گلے پر تیر
 جھکنے لگا جو غش میں علی کا مہ منیر
 تینوں سے پیچ سبز عالمے کے کٹ گئے
 ہاں اوجھنیو مصیبت کا وقت ہو
 روئے میں فاطمہ کے رفاقت کا وقت ہو
 نکلے رکاب پائے شہ مشرقین سے
 لوگر ٹرے زمین پہ شپیر ہو غضب
 پھر برچھیاں لگاتے ہیں بے پیر ہو غضب
 گر پڑتے ہیں زمین پہ کبھی گے سنبھلتے ہیں
 در عدل عتیق مین بن گئے ہیں سب
 ہر زخم پر لعینوں سے پانی کی ہو طلب
 لب تک ہن سے بات بھی وقت آتی تھی
 ڈوبے ہوئے اہو میں اٹھائیں نون ہاتھ
 شیوں کو میرے آتش ووزخ سے دیکھا
 زیر زمین بھی مور و لطف کرم رہیں
 لب پر تھی یہ دعا کہ لگا تیر حلق پر
 بعد میں حق جھک گئے ہاتھوں کو ٹیک کر
 زانور کھا جو چھاتی پہ زہر کے جائے کی
 تھکے دیکھنے جو لگا وہ ادھر اودھر
 حیدر بہت قریب ہیں تھامے ہوئے جگر
 ڈر قہر حق سے دست ندازی کو چھوڑوے

خوں ہو کے حلق شہ سے بہا فاطمہ کا شیر
 بھاگا لگا کے فرق پہ شمشیر اک شریہ
 گروں سے ذوالجناح کی جھک کر لپٹ گئے
 سر چٹنے کا وقت ہو رقت کا وقت ہو
 گرتا ہو عرش حق پہ قیامت کا وقت ہو
 گھوڑے پر اب تھما نہیں جاتا حسین سے
 ڈوبی اہو میں زلف گرہ گیر ہو غضب
 زخمی گلے پہ اور لگا تیر ہو غضب
 جھک جھک کے منہ سے خون کٹنے لگتے ہیں
 فیروزئی ہیں پیاس کی شربت لعل لب
 دیتا نہیں جواب مگر کوئی بے ادب
 ظاری ہو نصف یہ کہ زباں لڑکھاتی تھی
 خالق سے یہ دعا ہو کہ اریہ پاک فات
 عزت حیات میں ہو تو رحمت پس ففات
 یہ سب صراط پہ ثابت قدم رہیں
 ریش خضابار ہوئی سب اہو میں تر
 وال استیں الٹ کے بڑھا شمر بد گہر
 دہنی طرف سے آئی صدا اے ہائے کی
 دیکھا کھڑے ہیں احمد مل برہنہ سر
 زہر کی ہو صدا کہ نہ سید کو فوج کر
 صدقہ نبی کا میرے نمازی کو چھوڑے

سبکی کو نسی ہو خطا کو نساگناہ
 بے سہرا گر ہوا یہ غریبوں کا پاوشاہ
 ظلم و جور احمد و حیدر کے سامنے
 مٹنے لگا جو ڈر کے وہ مرتد جھٹشار
 ڈرتا ہو کیوں یہ سحر کا مرد نامدار
 اب حشر ہوگا اس جسدِ پاش پاش پر
 سید پہ ہورہا ہوا دھڑلہ بر ملا
 بنتِ علیؑ کو روک سکے گا کوئی بھلا
 خلعت لے سپ لے گھر شاہوار
 یسن کے اُس شتی سے بڑھا پھر وہ کینہ جو
 بولے یہ آنکھیں کھول کے شیر نیکو
 ثابت ہوا مجھے کہ اجل اب قریب ہو
 خنجر ہٹا کے حلق سے ظالم نے یہ کہا
 شہ یو لے یاں سے سامنا ہو خیمہ گاہ کا
 بھائی کے مرتے وقت بہن کا گزرنہ ہو
 یہ کہ کے خود نشیب کی جانب چلا ام
 جدے میں دال پونج کے جھکے پھر شہ انام
 خنجر سے ذبح جان و دل فاطمہؑ ہوا
 اس وقت پونجی زینبؑ شاد نوہر گر
 بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفیں اوڑھ کر دھر
 ہو خاک سجاہ گاہ حسینؑ کی

ہو ہو مر اسین تو ہو سب کا خیر خواہ
 ہو جائیں گی سفر میں بتی زادیاں تباہ
 بیٹے کو ذبح کرتا ہوا در کے سامنے
 چلا یا بڑھ کے یوں پس سر سدا بکار
 جلدی پھر اوسے شر کے گلے چھری کی دھا
 سر کھوئے زینبؑ اتی ہو بھائی کی لاش پر
 زخمی گلے پہ دوڑ کے رکھ دے گی وہ گلا
 ڈر ہو الٹ نہ جائے کہیں شت کر بلا
 تن سے سر حسینؑ کو جلدی اتار لے
 خنجر کھا گلے پہ محمدؐ کے رو برو
 اماں تڑپ ہی ہیں زینبؑ پر کشادہ ہو
 کہہ دے ابھی ہو دور کہ زینبؑ قریب ہو
 سیدانی ایک خیمے سے نکلی ہونے روا
 لیچل مجھے نشیب میں ابر بانی جفا
 یوں ذبح کر مجھے کہ کسی کو خبر نہ ہو
 مڑ مڑ کے دیکھتے تھے مگر جانبِ خیام
 فریاد النیث قیامت کا ہو مقام
 جس جا تھی قتل گاہ وہیں خاتمہ ہوا
 جب شمر ہاتھ میں لیے جاتا تھا شہ کھر
 زخماں دونوں زرد تھے اور ہونٹ خست
 آنکھیں کھلی تھیں فاطمہؑ کے نور عین کی

قرآن پڑھ رہا تھا سہرا بن بو تراب
 روشن تھا بعد قتل بھی رخ مثل آفتاب
 آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
 چلائی سر کو پیٹ کے زینب جگر فگار
 سید تری کھلی ہوئی آنکھوں کے میں نثار
 شاید ابھی چلی ہو چھری حلق پاک پر
 کیا چپکے چپکے جان دی اور شاہ دیں پناہ
 آئی صدا کہ بات کی فرصت ملی نہ آہ
 خنجر گلے پہ سینے پہ قاتل سوار تھا
 قاتل بڑھا جو لیکے سر سرورِ زمین
 پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دور مٹی پہ
 بیٹی تیرے شہید برادر کے ساتھ ہوں
 چلائی وہ کہ لاش عریاں ہو کس طرف
 اور طارو وہ فخر سیلماں ہو کس طرف
 زہر کی عمر بھر کی کمائی کو کیا ہوا
 ہو کس مقام پر مرے سید کی قتل گاہ
 اور ارض نینوانے مجھے ملتی نہیں ہو راہ
 اور شام غم وہ گیسوؤں والا کدھر گیا
 کہتی تھی کہ لاش بے سر کدھر گیا
 چلائی ہائے بھائی یہ کیسا ستم ہوا
 کچھ غم نہیں جو ذبح میں ناکام ہو گیا

اور لیش میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
 ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہو آب
 ثابت یخ شک ہونٹوں سے تھکاتے ہیں
 ہو شہید ہو گیا نانا کا یا دگار
 بھیا بہن کے آنے کا تھا تم کو انتظار
 اس وجہ سے لہو یہ ٹپکتا ہو خاک پر
 سر تن سے کٹ گیا نہ پکارے بہن کو واہ
 زینب ہمارے حال کی ہو فاطمہ گواہ
 اس جبر میں بہن مرا کیا اختیار تھا
 کس یاس سے کہا کہ خدا حافظ اور بہن
 آئی صدا اے دختر محبوب ذوالنہن
 توجا کے ڈونڈھ لاش کے میں سر کے ساتھ ہوں
 ہو ہو تن امام غریباں ہو کس طرف
 اور دشت کربلا ترا مہماں ہو کس طرف
 بتلا دے اور زمین مر بھائی کو کیا ہوا
 اور خاک کس نشیب میں ہو فاطمہ کا ماہ
 اور آسمان یہ کیا ہو کہ دن ہو گیا سیاہ
 اور آفتاب تیرا اجالا کدھر گیا
 بس دوڑ کر پیٹ گئی وہ غم کی مبتلا
 آئی صدا یہ لاش سے جو مرضی خدا
 اُمت کی مغفرت کا سر انجام ہو گیا

بس ایسی بات ہو شور و فغان آہ
آباد کشور ہے آشدر یا الہ
یار سیاہرا بھرا چمن آرزو رہے

آمین زبان دل سے کہیں عاشقان شاہ
رکھ میرے دوستوں کو جہاں میں عز و جاہ
جب تک چمن میں گل ہے اور گل میں پورا

رُبَاعِی

کیا مرتبہ سلطان تجازی کا ہو ؟ کیا عز و شرف نام غازی کا ہو ؟
سجدے کا نشان کیا کہہ سکتے تھے ؟ نیزے پہ یہ سر کسی نمازی کا ہو ؟

رُبَاعِی

جب بنی بیوں کو دلع ہوتے تھے حسین ؟ تقویر سے رب کے ہوش کھتے تھے حسین ؟
سب کو تو تسلی دیتے جاتے تھے مگر ؟ زینب کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسین ؟

رُبَاعِی

بادل آ کے رو گئے ہائے غضب ؟ آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب ؟
جی بھر کے حسین کو نہ روئے سال ؟ آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب ؟

مشق (۲۵)

جب نوجواں پسر شہ دیں سے جدا ہوا
 نور نظر امام میں سے جدا ہوا
 دل داغ ہو گیا دل و جان بتول کا
 برچھی سے ٹکڑے ہو گیا نخت جگر کا دل
 ہوتا ہی آبیگینہ سے نازک بشر کا دل
 ایوب بھی اگر ہوں تو دم بھر نہ گل ٹکڑے
 پیری میں آفت ہی غم اولاد الاماں
 وہ اضطراب خاطر ناشاد الاماں
 بیٹا نہ ہو تو زیست کا پھر کیا مزار ہا
 بسمل کے لوٹنے کی کسی دل کو کیا خبر
 کشتی کے ڈوب جانے کی حال کو کیا خبر
 خاروں سے پونچھیہ نہ کسی گل سے پونچھیہ
 بچھڑا وہ لال جس کا گوارا نہ تھا فراق
 او موت جلد آ کہ بس اپنے ندگی ہی شاق
 برباد اس طرح کوئی آباد گھر نہ ہو
 بچھڑے پدر سے اکبر مہر و ہزار حیف
 کیا خوشنما تھے دوش پگیسو ہزار حیف
 وہ زلف رخ وہ پیار کی باتیں کہ ہر گیش

روشن تر سپہریں سے جدا ہوا
 نخت جگر حسین حسین سے جدا ہوا
 گھر بے چراغ ہو گیا سبط رسول کا
 خود باپ نے چھدا ہوا دیکھا پسر کا دل
 پتھر کا دل نہیں ہو یہ دل ہو پدر کا دل
 آنسو تھیں تو منہ سے کلیجہ نکل پڑے
 دل اور زخم خنجر فولاد الاماں
 وہ اشک شور اور وہ فریاد الاماں
 جب گھر اڑ گیا تو زمانے میں کیا رہا
 غربت میں کون لٹ گیا منزل کو کیا خبر
 کس پر چھری یہ چل گئی قاتل کو کیا خبر
 صدمہ چمن کے گلے کا بلبل سے پونچھیہ
 فرماتے تھے کہ لوٹ لیا تو نے اوجاع
 خنجر کی آرزو ہو شہادت کا اشتیاق
 کیا زندگی کا لطف جب ایسا پسر نہ ہو
 اب رو ہو سامنے نہ وہ ابرو ہزار حیف
 وہ بھینسی بھینسی جسم کی خوشبو ہزار حیف
 وہ دن کہاں ہیں آہ وہ راتیں کہ گریں

سب چاہیں جس کی زیست شیریں
 پیدا تو کس جگہ ہوئے اگر کہاں مرے
 اس عمر میں جہاں سے گزرنے کے دن تھے
 پھولے پھلے نہ وہ چمن روزگار میں
 دیکھا کبھی نہ ایک گل ایسا ہزار میں
 بے بس تھے وہ کہ ساتھ کسی کو نہ لگے
 روتے ہوئے حرم میں گئے قبلہ انام
 رُخ زرد و دل میں درد بدن سرِ تشنہ کام
 یہ درد تھا بگاہ میں کہ دل ٹپکے ہوتے تھے
 پیارے یہ تھے حسین علیہ السلام کے
 تھرا ہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے
 فرماتے تھے بہن علی اکبر گزر گئے
 پُرسا تھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
 بیٹھے ہیں خاکِ اڑائی ہو آنسو بائے ہیں
 سر تھا حسینؑ بیکس و تنہا کی گود میں
 سر بار دوش ہو ہمیں رخصت کرو بہن
 مڑے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے کفن
 عجوب ہم ہیں قاسم نے پر کی روح سے
 یس کے بی بیوں کے جگر پر چھری چلی
 سرِ زخفی جہاں کے ہیں سب آپ پر چلی
 بیکس کو آسرا ہو پسر کا نہ بھائی کا

افسوس نیجاں ہے جانِ جہاں مرے
 قدرت خدا کی پیر چیمے فوجواں مرے
 کہتا ہو خود شباب کہ مرنے کے دن تھے
 جھونکا چلا ہوا اے خزاں کا بہار میں
 کیا زور ہو امانت پروردگار میں
 جس دم طلب ہوئے تو اکیلے چلے گئے
 تر تھتی لہو سے سخت جگر کی قبا تمام
 طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں ہوا کام
 یہ حال تھا کہ رونے پر دشمن بھی روتے تھے
 لالی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
 سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
 ہم ایسے سخت جاں ہیں کہ ابتک مر گئے
 کس کس کے دل غ آج جگر پڑھائے ہیں
 یہ ہم تمہارے لال کے خوں میں نہائے ہیں
 سیٹھ کی جان نکلی ہو بابا کی گود میں
 اب عنقریب خیمہ عصمت میں تیغ زن
 پامال ہونے لاشہ فرزندِ صفت شکن
 شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے
 زینبؑ زمیں پہ گرے پکاری کر یا علی
 جاتا ہو سرکشوں میں یہ کونین کا ولی
 آقا ہی تو وقت ہر مشکل کشائی کا

صدقے گئی پسر کے بچانے میں کد کرو
 دریا کو چین لوح نہ ہر اسند کرو
 پانی پہ جنگ آگ لگی ہو یہ دہر میں
 یا مصطفیٰ بلا میں پھنسا ہوا تھا رالال
 یا فاطمہ میں لیٹی ہوں کچھ اور مہر کے بال
 پھر کیا کسی سے کام ہو سب سے جدا ہوں
 فرمایا شہ نے صبر نہیں چاہیے تمھیں
 لب پر رضا رضا کا سخن چاہیے تمھیں
 ہر بار پوچھتے تھے سبب آہ سرد کا
 دردِ شکم سے لوشی تمھیں وہ نکو خصال
 پوچھا کسی نے جب تو کہا شکر ذوالجلال
 رونے میں دن رپنے میں اتیں گزر گئیں
 ظاہر میں جو علی پر کیے ظالموں نے جبر
 حجرے میں بیٹھ بیٹھ کے روتے تھے مثلِ بار
 ہم کیا ہیں چیز ہاتھ بندھے یا گلاب بندھے
 عزت گزریں تھے بعد علی قبلہ دوم
 مسموم کس خطا پہ ہوئے تھے جو اس گم
 بعد از فنا بھی درہنہ ایذا شریعت تھے
 ہیں موردِ بلا و مصیبت ازل سے ہم
 غم ہو ہمارے واسطے ہم ہیں برائے غم
 اب آخری بہن یہ سواری ہماری ہو

فرزندِ فاطمہ کی بلاؤں کو رد کرو
 یا شیر حق مقامِ مدد ہو مدد کرو
 حصہ پسر کا کیا نہیں مادر کے مہر میں
 یا شیر ذوالجلال دکھاؤ انھیں جلال
 یا رب اللہ دے آج یہ عرصہ قتال
 بھائی کو اپنے لیکے میں جنگل میں جا رہوں
 خالق کی یادِ سرِ علن چاہیے تمھیں
 جو مانکا تھا چلن وہ چلن چاہیے تمھیں
 شکوہ کیا علی سے نہ پہلو کے درد کا
 ٹوٹیں ہیں پسلیاں یہ ہیں بھی نہ تھا خیال
 مانو کے تیل کا تو کھلا وقت غسل حال
 بستر تھا جس جگہ اسی حجرے میں مر گئیں
 اس غم سے تھا نہ چین نبی کو میانِ قبر
 منہ سے سنانہ تھا کوئی کلمہ سوائے صبر
 جب ریسمان سے گردن مشکل کشا بندھے
 اُس بیکسی میں سر پہ نہ جد تھے نہ اب نہ ام
 ٹکڑے جگر کے گنتا تھا میں وہی تھیں تم
 فرزندِ فاطمہ کے جازے پہ تیر تھے
 اس غم کدے میں چین سے گزرا نہ ایک دم
 سب اپنے اپنے عہد میں رہ گئے تتم
 بعد اُن بزرگواروں کے باری ہماری ہو

یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہو کر بہن
 پیارے تھارے بھائی کی نخست ہو کر بہن
 مجھ سے نہ یاد حق کبھی گوجال غمیر ہو
 کیا کرتیں تم بہن اہل آتی وطن میں گر
 دینش ہو سفر میں ہمیں خلق سے سفر
 ہر دکھ میں خوش ہیں جنھیں الفت خدا کی ہو
 دیکھا یہ کئے بالی سکینہ کو یاس سے
 طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے
 کیا اس بلا کے بن سے تہیہ سفر کا ہو
 فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہو
 اب آرزوے قرب خدا کے قدیر ہو
 طے ہو یہ مرحلہ جو عنایت خدا کرے
 سُنکر مصیبت پر رہی بیکس و حزنیں
 نکلوا بلا کے بن سے کہیں یا امام دیں
 صدقے گئی مدینے چلو یا نجف چلو
 شہ نے کہا کہ بند ہیں راہیں پدر تبار
 پیدل نکلنے پاتا ہو نا کوں سے نہ سوار
 قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آتے ہیں
 موقوف تھارے چھوڑ گئے ہم کو جاں لب
 تواریں مل گئیں بننے قاسم پہ بے سبب
 تھی جن سے زندگی کی علالت چھٹ گئی

کیا کیجے ناگزیر یہ وقت ہو کر بہن
 دنیا مقام رنج و مصیبت ہو کر بہن
 اُس کی ظفر ہو خاتمہ جس کا بخیر ہو
 یکساں ہو مرنے والے کو جنگل ہو یا گھر
 اب آرزو یہ ہو کہ کٹے جلاتن سے سر
 میرا نہیں یہ سر تو امانت خدا کی ہو
 لپٹی وہ دوڑ کر شہ گردوں اساس سے
 بولی وہ تشنہ کام شہ حق شناس سے
 صدقے گئی بتاؤ ارادہ کدھر کا ہو
 آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہو
 تنہا ہیں ہم سپاہ مخالف کشیر ہو
 جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کر
 بولی بلا میں باپ کی لیکر وہ حبیبیں
 آقا سوا حضور کے میرا کوئی نہیں
 لند ساتھ لیلو مجھے جس طرف چلو
 پھیلی ہوئی ہو چار طرف فوج نابکار
 اس شت کیں میں قید ہو احمد کا یادگار
 سر کاٹ کر درختوں میں لٹ گئے جاتے ہیں
 بی بی قدم پہ گرے کہیں کون کے اب
 مرنا شباب میں علی اکبر کا ہو غضب
 دو تین گھر بھرے ہوئے اک دم میں لٹ

ہر چند صبح و شام ہی جاری یہ شاہراہ
 پایا تھا عمر کھوکھے جھین ہم نے آہ آہ
 کیا ہو گا لاکھ روئیں کے یا خاک لڑائیں گے
 بی بی ہیاں سے اہل وطن ہیں قریب تر
 بچھے ہیں شعیان مین نے بھی نامہ بر
 قریوں سے بھی مدد کو جو نکلا وہ گھر گیا
 طہیرا ہو اس لیے مجھے اس بن میں بگنا
 دوست در عزیز نہ غمخوار نہ سپاہ
 مجھ سا بھی کوئی بیکس و بے پر بشر نہ ہو
 جانا ہو دو شب کو جو آنا نہ ہو ادھر
 پہلے پہل ہی آج شب فرقت پدر
 راحت کے دن گزر گئے اب فضل اور ہو
 ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولی وہ نشہ گام
 آنکھوں سے خوں بہا کے یہ کہنے لگے گام
 بی بی نہ پوچھو کچھ مصیبت عظیم ہو
 بندے آثار و طوق بڑھاؤ پدر نثار
 چلایو نہ این ابی کہکے بار بار
 لوالو داع جاتے ہیں اب قتل گاہ میں
 رکے پیاری بیٹی کو دیکھا ادھر ادھر
 خد نے عرض کی کہ ادھر بیٹی ہیں سر
 لب پر گھڑی گھڑی علی اکبر کا نام ہو

ہر کوئی قافلہ نہ ہوا ہو گا یوں تباہ
 ڈھونڈا کہاں کہاں نہیں ملے وہ شکستہ
 یہ عمر اب پھرے گی نہ وہ دوستائیں گے
 پر میری بھکی کی نہیں ایک کو خبر
 لیکن حسین تک نہ ہوا ایک کا گزر
 لشکر بنی اسد کا قریب اُس کے پھر گیا
 تاج محمد تک آسکے نہ کوئی میرا خیر خواہ
 ساتھی تو سب عدم میں وطن و گھر تباہ
 مر کر نہ دفن ہوں تو کسی کو خبر نہ ہو
 ضد کر کے روئینہ ہمیں جاہتی ہو گر
 سو رہیو یاں کی چھاتی پر غربت کے کمر
 اب یوں بسر کرو جو یشموں کا طور ہو
 بنائے مجھے کہ شہمی ہو کس کا نام
 کھل جائے گا یہ درد و الم تم پہ تباہ شام
 مرجائے جس کا باپ وہ بچہ یتیم ہو
 چھپنا کہیں جو لوٹنے آئیں ستم شمار
 دشمن ہمارے نام کا ہو شمر نایکار
 سو نپا تمہیں خدا و نبی کی پناہ میں
 پوچھا کہ صرہاں بانوئے ناشاد نوہر
 رخصت کی بھی حضور کی ان کو نہیں خبر
 چلیے ذرا کہ کام اب ان کا تمام ہو

رکھی تھی لاکے لاش پس آپ نے جہاں
 کرتی ہیں اٹھ کے آہ تو ہلتا ہی آسمان
 واری گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے
 روتے ہوئے گئے جو وہاں شاہِ خوشحال
 شپیر بیٹھ کر یہ پکارے بصدِ ملال
 سچ ہو فلک نے تم کو بڑے دکھ دکھائے ہیں
 سن کر صد حسین کی چونکی وہ نوہر گر
 تنہا حضور آئے ہیں باندھے ہوئے کمر
 ایسے نہیں جو دکھ میں جدا ہوں وہاں سے
 اے جانِ فاطمہ مرا پیار اکدھر گیا
 وہ تین دن کی پیاس کا مار اکدھر گیا
 مرنی ہوں اپنے سر وہی قد کو دیکھ لوں
 وہ گور اگور اچاند سا مکھڑا دکھائیں پھر
 مجھ کو تو خیریت سے غرض ہو نہ آئیں پھر
 تڑپے گا دل تو لیکے اجازت حضور سے
 بخود دھتی میں جب آئے تھے میاں سے وہ دھر
 سنبھلا جو دل ذرا تو پھر کئے لگا جگر
 آئے تو چھپ کے آئے گئے نلے ملے ہوئے
 گرہیں تھا تو آئیں میں اٹھ کر شمار ہوں
 رانی ہوں ان کی آپ کی خدمت گناہ ہوں
 تکلیف گرچہ ہوگی شہِ شریں کو

منہ اس زمیں پہنتی ہیں اور ہیوں چاں
 نعرہ یہ ہو کہ ہائے میرا شیر نوجواں
 جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے
 دیکھا کہ غش میں خاک پہ پھرے ہوئے ہیں بال
 اے شہر بانو ہوش میں آؤ یہ کیا ہے حال
 صاحبِ ٹھوہم آخری خست کئے ہیں
 کی عرض سر جھکا کے قدم پر چشم تر
 صاحب کہاں ہو منتوں والا مرا پسر
 اپنے مراد والے کو لونگی میں آپ سے
 اماں کی زندگی کا سہارا کدھر گیا
 سیدانیوں کی آنکھوں کا تارا کدھر گیا
 اک بار پھر شبیہ مجھ کو دیکھ لوں
 لیلوں میں گیسوؤں کی بلائیں تو جائیں پھر
 خوشبو میں تن کی سونگھ لوں جنگلِ بسائیں پھر
 میں دیکھ لوں گی در پہ کھڑی ہو کے دور سے
 کیا دیکھتی مجھے تو کچھ آتا نہ تھا نظر
 کب آئے کب گئے مجھے مطلق نہیں خبر
 باتیں نہ پیار کی ہوئیں نہ کچھ گلے ہوئے
 اُن کی خطا نہیں ہی میں تقصیر وار ہوں
 اب رحم کیجیے کہ بہت بے قرار ہوں
 لے آئیے منا کے مرے ذریعہ کو

باتیں یہ سن کے کہنے لگے شاہِ بکروبر
 بانو کے بلاؤں کہاں ہو وہ سیمبر
 ہر دکھ میں صبر کرتے ہیں حق شناس ہیں
 جاگے ہوئے تھے اس کے نیند آگئی انھیں
 مخفی بہت کیا پہل پاگئی انھیں
 زندہ نہ ہوگا لال اگر مر بھی جاؤ گی
 جاتے ہیں ہم وہیں کہ ہماں ہو وہ لالہ نام
 سن کر یہ ذکر ہوش میں آئی وہ تشنہ کام
 خنجر سے حلق شاہ کے کٹنے کا طور ہو
 دامن پکڑ کے شاہ کا بولی وہ دل نکار
 بعد آپ کے جو لوٹنے آئیں ستم شعار
 کچھ حق میں اس کینز کے فرما کے جائے
 میں وہ ہوں جو کہ قید میں آئی تھی یا امام
 پاس آپ کے ہونا کا اس قبائے اناام
 بندی چلی ہو شام کو آلِ رسول کی
 فرمایا شہ نے حافظ و حامی ہو ذوالجلال
 زینب کو دیکھو سر پہ نہ بھائی نہ دونوں لال
 بے وارثوں کا وارث و والی الہ ہو
 لوالوداع لاش پہ اب آ کے رویو
 زانو پہ سر کو شرم سے نہوڑا کے رویو
 لٹنے میں صبر شکر تباہی میں چاہیے

یارب جدا نہ ہو کسی ماں سے جواں پسر
 ہمشکل مصطفیٰ تو گئے فاطمہ کے گھر
 جس نے تمھیں یا تھا وہ اب اس کے پاس ہیں
 ہو ہو منافقوں کی نظر کھاگئی انھیں
 صحرائے کربلا کی فضا بھاگئی انھیں
 بانو کوئی گھڑی میں ہیں بھی نہ پاؤ گی
 کہدو جو اپنے لال کو دینا ہو کچھ پیام
 سمجھی کہ گھر تباہ ہوا اب چلے امام
 بستی اُجر کے تخت اُٹھنے کا طور ہو
 ای ابنِ فاطمہ یہ کنیز آپ کے نثار
 بیٹھے کہاں یہ بیکس و غلین و سوگوار
 صاحب کسی جگہ مجھے بٹھلا کے جلیے
 مشہور ہوں کنیزِ امامِ فلک مقام
 گر قید ہو گئی تو کہیں گے یہ خاص و عام
 دیکھو یہی ہو ہو علی و بتول کی
 نہہرا کی بیٹیوں کی رہیں تم شریکِ حال
 صاحب تمھارے ساتھ ہو عابدِ ساخوش خصال
 دیکھو دگے نہ پاؤں کہ مشکل کی راہ ہو
 لیکن نہ خاک اُڑا کے نہ چلا کے رویو
 قبرِ رسول پاک پہ پاں جا کے رویو
 رونا بشر کو خوفِ الہی میں چاہیے

یہ ن کے حشر ہو گیا فریاد و آہ سے

ٹھہرا گیا نہ پھر شبِ عالم پناہ سے

چو تھا فلک ضیا سے جلو خانہ بن گیا

ل کر حرم سے در پہ جو شاہِ غیور آئے

لاؤ فرس کوڈ پوری پہ جلدی حضور آئے

پھر تا تھا سر چہرِ سلیماں جناب کے

نصرت کی تھی صدا کہ زہے حشمتِ جلال

شوکت کی یہ دعا تھی کہ اگر فاطمہ کے لال

یارِ ب فسادِ خلق سے امن و اماں رہے

بیانہ تھانہ کوئی برادرِ ادھر او دھر

مردم کے دیکھتے تھے جو سرورِ ادھر او دھر

جلوے دکھا رہی تھی ضیا ہاتھ پاؤں کی

غل تھا فلک کا رنگ بدلتا ہو دیکھ لو

لو جو بن آج دن کا بھی ڈھلتا ہو دیکھ لو

نقش اس قدم کے چاند سے روشن چنڈ ہیں

آمد فرس کی تھی دلوں آتی ہو جس طرح

تصویر آہوے ختن آتی ہو جس طرح

باہم طیور کہتے تھے کبک در دی ہو یہ

آیا عجیب شکوہ سے اسپرِ ثمر رکاب

چشمک زنی ہلال پہ گرتی تھی ہر رکاب

فراک تھی کہ کھولے ہوئے تھا عتاب پر

سیدانیاں لپٹ گئیں زہر کے ماہ سے

نکلے حسین روتے ہوئے خیر گاہ سے

خوشید شمع حسن کا پروانہ بن گیا

اک غل ہوا حضورِ کرامتِ ظہور آئے

عمی بھی ہو تو آنکھ کی پتلی میں نور آئے

سایہ تھا ایک بیچ میں دو آفتاب کے

تا باں رہے یہ نیرِ اقبال بے زوال

سر سبز تیرے دوستِ عدوتیرے پائمال

جب تک زمیں ہے یہ امامِ زمان رہے

پر قدسیوں کی صفِ تھی برابرِ ادھر او دھر

گرتی تھی برقِ حسن چمک کر ادھر او دھر

اک چاندنی چمچی ہوئی تھی دھوپِ چھاؤں کی

ذروں سے آفتاب بھی جلتا ہو دیکھ لو

قدموں پہ نور آنکھوں کو ملتا ہو دیکھ لو

نجمِ ہر آسمان تو ستارے سپند ہیں

تھم تھم کے نکلت چن آتی ہو جس طرح

یا شمع سوے انجمن آتی ہو جس طرح

گھوڑے چراغِ پاتھے کہ بیشک پی ہو یہ

تھامے تھی قمعِ زمین کا دامنِ ظفرِ رکاب

حلقہ تھا نورِ مہر کا یا جلوہ گر رکاب

زیں پر تھا گردِ پوش کہ ابرِ آفتاب پر

اختر نخل میں زینِ جواہر نگا رے
 تھمتا تھا کب سوارِ فرست شمارے
 نازاں ہی خود رکاب کے پائے کو دیکھ کر
 قربان اُس تھا ورنہ نیم شکا رے کے
 شایستگی کو پوچھیے دل سے سوار کے
 رکھ دے قدم تو رنگ نہ میلا ہو پھول کا
 چارواں سموں سے بدرِ نخلِ نعل سے ہال
 کیئے نہ یال حور نے بکھرا دیئے ہیں بال
 رستے ہیں یاد گنبدِ نیلی رواق کے
 سینہ کشا وہ تنگ کمر چست جو بربند
 جاندارِ برو بارِ عدو کش ظفر پسند
 سرعتِ ہوا کی تو لطافتِ ہوا کی ہو
 دونوں کنوتیاں جو بہم ہیں شکل لا
 ہاں بے زباں ہو گو پہ یہ کہتا ہو بڑا
 افسوس اہلِ شام کو کچھ پیش و پس نہیں
 لو اب سوار ہوتا ہو نہ ہرا کا یادگار
 رو کر فرس سے کہتے ہیں شیرِ نامدار
 سب وہ پہر میں ابنِ علی سے جدا ہوئے
 سب دست بے مثال تھے روؤں کے
 حیدر کے پانچ لال تھے روؤں کے
 خیر ان کے پیاسے مرنے کے جب فکری ہوئیں گے

ذروں نے چُن لیے ہیں تلے غبار سے
 گردن میں ہاتھ باگنے ڈالے ہیں ہمارے
 بل کر رہا ہو خاک پہ سائے کو دیکھ کر
 پامال کر دے شیر کوٹاپوں سے مار کے
 چاہے تو ایک طفلِ چڑھے باگ لار کے
 پیارِ فرس ہو رکابِ دوشِ رسول کا
 کھیل میں شکارِ شیر یہ آنکھیں ہیں وہ غزال
 پھرنے پہ جھوم جھوم کے صد قہقہے پری کی چال
 دلدل کی تیزیاں ہیں طرارے براق کے
 گردن میں خمِ ہلال کا اور اس پہ سر بلند
 بجلی کسی جگہ کہیں آہو کہیں پرند
 اتنے ہنر فرس میں یہ قدرتِ خدا کی ہو
 سوچیں تو اہلِ بزم کہ مطلب ہو اس کا کیا
 آقا ہو میرا صاحبِ لاسیف و لافتا
 آقا حسین سانہیں مجھ سا فرس نہیں
 تھاے رکاب کون نہ یا ورنہ غمگسار
 احوذِ الجناح دیکھ یہ نیزنگِ روزگار
 جو تیرے گرد رستے تھے وہ دوست کیا ہو
 خوشرو تھے باکمال تھے روؤں کے
 سات آٹھ حردِ سال تھے روؤں کے
 سب میرے دوست میرے عوض ان کو روئیں گے

مرنا ہر ایک دوست کسی شخص کا اگر
 ایک دن میں صاف ہو گیا میرا تو گھر گھر
 اس گھر میں جتنے گھر ہیں سب پھر لگے ہیں
 پیاسے مرے ہیں ساتھ جو میرے یثینہ کام
 جاری بیلین رکھیں گے رستہ پہ خاص و عام
 بھولونہ تشنگی کو شہ تشنہ کام کی
 ایسے کسے ملے ہیں رفیقانِ با وفا
 ہوتے جہاں میں آج جو یثینہ جہاں
 شانہ بتول بالوں میں کرتی نہ عمر بھر
 پُسن کے ذوالجناح تو روتا تھا زار زار
 صاحب اٹھو ترائی سے میں آپ پر تار
 یاں آکے ساتھ جاؤ امام غیور کے
 بانو پکارتی تھی کہ اکبر کہ صر ہو تم
 تھا مور کا ببا کے پیارے پسر ہو تم
 بازو کو تھا موہا تھا میں حضرت کے ہاتھ دو
 لکھا ہر یاں بجامِ فرس پر تھا دستِ شاہ
 خیمے سے نکلی اک زنِ بالابلند آہ
 حُسنِ رسولِ شانِ علی کا ظہور تھا
 پروہ ہٹا جھکی ہوئی آئی وہ دل کیاب
 گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے شاہِ فلک جناب
 جس کا یہ ذکر تھا وہ نواسی نبی کی تھی

وہ شخص اس کے پھر میں روتا ہر عمر بھر
 کیا دور ہر جو مر کے بھی سیدھی نہ ہو کر
 میرے تو ایک کلمے پہ اٹھا رہ داغ ہیں
 گھر گھر میں ان کی نندہ کا ہوئے گا اہتمام
 چلائیں گے یہ پانی کے بھر بھر کے سرو جام
 پیاسو پیو سبیل ہی نذرِ امام کی
 پیشِ خدا جلیل ہو ان سب کامرتبا
 کرتے ہر ایک شہید کا ماتم جدا جدا
 چادر سیاہ سر سے اترتی نہ عمر بھر
 چلاتی تھی یہ زوجہ عباسِ نامدار
 آقا سوار ہوتے ہیں آیا ہر را ہوار
 سایہ کر وہ دھوپ ہی سر چھنور کے
 بیٹا پدر کے کوچ کے دن نے خبر ہو تم
 اماں کا گھر تو لٹتا ہر دادی کے گھر ہو تم
 بیاضِ عقیقی وقت میں حضرت کا ساتھ دو
 فریاد و حسین سے ملتی تھی قتل گاہ
 رخ پر نقاب پاؤں میں موزِ عباسیہ
 گویا لباسِ گعبہ میں خالق کا نور تھا
 تھامی لرزے ہاتھوں سے رہواری رکاب
 بیت الشرف میں پھر گئی وہ مثلِ آفتاب
 زینب بہنِ حسین کی بیٹی علی کی تھی

رن کو سواری شہ جن و شر چلی
 گھوڑے کے ساتھ فاطمہ تھامے جگر چلی
 طبقہ تمام نور سواری سے عرش تھا
 دروں سے آفتاب کی ضو آشکار تھی
 ماتم میں اک سماں تھا خزاں میں بہار تھی
 غل تھا نہ دور دور چلو نہ ہم چلو
 وہ شان وہ شکوہ وہ شوکت جناب کی
 تصویر تھی جناب رسالت مآب کی
 بر میں نبی کا جامہ عنبر شمامہ ہو
 غل تھا فرس پسید والا کو دیکھ لو
 پڑھ کر درود صورت مولا کو دیکھ لو
 پایا کسی بشر نے یہ پایا ہو خلق میں
 حوریں ہیں گرد ساغر کو تر لیے ہوئے
 جبریل ہیں نجات کا دفتر لیے ہوئے
 لکھے ہیں پھول وادی عنبر سرشت میں
 وہ روئے دل فروزہ زلفوں کا پیچ و تاب
 ابرو کی ذوالفقار سے زہرہ عدو کا آب
 پتلی کا عرب سب پہ عیاں ہو خدائی میں
 پہونچا جو اس شکوہ سے خیر الورا کا لال
 ٹوٹے جو مورچے تو پکارے یہ پھیال
 دیکھا جو عرب قبلہ عالی مقام کو

پیچھے تمام فوج ملک ننگے سر چلی
 شہید نہ کیا حیلہ کہ نسیم سحر چلی
 سونے کی تختی زمین تو ساروں کا فرش تھا
 سہ سہزکتے درخت زمین لالہ زار تھی
 جنگل تھا مشک بیز ہوا عطر بار تھی
 ہاں خادموادب سے قدم با قدم چلو
 اندری ضو جھپکتی تھی آنکھ آفتاب کی
 پیری دکھا رہی تھی لطافت شباب کی
 رنگت تو پھول سی ہو گلابی غمامہ ہو
 ہاں برق و شرق طور چلی کو دیکھ لو
 بالائے حل مصحف زہرا کو دیکھ لو
 قرآن انھیں کے واسطے آیا ہو خلق میں
 پریاں جلو میں ہیں طبق زریعے ہوئے
 جھولی میں ہو نسیم گل تر لیے ہوئے
 دولہ برات لیکے چلا ہو بہشت میں
 گو یا کہ نصف شب میں نمایاں ہو آفتاب
 آنکھیں وہ جن سے نگس فردوس کو حجاب
 بیٹھا ہو شیر ہاتھوں کو ٹیکے ترائی میں
 کانپے جبل لرز نے لگا عرصہ قتال
 بھاگو کہ آیا شیر الہی پی حیدر ال
 علموں نے جھک کے ہاتھ بڑھاے سلام کو

بڑھ کر صد انقیب نے دی رو برزنگاہ
 آواز دی ظفر نے کہ اسو معدلت پناہ
 نہرہ عسدر کا آب کیلچہ لہور ہے
 نیزہ زمیں پہ آپ نے گاڑا جو یکہ یک
 شاید قیامت آئی زمیں پر گرا فلک
 غل تھا الٹ چکے ہیں سین استین کو
 وب کے مورچوں سے اُدھر ہلاؤں ہٹے
 سر کی زمیں مگر نہ امام زماں ہٹے
 سر بھی کٹے اگر تو نہ تیجھے دم نہیں
 لوگو نجما ہو شیر بر جزواں ہیں شاہ دیں
 روشن ہمارے نور سے ہو شاہراہ دیں
 سجدے بتوں کو کرتے تھے ساکن کنشت کے
 خالی کیا علی نے بتوں سے خدا کا گھر
 غل تھا علی ہیں دوش محمد پہ جلوہ گر
 سب سے نبی کا رتبہ اعلیٰ ہو دیکھ لو
 زمار گردنوں پہ تھارے سوار تھی
 اسلام کے چمن میں کبھی یہ بہار تھی
 چرچا تھا کفر و فسق و فجور و گناہ کا
 کعبے میں ہم نے پہلے ازاں دی شد و
 ہم پر ازل سے ہیں کرم منضل احد
 تم لوگ جس طرقت سے پھرتے ہو فرش پر

دشمن ترے ذلیل معاند ترے تباہ
 آباں رہے ستارہ اقبال و غر و جاہ
 ہر معرکہ میں تیغ علی سر خرود ہے
 ماہی نے دب کے گاؤں زمیں کہاں رک
 بس یا حفیظ کہہ کے لرزے لگی ملک
 یا پوترا بس آکے بحپالو زمین کو
 لشکر مٹا نشان ضلالت نشان ہٹے
 سچ ہو کہ قطب اُترے دیں کہاں ہٹے
 کعبہ کہیں ہٹا ہو تو شاہ اُحم ہٹیں
 نعرہ یہ ہو کہ ہیں ہیں پشت پناہ دیں
 دنیا میں ہم ہیں تاج سر غر و جاہ دیں
 ہم نے تمہیں بنا دیے رستے بہشت کے
 عزائی کہاں ہیں لات و تل آج ہیں کدھر
 مصحف مصحف آج ہی اور نور نور پر
 شیر خدا کی شان دو بالا ہو دیکھ لو
 شرک جلی یہ تھا کہ ستش میں نار تھی
 حق حق کی مسجدوں میں کیس دن کا تھی
 یہ شور کب تھا اشہد ان لا الہ کا
 دریائے رحمت صمدی ہیں ہائے جد
 سب ہم پہ منکشف ہو جو کچھ ہو گا ناہد
 ہم یوں لپک چھپتے میں جاتے ہیں عرش پر

گھر میں ہمارے وحی خدا لائے جبریل
 مشہور ہم ہیں خلق میں آفاقے جبریل
 شاگردی غائی سے سرفراز جب ہوئے
 آٹھوں بہشت بلوغ ولایت کے پھول ہیں
 اعمال دشمنان علی نامتبول ہیں
 پھر کیا ہوا زکوٰۃ بھی گرج سمیت کی
 عزت جہاں میں سب کو ہماری ولانے دی
 بیٹی نبیؐ نے تیغ دوسر کبریا نے دی
 رتبہ بلند سب سے خدا کے ولی کا ہو
 کیوں ظالم و رسول کا پیارا نہیں ہوں میں
 کیوں مستحق لطف و مدارا نہیں ہوں میں
 سید پہ ظلم کو نسی یہ رسم و راہ ہو
 وہ نہر جس کو خلوت میں جاری کرے اللہ
 پانی پہ جنگ پیاسوں سے دریا پھنساہ
 سیراب گرگ شیر ہوں اور اپنی خیمیں
 کھنچ کھنچ کے جلے ساری راعیت میں اپنے
 اُس میں یہ نہر بھی ہے جو فاطمہؑ کا مہر
 اُمت نبیؐ کی آہ یہ سفاک ہو گئی
 کرتا ہی پاسداری مہمان ہر بشر
 عاجز بھی لاکے سامنے رکھتا ہے حاضر
 بستان کر بلا میں ہوا یہ بُری چلی

جب آئے خادموں کی طرح آئے جبریل
 اس گھر کی خادمی ہو تمنا کے جبریل
 جبریل تب مقرب درگاہ رب ہوئے
 ہم سے ولا کرو کہ ہم آلِ رسول ہیں
 روزے ہوں یا نمازیں میں شبِ احوال ہیں
 شرط قبولیت ہو ولا اہل بیت کی
 کفار کو شکست شہ لافانے دی
 کہنے سے بھی سوا ہمیں امتِ خدا دی
 جدے ہیں اس لیے کہ وہ مولد علی کا ہو
 کیوں عرش کبریا کا ستارا نہیں ہوں میں
 کیوں جاہل و امام تمھارا نہیں ہوں میں
 کیا میمان کو پانی کا دینا گناہ ہو
 روکی ہو تم نے ظلم کی تیغوں اُس کی لہ
 یکس ولی کا گھر تھا جسے کر دیا تباہ
 اولاد فاطمہؑ نہ پئے جا نور پمیں
 محروم ابنِ ساقی کو شریہ کیا ہو قہر
 شہر ہو ناریوں کی تواضع کا شہر شہر
 بس آج آبروئے فلک خاک ہو گئی
 ملتے ہیں اس سے جھاکے جو آتا ہے اپنے گھر
 فاقہ ہو تیسرا ہمیں اور تم ہونے خبر
 پانی کیا طلب تو گلے پر چھری چلی

سن کر بیان شاہ فیضیوں نے سر جھکائے
 اکثر صفوں میں شور یہ اٹھا کر بے ہائے
 خم کر کے گردنیں عمر و شمر ٹل گئے
 نفل سے بڑھ کے پیسر سعد نے کہا
 ہر صفوں میں نالہ شہنا کا غل بپا
 مطلوبی حسین پہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں
 ناگہ کیے جلاجل و قزنا و طبل و دف
 چیلوں میں تیر جوڑ کے بڑھنے لگی جوصف
 جاگو ہٹو بچو یہ صدا دی سپاہ نے
 تیغ و دوسر کو روک کے حضرت نے یہ کہا
 آؤ عرب کی طرح جو ہر قصد جنگ کا
 دنیا سے وقت عصر گزرا ہر طرح
 سر کو نہ سر نہ جان کو ہم جاں سمجھتے ہیں
 مشکل ہزار ہو اے آساں سمجھتے ہیں
 اس معرکہ میں کھیت پڑے ہیں اسی طرح
 لڑنا نکل کے ایک سے گرا ایک نامدار
 نکلا ادھر سے ایک ادھر سے بڑے ہزار
 بے دین کا ساتھ دے کے حمیت کھوٹا
 یہ ذکر تھا کہ تیر چلے اُس سپاہ سے
 پھر ضبط ہو سکا نہ شہ دیں پناہ سے
 چکی علی کی تیغ جو دشت مصاف میں

کنتوں نے پھیر پھیر کے منہ اٹک بھی ہائے
 کیوں ہم رسول حق کے نواسے سے لڑنے آئے
 فولاد نرم ہو گیا پتھر پکھل گئے
 ہاں جلدی حکم دے کہ بجیں طل جابجا
 تا فوج میں سنے نہ کوئی شاہ کی صدا
 انساں کا ذکر کیا ہو کہ گھوڑے بھی روٹے ہیں
 خاموش ہو گئے شہ مطلوب اس طرف
 اگلی ادھر پیام سے تیغ شہ نجف
 بانی سے منہ نکالا ہو مار سپاہ نے
 بیکس سے کس طرح تھیں منظور ہو وفا
 سب ل کے گر لڑو تو پھر اس میں ہو دیر کیا
 حاضر میں ہر طرح ہوں کہ مرنا ہو ہر طرح
 ہاں حکم کر دگا رکوایاں سمجھتے ہیں
 ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں
 بچے ہمارے تم سے لڑے ہیں سی طرح
 برسوں بھی تم سے ختم نہ ہوتی یہ کارزار
 اس پر بھی الاماں کا غل اٹھتا تھا بار بار
 تم نے تو آج نام عرب کا ڈبو دیا
 گیتی کو زلزلہ ہوا زہرا کی آہ سے
 بجلی گری صفوں غضب کی نگاہ سے
 پر بیان چھپیں جزیروں میں سیر غاف میں

کاٹھی سے اس طرح ہوئی تیغ دوسر جدا
 نصرت کا آنہ تھا جدا اور گھر جدا
 تیغ کشیدہ دست شہ بحر و بر میں ہو
 ناگاہ دن میں تیغ شہ لافتی چلی
 بن میں محوم قعر عتاب خدا چلی
 آواز الاماں کی سپہریں پہ کھتی
 پونچے جوش شیر جھپٹ کر ادھر ادھر
 آیا گیافرس جو ہٹ کر ادھر ادھر
 جاروب تھی کہ سیف میان مصاف تھی
 ملتی تھی جائے امن نہ زیرِ فلک کہیں
 جنات نے حواس کہیں تھے ملک کہیں
 پانی سے جل بجھا تھا کوئی کوئی ماتے
 غل شش جہت میں تھا کہ نہ اس دو چار ہو
 کون اس کے منہ پہ جا کے جل کا سکار ہو
 بھاگیں کہ ان صفوں کو ہم آراستہ کریں
 جب سن سے فوجِ شام پوہ شعلہ رو چلی
 ٹھہری بڑھی چمکتی ہوئی چار سو چلی
 تیزی یوں ہی زباں میں سخنور کو چاہیے
 اب دم نہ لیجیو یہ اہل اس سے کہ گئی
 کاٹی زرہ کڑی بھی پڑی جو وہ سہ گئی
 غصے میں قتل برق قرار اس نے کم لیا

جیسے سوا دشب سے بیاض سحر جدا
 محل جدا تھا لبلی فتح و ظفر جدا
 طومار ہاتھ میں ہو لفافہ کمر میں ہو
 گویا صفوں پہ کھولے ہوئے منہ بلا چلی
 جھوکوں سے جس کے اڑتے ہیں ہوا چلی
 بڑھ کر جو یوں پھرے صفا دل میں پھتی
 سر گر پڑے ترانی میں کٹ کر ادھر ادھر
 ڈھالوں کا ابر رہ گیا پھٹ کر ادھر ادھر
 دریا کی راہ حملہ اول میں صاف تھی
 غل تھا کہ مل نہ جائے ساؤ ساک کہیں
 سایہ کہیں تھا تیغ کہیں تھی چمک کہیں
 گرتی تھیں تین بجلیاں یک فضا سے
 بھاگو کہیں یہ برق نہ پھر شعلہ بار ہو
 جو ایک ہو وہ دو ہو جو دو ہو وہ چار ہو
 مہلت جو تیغ دے تو دم آراستہ کریں
 بس سر کے بھل سقر میں سپاہِ عارو چلی
 آئی کس آب و تاب سے کیا سرخرو چلی
 پاس آبرو کا صاحب جو ہر کو چاہیے
 ندی لہو کی ثوبت پر آفت میں بہ گئی
 بھاگا کوئی شقی تو لہو پی کے رہ گئی
 لاکھوں میں ڈھونڈ کر اسے مارا جو دم لیا

پہل اسکا سپرہ نہ جوشن پہ رہ گیا
دو ٹکڑے ہو کے سر نہ قطع نہ رہ گیا

دم میں نہ وہ غور نہ وہ خود سری رہی
یکتا برش میں جو ہر ذاتی میں قدر میں
تیزی وہی تھی منہ کی اس شوب قدر میں
کھینچے ہوئے سپرے نیاز نکٹ سنگ تھا

مانند برق تیغ کا سایہ جدھر گرا
ہے اتھا اس طرف تو وہ بانو ادھر گرا

قبضے میں اب ہو تیغ نہ دستانے ہاتھ میں
ککڑش ہوا پہ جوتھے وہ سب گرد ہو گئے
دعویٰ مردی تھا پہ نامرد ہو گئے
مرنے پہ بھی نصیب کی سوزش خیلے گی

عاری تھے تیغ شاہ مجازی سے نیزہ باز

رو کے تھے ہاتھ مست و بازی سے نیزہ باز

یوں جھٹ سے کھولتے تھے نیزے کے بند کو

غل تھا کہ مہکتی ہوئی آئی یہ گری

ترکش کن کمان کیانی سے نہ گری

آئی ہو لشکروں پہ تباہی اسی طرح

وہ شام و دم کے قدر انداز بنے بغیر

چہرے میں ہم سہم کے ہوتے تھے گوشہ گیر

یہ بے غم کہ گر کبھی لشکر کشی کریں

جس پر پڑی تڑپ کے وہ تو سن پہ رہ گیا
خوں بھی اہل گرفت کی گردن پہ رہ گیا

بجرم وہی رہا یہ خلا سے بری رہی

ہلکی آہ میں خیر و خندق میں بدر میں

بڑھکر سپرے سر میں گئی سر سے صدیں

راکب تھا زخموں تھا زریں تھا نہ تنگ تھا

بیٹے پہ باپ باپ پہ مر کر سپر گرا

پر کالے اڑ گئے وہ سپر کے یہ سر گرا

کیوں دیدار ہو ہاتھ کو بچکانے ہاتھ میں

سرخ رخوں سے اڑ گئی منہ زرد ہو گئے

ہنگامہ جن سے گرم تھا وہ سرد ہو گئے

اب ناریوں کو آتش و دوزخ جلائے گی

یہیم الٹ کے گرتے تھے تازی سے نیو باز

باز آئے اپنی شعبہ بازی سے نیزہ باز

آتش پہ ڈال دے کوئی بیسے پسند کو

بر چھی سی اڑ گئی وہ سسناں یہ گرہ گری

سر اڑ گیا وہ خود اڑا یہ زرہ گری

گرتی ہو برق قہر الہی اسی طرح

سہو نہ چکنا تھا نقاشوں سے جن کا تیر

ہلاتے تھے کہ موت کے طعنے میں ہلکی

سر کاٹ ڈالے گا جو اب سر کشی کریں

شتاق ساٹھ ساٹھ برس کے وہ تیز دست
 بے سہرتھے وہ بھی بادہ نخت جو تھے مست
 ترکش دہنیم ہو گئے زہ گیر کیا کرے
 وہ شہسوار دوش محمد کی ران و باگ
 تلواریا فرس کو بھی تھی شامیوں لاگ
 زور اس سے چل سکے گا نہ رستم نہ گیو کا
 پھرتا ہی کیا صفوں میں فرس جھوم جھوم کے
 پامال تھے پرے سپہ شام و روم کے
 رخس ایسا روم وری میں نہیں شام میں نہیں
 چار آئنے سے یوں نکل آتی تھی ذوالفقار
 چار آئنے تو کیا تھے کہ ہوتے بھلا وہ چار
 اُسے لٹ جہاں دن ایسا اگر ایک گھڑی پڑے
 خود و زہ و دم سے آزاد یہ اسیر
 شمشیر جاں سستاں و کند و سنان و تیر
 بے برگ و بار دشمن آل رسول ہیں
 اس تیغ کے وقار سے کوہ گراں سبک
 یہ آگ اور دڑ سے ادھر دست و پا خنک
 مقتل کے شہر شیب کو لاشوں سے پاٹ دے
 جب ٹھٹھ کے تیغ صفہ رقد سی شرف گری
 آیا ادھر خدا کا غضب جس طرف گری
 سیفی چلی کہ سیف صف کا رزار پر

چلا نہ سو جھٹا تھا اٹھیں آنکھ سے شہرست
 غارت تھے مثل تیر ہوائی ہوا پرست
 چلا نہ ہو کہاں پہ تو پھر تیر کیا کرے
 کیا ٹھہرے دھوپ میں وہ سیاب ہی یہ آگ
 ایک لپک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ
 اس بیلین کی ٹاپ طانچہ ہی دیو کا
 سرست بلا میں لیتی تھی منہ چوم چوم کے
 غل تھا یہ غول ہیں سپر سعد شوم کے
 یہ شوخیاں تو گردش ایام میں نہیں
 عینک کے پار ہوتا ہی جیسے نگہ کا تار
 ہر دم تھا امتزاج عناصر کو انتشار
 کیا ہونہرہ سے ضرب جب ایسی کڑی پڑے
 تیر و کمان سخت وہ بے پر یہ گوشہ گیر
 بے آب سر بریدہ و زولیدہ و حقیر
 اب بر چھپوں میں پلہ ہین ڈھالوں میں پلہ ہیں
 ڈھالوں کی شامیوں کی گھٹا ابر سے تنک
 چلنے میں بس ہی دم و دعوے کلب تک
 پر جبریل کے بھی سپر ہوں تو کاٹ دے
 گویا کہ برق سطوت شاہ نجف گری
 کٹ کر گرا پے یہ پر اصف چصف گری
 گھوڑے گرے پیا دون پہ پیدل ہوا پر

اندری شان واہ رے علم جناب کے
 دکھلا دیئے وغامیں چلن بدتراب کے
 پتلی جدھر سوار نے پھیری یہ مڑ گیا
 جم کر صفوں سے یوں فرس تندخو اڑا
 تلوار جب چلی سرخس عدد اڑا
 ہر دم بیش بڑھی رہی گھاٹ اس کا نام ہے
 باطل کو حق سے خیر سے شر کو جدا کیا
 یوں کفر دین کو تیغ دوسرے جدا کیا
 ٹکڑے اڑائے دم میں سپاہ شریکے
 بخشا ہے کبریائے اصالت کو کیا وقار
 یا آبرو کا اس کی جو ہر ذاتی ہے انکسار
 اس عز و اعتلا پہ زباں بھی رکی رہی
 خالص اگر ہو مشک تو بواشکار ہے
 زیر گری مدح قدح کا کیا اعتبار ہے
 بد مغز کو کمال کی دولت خدا نہ دے
 اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھ سے چلی
 یہ مصطفیٰ کی جان وہ اللہ کا ولی
 فخر مجاہدین پسیر ناطقہ ہوا
 ظلمت سے نور نور سے ظلمت جدا ہوئی
 دین میں سے کفر کی بدست جدا ہوئی
 اس دبدبہ سے زیر کیا روم و شام کو

خاک اڑ گئی جدھر گئے گھوٹے کودا کے
 فتراک تھی کہ پرفرس لا جواب کے
 اُترا براق بس کے پری ہو کے اڑ گیا
 گویا ہمارے اوج شرف چار سو اڑا
 نکلا دم اور نہ زخم سے مطلق ہو اڑا
 اس کو صفائی کہتے ہیں کاٹ اس کا نام ہے
 ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
 گویا کلف کو روئے قر سے جدا کیا
 قربان ذوالفقار جناب امیر کے
 تھی سترگوں اس اوج پہ وہ تیغ آبدار
 وال مدح ذوالفقار کی تھی عرش پر بکار
 یہ کیا فروتنی ہے کہ گردن جھکی رہی
 چمکے گا آپ وہ جو در شاہوار ہے
 کہہ دے گی خود مہمک طلا خوش عیار ہے
 خالی ہو جو کہ ظرف نہ کیونکر صدانہ دے
 دست حسین و پنجہ مشک کشا علی
 دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہو چلی
 حیدر سے ابتدا ہوئی بیاں خاتمہ ہوا
 وحدت سے ایک ضرب میں کثرت چلا ہوئی
 ایماں کے راستے سے ضلالت جدا ہوئی
 حکم جہاد پھر نہ ہوا نو امام کو

خود میرے دوتھے جناب اس کے سامنے
 کیا منہ تھا دے جو تیغ جو اب اس کے سامنے
 اللہ کا غضب ہو نہ جانے ہوئے تھے سب
 اللہ کے تلامذہ افواج رو سیاہ
 غل تھا پناہ دے ہمیں ای آسمان پناہ
 بخشو خطا یہ کام ہی مولا ثواب کا
 اس شور میں سنا جو رسول خدا کا نام
 فرمایا خیر لیگا حد اتم سے انتقام
 کیا چیز سہی۔ بات یہ ہم لوگ مہرتے ہیں
 چرخ و نجوم و قمر شہر و دشت و در
 اشجار و شاخ و برگ و گل و غنچہ و ثمر
 جن و ملک ہیں بس ہیں غلام و حور ہی
 میں کیا لڑو مگنا غم سے لہو ہی مرا جگر
 بازو کے غم میں ٹوٹ گئی ہو مری کمر
 حسرت ہی یہ کہ تینوں سے تن پاش پاش ہو
 بھاگو نہ لونیام میں رکھتا ہوں میں حسام
 دنیا سے اب غرض ہو نہ کچھ زندگی کے کام
 بیٹھے نہیں زمیں پہ خزانے کو گاڑ کے
 پلٹے پیسن کے بھاگے ہوئے رو سیاہ
 اک تشنہ لب پہ ٹوٹ پڑی سب سیاہ
 سب کچھ تھا اختیار پہ مجبور ہو گئے

موج زہرہ تھی نقش بر آب اس کے سامنے
 بڑھنے کو تھی سپر کو نہ تاب اس کے سامنے
 لوہے کو ذوالفقار کے مانے ہوئے تھے سب
 ٹکراتے تھے پلٹی نہ تھی بھاگنے کی راہ
 امت رسول پاک کی ہوتی ہو اب تباہ
 صدقہ محمد عربی کی جناب کا
 پڑھ کر درود آپ نے بس روک لی حسام
 عاجز نہیں یہ یکس و مظلوم تشنہ کام
 دیکھو اس اختیار پہ یوں صبر کرتے ہیں
 سنگ و مہاون و صدف قطرہ و گہر
 رکن و مقام و باب و منازم و حجر
 کہیں یہ سب کہا بن علی نے قصور ہو
 آنکھوں کے آگے خاک پہ ہو لاشہ سپر
 سر ہو یہ مرحلہ جو کٹے تن سے جلد سر
 جب و نہ ہوں تو پہلوئے اکبر میں لاش ہو
 مشتاقِ قرب حق ہی یہ مظلوم تشنہ کام
 حاضر ہی سرفیق کا کیا کوچ کیا مقام
 موت آئی اٹھ کھڑے ہوئے دامن جھاڑ
 ابرستم میں گھر گیا زہرا کا ماہ آہ
 دو لاکھ حربے ایک تن زار آہ آہ
 شیر سر سے تا بقدم چور ہو گئے

باندھے تھے چار غول جھاکار بہر جنگ
 نیزوں کے وار ہوتے تھے ایک صف بیدار
 زہر تڑپ ہی تھی علی ہاتھ ملتے تھے
 وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ بن
 رونے کی چار سو تھی صدا بولتا تھا رن
 آدھی میں خاک اڑتی تھی گھوڑوں کے گشت سے
 بی بی بکارتی تھی کوئی ہائے میرے لال
 زہر کی دونوں بیٹیاں کھولے ہوئے ہیں بال
 جھکتے تھے زیریں سے جب شہر دی شان میں پر
 جس روز تھا یہ شہر یہ ماتم یہ شور و شر
 نکلا تھا گھر سے شوق نجف میں وہ خوش سیر
 بے خانان کو عشق خدا کے ولی کا تھا
 بُخ زردیاؤں سو بجے جسم پر غبار
 طاعت گزاری نیک عقیدت و فاشعار
 یہ آرزو کہ گوہرِ شہر شرف ملے
 سر کو قدم کیے وہ سعید و خستہ پڑ
 پیاری نہ تھی جو قطع مسافت کوئی شہر
 اُن جھگڑوں میں بادیہ پیا تھا دین کا
 دیتی تھی اُس کو طاقت و مہاجرت اب
 لازم ہوا تم کو سخی کہ یہ ہو رہا ثواب
 کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں

اک صف سے بیغیں چلتی تھیں اور ایک سے نکل
 چلتے تھے ایک صف سے پیا پری کلوخ و سنگ
 یہ وار سب بنی کے کیلجے پہ چلتے تھے
 جھیلوں میں شیر بانٹتے تھے دشت میں ہرن
 غل تھا خدا پستوں کے لاشے ہیں بے کفن
 آواز مائے ہائے کی آتی تھی دشت سے
 حیدر کا باغ ہوتا ہر جنگل میں پانال
 ڈیوڑھی سے نکلے پڑتے تھے چوک کا تھا حال
 غل تھا کہ ہائے کرتا ہر قرآن زمین پر
 آپونچا اک مسافر غربت زدہ ادھر
 چھوٹے ہوئے وطن اُسے گذر تھا سال بھر
 مشتاق وہ زیارت قبر علی کا تھا
 ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
 نہ راہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غم گسار
 چھانوں جہاں کی خاک بہ دُخچٹلے
 دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک ن میں طر
 آسان تھی اُس کو دو ہی شام و عراق و در
 گزین گیا تھا راہ خدا کی زمین کا
 جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
 احسان میرے سر پہ تمہارا چلو شتاب
 گنج گھر ہیں زیر قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ شک و آہ
 بچھاتے تھے اُسے جو مسافر میانِ راہ
 یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے
 پہنچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال
 و جہنم کی گردہیں آمادہ قتال
 اذہیں کہ اہل درد تھا بیتاب ہو گیا
 تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
 بچہ پڑا ہی ایک ستارا سا خاک پر
 سُرخ لہو کے حلق کے سیبِ ذقن میں ہے
 براہِ ایک سمت جو خیمہ فلک و قار
 چلا رہی ہے دُور صبی پہ یوں کوئی سو گوار
 کانپا کلیجہ تھم کے سنا جب دوہائی کو
 بلا وہ لاش کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
 بیکس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
 نیزوں سے صد تینوں سے تن چور چور ہے
 کہنے لگا رز کے وہ ذی قدر نیک نام
 دیا خدا نے خلق کے بہر فیض عام
 اُن سے بشر ڈرے جنہیں خوفِ خدا نہیں
 دو چار گام بڑھ کے یہ سو چادہ نامور
 و اللہ ہرگزیدہ حق ہے یہ خوش سیر
 تینوں میں اس کے پاس چلو جندا کرے

پہنچا اُسے مجھ کو منزل مقصد پہ یا الہ
 اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
 کتنا تھا رو کے وہ کہ سخت کتنی دور ہے
 تنہا کھڑا ہی ایک مسافر اوس لال
 چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا، جیبِ ہوال
 پانی کے مانگنے پہ جب گر آب ہو گیا
 دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرتِ قمر
 کرتے بھی ہنسلیاں بھی ٹلو کہ بھی غول میں تر
 باچھوں میں سب ہے دودھ اُگوا تھا دہن میں ہے
 آتی ہے پینے کی صدا اُس سے بار بار
 صدف میں تیرے اسی مرے بابا کیادگا
 بچھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو
 لائے کہاں نصیب مجھے و امصیبتا
 یارب ہوئی ہے اس ترے بندے کیا خطا
 آئی ذلے غیب کہ یہ بے قصور ہے
 اللہ کس قدر ہے پُر آشوب یہ مقام
 مڑتا ہے اُبل یہ تم کش یہ مستنام
 جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جانیں
 مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر
 کر لیجے التماس دعا ہاتھ باندھ کر
 آساں ہوں شکلیں جو یہ بیکس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا یہ اسیر غم
 یافت نے وہی نہ کہ سمجھ کر اٹھا قدم
 آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر
 آیا جو کا پتا ہوا وہ شاہ دیں کے پس
 مولا جواب دے کے یہ بولے بدر دویا
 عرض اُس نے کی غلام شہ ذوالفقار ہوں
 طرکی کی ہر سال بھر میں پہاڑوں کی میں نے راہ
 اب تک ہر جگہ سے دور دریم اللہ
 غارت ہیں ہوئی ہو بصاعت غلام کی
 میں دو تہینے فوج ستم میں رہا اسیر
 ہتھیار لیکے آئیں سکتا ہوں راہ گیر
 سر پہ یہی کلاہ یہی اک لباس ہو
 دو صاحبوں کے شوق میں چھوٹا ہوں گھر
 پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور
 جاؤنگا دولتیں ہیں اگر سر نوشت میں
 فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہو کام
 اُس سرزمین پہ ہو مرا آقا مرام
 حیدر کے جان و دل ہیں شہ شہرین ہیں
 کیا دن سجد ہو گا میں اُس روز کے شمار
 چو مونگا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار
 دنیا ہوا ورتنا طہری کا نور عین ہو

لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم مہم
 رستے میں یہ زمین بھی نہیں گھنٹے کم
 یہ سب درق میں صحبناط کے خاک پر
 کی عرض اسلام علیک اے فلک اساس
 آنا ہوا کہ صحرے ترا ہی خدا شناس
 بیکس ہوں بے نوا ہوں غریب اللہ یار ہوں
 بچے نہیں تباہ ہیں خام کہیں تباہ
 مال و متاع لیکے چلا تھا یہ پُر گناہ
 لوٹا ہوا راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی
 مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شہر یہ
 تب قید سے چھٹا ہوں کہ حبیب کیا فقیر
 پر ہوں غنی کہ دولت دیں میرے پاس ہے
 حسرت یہ ہو نصیب کرے یاوری اگر
 منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہو سفر
 رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں
 عرض اُس نے کی وہی تو ہو دنیا میں کٹم
 برسوں سے جس کے عشق میں تباہوں صبح و شام
 صدقے میں اُس جگہ کے وہی توحسین ہیں
 جس روز اُن کے گرد پھونگائیں سارا بار
 آنکھیں قدم پہ جھاک کے لوگابہ انکسار
 دیکھوں انھیں صبح و سلامت توحسین ہو

دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم
 ایسا بختین ہیں ہی تو انھیں کا ہی ایک دم
 زندہ ہیں گر حسین تو زندہ ہیں چار دم
 اک میرا شاہزادہ ہی مشکل مصطفیٰ
 ماں کا مردوں والا پسر ہی وہ مہ لقا
 اُس رشک گل سے دور خزاں کی بلارہے
 یس کے آپ کے مسافر کے متصل
 ہاں بھائی بیچ ہو صد مہِ وقت ہی جاں گسل
 طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف ہی
 ہاں مدتوں سے ہی یہی نیرنگ روزگار
 ہمدرد ہم بھی ہیں ترے ادیا غم گسار
 شکر خدا مسافر راہِ ثواب ہیں
 کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صد مہ گزر گیا
 دنیا سے دو پہر میں مرا گھر کا گھر گیا
 بنتی نہیں جب آتی ہو قسمت بگاڑ پر
 میرا اب یہ حال کہ زنجیروں سے چوڑ ہوں
 اک خاکسار بندہ ربِ غفور ہوں
 کہنے میں بات آتی ہی یہ کچھ کلا نہیں
 مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کہا
 کبھی زبان خشک کو تر بہر پو تر اب
 اب انتظار موت کا ہی کیا جو گنا ہیں

اُمّت و عمارت کے نہ کہیں مجھ کو ہی یہ غم
 غزلت گزریں ہی قبر نبی پر وہ ذی شرم
 یارب اُس لیکم کو عطا کر ہزار دم
 شہرہ ہی جس کی شکل و شمال کا جا بجا
 سائے میں شہ کے اُس کو سلامت رکھنا
 یارب حسین کا پھولا پھولا رہے
 پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آگے تو مل
 اس دم پہل گیا ترے آنے سے بادل
 چہرہ ترا نظر نہیں آتا یہ ضعف ہی
 ہر گل پہ ایک دن ہی خزاں لیکن ہمار
 تیری طرح لٹے ہیں نہیں چھوڑ کر دیار
 اب دیر کو چ میں نہیں پاؤں رکاب میں
 خالی ہوا عزیزوں سے گھر شہر بھر گیا
 بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
 لکڑے ہو گر پڑے پھینک دیت پہاڑ پہ
 جنگل میں موت آئی ہی بستی سے نور میں
 عالم ہو اس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
 دن تیسرا ہی آج کہ پانی ملا نہیں
 لے آؤ دوڑ کر مرے شہر میں کچھ ہی آب
 بولے ہلاکے سر کو شہر آساں جناب
 سب پیاسے مر گئے ہیں نہ پانی پہونگنا ہیں

درکار چوتھے ہو وہ لے بہر کردگار
 ناقہ بھی لے ترا تو ہی آتا وہ نامدار
 حاضر ہو جان و مال کہ ہی مہمان تو
 اسباب بھی ہو مال بھی ہی سیم و زر بھی ہو
 منفر بھی ہو زرہ بھی ہو تیغ و سپر بھی ہو
 بیکس ہوں گو کہ آج چ عالی مقام ہوں
 آفترا جو ہو وہی آفترا بھی ہو
 جو ہو ولی حق وہی مولا مرابھی ہو
 ہاں مال غیر کف میں تصرف نہ چاہیے
 دیکھی جو یہ عنایت سلطان بحر و بر
 دل سے کہا خدا کا ولی ہو یہ خوش سیر
 دیکھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
 عرض اُس نے کی حضور سے پس یہ التجا
 پہونچا دے مجھ کو قبر علی پر مر خدا
 جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
 تسلیم اُس نے کی تو یہ بولے شہ انام
 آتے ہیں آپ در مصیبت میں بکے کام
 تنہا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجئے
 سُن کر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
 دل سے کہا کہ اب ہو لب بام آفتاب
 احساں کا یہ عوض ہو کہ احسان کیجئے

پیدل اگر ہو تو تو یہ حاضر ہو را ہوار
 سائل کو جس نے روٹی کے دانوں کی قطار
 بھائی ہمارے گھر کو بھی گھرا پنا جان تو
 موجود راعلہ بھی ہو زرا و سفر بھی ہو
 گرتیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہو
 شرمنا نہ تو کہ میں بھی علی کا غلام ہوں
 تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہو
 بھائی علی کے حصے میں حصہ مرا بھی ہو
 آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیے
 رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر
 اس حال میں غریب نوازی ہو اس قدر
 اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندہ خدائی ہیں
 کیجئے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا
 مولا نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا
 یارب اسے علی کی یار ت نصیب ہو
 قبر علی پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام
 میں بکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام
 ہنگام ذبح گو دیں سر کے لیجئے
 آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب
 بیکس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہو ثواب
 اب سر علی کے نام پہ ستر بان کیجئے

حضرت سے عرض کی کہ یہ جائے کا اعلیٰ
 اب دیجیے رضا کہ بڑھوں کھینچ کر حسام
 دیندار ہوں نہ ترک فاقہ کروں گا میں
 زوار جن کا ہوں میں انہیں کی تجھے قسم
 جلوے دکھا رہا ہوں مجھے گلشن ارم
 پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہو
 گھبرا کے بولے شاہ کہ با ہا قسم نہ کھا
 پچنامر احوال ہو گر جان دی تو کیا
 دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہو رات دن
 خضت کے وقتہ جو ملکیتی تھی دم بدم
 مرتی ہو انتظار میں وہ صاحب الم
 ہجرال کشیدہ رنج و بلا دُخن میں ہو
 بیٹی کا ذکر سن کے یہ بولا وہ خوش خصال
 آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال
 ہر شے کا علم آپ کو اس بجسی میں ہو
 بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
 بجیس، عزیز مردہ، اسیر سپاہ شام
 درود غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
 قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
 بتلائیے کہ غم سے مراد دل ہو چاک چاک
 یہ تو نہ کہ سکے کہ شہر مشرقین ہوں

بس جی چلے بہت ہی مرنے کا ہر مقام
 وہ کام چاہیے کہ رہے تا ہر شتر نام
 اب مہر کے شیر حق کی زیارت کروں گا میں
 سر بھی کٹے گا اب نہ چھوڑوں گا یہ قدم
 حواریں پکارتی ہیں کہ آمنتظر میں ہم
 گردوں سے مر جا کی صدا مجھ کو آتی ہو
 رستا ہوں رات سے رات بسے کا نجف کو جا
 اری بھائی تو ہو صاحب دختر نہ لے رضا
 بیٹی تری ترے لیے روتی ہو رات دن
 وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
 آلودہ اس الم میں ہوں میں بھی سیر غم
 ہمارے ایک میری بھی بیٹی وطن میں ہو
 فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
 شاید ہو علم غیب میں بھی آپ کو کمال
 یہ تو صفت امام میں ہو یا نبی میں ہو
 فرمایا بے نوا وطن آوارہ تہ نہ کام
 عاجز بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
 یہ سب خطاب میں نے یہاں آکے پائے ہیں
 اظہار اسم اقدس اعلیٰ میں کیا ہو پاک
 چپ ہو گئے ٹرپنے پر اس کے امام پاک
 مولا نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

سراپا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
 آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نور عین
 گھر فاطمہ کا لٹ گیا سب اس لڑائی میں
 کھینچی ہو تو نے جس کے لیے رحمت سفر
 ویراں ہو تیرب و نجف اور مرد خوش سیر
 زمین بے یہ ہو جو ڈیوڑھی پہ جاں اپنی کھوئی ہو
 اُس بے وطن نے جبکہ مفصل سنا یہ حال
 اٹھا ٹپ کے جب تو پکارا بصد لال
 کیا تھی خبر کہ آپاں آفت میں بن میں ہیں
 مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
 اب ویسے رضا کہ جگر غم سے ہو لہو
 چشم پاک کو اب غم نہ کیجئے
 شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پردہ
 میں کیا مکان کیا مرا یا شاہ بحر و بر
 گیتی ہو آج و رہم و برہم تو خوب ہو
 روکا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر
 سیر جہاں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
 دم بھر رہا تھا عشق شہ مشرقین کے
 لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علی
 مہر علی امام علی رہنما علی
 عازم ہوں سیر گلشن دارالسلام کا

ہر ہر یہ کیا زباں سے کہا کو نسا حسین
 بیٹا علی کا سبط شہنشاہ مشرقین
 بس اک ہی حسین ہر ساری خدائی میں
 ای بے خبر یہی ہو وہ سلطان بحر و بر
 شب سے یہاں بنی و علی ہیں برہنہ سر
 زہرا تو ساتویں سے اسی بن میں وئی ہو
 غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ کو خصال
 یہ کیا قیامت آگئی ای فاطمہ کے لال
 میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں
 خوبی مرے نصیب کی یا شاہ نیک خو
 مر جاؤں لڑکے فوج سے حضرت کو برد
 اب اس غلام زاوے کا کچھ غم نہ کیجئے
 کچھ غم نہیں تنیم وہ لونڈی ہوئی اگر
 جب بے سبب جہاں میں لے فاطمہ کا
 اُلٹے تمام فتر عالم تو خوب ہو
 تلوار لیکے فوج پہ چھپا مثال شیر
 ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کو دھیر
 نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسین کے
 بدرالد جی حسین ہیں شمس الضحیٰ علی
 کشتی علی جہاز علی ناصحہ علی
 دریائے غم سے پار ہو بیڑا غلام کا

اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہِ شام
 زخمی تھے خود پہ اُس کے سر ہانے گئے ام
 رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو
 اُمیری بیکسی کے مددگار الوداع
 اُم بے وطن کے یار وفادار الوداع
 جو خوش نصیب ہیں ہی جنت کو جاتے ہیں
 فرما کے حسین تو روتے تھے زار زار
 پوچھا سب خوشی کا تو بولا وہ دل ٹکا
 جلوہ خدا کے نور کا ہی میرے سامنے
 بالائے سر کھڑے ہیں سولِ فلک مقام
 دستِ علیؑ بن چشمہ کوثر کے دو ہیں جام
 ناجی ہو دوست دار مرے نو عین کا
 تھا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
 اب جنت النعیم میں ہو گا گزر ترا
 جو ہیں ہیں باغِ خلد میں خدیج کے واسطے
 رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
 کی عرض اُس نے اور خلفِ سید العرب
 بختِ جوتن سے روح کی ہر بے قرار ہوں
 مجھ کو ہو غم حضور کا حضرت کو غم مرا
 منہ ڈھانپ دیتے تھے شہِ عالی ہم مرا
 کیا وقت بیکسی ہو ہمارے حضور پر

ریتی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
 گودی میں لیکے زانو پہ رکھا سرِ غلام
 اُم بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو
 اُم تشنہ لب حسین کے غنچہ دار الوداع
 اُم شیر ذوالجلال کے ذوق الوداع
 گھبراؤ نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں
 ہنسنا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہی قاف
 اُم نور چشم احمد مل ترے شمار
 مشتاقِ جن کا تھا انھیں دیکھا غلام نے
 فرزند کے کہکے لیتے ہیں شفقتِ میرا نام
 فرماتے ہیں کہ پی اے گرتو ہو تشنہ کام
 حصہ ترا یہ ہو تو وہ حصہ حسین کا
 نامِ نیکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
 ہمسایہ رسولِ خدا میں ہو گھر ترا
 آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
 فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
 تنہا بی حضور کا صدمہ ہو دل پہ اب
 مہلت جو دے اہل تو پھر اُٹھ کر نہا ہوں
 اب کوچِ جلد ہو سوئے ملکِ مہرا
 پڑھیے کوئی دعا کہ نکلتا ہو دم مرا
 کس سے کہوں جو لاش کو فاسے حضور پر

بکیں کا بے وطن کا مددگار مر گیا
 شہید روتے رہ گئے غمخوار مر گیا
 پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں
 تڑپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا
 جدے میں تن سے فوقِ مبارک جا ہوا
 عریاں حسینؑ رہ گئے، پوشاک لٹ گئی

یہ کہتے تھے کہ آہ وہ زرقار مر گیا
 شہیدائے نامِ حیدر گزار مر گیا
 لاشے سے اٹھ کے جانسکے خیمہ گاہ میں
 پس کیا کہوں اُنہیں کہ سیدؐ چ کیا ہوا
 بربادِ خاندانِ رسولؐ خدا ہوا
 پُر خوں قبائے سیدؐ لولاک لٹ گئی

رُبَاعِی

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا * یارو کیا ہی مقامِ حیرت ہوگا
 کوئی عمل نیک نہ ہوگا جز یاس * آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

رُبَاعِی

پُر تو ہر سب بزم وہ تارے یہ ہیں * نہرِ اَوید اللہ کے پیارے یہ ہیں
 روتے ہیں بزمِ غم میں بانالہ آہ * نہ کہتے ہیں سب دستِ تلے یہ ہیں

مشریہ

(۲۶)

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
 سوشل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہوں گھر میں
 سنگِ غمِ فرقتِ دلِ نازک پہ گراں ہو
 گوراہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زار
 جب عالمِ تنہائی میں آتا ہو وطنِ یاد
 اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ملتی
 ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
 جب ہو سفرِ خوف و پریشانیِ خاطر
 ہر طرح مسافر کے لیے رنج و تعب ہو
 دکھ دیتے ہیں اک ایک قدم پاؤں کے چھالے
 ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
 در ماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
 ہر دم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم
 تھمتا ہی نہیں قافلہ اشکِ کوئی دم
 بابا کو تو فرزندوں سے پھٹنے کا الم ہو
 ہوں ساتھ جو بابا کے تو یاد آتی ہی مادر
 منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر
 پردیس میں کیونکر ٹھہریں دشمن سے اماں ہو

راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہریں
 پھرتی ہو سدا شگلِ عزیزوں کی نظریں
 اندوہِ غریب الوطنی کا ہش جاں ہو
 جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد
 ہر گام پہ دلِ شل جرس کرتا ہو فریاد
 منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی
 منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
 شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہو آخر
 رہ جائے پس قافلہ چٹکے تو غضب ہو
 منزل پہ پہونچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں کالے
 ڈسار کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
 تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی
 تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدہ پر غم
 ہوتا ہو عجب صاحبِ اولاد کا عالم
 والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہو
 مادر ہو تو یہ غم ہو کہ بابا نہیں سر پہ
 اور دن کو تو اشکِ آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
 جن بچوں کے سر پر نہ تو بابا ہوں نہ ماں ہو

بچے بھی وہ بچے جو نہ نکلے کبھی گھر سے

نہ راہ سے آگاہ نہ ایذا سے سفر سے

زخمی تیر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلم

جب لے گئے کو تھے پس قتل کی خاطر

منہ سے تہ خنجر یہی نکلا دم آخر

روتے تھے علی فاطمہ سرنگے کھڑی تھی

جب قتل ہوا ایلی سید والا

کوئی نہ مٹیوں کا رہا پوچھنے والا

گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے

پرویس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا

بن باپ کئی روزے کھایا تھا کھانا

سہم ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے روکر

پاس ان کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے

پانی تو بھلا منہ میں دم مرگ چواتے

کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں

مظلوم کی تربت کا ہوتا اب بھی جو پائیں

تو بیہ مزار پر آنکھوں سے لگائیں

پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سلا کر

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی

پرچھینگلی جو سر پیٹ کے اور دے کٹھالی

گردن کو جھکائے ہوئے خاموش ہیں

ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی برے

وہ چھٹ گئے گونے میں ہو پختے ہی پیسے

بیٹوں کی تباہی کے لیے روتے تھے مسلم

رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر

فرزند محمد کا خدا حافظ و ناصر

تھانیزے پہ سر لاش تہ بام پری تھی

بچوں پہ عجب حادثہ، تقدیر نے ڈالا

تھے منہ سے سینوں میں کیلجے تو بال

خورشید سے منہ گرد و مٹی سے لٹے تھے

نہ بیٹھنے کی جاتی نہ رہنے کا ٹھکانا

تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا

ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کھو کر

ہم بنتے نشانہ جو عیسٰی رگلاتے

کاندھوں پہ پسر باپ کے لاشہ کٹھاتے

کارے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

رحمت کے لیے قبر پر روتے ہو جائیں

سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں

قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

اور قتل کی بابا کے خبر ان کو سنائی

بچہ کہو والد کی کہاں قبر بنائی

تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں

ہمسایہ بھی زمانہ میں نہ ہوگا کوئی مجبور
 وارو ہیں وہاں رحم کا جس جانیں ستھو
 کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں رنج بڑ ہیں
 ایک ایک لیں کوفے میں دشمن ہی ہمارا
 بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی ہمارا
 اک دم میں یقیں ہو کہ تیر تیغ یہ سر ہیں
 یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر میں
 تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گز میں
 بتلاوے کسی حجرے میں گے بند ہیں دونوں
 مصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
 مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
 جس نے انھیں پہاں کیا گھر اس کاٹے گا
 تھرتھرتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
 دشمن جو علی کے تھے وہ تھے حرم و مسرور
 باتیں انھیں مصوموں کی ہوتی تھیں دل میں
 کہتی تھی کوئی کیا کریں مگر انھیں پائیں
 جلا دول سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
 آقا ہیں وہ اس کے جو غلام شہ دیں ہی
 کیا روزِ سیہ چرخ نے بچوں کو دکھایا
 سات آٹھ برس کا تو سن اور دس پر آیا
 کچھ بس نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے

تہا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
 ماں دور پدر دور چچا دور وطن دور
 بابا کے تو مرنے سے تباہی میں ٹپے ہیں
 اک دوست تھا ہانی سو وہ دنیا سے سدھارا
 غربت میں ہیں ہمیں باپ کے مر جانے نے مارا
 جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پس ہیں
 تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظریں
 بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں
 حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں
 ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں آئے
 دانا ہو وہ جو گوہر عزت کو بچائے
 مر جائے گا پر قید سے جیسا نہ چھٹے گا
 تھے شہر کے دروازے ہر شام سے معمور
 جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
 منہ ڈھانپے ہوئے بنی بیاں دیتی تھیں دس
 جاسوسوں کا خطرہ ہی کہاں ٹھونڈھنے جائیں
 ہم دل کی طرح ان کو کلیجوں میں چھپائیں
 ہم ٹوٹیاں حاضر ہیں جو ماں سر پہ نہیں ہی
 ہی ہی نہ چچا سر پہ نہ ماں باپ کا سایا
 جانیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
 بچو تمھیں پردیس میں اللہ بچائے

شیعوں کے گھروں میں تو یہ تھی گریہ و زاری
 نام کے پھیس کہ گئے اگر کئی باری
 احکام میں حاکم کے محل آنے نہ پائے
 طفل حسین بھاگے ہیں کل قاضی کے گھر سے
 خورشید سے ماتھے ہیں چہرے تپتے
 گوندھی ہوئی زلفیں بہر دوش پڑی ہیں
 ہر مہر و خشاں سے فزوں حُسن کا پیر تو
 کوفہ سے نکل جانے کی ہواں کوکٹ دو
 گورے ہیں گلے جلوہ ناک توں میں تن ہیں
 پیشانیوں دونوں کی جو ہیں ماہ منور
 تعویذوں کی وہ ہیکلیں ہیں سینوں کے اوپر
 بھاگے ہیں براقت جو دونوں پہ پڑا ہوا
 ہر نام کے پہ تھا حکم یہ اُن دونوں کی خاطر
 اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینے کے مسافر
 پھرتی تھی اہل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
 نام کے ملک آہو پئے نہ تھے وہ جگر افکار
 چلا یا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زہار
 سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں
 بھائی سے کہا بھائی نے کیا کریں بھائی
 افسوس کہیں من کی جا ہم نے نہ پائی
 آتے ہی بس اپنے چھیاں تانیں گے سنگم

اور ڈھونڈتے پھرتے تھے نہیں کوفہ میں ہی
 شہسوار خبردار اگر جان ہی پیاری
 نام کے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے
 کرلیجو گرفتار جو آنکلیں ادھر سے
 چھوٹے سے عامے ہیں لیٹے ہوئے سرے
 آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں
 مہتاب روشن ہیں یہ خساروں میں ہر خسو
 پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانند مہ نو
 لب تھڑیاں گل کی ہیں غنچے سے دہن میں
 سجدوں کے چلتے ہیں نشان صورتِ اختر
 ہلتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
 ایک عمر میں چھوٹا ہی کچھ اور ایک بڑا ہی
 دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
 کوئی نہ مددگار تھا نہ حافظ و ناصر
 پتا بھی کھڑکنا تھا تو ڈھالتے تھے دونوں
 جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
 جاتے ہو کہاں بھاگے ہم آہو پئے خبردار
 سرتابہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں
 اعدائیں لینے نہیں آئے اہل آئی
 مشکل ہو بہت موت کے پنجے سے بانی
 منت بھی کرینگے تو نہ مانیں گے سنگم

یہ کہتے تھے جو ان ہی پہونچے وہ جھا جو
 بچوں پہ اٹھانا تھا طمانچہ کوئی بد خو
 وہ کہتے تھے ہم دام بلا میں تو پھنسے ہیں
 بناتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے
 جلاؤں میں مصوہوں کے تھے جان کے لالے
 حال اپنا اشارے سے جاتے تھے کسی کو
 پہونچے انھیں بیکر جو وہ ظالم سہر در بار
 تھا تخت مرصع پر مکیں حاکم خدار
 بیٹھے ہوئے سب کیوں پر چھوٹے تھے
 معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکم ملعون
 صدرے سے شیخوں کا ہوا حال و گرگوں
 ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
 بولا کوئی معصوم ہیں یہ بیکس و دیگر
 یہ پھول سے اندام نہیں لائق تعزیر
 طاقت ہو کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
 چپٹہ گیا وہ دشمن دیں سر کو جھکا کر
 کر قید انھیں حجرہ تاریک میں جا کر
 آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے
 و چونکہ خبر دار مرے کا انھیں کھانا
 یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
 دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو

اور بازو صلیبے رستی سے ان دونوں کے بازو
 کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
 بازو کو پھر کس لیے رستی سے کسے ہیں
 بازار میں بیابا تھے سب دیکھنے والے
 تکتے تھے ہر اک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے
 ری میں بند سے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو
 خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
 دہشت کے رز نے لگے بچوں کے تنہا
 رستی سے بندھے سامنے محصوم کھڑے تھے
 اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
 تھرا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محضوں
 بابا تھے گنہگار، گنہگار ہیں ہم بھی
 دہشت کے سبب کانپتے ہیں رنگ ہر تغیر
 نادان ہیں کم سن ہیں کچھان کی نہیں تقصیر
 بھولے ہیں بہت تھوڑے ہوتے ہو دیں گے پدرو
 زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
 سنیو نہ جو منت بھی کریں شک بہا کر
 قتل در زنداں کہی وا ہونے نہ پائے
 گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
 بازو نہ کھلیں رستی سے جب تک برقی انا
 کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو

اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ ماہِ لقابند
 دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پابند
 سر کو در و دیوار سے پٹکا کریں دونوں
 یُن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہاں
 گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ ناداں
 بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
 دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
 بچوں کی کسی نے زینتی زاری و فریاد
 بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوں میں
 تاریک وہ حجرہ تھا مثالِ شبِ ظلمات
 مرقہ کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات
 تھی پیشِ نظر وصل میں تنہائی کی صورت
 دیوار میں نہ چھید نہ دروازے میں وزن
 وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
 بوندیں بھی پسینے کی چمکتی تھیں نہیں پر
 ہر صبح یہ معمول تھا منہ اشکوں سے دھوا
 دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
 جز بسترِ خدا منہ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
 فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گلِ اندام
 جانیٹھے دروازے کے نزدیک وہ گلِ فام
 تھوڑے فاصلے پر ظالمِ ظالم کے غصے سے

جس حجرے کے رخنے بھی ہن اور ہابند
 اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
 آپس میں گلے ملنے کو ترپا کریں دونوں
 ایک حجرے میں قیدی ہو دونوں تماں
 در کھول دو لہ نہ نہیں تن سے چلی جاں
 اک طوق جو ہلکا ہو تو دو طوق پہنادر
 مادر کو بھی چلائے پدر کو بھی کیا یاد
 کب کھولتے ہیں طاہر پر بند کو صیاد
 جوں تازہ گرفتار پھر کتا ہو قفس میں
 معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہو اکبات
 سہمے ہوئے روتے تھے وہ نکلون دھڑکتے
 بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت
 تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں فوشن
 چپٹے تھے پہروں جھکائے ہوئے گردن
 بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زیریں پر
 اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا
 ہر رات کو خاک اڑھنا اور خاک بچھنا
 رکھ کر تو سمر ہاتھ کو سورتے تھے دونوں
 جو مالک نے نداں تھا وہ آتا تھا سرِ شام
 دیتا انھیں دو روٹیاں اور بانی کے دو جام
 اٹھ اٹھ کے سلام اُس کو وہ کرتے تھے ادب

کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
 آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
 پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
 سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
 دیکھو تو نہ سر پر ہر پدر اور نہ مادر
 نعمت سے زیادہ ہمیں نان چوہیں ہے
 ایسے بھی بہت ہیں جنہیں ملتا نہیں دانا
 بھائی ہے خدا مالک و مختار و توانا
 موت آئی تو اس قید میں مر جائیں گے بھائی
 رزاقی معبود حقیقی پہ کرو غور
 دینداری سے جو دور ہیں ان لوگوں کا ہجو
 ہیں قید میں جس کے وہی بے جاتا ہے کھانا
 زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سلایا
 خالصانِ خدا نے بھی سدا رخ اٹھایا
 عسرت رہی دنیا میں شبہ عقدہ کشا کو
 یہ قید کے دن شکر الہی میں گزارو
 صابر رہو شا کر رہو ہمت کو نہ ہارو
 رزاقِ دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
 ظاہر ہیں رگیں تن کی بدن زرد ہو سارا
 کیوں روتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
 دادا نے صدائے جان چوہیں کھائی ہے بھائی

رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نالے
 قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
 یہ سخت ہے روٹی کہ کلا چھلتا ہے بھائی
 جاگہ نہیں شکوے کی کرو صبر برادر
 تھوڑا ہے کہ یہ بھی نہیں ہوتا ہے میسر
 منہ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے
 پینے کو جو پانی ہو تو ملت نہیں کھانا
 کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
 بیٹے ہیں تو یہ دن بھی گزر جائیں گے بھائی
 اس قید میں تھارے ہو پچنے کا کوئی طور
 ہم اور مکاں اور زمیں اور ہوا اور
 ہر طرح خدا بندے کو پہنچاتا ہے کھانا
 دن بھر جو میسر نہ ہو رات کو کھایا
 وکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث میں آیا
 فاقے تو گزر جاتے تھے محبوبِ خدا کو
 جو مرضی معبود ہے دم اس میں نہ مارو
 روٹی جو پھنسنے پانی کے گھونٹوں سے اتارو
 اگر صبر کی لذت ہے تو نعمت اسے سمجھو
 کھا لو کہ عبادت کا ہے جسم میں یارا
 یہ بھی نہ میسر ہو تو کیا زور ہمارا
 تب فقر کی دولت انھیں تھائی ہے بھائی

گہرا تے ہو کیوں روتے ہو کس واسطے ہزار
 چھٹ جاتے ہیں طار بھی جو جھٹکتے ہیں گرفتار
 تیری زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
 مجھوں ہمارے ہی طرح تھے کہکشاں
 زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
 پھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کوں ہا ہا
 جب چاہے سے نکلے تو اٹھائی وہ تباہی
 کیا دور ہی ہو جائے اگر فضل الہی
 دنیا کی امارت ہو تو خوش ہمیں کب ہو
 چھوٹے سے کہا سب ہی کا آپ کا اوقاد
 ہم سا تو زمانہ میں نہ ہو گا کوئی ناساد
 یعقوب نے چھانی سے لگایا تھا پسر کو
 گزرا جو اسی طرح انھیں قید میں کسال
 تن خشک ہوئے زور گھٹے سر کٹر بھال
 تن ضعف سے فرسودہ ولاغر ہوئے دونوں
 بچوں کو لڑا کین ضعیفی نے کیا پسیر
 تھی تن کو نہ پہروں حرکت صورت تصویر
 رونق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی
 ہم چشمی نگرسے جن آنکھوں کو رہا رنگ
 رنسا روں کا ان نازوں کے پالوں کے تھا ہر رنگ
 جو گورے گلے مثل قمر نور فشاں تھے

خالق ہی اسیروں کا تیموں کا مددگار
 ماہی کے شکم میں رہے کب یونس زندگار
 یوسف تو چھٹے قید سے کیا ہم چھٹیں گے
 کاہش تھی ہی اور یہی سختی زنداں
 خالق نے رہائی کا مگر کر دیا سماں
 اُن کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہی
 اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
 بندوں پہ ہی اُس کا کرم نا متناہی
 ہم کو تو فقط اُس سے رہائی کی طلب ہو
 بھائی بشریت سے یہ ہی نالہ و فریاد
 چھوٹے بھی تو ہوں گے کبھی بچ سے آزاد
 ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پا دیں گے پر کو
 تھا دونوں کا افراط نقاہت عجب حال
 خم ہو گئے کاہش سے سر عید کے مثال
 رخ نردم مثال ورق زر ہوئے دونوں
 سر چھاتیوں پر جھک گئے حالت فی التفر
 یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
 مسطر سے نمایاں تھیں گئیں صاف بن کی
 جوں مردم بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
 جس طرح عرق کھینچتے ہوئے پھول کا ہورنگ
 وہ تار سے حلقوں میں گریاں کھیاں تھے

اپنی تھکے ہوئے جوبالے انال
 اعضا میں عوض خوں کی حرارت ہوئی شامل
 بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا ان کو
 کاہیدہ تھے مثل تن مدقوق تن زار
 رکتا تھا جو دم زیست دق تھے وہ گرقا
 باقی تھا فقط تار نفس سینے کے اندر
 تقلیل غذا قیہ کا دکھ باپ کا ماتم
 چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
 افسوس یو ہیں عمر چلی جاتی ہے بھائی
 پونچا دیا اس غم نے ہیں گور کنارے
 جیتے ہیں مگر موت کے آثار میں سارے
 ہمسایہ بھی کوئی بھیکس و منعموم نہ ہو گا
 کیا پونچی نہ ہو گی خیر و الدی جاہ
 کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ
 کلبے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں گم ہم
 اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
 جیتے ہیں کہ مرتے ہیں خبر یہ نہ منگائی
 منہ چومتی تھیں صدقے کبھی ہوتی تھیں اماں
 ہنگام سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
 رستے میں خط آیا تو یہ کھا تھا بہ تکرار
 دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں

سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہٹے وہ میرے کمال
 تھے صنعت کی تصویر وہ دکھ دے کمال
 اٹھنے کے تصور میں غش آجاتا تھا ان کو
 ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہ گراں بار
 معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں ہمارے
 اک بال ہو جس طرح سے آنکھ کے اندر
 گھل گھل کے برس دن میں عیب ہو گیا عالم
 فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
 نہ قید سے چھٹے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی
 مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
 مرجائیں تو مرقد میں ہیں کون اُتارے
 مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہو گا
 دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
 اب اوروں کی کلفت ہے ہماری نہیں کچھ چاہ
 دُوبیٹے تو ہیں پاس ہے یا نہ ہوئے ہم
 گزرا ہے برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
 پایہ کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
 ہم گھر سے جو نکلے تو بہت سوتی تھیں اماں
 بے ان کے جھجھکے نہیں نے کا زہار
 صاحب مرچٹوں سے خبردار خبردار
 بچو اور مرے پاس جو روتے ہیں ستریں

کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹے جائیں
 رو رو کے جو ہم پاؤں پر سران کسجھکائیں
 وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دور دور ہی بھائی
 بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے
 پھر سے ہوئے عباس علی شیر سے آتے
 اللہ رکھے اُن کو پدم ہم میں نہیں ہیں
 کس طرح نہیں بھول گئی ہو دیگی مادر
 کیا جانے کس آفت میں ہی فرزند ہمیں
 سُنتے تو دو اُن کے بھائی کی نہ کرتے
 یہ کہتے تھے جو ہوا قفل در زنداں
 چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا باتن لڑاں
 پیٹنے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
 جو تونے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
 بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھا
 واقف ہو کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
 گزرا ہی برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
 چلا کے ترے ڈر سے نہیں رات کو روتے
 ہم سے ترا سردار عیث بر سر کیس ہی
 تو رحم کر اے شخص کہ نے جرم و خطا ہیں
 لڑکے ہیں تم کش ہیں غریب الغر ہا ہیں
 اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی

کیا دوڑ کے آاں ہیں چھاتی سے لگائیں
 کیا پیار سے لیں ہر سے قدم تک ہلائیں
 اللہ میں سب طرح کا مقدور ہی بھائی
 ہمشکل بنی بھائیوں کو آکے چھڑاتے
 کونے کو الٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
 معلوم یہ ہوتا ہی کہ عالم میں نہیں ہیں
 سب بیٹوں سے اپنے انھیں الفت ہو
 وہ قید سے غیروں کو پھڑا دیتے ہیں اکثر
 تدبیر وہ بچوں کی رہائی کی نہ کرتے
 اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہباں
 ہم تجھ کو دعا دیتے ہیں اے مرد مسلمان
 کچھ حال جیسے تو کہا چاہتے ہیں ہم
 جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
 شکوے کا مگر حرفِ زباں پر نہیں آیا
 سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا
 پانی نہ ملا اتنا کہ کرتوں کو تو دھوئے
 قیدی جھٹے اکثر پہ رہا ہم نہیں ہوتے
 کچھ جرم نہیں ہی کوئی تقصیر نہیں ہی
 وارث کوئی سر پر نہیں پابند ہلا ہیں
 احسان کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ فنا ہیں
 روٹی بھی کسی روز سے کھائی نہیں جاتی

رکھتا ہر بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا
 رہ جاتا ہر عالم میں کریوں کا فسانا
 محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیں گے تجھ کو
 دونوں نے فصاحت سخن جب یہ سنا
 ہاتھ اُس کی دعا کے لیے دونوں نے اٹھائے
 کچھ عرتبہ محبوبِ خدا جانتا ہو تو ؟
 وہ کہنے لگا اُن سے میں کیوں نہیں آگاہ
 لڑکوں نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی جدا
 نائبِ ہر بدوگار ہر یاور ہر نبی کا
 وہ حق کا ولی ہو وہ امامِ دو جہاں ہو
 کہنے کی طرح اُس کا شرف سب پرچاں ہو
 جو اس سے جدا ہو وہ محمد سے جدا ہو
 کون ایسا ہو حیدر سے جو آگاہ نہیں ہو
 افاق میں حیدر سا شہنشاہ نہیں ہو
 حق سے نہ جدا وہ ہونہ حق اس سے جدا ہو
 یہ سنتے ہی جان آگئی ان دونوں کے تن میں
 خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر و ہن میں
 حجرے سے خوشی ہو کے وہ مہر و نکل آئے
 بولے کہ ہم اس شخصِ محمد کے جگر ہیں
 جو مل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
 تو کہتا ہر احمد کو تمیذ ہر ہمارا

بھوکوں کو طلب کر کے سخی دیتے ہیں گھانا
 نیکی جو کیے نیک سے کہتا ہر زمانا
 کام آجو ہمارے تو دعا دیوں گے تجھ کو
 زنداں کے نگہاں کے بھی آنسو نکل آئے
 پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لاسے
 اس شخصِ محمد کو بھی پہچانتا ہو تو ؟
 نثارِ جہاں خستم رسلِ سیدِ ذی جاہ
 بولامری تسبیح ہو نامِ اسد اللہ
 حیدر تو چچا زادِ برا در ہر نبی کا
 وہ قبلہ دیں ہو وہ شہ کون و کال ہو
 اللہ کا ہاتھ اور محمد کی زباں ہو
 دنیا میں علی ایک ہو اور ایک خدا ہو
 گمراہ ہو وہ اُن سے جسے راہ نہیں ہو
 جو کیسے وہ سب کچھ ہو یہ اللہ نہیں ہو
 آقا تو ہمارا ہر نصیری کا خدا ہو
 کم ہو گیا دہشت سے جو لڑہ تھا بدن میں
 گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن میں
 اک بھائی ہنسنا ایک کے آنسو نکل آئے
 جھوٹے نہیں دیاے صداقت کے گہر ہیں
 دانتہ میں سلم بیکس کے پسر ہیں
 جو گھر ہو محمد کا وہی گھر ہو ہمارا

پہنٹے ہی تھکا گیا وہ مرد خوش اطوار
 کہتا تھا میں اس حال سے وقف نہ تھا نہ تھا
 جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
 میں تم پہ خدا کی اسد اللہ کے پیارو
 بندہ میں تمہارا ہوں مجھے قدموں پڑا رو
 شکوہ مرا اللہ و پیغمبر سے نہ کیجو
 قدموں سے اٹھا کر وہ سخن رب پہ لگے
 دنیا کی ہر آفت سے خدائے کج کو بچائے
 واقف نہیں ہم راہ بتا دے نور وال ہوں
 دینے لگا رو کر وہ انھیں درہم و دینار
 احساں یہ ترا تھوڑا ہی اور خوش اطوار
 بتا دے پتہ ہم کو جگر بند نبی کا
 کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے
 ساتھ ان کے تھے سب حیدر و کار کے پیارے
 کو ریش ہیں کاٹنی ہو بیٹھی وطن تک
 حضرت کی خبر کچھ جو سنی ہو تو سنا دے
 جس سمت چاہوں اسی سے پہ لگا دے
 مطلوب نیارتا ہی ہمیں شاہ زمن کی
 چاہا بہت اس نے کہ یہ بچوں سے چھپا
 گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ لگے
 وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شہسپیر

معصوموں کے قدموں پہ لگا دے گلاب
 بخشو مجھے میں نے تمہیں گھر کا تھا کئی بار
 سچ ہو کہ مرے کا کبھی کھایا نہیں کھانا
 کرتے میں نے لاؤں یہ ملیں انا رو
 لونا د سفر مجھ سے جا دھر جا ہو سدا رو
 جنت میں شکایت مری حیدر سے نہ کیجو
 تو خالق اکبر سے جزا حشر میں پائے
 حامی ہوں تری فاطمہ نجیب حشر میں جا
 بھائی ترے بچے ترے سائے میں ان ہوں
 شرماء کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
 تو شہر توکل کا ہیں کچھ نہیں درکار
 لشکر ہو کہاں سبط رسول عربی کا
 یاں ان کے ہم قید ہوئے وہ گئے ار
 گئے میں ابھی ہیں کہ ہیں در مدعا
 گزروں میں پہنچیں گے شہنشاہ زمن تک
 جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دے
 کیا دور ہو خالق ہمیں بچھروں سے ملا دے
 کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی
 مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
 کیوں خیر تو ہوا آنکھوں سے کیوں اشک بہا
 تم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شہسپیر

جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو نہ بن آیا
 دُنیا میں کہاں ہو اسد اللہ کا جایا
 شہیر کے لشکر کا جواں کوئی نہیں ہو
 عاشق کے دن فوج ہوئے سپاہِ پیہر
 رانڈوں کا سمٹکاروں نے لوانہ روزیور
 دیکھا حرم شاہ نے دربارِ شقی کا
 دُنیا میں نہ اکبر ہیں نہ عباس نہ شہیر
 یاں تک کہ ہوئے قتل علی اصغر نے شیر
 کیونکر اسد اللہ کے پیاروں سے ملو گے
 یہ سنتے ہی معصوموں پر قہر ہوئی طاری
 گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری
 ظالم ہو وہ عالم سے نہیں زور کسی کا
 وہ کہتے تھے کس طرح کیجوں کو سنبھالیں
 گھر خاک ہو اس پر بھی ہم خاک نہ ڈالیں
 مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہو
 گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر
 جلدی سے اٹھو واں سے وہ باحالتِ شہیر
 یوں نکلے پتھیل اسیری کے عن سے
 جب لم بنیں کے پسر قید سے چھوٹے
 دکھ سہ کے عزا دارِ پدر قید سے چھوٹے
 گیسو بھی پریشان سے کرتے بھی پھٹے تھے

سر پیٹ کے ہاتھوں سے بچوں کو سنایا
 گھر فاطمہ کا خاک میں اعدائے ملایا
 عابد کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہو
 خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
 افسوس کہ زمینِ بیک کی بھی چھینی گئی چادر
 کوفے میں سر آیا تھا حسین ابن علی کا
 سب پھوٹے بڑے ہو گئے زیرِ دم شمشیر
 مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
 اب جا کے ملو گے تو مزاروں سے ملو گے
 ترپے یہ زمیں پر کہ غش آیا کسی باری
 دشمن کوئی سُن لیوے نہ آوازِ تمھاری
 یاں ڈھونڈو کے خوں کتے ہیں اند علی کا
 اب چھاتیوں کو توڑتی ہیں آہوں کی بجائیں
 دم رکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
 ہم قید میں جیسے ہیں ہچامر گئے ہو
 بہتر ہو اسی شب میں گل جلنے کی تدبیر
 باز ہیں کمریں اور وہ بچے ہوئے مہ گیر
 جس طرح گریزاں ہو قمر چھپت گھن سے
 آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
 پردہ میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
 خورشید سے نہ گردِ تیزی سے اٹتے تھے

وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شبِ تاریک
ہاں جاگتے رہیو عیس کتے تھے ہر آ
چھپے کبھی ہٹ جاتے تھے کہ بڑھتے تھے دونوں

پھر نے رہے قسمتِ نہ کی راہ نامائی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقتِ عجزِ پائی
کتنا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اٹھاتے
تنہائی پر آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے
چڑھ جاتے تھا ہمت سے جو دم ہانپنے لگتے
لبِ نفیس ہر دم دھڑکتے آنکھوں میں آنسو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا ہاتھ
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں

اک پیرزن اسنے میں نظر اگئی ناگاہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصدِ عجز وہ دی جاہ
معصوم ہیں ہم بیوطن و زار و حزن ہیں
اس سستی میں دیندار نظر آئی ہمیں تو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو
رکتے ہیں قرابت تو رسولِ عربی سے
وہ بولی کہ آنکھوں پر دکھوں تم کو میں دن رات
حاکم کا تو وہ دوست ہو اور دشمنِ سادات
لوٹتی ہوں میں نہرا کی تمھارا ہی یہ گھر ہو

ایک ایک قدم خوف نہ رہی نہ بدوگار
دل اُن کے دھڑکتے تھے رزتے تھے تنہا
دور کے کبھی نادعلی پڑھتے تھے دونوں

رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شبِ آلی
اب تو ہمیں فیذا آئی ہو ٹھہرو کہیں بھائی
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بختِ ہلاکت
سہم ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
سایہ نظر آتا تو بدن کا اپنے لگتے

غربت زدہ پھرتے تھے سراپہ وہ گلو
دھڑکتا تھا کہیں گھیر نہ لیں آ کے جاجو
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دیو

داماد کے آنے کی کھڑی دیکھتی تھی راہ
اک دو پہر اُس گھر میں اُٹے ہیں لٹہ
مظلوم ہیں سید ہیں گنگا ر نہیں ہیں
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گل
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر
مسلم کے پسر ہیں ہیں کیونہ کسی سے
پر صاحبِ خانہ ہو بڑا فاسق و بد ذات
گر دیکھ لیا اُس نے تو بننے کی نہیں بات
گر ہو تو اسی ظالمِ بد ذات کا ڈر ہو

وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
 درکار ہی نہ فرش نہ تکیہ نہ نہالی
 بن باپ کے ہیں ہم پرمصیبت پئی ہو
 دونوں نے پست جو کہا اُس سے یورو
 کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی کچھ ہو
 مہاں ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
 کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
 وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
 چلا یا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
 یس کے ضعیفہ کا لگا کا پنے اندام
 دربار سے ہر روز تو آتا تھا سرشام
 در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
 در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
 تھی ریش تو الٹی ہوئی مچھوں کے کھڑے پاں
 آواز تھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے
 پاس آ کے ضعیفہ نے بہت باتوں میں کھولا
 کھینچا کبھی خنجر کبھی تلوار کو تو لا
 ہاتھوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں اگر
 اس طیش میں کھاتا بھی نہ جلاؤنے کھایا
 باقی تھی پہرات کہ پھر ہوش آئے آیا
 پھولوں کی مہک جگر سے دالان میں آئی

واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہر کالی
 تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ جو ہو خالی
 شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہو
 تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اُس کو
 میں صدقے گئی آدمی بی بی کے پیار و
 دونوں کو اجل لے گئی جلاؤس کے گھر میں
 اور سوئے ہم سلم مظلوم کے جانی
 دروازے پہ آپہنچا ادھر ظلم کا بانی
 کوسوں کا ٹھکا آیا ہوں در کھول دے اگر
 بولی یہ بھلا آنے کا ہو کونسا ہنگام
 چلاؤس کے وہ بولا میں کہیں تھا تجھے کیا کام
 لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں در کو
 پھینکا کبھی خنجر کبھی تلوار کبھی فہال
 اور دیدہ بد بین تھے جو ساغریں لال
 ہلتی تھی زیریں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے
 تیوری وہ پڑھائے رہا کچھ منہ سے نہ بولا
 کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوٹا نہ پھینچولا
 رہ جاتا تھا غصے سے کبھی ہونٹ چبا کر
 پھر خواب اجل نے اُسے بستر پہ گرایا
 ابلیس نے سوتے ہوئے فتنہ کو جگایا
 آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک مثالِ دل کا فرخا زہ سب گھر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
واں مسلم مظلوم کے پیارے نظر آئے
جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر اٹھا کر
تصویر سے بستر پر کشیدہ تھے تن زار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
بازو پہ جو چھوٹے کے پڑا دستِ جفا کار
جھنجھلا کے کہا اُس نے کہ میں کا ہوں مختار
جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی تھی
گھبرا ہوا خوف سے اٹھا وہ دلی آرام
وہ بولے اماں دے گا جو بتلا میں کچھ نام
کھینچے ہوئے ہر ہاتھ میں تو تیغِ جفا کو
مکار لگا کہنے کہ سب ہی مجھے منظور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بیچس و مجبور
تھا قتل کا ڈر اس لیے گھر کے چھپے ہیں
سُنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا
رہی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
جب کھینچا تھا اگر کے چلتے تھے وہ بچے
دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کہتے تھے فریاد
دروازے تلک کھینچا لایا ستم ایسا د
کرتے بھی تھے ٹوئیاں بھی گر گئیں سر سے

ہر صفتِ گرگ لگا ڈھونڈتے اٹھ کر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
اک برج میں دو عرش کے تائے نظر آئے
سوئے تھے دھڑکے پیارے سے خسا پہ خسا
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدہ خوبا
آنند نظر آتا تھا آنند کے اندر
تو کون ہو وہ کہنے لگا چونک کے اکابر
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل انگار
کیا سوتے ہو اٹھو کہ ابل سر پہ کھڑی ہو
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکیں کا کام
اُس نے کہا ہاں دو گنا تو بولے گل اندام
ڈر لگتا ہو تجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو
پہاں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور
اک شخص ہمیں ہیں پسرِ مسلم متغور
کر رحم کہ دامن میں تے آ کے بچے ہیں
یوں بازوؤں کو زور سے پکڑا کہ چھوڑا
بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
پر حجرے کے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچے
بچوں پہ یہ دکھ ہائے میٹھوں پہ یہ بیداد
کمزور تھے یہ اور زبردست وہ جلاد
محرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

جس وقت نمودار ہوئے بسج کے آثار
 چلائی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افکار
 کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہر کفن میں
 بچوں سے لپٹی تھی جو وہ کھولے میرے
 وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر
 آنکھوں سے قدم اُن کے لگانے نہیں پائی
 جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کسی باری
 پہلے تو کہا لو میں تصدق ہوئی داری
 دوڑے کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
 روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہرو
 کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جتا جو
 خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کاٹے تھے
 بچوں کو لیے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر
 دل بل گئے ہٹ ہٹ کی دونوں تقریر
 مظلوم میں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہر
 وہ بولے کہ مطلوب ہو گر درہم و دینار
 وہ جس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
 یوسف کی طرح موتیوں میں جبکہ تکیں گے
 گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر بدعتِ بیجا
 دربارِ سنگار میں جیتا ہمیں لیجا
 آلو وہ لہو میں رخ نور نہیں دیکھے
 دریا پہ چلا لیکے یتیموں کو جفا کار
 بن باپ کے بچے ہیں یہ، ظالم نہ انھیں مار
 دو پھول تو رہندے مگر کے چین میں
 تلوار کے ہولوں سے ہٹا تھستاسگر
 ہر ہجرے مہمان ہیں یہ بکس و مضطر
 کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی
 تلوار سے جھینڈا کے سنگار نے ماری
 گرتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
 بچوں کو چھڑا دے کہ پہ بجرم خطا ہیں
 بہ بے کے گریبانِ تلک آتے تھے آنسو
 اک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں کیسو
 دہشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پر تھکتے
 اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمیر
 کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بکس و دلگیر
 ظالم نے کہا رحم کے دل میں نہیں ہر
 رشتی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر بازار
 ہم سے کوئی ملتے ہیں غلامانِ وفا دار
 ان لعلوں کے عقدے تجھے اس وقت چھلین گے
 دل آب ہو دہشت سے لرزتا ہو کلیجا
 وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہر قتل کو بھیجا
 جیتا تمھیں دیکھا ہو کئے سر نہیں دیکھے

جس وقت نمودار ہوئے بسج کے آثار
 چلائی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افکار
 کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہر کفن میں
 بچوں سے لپٹی تھی جو وہ کھولے میرے
 وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر
 آنکھوں سے قدم اُن کے لگانے نہیں پائی
 جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کسی باری
 پہلے تو کہا لو میں تصدق ہوئی داری
 دوڑے کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
 روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہرو
 کھینچے لیے جاتا تھا یتیموں کو جتا جو
 خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کاٹے تھے
 بچوں کو لیے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر
 دل بل گئے ہٹ ہٹ کی دونوں تقریر
 مظلوم میں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہر
 وہ بولے کہ مطلوب ہو گر درہم و دینار
 وہ جس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار
 یوسف کی طرح موتیوں میں جبکہ تکیں گے
 گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر بدعتِ بیجا
 دربارِ سنگار میں جیتا ہمیں لیجا
 آلو وہ لہو میں رخ نور نہیں دیکھے

نیکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
نامرو نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر

تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی

یہ کہتا تھا تلوار بڑے پر غم کر

وہ کہتا تھا پہلے مرا سر تن سے قلم کر

اک وار میں سر دونوں کے تن پر سے اتر جائیں

ناگاہ چنی غم کی تلوار بڑے پر

دریا میں شمشیر نے پھینکا تن اطر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدویں

آیا جو شقی تیغ غم کر کے دو بار

مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا

دھنبا بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدویں

جب تک کہ تڑپتا رہا اس کا تن لاش

چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر

گہ ڈوبتے تھے گاہ ابھرتے تھے دونوں

خاموش اچھپتے اب کہ ہر دل پر الم ورنج

دنیا کی دورنگی سے نہ کر دل میں شش و پنج

مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے

کر لیویں نمازیں تو ادھر پہ قضا ہے
جانوں کو چالیں یہ نمازیں تو بجا ہے

سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر

جا بیٹھا تہ تیغ دو دم سر کو جھکا کر

پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

ڈر قہر خدا سے یہ جھا کر نہ ستمگر

مل لیویں گلے بھائی کے وقفہ کوئی دم کر

ہیں ساتھ ہی رشتی میں بندھے ساتھ مٹی جائیں

بالائے زمیں کٹے ستارا سا گرا سر

چلا کے یہ چھوٹے نے کہا بائے برادر

وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

چلانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا

چلا دینے تن پر سے سر اس کا بھی اتارا

بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

ٹھہرا رہا پانی پہ بڑے کا تن اطر

جالپٹا بصد شوق برادر سے برادر

خوشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونوں

یہ مرثیہ تو لیں گے جواہر میں سخن سخن

مومن جو ہیں اُن کے لیے یانچ و دانچ

لیویں گے صلا اس کا حسین ابن علی سے

خاتم المسک

از مولانا سید علی حیدر صاحب طباطبائی نظم لکھنوی الخاطب بہ نواب حیدر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن
مولف کتاب ہذا

میر انیس کا کلام اب مجلس عزاکے ساتھ مخصوص نہیں رہا آخر اُس کی خوبیاں بزم ادب میں
اُسے لے آئیں اس مجلس میں یگانہ و یگانہ و آشنا و نا آشنا زبان و دان و بے زبان سب اُس کے مشتاق
ہیں۔ کان اُس آواز کو دھونڈتے ہیں جو دل دکھا دے۔ آنکھ اُسی رنگ کو پسند کرتی ہے جو کوئی ہمارا
دکھا دے۔ خدا نے ہر انسان کو زبان اور زبان کو قوت بیان عطا کی ہے لیکن ہر بیان میں سحر ہر زبان
میں عجاظ نہیں ہوتا۔ ہر زمین سے خزانہ نہیں نکلتا۔ ہر بدلی سے ہُن نہیں برستا۔ رونا ہنسنا کس کو نہیں
آتا مگر کسی کے رونے میں موتی کھرتے ہیں ہنسنے میں پھول بھڑتے ہیں۔ بہت لوگوں نے چورنگ لگانے
کی کہا وہ کھینچنے کی بد توں مشق کی ہوگی مگر ایک شخص ہے کہ اُس کا وار خالی ہی نہیں جاتا نشانہ کبھی خطا نہیں
کرتا۔ جو زبان سے نکلتا ہے دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ کلام کے مانوس بیان کے دل کش ہونے کی کوئی
حد نہیں۔ ایک تذکرہ میں مولوی ذکار اللہ مرحوم کا یہ قول مجھے نہیں بھولتا۔ انیس کو کہتے ہیں ”معلوم
ہوتا تھا ایک شخص منبر پر بیٹھا ہوا سحر کر رہا ہے“ ایک مہندس محصلی خوان دن کو تارے دیکھ کر کہو نگر حیران نہ بھجائے
بخدا میر انیس کے اس مصرع میں مجھے سحر معلوم ہوتا ہے۔

”اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم“

یا مثلاً مصرع میر صاحب کا

جان آگئی بھائی کو جو بھائی نظر آیا

دیکھنے میں ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے مگر اُس مقام کو دیکھیے جس مقام پر یہ بات اُن کی زبان
سے نکلی ہے اور کتنے معنی اس مصرع میں بھرے ہوئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم فوج میں بھائیوں کا ساتھ

زاد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی

ایک اور صورت دیکھیے۔ ابن مظاہر امام کی رکاب تھامے میدان کی طرف رواں ہیں۔ اس مقام پر میرزا کہتے ہیں۔

ہمراہ دو قدم چلے جھوم جھوم کے
عشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

اہل بیت میں ایک بی بی و دختر زہرا ہیں ایک خاتون کسریٰ کی پوتی ہیں۔ دونوں کے ماتم کرنے اور مین کرنے کی شان علی حدہ علی حدہ ہو۔ فرزند کی لاش پر کہتی ہیں۔

کس نے تجھے مڑ لیا نو جاں مے

انصار امام کے صبر و شکیبائی کی حالت دیکھیے

پیاس ایسی تھی کہ آگئی جاں ہونٹوں پر

صبر ایسا تھا کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

میر انیس کی اس مصوری کو لکھنؤ کے عوام الناس ان الفاظ میں ادا کرتے تھے کہ ”حفظ مراتب جیسا ان کے کلام میں ہوتا وہ انھیں کے ساتھ مخصوص ہو“

میر صاحب کے کلام کو مرزا دیر کے کلام پر اس باب میں خاص امتیاز حاصل ہو کہ ایسی جگہ

ہر مقام پر مرزا صاحب کے کلام میں نہیں پائی جاتی میر انیس کے ان مصرعوں کو دیکھیے

۶ مارا جسے تڑپ کے وہ توسن پہرہ گیا

۶ میاں میں چاندنی ہو کلائی کے نورے

۶ جنگل کو جو دیکھا تو ہوا ہو گیا گھوڑا

اور مرزا صاحب کی اس بیت کو دیکھیے حضرت امام البٹین نے اپنے پوتے کو آتے ہوئے دیکھا ہو کہتی

ہیں۔

قربان ہو گئی یہ مرا پوتا آتا ہو

بابا کو اس کے قتل کیا روتا آتا ہو

ایسی ڈھیلی بندش میر انیس کے یہاں ہو ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ انیس اپنے کلام پر بار بار نظر کرتے تھے اور دیر دوبارہ دیکھتے ہی نہ تھے۔ رو میں قلم سے چست یا سست جو نکلا بعینہ باقی رہا میر انیس کی ایک خصوصیت | ایک اور خصوصیت ان کے کلام کی مشہور ہو اور بہت صحیح ہو کہ سلسلہ نہیں ٹٹھکتا

واقع میں جو مرثیہ پہلے سے آخر تک ایک مسلسل افسانہ غم پر میر صاحب مرثیوں میں سراپا اکثر کہا کرتے تھے اور زمانہ قدیم سے شعرا میں اس کا التزام چلا آتا تھا سراپا کہنا شاعر کا فرض تھا سراپا سخن ایک کتاب لکھنے میں تالیف ہوئی جس میں ایک ایک عضو کو ردیف قرار دے کر شعر لے کر جو غزلیں لکھی ہو سب جمع کر دی ہیں۔ مرثیہ کی تمہیدیں ایسی بے لطف و بے ربط جو اور لوگوں کے کلام میں پائی جاتی ہیں میر صاحب کے مرثیے اس بے عنوانی سے بالکل پاک ہیں۔ ان کی تمہیدیں نہایت پرورد و معنی خیز ہوتی ہیں۔ یہ بات کسی کے کلام میں نہیں دیکھتا۔ میر صاحب پھر خود ہی کچھ متنبہ ہوئے۔ اور دست و بازو و خیم و ابرو و شان و شوکت و دب و جماعت کے ذکر پر اختصار کرنے لگے۔ اور اپنے ملاذہ کو بھی روک دیا۔ سمجھ گئے کہ مرثیہ میں سراپا کہنا بے محل ہے۔ اس فن میں یہ اصلاح میر نہیں نے ہی کی ہے۔ ساقی نامہ کبھی مرثیہ میں میر صاحب نے نہیں کہا۔ اُن کے بعد یہ ایجاد ہوا اور بہت ہی بے گناہ ثابت ہوا۔

بعض مصرعے میر صاحب کے ایک زمانہ سے مجھے یاد ہیں۔ یاد کیا کہ دل پر نقش ہیں وہ ان مطبوعہ مرثیوں میں نہیں ملتے۔

ع اُترا ہوا چلہ ہو یہ ابرو کی کہاں کا

ع پڑتا ہو دو گلزار کبھی جیسے اسار میں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا کلام تلف بھی ہو گیا ہے۔

میر صاحب کا بیان علم | میر صاحب اور مرزا صاحب کے مبلغ علم کے متعلق مشہور ہے کہ مرزا صاحب کو استعداد زیادہ تھی۔ مگر جس بنا پر یہ بات مشہور ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ مرزا صاحب بڑے زبردست شاعر تھے ہر رنگ میں اُن کا کلام موجود ہے۔ مگر خاص طرز ان کا خاقانی کا سا اغلاق و اغراق اور خسرو کے سے صنائع و بدائع ہے۔ بعض مرثیوں میں کچھ بعید الفہم استعارے اور ترکیبیں بھی ہیں مثلاً یہ مرثیہ انجیل مسیح لب شہیر ہو عباس عوام ناس کا دستور ہے اپنے قصور و فہم کو شاعر کے کمال پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ فردوسی سے نظامی زیادہ ذی علم معلوم ہوتا ہو دلیل اس کی یہ کہ سکندر نامہ مشکل ہے شاہان آسان ہے۔ میر صاحب کے کلام سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ علوم متعارفہ سے ناواقف بھی نہ تھے۔ تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں ع

ہر جزو تن کو لای تجھ ہی بنا دیا

قاسم بن حسن نے ازرن کو قتل کیا ہے اس مقام پر کہتے ہیں ع

لو کو فیو گرا دیا حرف ثقیل کو

”جو ہر فرد ہی بالفرض تو کیا ہے قسمت“

ذوق کا یہ مصرع۔

یا ایک صاحب کا یہ شعر ہے

میں جزو لای تجزی کو بھی کروں تقسیم
اگر کرے مری قسمت نہ ظفرہ نظام

مصنف کے ہاتھ ہونے کی خبر دیتا ہے جزو میں اور لای تجزی میں میر صاحب کے فصل کر دیا یہ شخص کام نہ تھا۔ یا حرفِ فصل کے گرانے کا ذکر کوفیوں سے کس قدر پر لطف ایہام تناسب ہر اس طرح کوں کر سکتا ہے۔

میر صاحب کے کلام میں

بعض صنایع معنویہ اور لفظیہ

انگریزی کے ادبیات سے جو لوگ متاثر ہوئے انھوں نے آنکھ بند کر کے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ”صنائع و بدائع رخسار فصاحت کے لیے ایک بدنام دھبہ ہے“ اور اصل امر یہ ہے کہ صنائع معنویہ جان میں تحلیل کی اور لفظیہ زیور ہیں کلام کا۔ جو لوگ خوش بیان ہوتے ہیں ان کی تو گفتگو بھی صنائع و بدائع سے خالی نہیں ہوتی ہاں تصنع کو صفت سمجھ لینا غلطی ہے تصنع اور شہرہ صفت اور شہرہ مثلاً ایہام صورت ایک صفت ہے۔ سننے والے کو معلوم ہو کہ نندی کی آواز آرہی ہے یا مینہ برس رہا ہے یا مثلاً نقارہ بج رہا ہے یا دودھ پیا بچہ کچھ کہ رہا ہے۔ فردوسی کہتا ہے۔

چو کو دک لب از شیر مادر پشت ۛ بگھوارہ محمود گوید نخست

نقارہ آواز آمد بر دوس ۛ کہ دون ست دون ست گردون دون

خسرو نے اس کا جواب کہا۔

صد اطل دلدادہ بر آئین او ۛ کہ دیں دین او دین او دین او

خسرو اور فردوسی کے دونوں شعروں میں فرق پس اتنا ہے کہ فردوسی نے نقارہ کی دوہری ضرب آخر میں رکھی اور خسرو نے اول میں رکھی ہے اس کے علاوہ دونوں اور دیں میں بڑا فرق ہے۔ میر حسن نے اردو میں یہی معنی پیدا کیے ہیں

کہ دونوں خوشی کی خبر کیوں نہ دونوں

مرزا دبیر کا ایک مصرع اس طرح سننے میں آیا ہے

دونوں عمر کمینہ کمینہ یزدیشوم

میر انیس نے بھی وہی بات وہ ہرالی ہے گرا آواز کا پاست بی دکھا دیا ہے

گردونِ دوں کے پار ہوئی طبل کی صدا
شاہزادہ مرزا جہاں قدر مرحوم کہتے ہیں سہ

سُن لو یہ کہ رہے ہیں جلالِ نغمی
لشکرِ جہنمی ہو یہ لشکرِ جہنمی

ملا کر کے پروں کی آواز کو میں نے اس طرح بانڈھا ہو سہ

آتی تھی پروں سے شخصِ الحق کی صدا

مطلوبہ کوئی صنعت نہیں ہو نہ اس سے کوئی معنی خوبی پیدا ہو نہ لفظی معنی اس کتاب تصنیع ہو مگر اس میں
بھی انیس نے چند بند کر کے دکھا دیا کہ ہم اس میں بھی عاجز نہیں ہیں۔ ایک مبصر یہ کہہ سکتا ہو کہ آپ عاجز
نہ بھی محنت تو رائیگاں ہوئی۔ نقطوں کے نہ ہونے سے کیا خوبی پیدا ہوئی اور شاعر کے نازک دماغ نے
کیونکر یہ رحمت گوارا کی۔ اسی طرح صنعت جناس و ایہام تناسب بھی میر صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہو
بے

پہننت اسطو کے وقت سے بلکہ بہت پیشتر سے یونانی و لاطینی زبان میں بلکہ یورپ کے بیشتر دانشور قلم
میں رائج تھی اب اس زمانہ کے علمی انکشافات نے اس صنعت کو مذہبِ مجلسوں میں سے نکال دیا۔ نوبت
پہنچی تھی کہ واعظ سمرنبر اور جس حکم قتل میں ان صنعتوں کو استعمال کرنے لگے تھے اور یہ ایک ظلم تھا۔ وضع
شعری غیر محکم ہونے میں اس کے شک نہیں۔ دوسرے یہ کہ ابتذال کا خیال بھی لوگوں نے ترک کر دیا
تھا۔ اگر بے محل اور مبتذل نہ ہو تو صنعت بھی صنعت ہو مطلقاً اس کے ترک کا حکم نہیں ہو سکتا شاہ
ایران کی مدح میں نشاط کا یہ مصرع

نقشِ سمِ سبکدلت سجدہ کہہ سبکتلیں

اس امر کا شاہد ہو کہ اگر بے محل و مبتذل نہ ہو تو صنعت جناس کلام کا زیور ہو جاتی ہو ایک اور دو کی مثال
یہ شعر ہو سہ

چھکا کر پلا دے مجھے آج می

جھٹکا کر پلایا تو کیا لطف ہو

ساتی نامہ میں ہو اور ابتذال سے بھی پاک ہو نہ بے محل ہو نہ مبتذل اسے کیوں ترک کریں۔ اعجازِ خسروی
وغیرہ میں اس قسم کا التزام کہ کہیں ہمارا ضلع اختیار کیا۔ کہیں خزاں کا کہیں عروض کا کہیں منطق کا۔ میر صاحب
نے بھی بعض مرثیوں میں اس التزام کی طرف قلم اٹھایا ہو اور یہ باتیں انھیں مرثیوں میں پائی جاتی ہیں جو غالباً
مرحوم کے زمانہ شباب کا کلام ہو۔ اس سلسلہ ترتیب کی تیسری جلد میں دیکھنا کہ اکثر فریغے ہی زمانہ کے کہے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں۔ شباب ہی کے زمانہ میں شاعر ہر رنگ میں ڈوب جاتا ہے۔ ہر میدان کی طرف دوڑنے لگتا ہے۔ گواہ کافر کی سلیقہ اور طبیعت رنگ جو ودیعت صانع ہو اپنی جھلک ان صورتوں میں بھی دکھاتا ہے۔ اب سے سو برس پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اردو کے قافیوں میں بھی ایسا ہو سکتا ہے اور حرف روی وصل کسے کہتے ہیں۔ قدما کے کلام میں یکس و بے اس قافیہ چپ وراس و عباس دیکھنے میں آیا۔ اسے ان لوگوں کا اجتہاد سمجھیے کہ رست کی ت جب تقطیع میں نہیں لی جاتی تو قافیہ میں اس کا لحاظ کرنا کیا ضرور ہے بے کس و بے اس کی ترکیب میں مجھے حیرانی تھی گرا بات سمجھ میں آگئی کہ اس ہیاں امید کے معنی پر ہندی لفظ نہیں ہے بلکہ اس عربی کا لفظ چارہ گر کے معنی پر ہے میر صاحب مقطع میں کہتے ہیں

لکھنؤ کے طبقہ کو تو سدا رکھ آباد

ہیاں فعلاتن کی جگہ مفعولن باندھا ہے جس طرح ناخن کہتے ہیں

ناخن قول ہے بجا حضرت میر درد کا

مفعولن کی جگہ مفعولن باندھا ہے۔ اسی طرح میر صاحب نے بتوں کو بھی نظم کیا ہے مگر جہاں جہاں ہے وہاں اصول عروض سے عمل تسکین درست ہے۔ اور کوئی گنہائش گفتگو کی نہیں ہے

میر صاحب کے مرثیوں میں تصرف | اس کے علاوہ میر صاحب، و مرزا صاحب کے بستوں سے جو مرتبے

نکلتے گئے تو مرثیہ خوانوں کا ایک بڑا فرقہ پیدا ہو گیا کہ ان بزرگوں کا کلام جابجا مجلسوں میں شہروں شہروں پڑھتے پھرتے تھے۔ بہت لوگوں کا ذریعہ معاش یہی ہو گیا تھا۔ کل انھیں یہ پیش آتی تھی کہ کسی امیر کی مجلس میں بہت سے ذاکر پڑھنے والے ہیں ان کو بھی پندرہ بیس بند تک پڑھنے کی اجازت ہے۔ اب یہ مرثیہ میں تصرف کرنے پر آمادہ ہیں۔ چاہتے ہیں بیس ہی بند میں مطلع بھی خوبصورت بھی ہو رزم بھی شہادت بھی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کچھ موزوں کرنے کا سلیقہ رکھتے ہیں تو خود ہی بند انتخاب کر لیں۔ ربط کے لیے مصرعے بدل بدل دیے۔ ادھر کی بیت ادھر لگا دی۔ ایک مرثیہ کے بند دوسرے مرثیہ میں لگا دیئے بھر بدل ہی تو انھیں خبر نہ ہوتی۔ خود ایسا نہ کر سکے تو کسی دوست سے مشورہ کر کے مرثیہ میں اس طرح کے تصرف کیے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ یہ کام بعض احباب کی خاطر سے میں نے خود کیا ہے اور ایک دفعہ نہیں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے۔ مدتوں بڑے مرثیوں میں سے چھوٹے چھوٹے مرثیے اس ترکیب سے نکلتے تھے اور مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے۔ سوز خواں انھیں مرثیوں کی نقلیں لے کے کراؤں پر سوز رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کا کلام شاہ نامہ کی طرح غیر کے تصرف سے پاک نہیں رہا۔

میر صاحب کی زبان | میر صاحب کے خاندان کی زبان وہ زبان ہے جو ولی سے فیض آباد میں آئی۔ فیض آباد

سے لکھتے ہیں آئی میر صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں سہ

سچ ہو کہ یہ زبان کوئی جانتا نہیں

جو جانتا ہو اور کو وہ مانتا نہیں

ساتھ ہی اس کے فکر اور سانس کو مونٹ ہی وہ نظم کیا کرتے ہیں۔ دھکیلنے کو ڈھکیلنا ہی کہتے تھے ہتھیار بجانے کو ہتھیار بجانا ہی نظم کرتے ہیں۔ پے کو پے بولتے تھے۔ اونٹنیوں کو اونٹیں نظم کرتے تھے۔ فرماتے ہیں سہ

باریک میں سمجھ گئے مطلب انیس کا

اونٹیں کا وہ چاند ہو یہ چاند تیس کا

کچھ قدیم اردو کے الفاظ میر صاحب کی زبان پر رہ گئے تھے جو اب متروک ہو گئے ہیں مثلاً جگہ کو جاگہ، ناب دلی میں بولتے ہیں نہ لکھتے ہیں اور سچ پوچھے تو صحیح لفظ ہی تھا۔

میر انیس کے کلام کی ترتیب و تصحیح

کتنی ہی مرتبہ میرے پاس اطراف ہندوستان سے اردو زبان کے خواہاںوں نے اپنی یہ درخواست بھیجی کہ میر انیس کے کلام کی تصحیح و ترتیب اپنی زندگی میں تو کر دے۔ پھر کوئی شخص اس کام کے شایاں نہ ملے گا۔ بعض لوگوں نے یہاں تک

لکھا کہ اس کے تمام مصارف بھی ہم دینے کو موجود ہیں منگالے لیجئے۔ اور میر ابھی جی چاہا کہ میں ان باتوں کی ایک لڑی گوندھ کر اس کی آب و تاب سے نرم ادب کو روشن کر دوں لیکن برا ہو اس تعطل و تنہائی کا کچھ بھی نہ ہوا۔ خدا جزائے خیر دے نواب سوہ جنگ بہادر ناظم تعلیمات سرکار عالی کو کہ انھوں نے یہ کام مجھ سے لے لیا۔ اسی طرح نواب عا و الملک بہادر نے جس زمانہ میں وہ ناظم تعلیمات تھے مجھ سے دیوان غالب کی منترج لکھوالی ورنہ سارا یہ کلام آج تک اُبھرا ہوا رہ گیا ہوتا۔ میں خود سے کبھی نہ لکھتا شاید اردو کی اس خدمت سے محروم ہی رہتا۔

ترتیب کلام مجھے اسی طرح اچھی معلوم ہوئی کہ پہلی اور دوسری جلد میں میر صاحب کے وہ مرثیے شائع ہوں جو ان کی استاد کی دلیل ان کے کمال کی سند ہیں تیسری جلد میں زمانہ شباب کا کلام ہو ان کے عنفوانِ مشق و زور قلم کی بینات اپنے اندازہ و تخمین پر پھر ہوسا کر کے میں نے دکھائی ہے بعض تین جلدوں میں چند مرثیے ایسے ایسے واقعات کے غل آئے جن کا ذکر حضرات اہل سنت و جماعت کی مجلسوں میں نہیں چاہیے مثلاً حضرت رسالت و سیدہ کے حالات، وفات و واقعہ شہادت امیر المومنین و امام حسن کے علاوہ کئی بعض مرثیوں کے رجز میں اس قسم کے مضامین دیکھ کر میں نے چوتھی جلد میں یہ سب مرثیے رکھ دیئے۔ پانچویں جلد میں ابتدائی مرثیے ہیں اور مونیہ کہ اکثر شروع کرتے ہیں اور کسی

روایت کو نظم کر کے ختم کر دیتے ہیں۔ مگر میر صاحب کی زبان و طرز بیان کی شان اس میں بھی موجود ہے۔
تصحیح میں زیادہ تر بھروسہ اپنے قلمی مرثیوں پر کیا گیا لیکن مجب اس بات پر ہوتا ہو کہ منشی
نول کشور کے سوا میر صاحب کے کلام کو جمع کرنے کا کسی کو خیال ہی نہیں آیا۔ منشی صاحب موصوف نے
جہاں تک ممکن ہوا انھاس سے قلمی مرثیے خریدے اور کچھ مرثیے جو ڈاکروں کے پاس تھے صرف زبردستی
مول لے لیے اور چھپوا دیئے خود میر صاحب کے بستے میں سات آٹھ مرثیے تھے صاحب سلیس کے پاس
رہ گئے تھے آخر وہ بھی چھپ گئے غرض تمام مرثیوں کا قلمی ذخیرہ کسی جگہ سے نکلتا ہوا۔ کچھ مرثیے میر
پاس تھے کچھ اور احباب سے لیکر کام نکالا جن مطبوعہ مرثیوں کا قلمی نسخہ ملا ہی نہیں ان کی تصحیح میں اپنی
زباں دانی و سخن سنجی سے استعانت کی۔

مثلاً امام حسینؑ نے یحییٰ میں روزہ رکھا ہے جناب رسالت کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں کہ جو پہلے
پہلے پہل روزہ رکھتا ہو۔ (مطبوعہ)

کچھ کچھ اُسے اس باپ بھی بھائی بھی دیتے

حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی میں دیتے

دوسرے مصرع کی تصحیح اس طرح کر دی

حضرت بھی ہیں کچھ روزہ کشائی میں دیتے

یامثلہ کسی غازی نے حریت کو نیزہ مارا اُس نے ہاتھ پر رو کا نیزہ متیلی میں سے گزرتا ہوا شانہ تک
پہنچ گیا۔ اس مقام پر مصرع (مطبوعہ) یہ ہے۔

نیزہ تو ہاتھ میں گیا ہاتھ آستین ہوا

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی۔

نیزہ تو ہاتھ بن گیا ہاتھ آستین ہوا

یامثلہ ایک مرثیہ کا مصرع (مطبوعہ) اس طرح ہے

ہونے نیاز دہن قصاص سے سے شمع طور

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی

ہونے نیاز دہن و عصا سے سے شمع طور

یامثلہ بیر الالم کے ذکر میں میر صاحب فرماتے ہیں (مطبوعہ)

بیر الالم کی آگ کا روشن ہر شب حال ہوا شخص حل کے گئے تھے صورت غزال

اس کی تصحیح اس طرح کی گئی ہے

شخص حل کے رہ گئے تھے صورت زوال

پسب مثالیں کاتب کی غلطیوں کی ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے بھی عہدِ تحریر نہیں کی ہے بلکہ رو میں کچھ کا کچھ لکھ گیا ہے۔

اس کے علاوہ اہل ادب کی مجلسوں میں میری عمر گزری ہو میں نے جس طرح کسی مصرع یا بیت کو سنا ہے اس کے خلاف اگر چھاپ میں پایا تو تصحیح کر دی۔

مثلاً میر صاحب کے سلام کی ایک بیت مجھے اس طرح یاد ہے۔

عالم پیری میں آئے کون پاس

ای عصا گرجی ہوئی دیوار ہوں

دوسرا مصرع مطبوعہ جلدوں میں اس طرح ہے

ای عصا گرتی ہوئی دیوار ہوں

میر ضامن صاحب نگین کے پاس میر صاحب کے بہت سے سندی مرثیے ہیں ان کی عنایت سے میرے دیکھنے میں آئے مطبوعہ مرثیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں بھی انھوں نے میرے ساتھ زحمت اٹھائی۔ بعض مرثیے جو ان کے پاس نہ تھے ان کے مقابلہ کے لیے ولایت حسین خاں صاحب برہیں اور شیخ صاحب علی صاحب کے بستہ کے مرثیے نکالوا آئے نگین کے والد مرحوم میر صاحب کے خاص شاگردوں میں تھے انھیں کے ساتھ حیدر آباد میں لکھنؤ سے آئے اور یہاں ان کا منصب ہو گیا۔ خان صاحب و شیخ صاحب نفس کے خاص تلامذہ ہیں ان کو بھی لکھنؤ چھوڑے ہوئے عمر گز گئی۔ میر ہادی علی صاحب کنتوری شاعر و ذاکر اور میر صاحب کا کلام پڑھنے والوں میں ہیں ان سے بھی قلمی مرثیے میں نے لیے اور ان سے کام نچلا۔ نواب ضیغم جنگ بہادر میر انس کے خاص شاگرد و مرثیہ گو ہیں جناب سید محمد حسن صاحب لکڑی صدر محاسب سے کار عالی برے صاحب ذوق زبان اردو کے ادیب ہیں۔ ان دونوں صاحبوں سے بھی چند مرثیے ملے اور مقابلہ میں کام آئے۔

خداوند عالم اس عہد عثمانی کو شوکت صاحب قرآنی عطا فرمائے جس کے بذل و عطا کے صد ہاند ہی ادبی و سیاسی و جنس لاتی کارنامے تاریخ ہند میں ہمیشہ یادگار رہیں گے اسی کی فیض گستری و علم پروری کا ایک ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ ادبیات زبان اردو میں جان ڈال دی۔







**ALLAMA
IQBAL LIBRARY**

UNIVERSITY OF KASHMIR

HELP TO KEEP THIS BOOK

FRESH AND CLEAN.